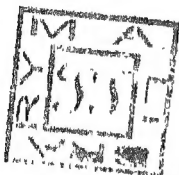


مضامین



مثنی

دیباچه

۱	بمقتور نواب فردوس مکران
۳۴	بمقتور نواب خلد آشتیان
	بخدمت نواب سید زین العابدین
۵۵	خان بهادر
	بخدمت منشی صاحب سزاو استبد
۸۸	عباس علی خان بهادر بیتا سید
	بمطالعہ منشی سلیمت صاحب
۱۰۶	میر منشی
۱۱۳	بنام خلیفہ احمد علی صاحب
	بنام مولوی محمد حسین خان حسن
۱۱۷	صاحب
۱۱۹	حواسی کتاب

ج ۰۰۰۰۸	تقریب
ک ۰۰۰	تمیید
۱	سرگد شیش طلب
۲۸	تصانیف
۳۹	تلاذہ را پور
۵۰	لواذات امارت
۵۲	انگریزی تعلقات
۶۶	تعلقات قلمہ معنی
۶۸	تعلقات را پور
۱۳۹	اصلاح غالب
۱۵۶	افتای
۲۰۹	متعلقات و نال
۲۱۸	الهای غالب
۲۳۵	طی غنیمت شطوط

تقریب

سنہ ۱۸۵۷ء کی رتنیرجیا سے ہندوستان کی جو ریاستیں محفوظ رہیں ان میں روہیلکھنڈ کی واحد اسلامی ریاست مصطفیٰ آباد عرف راپور، مشرقی علم و ادب کی سرپرستی کے اعتبار سے ممتاز ترین درجے کی بالک ہے۔

یہ ریاست بارہویں صدی ہجری میں جاننا زروہیلوں کی مروانہ کاریوں کی بڑلت قائم ہوئی اور چند سال کے اندر اپنے خوش بحال و فراز واد، نواب سید علی محمد خاں بہادر کا قبائل کی تائید سے روہیلکھنڈ کے طول و عرض پر پھیل گئی۔ لیکن ابھی اس کی بنیاد کما حقہ استوار نہ ہونے پائی تھی کہ ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۹ء) میں نواب سید علی محمد خاں بہادر کا انتقال ہو گیا۔ حادثہ حجت خاں بہادر نے دیگر دو ہیلہ سرداروں کے مشورے سے ان کے فرزند سوم نواب سید محمد شاہ خاں بہادر کو، جو ابھی صنیر السن تھے، تخت نشین کر دیا۔ سلطنت اودھ، روہیلوں کے روز افزوں اقتدار و تسلط کو خطرے کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اس نے اس نازک وقت سے فائدہ اٹھایا، اور اپنی مسلسل جارحانہ مخالفت سے روہیلکھنڈ کی طویل و عریض سلطنت کو ریاست راپور کی مختصر چار دیواری میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔

اس پر آشوب عہد میں، حکومت انگلشیہ کے زیر حمایت، نواب سید فیض اللہ خاں بہادر عرشِ منزل مشد آبائی پر نہیں ہو سے۔ آپ میں وہ تمام صفات سنہ، جو ایک معدلت گستر حکمران کا طرہ امتیاز شمار کی جاتی ہیں، بوجہ اتم موجود تھیں۔ اس لیے آپ نے اپنی دانش شامانہ سے کام لے کر روہیلوں کی منتشر قوت کو یکجا کیا، تعلیم و تربیت رعایا کے لیے مدرسہ عالیہ قائم کیے

ماجسن فرنگی علی اور بعد ازاں بھرا العلوم مولانا عبدالحی کھنوی کو اس کا پرنسپل مقرر فرمایا اور محکمہ قصا (جوڈیشل ڈپارٹمنٹ) کے لیے قنادی لعیق اللہ خانی مرتب کرایا، لیکن ابھی عروج ستارۂ اقبال کی امید مردہ پوری طرح زندہ ہونے پائی تھی کہ ذہیجہ سنہ ۱۳۰۸ھ (۱۹۲۴ء) میں نواب عرش منزل نے قضا کی۔

روہیلوں نے آپ کے فرزند اکبر نواب سید محمد علی خاں بہادر کو اپنا حکمران تسلیم کیا مگر یہ نیا دور ایک افسوسناک حادثے کے باعث بہت جلد ختم ہو گیا، اور محرم سنہ ۱۳۰۹ھ (۱۹۲۴ء) میں بجائے آپ کے، نواب عرش منزل کے فرزند دوم، نواب سید غلام محمد خاں بہادر مندر نشین ہوئے۔ حکومت اودھ نے جو روہیلوں کی مجتہد قوت کو پھر خاتمانہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی، اس معاملے میں بیجا بدخلت کی، اور نواب سید محمد علی خاں بہادر کا خون بہا طلب کرنے کے بہانے سے رامپور پر فوج کشی کر دی۔ سوہ اتفاق سے روہیلوں کو شکست ہو گئی۔ نواب سید احمد علی خاں بہادر، نواب سید محمد علی خاں بہادر، جو ابھی پندرہ سال تھے، نواب سید نصر اللہ خاں بہادر کی سرپرستی میں دانی بنائے گئے، اور نواب سید غلام محمد خاں بہادر اور ان کی اولاد رامپور سے باہر رہتے پر مجبور ہوئی۔ لیکن "خدا شری بر انگیز" کہ خیر ما در اں باشد، ان حضرات کی ظاہری و محرومی شہرت و تاج، ان کی آئندہ عظمت و شہرت کا سبب بن گئی۔

سنہ ۱۳۵۴ھ (۱۸۴۰ء) میں نواب سید احمد علی خاں بہادر فوت ہوئے اور ان کی کلوتی صاحبزادی، شمسہ تاجدار بیگم صاحبہ کی حکومت تسلیم کرنے سے روہیل سرداروں نے انکار کر دیا۔ حکومت انگلشیہ کے تدبیر نے نواب سید غلام محمد خاں بہادر کے خاٹہ ارشد، سید محمد سعید خاں بہادر جنت آرام گاہ کو اس وراثت آبائی کا حق دار مسترد کر دیا۔ نواب جنت آرام گاہ نے بن شعور کو پہنچ کر حکومت انگلشیہ کو شریف خدمت انتہاء اور اپنی کاروائی اور قابلیت انتظامی کی بدولت ڈپٹی کمشنر کی عہدہ کی فرما چکے تھے۔ آپ نے رامپور حکومت ہاتھ میں لے کر سب سے پیچیدہ صورت کی تنظیم در توجہ مبذول فرمائی، اور فوج، پولیس اور محکمہ مال کے لیے ترقیاتی کاموں کا آغاز کیا۔

فرما کر روہیلوں کے غیر منظم بزرگے کو آئینی ریاست کے قالب میں ڈال دیا۔
 انتظامی امور سے فارغ ہو کر نواب جنت آرام گاہ نے سرپرستی علم و ادب کی طرف
 قدم اٹھایا۔ مولانا فضل حق خیر آبادی، ملک الشعر امجدی علی خاں ذکی مراد آبادی، حکیم احمد خاں
 فاخر رامپوری اور دیگر علماء و ادبا مختلف کتابوں کے ترجمہ و تالیف پر مامور ہوئے۔ لیکن یہ
 پروا پر وال چڑھنے نہ پایا تھا کہ سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ء) میں نواب جنت آرام گاہ نے فاضل
 آپ کے بعد نواب سید محمد یوسف علی خاں بہادر فردوس مکاں نے تاج ریاست
 زینبہ سر فرمایا۔ آپ نواب جنت آرام گاہ کی تخت نشینی سے قبل دہلی میں قیام پذیر ہوئے
 تھے اور مولانا فضل حق خیر آبادی مفتی صدر الدین خاں آزدہ اور میرزا اسد اللہ خاں
 غالب سے علوم عربی و فارسی کی تحصیل فرما چکے تھے۔ آپ کی تخت نشینی کے دو سال بعد
 ہندوستان نے حکومت انگلشیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ نواب فردوس مکاں نے
 اس موقع پر حکومت کی حمایت و ہمدردی میں اپنی باہدات انجام دیں اور غدر و فوج مانے
 پر آفت رسیدہ ہلما، شعرا، ادبا اور دیگر اہل ہنر کے لیے اپنے سایہ عاطفت و پرورش کو کھینچ لیا۔
 نواب فردوس مکاں کے دارین جو دو سنا میں پناہ لینے والے حضرات کی طویل فہرست
 میں مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی، میرزا اسد اللہ خاں غالب، دہلوی، منشی مظفر علی خاں امیر لکھنؤ،
 منشی امیر احمد امیر مینائی صاحب عالم سیراجیم الدین، بہادر جیادہلوی، شیخ علی بخش بیہار، امیر
 عوض علی عدیل شیخ آبادی خوش نوبس متعلق، اور منشی اشاپر شاہ لکھنؤی داستان گو،
 وہ ممتاز سستیاں ہیں، جن سے ارباب علم و ادب بخوبی واقف ہیں۔

لیکن ان تمام صاحبان فضل و کمال میں، نجم الدولہ و سیر الملک میرزا اسد اللہ خاں بہادر
 غالب دہوی کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ انہیں سنہ ۱۲۷۷ھ میں مولانا فضل حق خیر آبادی کی
 وساطت سے، نواب فردوس مکاں نے انھیں فن سخن میں اپنا مشیر خاص مقرر فرمایا تھا ابتداءً
 نواب فردوس مکاں وقتی عطیات سے میرزا صاحب کی امداد فرماتے رہتے تھے۔ غدر کے بعد
 ان کی پیش بند ہو جانے پر نواب صاحب نے جولائی سنہ ۱۲۷۹ھ سے سو روپے ماہوار تنخواہ
 جاری فرمادی تھی، جو ان کے انتقال کے بعد نواب خلدائیاں کے خزانے سے ملتی رہی اور میرزا صاحب

کی وفات پر ان کے متنبے حسین علی خاں شاداں کے ویٹیف کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔
 اس رشتے کی بدولت سنہ ۱۸۵۷ء سے سنہ ۱۸۶۹ء تک دربارِ رامپور اور میرزا غالب کے
 درمیان سلسلہ مراسلت جاری رہا۔ اس مراسلت کا معتدبہ حقہ محکمہ عالیہ دارالانشاء پولیسٹا
 ریکارڈس آفس (میں محفوظ تھا۔ سنہ ۱۹۳۵ء میں احقر نے اعلیٰ حضرت بندگانِ حضور پرنس
 ہز ہائمنس عالی جاہ فرزند دہیزد دولت انگلشیہ ~~نص الدولہ~~ ناصر الملک امیر الامراء نواب
 سرسید محمد رضا علی خاں بہادر مستعد جنگ کے سہیلیں۔ آئی۔ ایل ایل ڈی؛ ڈی؛ ڈی؛ ڈی؛
 فرمانروای رامپور؛ دَام اَقْبَا لَنُہْم وَا لَنُہْم کی توجہ ہایوں اس نادر و نایاب خیرے کی اشاعت
 کی طرف مبذول کرنے کی خیرات کی۔

بندگانِ اعلیٰ حضرت کی ذاتِ گرامی، اپنے آبائی کرام کی طرح، سرپرستی، علوم و ادب
 میں عموماً اور پرورش زبانِ اردو میں خصوصاً اقران و امانی میں مستانہ بنابریں حکمِ عالی
 ناخذ ہوا کہ اس مجموعے کو باحسن و جوہ مرتب کر کے افادۂ اربابِ ذوق کے لیے شائع کر دیا
 میں نے مولوی امتیاز علی خاں عرستی، ناظم کتاب خانہ رامپور کو دین میں ملی قابلیت
 ذوقِ سلیم اور علم و ادب کی عملی خدمت کے جذبات جمع ہیں، اور جن سے مجھے آئندہ
 کئے بہت بلند اور خوش آئند توقعات ہیں اس ادبی خدمت کے انجام دینے پر راز
 کیا، اور وقتاً فوقتاً مناسب ہدایات اور مشورے دیتا رہا۔ ان کی مسلسل دو سال کی کوشش
 جانفشانی کے بعد کاج یہ مجموعہ اس قابل ہوا ہے کہ اعلیٰ حضرت شہرِ رامپور و اہل قبائلمکرم
 کے حضور میں اس گزارش کے ساتھ پیش کیا جائے کہ

لائقِ توقُّع ہر نعمانِ بردن خار و خسِ صحرا بھگتِ تانِ بردن
 اما چہ کنم کہ رسمِ مورمی باشد پایِ ملخی پیشِ سیمانِ بردن
 التجا ہے کہ یہ حقیر کوشش شریف قبولیت سے منتظر کی جائے کہ یہی اس کی قبولیت و ماتہ کا پیش خیمہ
 خدا سرکار کی عمر دراز کرے، اور جاہ و جلال و اقبال زیادہ فرمائے تاکہ اس مبارک
 عہد میں اہم سے اہم اور زیادہ سے زیادہ علمی خدمات انجام پاتیں۔ آمین :

بشیر حسین زیدی
 چیف منسٹر، رامپور

رنگ محل سلیں رامپور
 ۱۶ مارچ ۱۹۳۷ء

دین کا رشتہ
میکانیک
دین کا

دین کا رشتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

بدقائق ہایون اعلیٰ حضرت فرمائروای رامپور، دام اقبالہم و ملکہم کے حکم سے
مکاتیب غالب کا پہلا نسخہ ۱۹۳۷ء میں شائع کیا گیا تھا۔

مرتب کا ارادہ تھا کہ ملک کے مستند نقادوں کے مشورے اور اپنی نئی معلومات
کے پیش نظر دوسری اشاعت کو صوری و معنوی دونوں تہتوں سے بہتر شکل میں پیش
کرے گا لیکن ابھی اس کی نوبت نہ آئی تھی کہ دنیا کی سب سے بڑی جنگ شروع ہو گئی
در چند دن کے اندر عمدہ کا غذایا ب ہو گیا اس صورت حال کا تقاضا تھا کہ حالات کے
ملازگار ہونے تک کتاب کی طباعت ملتوی کی جائے جس اتفاق سے ہندوستان
کی متعدد یونیورسٹیوں نے اسے اپنے اردو کے نصاب میں داخل کر لیا تھا۔ طلباء کی
ضرورت مجبور کر رہی تھی کہ جلد از جلد کتاب بازار میں لائی جائے۔ آخر کار ذوق
حسن طباعت پر طلباء کی ضرورت کا احساس غالب آیا، اور ۱۹۴۳ء میں دوسری
بار اور ۱۹۴۵ء میں تیسری بار مکاتیب کا دوسری ایڈیشن چھاپا گیا۔

گزشتہ سات برس کی مدت میں مرتب مکاتیب نے اس امر کی برابر کوشش کی
تھی کہ کتاب کے داخلی محاسن کی آراستگی و پیراستگی کا عمل جاری رکھے۔ الحمد للہ
کہ اس سعی میں کامیابی نصیب ہوئی اور مکاتیب کا ظاہری حسن جتنا گھٹا گیا،
باطنی اوصاف اس سے کہیں زیادہ بڑھتے چلے گئے۔ اب کہ یہ چوتھا نسخہ شائع کیا
جا رہا ہے، مرتب کو اطمینان ہے کہ اس کا متن میرزا صاحب کے پسندیدہ اصول اہل
کے بالکل مطابق اور دیا چے اور خواہش کے مطابق پھیلی تمام طباعتوں سے

زیادہ صحیح اور مفید ہیں۔

چونکہ اس بار پچھلے دیباچے غیر ضروری جان کر حذف کر دیے گئے ہیں اس لیے ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ کتاب میں اردو ہی معنی اور عود ہندی کے جن تخلص کا مطبع دسٹ کے ذکر بغیر حوالہ دیا گیا ہے، وہ بالترتیب اکمل المطالع دہلی اور ملتان تہنیتی میرٹھ سے (۱۸۶۹ء) میں چھپ کر شائع ہوئے تھے۔ ان دونوں کے دوسرے ایڈیشنوں نیز اور کتابوں کا حوالہ دیتے وقت مطبع و منسلکات کا اظہار کسی ایک جگہ کر دیا گیا ہے جس سے حوالوں کی تصدیق میں کوئی خاص زحمت و وقت نہیں ہوگی۔

پچھلی طاعتوں میں معانین کا شکریہ نام بنام ادا کیا جا چکا ہے، لیکن جذبہ منت پذیری کے مزید تقاضے سے مجبور ہو کر مرتب کتاب اس بار پھر ان سب حضرات کی خدمت میں دلی شکریہ پیش کرتا ہے، جنہوں نے اپنا قیمتی وقت صرف فرما کر مفید مشورے دیے تھے۔ خدا اُنہیں بڑی خیر عطا کرے اور راپور کے اس ”دور رضوی“ کو ہمارے لئے عزیز برکت و خیر کا باعث بنائے! آمین

کتاب خانہ راپور

۱۵ جنوری ۱۹۲۶

ع

حقیر

اجتیار علی خاں، عرشی

ناظم کتاب خانہ راپور

سرگزشت غالب

آتشِ غدر سرد ہو جانے کے بعد میرزا غالب نے نواب فردوس رکاں کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا، جس کا یہاں سے جواب نہیں گیا۔ میرزا صاحب نے خیال کیا کہ شاید میری رودادِ غدر سے واقعت نہ ہونے کے باعث سرکار کو شبہ ہے کہ میں یہی باغیوں کا شریک کار رہا ہوں، اور اس بناء پر ازراہ احتیاطِ امن سے احتراز فرمایا ہے۔ اس شبہ کے ازالے کے لیے ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کو انھوں نے دوسرا عریضہ ارسال کیا، اور اس میں اپنے انگریزی ردِ اِلباء، حقیقتِ تعلقِ قلعہ اور ایامِ غدر میں اپنی گوشہ گیری کے تذکرے سے پہلے سرکار کو لکھا:

”ہر آئینہ در دل چنان گزشت کہ درین بارہ انسان سخن مرئی توان گشت کہ
سرگزشت من از دینی فدت نہان و جانی در میان غمناک“

میرزا صاحب کی اس توجیہ کے پیش نظر میں تمے بھی مناسب خیال کیا کہ کم از کم وہ حالات جنہیں خود میرزا صاحب اس عریضہ یاد گیر، تقریر و کتابتِ راجعہ کے ذریعے سے نواب فردوس رکاں، نواب خلد آشاں، یادہنگشاں دربار کے علم میں لانا ضروری سمجھتے تھے، چند ضروری احثانوں کے ساتھ آٹا، نمک، حبہ، برشمال کر دیا۔

نامِ تخلص اور خطاب

میرزا صاحب کا نام اسمائہ رکاں، عرفاً میرزا آشت، ”فارسِ دلیہ اور
”نجم الدلہ“، دیرالملک، نظام جنگ“ خطاب تھا۔

دو عالمی راہی جان آراہی ہاؤس پر بنے ملک خواہ سرکار انگریزوں۔ داڑھی کاغذ سال
یکہزار دہشت ہشتاد و شش کہ درانگاہ شہرستین عمر من از دہ نگزشتہ بود، بعض جاگیریں
حقیقی نہیں، خود نعراند بیگ خاں بہادر کہ با جمعی رسالہ چہار صد سوار و سوار
بیک بہادر در تاج ہندوستان کو شہر شہای نمایان کردہ، دہر گزشتہ سوک سوار
چین حیات جاگیر یافتہ، دہم دران صد ہر گز ناگاہ از جهان رفتہ بود، بفران بریل
لاؤنڈیک بہادر در نظر رہی گورنمنٹ مشیت ذری شاہی جاگیر عمر سببی سن نواب
احمد بخش خاں بہادر در دجیر معاش من ہجملہ زیر دستہ رانی سرکاری کہ بذمہ احمد بخش
خان بہرودام دا جب الا دہود، قرار یافت "۱

چچا کے انتقال کے بعد میرزا صاحب کے سرپرست ان کے تانا خواجہ
غلام حسین خاں کیدان رہے، جو آگرے کے ایک عالی خاندان تھے۔
حقیقی بھائی

میرزا صاحب تین بھائی بہن تھے۔ ان میں بہن، چھوٹی خاتون سے بڑی
اور بھائی میرزا یوسف بیگ خاں، چھوٹے تھے۔ بھائی کے بارے میں
فرماتے ہیں:

"بہر حال دو امر ہندو بہم ہیں: ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسرے
میرے بھائی کے پن کی حقیقت "۳

میرزا یوسف بیگ خاں نے ۱۹ صفر ۱۲۷۴ھ (۱۹ اکتوبر ۱۸۵۷ء)
کو بھارت دیوانگی دلی میں انتقال کیا۔

سبھی خاندان۔ بی بی

میرزا صاحب کی بی بی امراؤ بیگم، نواب اکبر بخش خاں معروف کی بیٹی
اور نواب احمد بخش خاں، دلی فیروز پور چھر کہ و جاگیر دار لوہارو، کی، بھتیجی تھیں۔
یہ ۸ رجب سنہ ۱۲۷۵ھ (۱۸۱۰ء) کو میرزا صاحب کے عقد میں آئیں، اور ان کے

۱۔ مکتبہ: ۸ (۲) یادگار غالب: ۱۰، غالب ۲۲ بحوالہ اردو مکتبہ (۳) مکتبہ: ۱۸

۲۔ مکتبہ: ۸ (۲) یادگار غالب: ۱۰، غالب ۲۲ بحوالہ اردو مکتبہ (۳) مکتبہ: ۱۸

بعد تک زندہ رہیں۔ نواب فردوس مکان کی نراج پرسی کے ایک خط میں
میرزا صاحب نے ان کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

”جب سے حضرت کی ناسازی نراج مبارک کا حال خارج سے سموع ہوا

ہے، عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر اور میری بی بی پر، کیا گزر رہی ہے!“

میرزا صاحب کے انتقال کے بعد، امراؤ بیگم نے اپنی مالی مصیبت کا سارا کچا چٹھا
لکھ کر کمشنر دہلی سے درخواست کی تھی کہ میرزا صاحب کی پٹن حسین علی خاں سپرنٹنڈنٹ
کے اور میرے نام منتقل کر دیجائے۔ ڈپٹی کمشنر کی ہمدردانہ رپورٹ کے باوجود
کمشنر دہلی نے جواب دیا کہ مہنتی بیٹے کے نام پٹن کسی طرح جاری نہیں ہو سکتی۔ نتیجہ
میرزا پھر می میں حاضر ہوئے تو اُس کے نام دس روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا جائیگا
اس باغیرت بی بی نے پھر می کی حاضری کو گوارا نہ کیا، اور دس روپے ماہوار کے
وظیفے سے انکار کر دیا۔

حسین علی خاں نے ۱۲ جون سنہ ۱۸۶۹ء کو نواب خلدائیال کی خدمت میں
ایک عریضہ ارسال کیا تھا۔ اس میں میرزا صاحب کے قرض کی ادائیگی کی
درخواست اور اپنے حاضر نہ ہو سکنے کے عذر کے بعد، بیگم غالب کی درخواست
پٹن کے بارے میں لکھتے ہیں:

”پٹن سرکار انگریزی کی یہ صورت ہوئی کہ ہنگام ثبوت و تحقیق مفلس و بقیہ داری
دار سندھاری ڈپٹی کمشنر صاحب نے رپورٹ ابھی کی۔ اُس پر کمشنر بیادرنے
مکمل دیا کہ سپرنٹنڈنٹ کی پٹن نہیں ہو سکتی۔ ہاں، زوجہ کے واسطے مبلغ دس روپے
تجزیہ ہوں گے۔ جناب دادی صاحبہ نے دس روپے نامہ لکھ رکھے۔ یہ امید
بھی جاتی رہی۔“ ۲

اس عریضے کے آخر میں، بیگم صاحبہ کی طرف سے لکھا گیا تھا:

”اور جانب امراؤ بیگم (سے) بعد کو نش توبہ و نعتی نہ گزرا رہا ہے۔

(۱) مکاتیب: ۲۷۱، ۲۷۲، ۱۲۹ صفحہ احباب، محمد نواب خلدائیال خاں نے دادا دارا خان سے۔
(۲) امراؤ بیگم کی یہ تحریریں ان کی دستخطی نہیں، حسین علی خاں کے قلم کی معلوم ہوتی ہیں۔

کترینہ اول بھر ہفتاد سالہ حریت و نقل مکان سے معذور، اور سوائے اس کے
صدر مہ انتقال شوہر اور جویم قرض خواہان سے اور حیثیت آئندہ سے مجبور ہیں
ہر سبب عدالت کے غائبانے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ بدیں وجوہ مانع حضوری ہے
اور سوائے درود دولت کے کوئی لمبا و مادانظر نہیں آتا۔ حضور کو دستگیری مجھ
بیکسہ عاجزہ کی واجب ہے۔ اور یہ ارادہ ہے کہ بعد التقاضی بدت مدت
خدمت میں حاضر ہوں، اور وہیں انعام بقیمہ کو گزاروں۔ اب تان شینہ کو
محتاج ہوں۔ چارہ اس کا بجز بندگان عالی کے ممکن نہیں۔ رحم فرما ہے
اور خبر گیری کیجیے کہ بدعا گوئی و دولت ابد مدت مشغول رہوں۔

بر: امراؤ سلیم بنت الہی بخش شاہ - ۱۲۲۱ھ

۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۶ھ (۲ اگست سنہ ۱۸۶۹ء) کو سلیم صاحبہ نے

پھر ذاب خلد آشیاں کو لکھا،

”جناب عالی، جس روز سے مرزا اسد اللہ شاہ غالب نے وفات پائی ہو
تو یہ عاجزہ بیوہ اس قدر مصائب میں گرفتار ہے کہ تحریر سے باہر ہے۔ اول
تو یہ مصیبت ہے کہ مرزا صاحب مرحوم آٹھ سو روپیہ کے قرضدار مرے۔ دوسری
مصیبت یہ کہ بچن انگریزی مدد ہوئی۔ تیسری یہ کہ خواہ سو روپیہ ماہوار
جو آپ اندرہ قدر دانی کے مرزا مرحوم کو ارسال فرماتے تھے، وہ بھی ایک گھنٹ
موقوف ہوئی۔ اب تک قرض نیکر اوقات بیری کی۔ اب قرض بھی نہیں ملتا
نوبت فاقہ کشی کی پہنچی۔ اس حالت حیرانی اور پریشانی میں پھر یہ بھی خیال آیا
کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا وسیلہ پرورش اور اوقات گزاری کا اس دنیا میں
آپ کی ذات پر کرم کیا ہے، اور سوائے آپ کی ذات پر کرم
کے دوسرا کوئی نظر نہ آیا۔ لاچارہ بخوردار حسین علی شاہ کو آپ کے
قدموں پر لا ڈالا۔ آپ نے بسبب شرفا پروری اور اقسائی مردت اور
نقوت کے اس قدر ادھر پر مال بخوردار کے عنایت فرمائی ہے کہ بیان سے

باہر ہے۔ اب دعاگو کی یہ تنہا ہے کہ ایسی پرورش مجھ ضعیفہ کی ہو جائے کہ
مرزا موصوف بن عباد سے بری ہو جائیں، کہ یہ سخت عذاب ہے۔ اگر حضور
صورتِ اداۃ قرض زما رہیں، تو کمالِ ثواب عظیم ہوگا۔ اور اگر دفعہ صریح
اداۃ قرض مناسب راہی بیضا حیا کے نہو، تو یہ تخرابہ شش ماہ کی بجا بانی
ماہِ صدر و پیہ بالفعل مجھ بیوہ کو عنایت ہو جائے۔ باقی ۱۰۶ اور کجا بید
مذکورہ بالا رحمت ہو جائیں، تاکہ میں بیوہ قرض مرزا صاحب کا ادا کر دوں
اور ظاہر یقین ہے کہ زندگی میری بھی اسی بیجا دہیں پوری ہو جائے گی۔
اور یہ احسان کرنا مجھ پر فی سبیل اللہ ہے، کیونکہ میں بیوہ ضعیفہ اور سبکیں ہوں۔
اتنی عنایت سے آپ کی زندگی میری بسر ہو جائے گی۔ اور شش سیری دس
روپیے انگریز کر تلے، بشرطِ انیکہ کچھری میں حاضر ہوں۔ اور جانا میرا
کچھری میں ہرگز نہ ہوگا، گو فاقوں سے مر جاؤں۔ کیا میں اپنے باپ اور
چچا اور شہر کا نام روشن کروں؟ اور جو عزت اور ریاست میرے چچا کی
اور رحمت میرے والد کی اور شوہر کی آگے خاص دعاء کے معنی معذور
پر سب روشن ہے۔ حاجت بیان کی نہیں۔

اس عریضے پر بھی سرکار نے کوئی حکم نہ دیا، تو ۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۶ھ
(۲ دسمبر ۱۸۶۹ء) کو بیگم صاحبہ نے مکرر درخواست پرورش پیش کی۔ اس کا مضمون
تقریباً سابق درخواست کے مطابق ہے، اس لیے اعادہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔
البتہ اس عرضی کے لغافے پر میر منشی صاحب کا یہ نوٹ ہے:
”پیش نمودہ شد حکم نفاذ یافت کہ درین خصوص یہ ثواب مرزا خان خمایش د
ہایت معل آمدہ۔ ۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۹ء۔“

۱۔ مثل ۲۵۴، صفحہ مذکورہ، ذکر غالب (ص ۷۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی انگریزی
فٹن کے بارے میں کوشش جاری رہی، تاہم نکر فردی ۱۸۷۰ء سے قبل اجرائی نہیں ہو سکی، مگر ابھی
اس کے لیے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ بیگم صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔ (۲) مثل ۳۳۶، صفحہ مذکورہ۔

غالباً یہ ہدایت مزید تحقیق و تصدیق کے متعلق ہوگی اس لیے کہ اس نوٹ کے ایک مہینہ اور اکیس دن کے بعد، ۳۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۹ء کو سرکار نے ادا می قرض کا حکم دیدیا اور اس حکم پر ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۹ء کو ۶ سو روپے کی ہنڈوی رام کشن داس کی دکان سے مکیم غلام نجف خاں کی معرفت میرزا صاحب کی میو می کو بھیج دی گئی۔ اس کے بعد مکیم غالب کی ایک اور درخواست شعبان سنہ ۱۸۷۱ء (نومبر ۱۸۶۹ء) میں آئی تھی۔ مثل میں صرف لغاتہ شامل ہے اس بنا پر مضمون عرشی کے متعلق صرف قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ ادا می قرض کے شکریے پر مشتمل ہوگی۔

امراؤ مکیم نے نواب غلام آشاں کو جو پیشین گوئی لکھی تھی، وہ تقریباً سچی نکلی، یعنی میرزا صاحب کی برسی کے دن ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۶ھ (۴ فروری ۱۸۷۰ء) کو ان کا انتقال ہو گیا۔

بی بی کے چچا اور بھائی

نواب احمد بخش خاں بہادر والی قیر درہ پور چھر کہ و جاگیر دار بہادر، میرزا صاحب کی بی بی کے حقیقی چچا تھے، حکومت انگریزی میں ان کی بڑی عزت اور منزلت تھی۔ آخر سنہ ۱۸۶۶ء میں اپنے بڑے بیٹے، نواب شمس الدین احمد خاں کو قیر درہ پور کی حکومت اور نواب امین الدین احمد خاں بہادر اور نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نیز کو بہادر کی جاگیر دے کر خود اپنی حویلی واقع قطب صاحب میں گوشہ گیر ہو گئے تھے۔ نواب شمس الدین احمد خاں، جو میواتن کے بطن سے تھے، اپنے مختلف المیوں سے خوشگوار تعلقات نہ رکھ سکے۔ خاندان کے دوسرے افراد بھی غالباً اپنی نسبی برتری کا مظاہرہ کرتے ہوں گے، جن میں میرزا صاحب کو نمایاں ہونا چاہیے۔ شاید یہی باعث تھا کہ ان سے بھی تعلقات اچھے نہ تھے۔ جب انھیں ولیم فریئر، ریزڈنٹ دہلی، کے قتل کے الزام میں پھانسی دی گئی، تو میرزا صاحب نے اسے کیفر کردار قرار دیا۔ چنانچہ اپنی سہرگڑشت میں

۱۔ آوارہ گرد و صرف ریاست سنہ ۱۸۶۹ء (۲) ذکر غالب: ۷۵، (۳) غالب: ۱۵، فحانہ: ذکر خشتان۔

اس طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

یفرمانِ جبریل لاؤ دلیک بہادر و منظری گورنٹ مشیت زری شایع لکیر
عم سہی من، نواب احمد بخش خاں بہادر، دو ویر معاش من قرار یافت۔ چون
جانشین احمد بخش خاں کیفر کردار یافت و جاگیر سیرکار باز یافت شد، رسیدن
آن ویر مقرری از خزاندہ مملکتی درہلی صورت پذیرفت۔^۱

نواب احمد بخش خاں نے ربیع الاول سنہ ۱۲۳۳ھ (۱۸۲۴ء) میں اس دار
فانی سے کوچ کیا، اور نواب شمس الدین احمد خاں بہادر کو ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۳۵ء
کو صبح کے وقت کشمیری دروازے کے باہر بھانسی پر لٹکا دیا گیا۔^۲

بی بی کے پوتے، باقر علی خاں

امراؤ بیگم کے سات بچے ہوئے، لیکن کسی نے پندرہ مہینے سے زیادہ عمر
نہ پائی۔ نواب زین العابدین خاں عارف، امراؤ بیگم کے حقیقی بھانجے، اور میرزا
صاحب کے شاگرد و رشید، سنہ ۱۸۵۲ء میں دو خرد سال بچے چھوڑ کر انتقال
کر گئے۔ میرزا صاحب نے ان دونوں کو متبنی کر لیا۔ خود فرماتے ہیں:

”کما بیش پنج سالست کہ دو کودک بی اور بی پر ہم از دودہ آن زن کہ
خون منی بگردن، یفر زندی برداشتہ ام۔“^۳

ان میں بڑے باقر علی خاں تھے، جو والد کے انتقال کے بعد کچھ عرصے
تک ساجی دادی بیگم کی بیگم کے پاس رہ کر ان کے بعد میرزا صاحب کے یہاں
چلے آئے تھے۔

میرزا صاحب اکتوبر سنہ ۱۸۶۱ء میں دو قلعہ میں مبتلا ہوئے۔ یہ
کمزور ہو گئے تھے، جس کا ۱۱ نومبر ۱۸۶۱ء کے عریضے میں ذکر بھی کیا ہے۔ اپنی
بیاری کے پیش نظر انھوں نے نواب فردوس مکاں سے درخواست کی کہ
میرے بیٹے کے لیے خواہ مقرر کر دی جائے۔ سرکار نے ۲۳ اپریل سنہ ۱۸۶۲ء کو
اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

”ہر چند مخلص را پرورش و مراعات صاحبزادہ آن کرم فرما بدل ملحوظ و

مرکوز؛ الا دستور این سرکار بعنوان مرقومہ سامی نبوده است“ ۱

اس سے صاحبزادے کا نام نہیں معلوم ہوتا، مگر قیاس یہ ہے کہ باقر علی خاں مراد ہیں، جن کی عمر اُس وقت چودہ سال کی تھی۔

میرزا صاحب نے باقر علی خاں کی پرورش کی، پڑھایا لکھایا، اور حبیب جوان ہو گئے تو ڈھائی ہزار روپے لگا کر نواب ضیاء الدین خاں بہادر کی صاحبزادی سے شادی کر دی۔ نواب خلد آشتیاں کو شادی کے مصارف کے متعلق لکھتا ہے: ”باقر علی خاں کی شادی نواب ضیاء الدین خاں کے ہاں ہوئی، انھوں نے

کھانے چوڑے کے دو ہزار روپے دیے، اور میری زوجہ نے پانچ سو روپے

کا زیور لگا کر پچیس سو روپے صرت کیے“ ۲

باقر علی خاں شاعر تھے، اور کمالِ تخلص کرتے تھے۔ مرزا قربان علی بیگ سالک شاگردِ غالب سے مشورۂ سخن تھا۔ ۲۹ دس برس میں یکم جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۹۳ (۲۵ مئی ۱۸۷۶ء) کو انھوں نے انتقال کیا۔ ۳

حسین علی خاں

عارف کے چھوٹے بیٹے، حسین علی خاں تھے میرزا صاحب نے فردوس گل کی مزاج پُرسی کے پہلے خط میں اُن کو اپنا فرزند لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: ”جب سے حضرت کی تاسازی مزاج مبارک کا حال خاموش سے سموع ہوا ہے، عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر ۱۰۰۰۰۰ اور میرے فرزند حسین علی خاں پر کیا گز رہی ہے“ ۴

خود حسین علی خاں نے بھی نواب خلد آشتیاں کی خدمت میں ۱۲ جون ۱۸۶۹ء کو جو غرض لکھی تھی، اُس میں اپنے نام کے بعد ”پسرِ شہنشاہ مرزا اسد اللہ خاں“ (۱۷ مئی ۱۸۶۹ء) صیغہ اجاباً عید فردوس مکان میرزا صاحب کا خط مثل میں محفوظ نہیں ہو (۲) سکا تیب؛ ۳۔ تاریخ لطیف قلمی: ۱۹۱۔ و دیوان سالک: ۲۹۳، ذکرِ غالب: ۲۲۔ و فحانِ دہلی (۴) سکا تیب: ۱۷۰

غالب، لکھا ہے۔ اسی عریضے میں یہ بھی درج ہے کہ کشترنے پیر متنبی کے نام میرزا صاحب کی پنشن جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ گویا مذکورہ بالا حاکم کی رضا میں بھی حسین علی خاں کو میرزا صاحب کا متنبی طماہر کیا گیا تھا۔

میرزا صاحب نے آغا ذر سنہ ۶۶ ع میں نواب خلد آشیان سے ان کی تنخواہ کی استدعا کی تھی، مگر یہاں سے خلافت درعاجواب دیا گیا۔ پھر ۱۹ اگست ۱۸۶۷ء کو ان کی منگنی کے بارے میں لکھا:

”آپ کے غلام ذر خرید، یعنی حسین علی خاں کی منگنی ہو گئی، اور اپنے کنبے میں ہوئی، یعنی نواب احمد بخش خاں مرحوم کے حقیقی بھائی کی پوتی سے، اور جو اب کا بہینا قرار پایا۔ اب میرے بڑے بھائی اور میری مفلسی کی شرم آپ کے ہاتھ ہے“۔

سرکار نے جواباً تحریر فرمایا کہ آپ کی تحریر مجمل ہے، ”خلاصۃً مکنونِ خاطر“ تحریر فرمائیے۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب نے ”۵ ستمبر کو لکھا:

”مخلصاً یہ کہ میں دیر دولت کا گدای خاک نشین اور وہ آپ کا غلام تفصیل یہ کہ میرے پاس نقد، جنس، اسباب، اٹاک، اور میرے گھر میں دیور زینہ و سمیٹہ کا نام و نشان نہیں۔ بہت ادھار قرض کوئی دیتا نہیں۔ آپ روپیہ عنایت فرمائیں، تا یہ کام سرانجام پاے۔ اور بوڑھے فقیر کی برادری میں شرم نہ ہو جائے۔ دوسری بات یہ کہ سو روپیے آپ کی سرکار سے بطریقِ خیرات اور با شکر روپیے آٹھ آنے دینا انگریزی سرکار سے بعض جاگیر پاتا ہوں۔ عالم الغیب جانتا ہے کہ اس میں میرا بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔ ہو کو کہاں سے کھلاؤں گا؟ حسین علی خاں کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے۔ لیکن توقیع تنخواہ اس کے نام جاری نہ ہو، بلکہ اس کی زوجہ حسن جہاں بیگم بہت اکبر علی خاں کے نام وہ تنخواہ مقرر ہو، اور اس کی مہری رسید ملے۔

زیر مصرت شادی کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار جو خداوند کی ہمت ادراس

کنگال اپاہج کی قیمت ۱۰

سرکار نے ارقام فرمایا کہ مابعد ملت کو پر بنای موانست و اتحاد قدیمہ آپ کی خوشنودی خاطر مد نظر ہے۔ آپ مصارت کی مقدار لکھیے تاکہ حکم مناسب دیا جائے۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب نے ۲۳ ستمبر کو تحریر کیا:

”باقر علی خاں کی شادی نواب ضیاء الدین خاں کے ہاں ہوئی۔ انھوں نے بھانے

جوڑے کے دو ہزار روپیہ دیے اور میری زوجہ نے پانسو روپیہ کا زیور لگا

پچیس سو روپیہ صرف کیے۔ حسین علی خاں کا سسر، یعنی اکبر علی خاں، اپنے

خاندان کا ہے۔ لیکن امیر نہیں، نوکری پیشہ ہے۔ اب یہ میں کیونکر عرض کروں

کہ مجھے کیا دے؟ سائل ہوں، یہ رسم نہیں کہ سائل مقدار سوال عرض کرے حال

مصارت شادی خاندان لکھ دیا۔ دو ڈھائی ہزار میں شادی اچھی ہو جائے گی

لیکن یہ بھی ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میرا حق خدمت اتنا نہیں کہ اس قدر مانگ

سکوں۔ جو کچھ دو گئے اس میں شادی کر دوں گا۔“ ۲

سو و اتفاق سے اکتوبر میں سرکار کا مزاج ناساز رہا۔ اور میرزا صاحب

یاد دہانی نہ کر سکے۔ البتہ زمین ہموار کرنے کے خیال سے ایک مدحیہ قطعہ ۳ نومبر

کو ارسال کر دیا تھا۔ اس پر بھی کار بر آ رہی نہ ہوئی اور رجب کی ۱۰ تاریخ کو پہنچی

تو ہندوی کی رسید میں قرص کا دکھڑا رد کر لکھا:

”پیر و مرشد، رجب کا مہینا چلا۔ حسین علی خاں کی سسرال سے شادی ہو تقاضا

ہے۔ ادھر سے بجز سکوت جواب نہیں۔“ ۳

اس عریضے کا سرکار کی جانب سے کوئی جواب نہ گیا، اور رجب میں شادی

ملوئی ہو گئی، میرزا صاحب نے ۲ رمضان سنہ ۱۲۸۴ھ (۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء)

کو تحریر کیا:

”ماہ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علی خاں عظیم کی شادی اسی صیفے میں ہو جائے اور اس بوڑھے اپاہج فقیر کو رو پیہ مل جائے تو اس مہینے میں تیاری ہو رہے، اور شمال میں رسم نکاح علی میں آئے۔ اور چونکہ اس ماہ مبارک میں درفین بازار و سرائے انگریزی کا بھی آغاز ہے، وہ پچیس روپیہ مہینا، جو زبان مبارک سے نکلا ہے، جنوری سنہ ۱۸۶۸ء سے بنام حسین علی خاں مذکور جاری ہو جائے، تو مجھے گو یاد و نوجوان مل گئے۔“

لیکن جواب کے انتظار میں ذیقعدہ آہنچا، تو میرزا صاحب نے ۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھا:

”مرزا حسین علی خاں کی شادی رجب کے مہینے میں قرار پائی تھی۔ عطیہ حضور کے نہ پہنچنے کے سبب ملتوی رہی۔ آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ ہے ۱۵ دان یہ اور مہینا ذی الحجہ کا۔ اگر اسی ذیقعدہ کے مہینے میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گے تو آخر ذی الحجہ تک نکاح ہو جائے گا۔ خدا کرے، خداوند کے ظہیر میں یہ بھی گزرے کہ غالب جب ہویا ہلائے گا، تو اس کو روٹی کہاں سے کھلائے گا! عرض اس سے یہ کہ حسین علی خاں کی تنخواہ جاری ہو جائے۔“

سرکار نے یہ درخواست منظور فرمائی، اور آبدارستان تک شادی سے فراغت کی امید ہو گئی۔ نواب مرزا خاں داغ دہلوی، اور حکیم مظفر حسین خاں بہاؤ لکھنوی نے علی الترتیب میرزا صاحب کو قبول التماس کی اطلاع دی۔ اس کی توثیق، نیز مکرر یاد دہانی کی خاطر میرزا صاحب نے ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھا:

”تین التماسیں سابق پیش ہوئی تھیں۔ سواب پہلے پر خوردار نواب مرزا خاں کی تحریر سے اور پھر جناب مظفر حسین خاں بہادر کے خط سے من خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی۔ انشاء اللہ اگر ہم حسب ارشاد حضور اسی برس ۶۸ میں آبدارستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرزا عرض بھی ادا

ہو جائے گا، اور حسین علی خاں کی شادی بھی ہو جائے گی، اور اس کے واسطے
 اس کی زندگی تک تنخواہ جداگاہ مقرر ہو جائے گی۔^۱
 اس عرصے میں حسین علی خاں کی سسرال سے شادی کا سخت تقاضا شروع
 ہو گیا۔ میرزا صاحب نے مجبور ہو کر ۷ ستمبر کو پھر عرض کیا:
 ”پیر و مرشد، حسین علی خاں کے سسرال والوں کا بڑا تقاضا ہے۔ زندگی
 مشکل ہو گئی ہے۔ بطریق ”ثبائت“ سوال مختصر یہ ہے کہ جو حضرت کے
 مزاج میں آوے، وہ عطا کیجے، اور حسین علی خاں کے نام جداگاہ تنخواہ
 مقرر کر دیجیے؛ لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں۔“^۲
 سرکار نے ابھی اس کا جواب تحریر نہیں فرمایا تھا کہ میرزا صاحب پر
 قرضخواہوں کا تقاضا ہونے لگا، اور شادی کی خوشی کے حصول سے قبل
 قرض کے غم کا رفع کرنا ضروری ہو گیا۔ ادا یہی قرض کی سبیل صرف سرکارِ امپور
 کا عطیہ تھا۔ بنامین ۱۶ نومبر کو میرزا صاحب نے بحالیت اضطراب لکھا:
 ”حال میرزا تباہ ہوتے ہوتے اب یہ ثبوت پہنچی کہ اب کے تنخواہ میں سے
 ۵۴ روپیے بچے۔ ۶۳ روپیے کا چٹھا ماہوار کا سود سہ ماہہ دینا چھٹا
 آٹھ سو روپیے ہوں، تو میری آیر دیجی ہے۔ ناچار حسین علی خاں کی شادی
 اور اس کے نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی۔ اب اس باب میں عرض کروں کیا
 مجال، کبھی نہ کہوں گا۔ آٹھ سو روپیے مجھ کو اور دیکھ۔ شادی کیسی؟
 میری آبر و بچ جائے تو غنیمت ہے۔“^۳

میرزا صاحب مرتے دم تک اپنے اس عہد پر قائم رہے۔ آخری عرصے
 میں بھی، جو ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۶۹ء کو تحریر کیا تھا کہ حسین علی خاں کی شادی کا ذکر
 نہیں کیا، اور یہ ارمان ساتھ لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔
 حسین علی خاں نے اُن کے انتقال کے ایک مہینے بعد ۱۷ مارچ سنہ ۱۸۶۹ء

کو اپنے تقرر تنخواہ کی درخواست بھیجی۔ بعد ازاں ۱۲ جون کے عریضے میں پھر اپنی خواہش و طبقہ کا اعادہ کیا، اور یہ بھی عرض کیا کہ قدوسی بیمار ہے، اس لیے حاضر خدمت نہیں ہو سکتا۔ صحت کے بعد قدمبوسی کی سعادت حاصل کرے گا۔ امر اڈیکم کے ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۶ھ (۲ اگست سنہ ۱۸۶۹ء) کے مولد بلا عریضے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس وقت تک حسین علی خاں ملازم ہو چکے تھے لیکن ابھی اُن کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ حسین علی خاں نے رامپور سے دلی واپس جا کر ۲۱ فروری سنہ ۱۸۷۰ء کو ایک خط منشی سلیم صاحب کو لکھا تھا۔ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین علی خاں اگست سنہ ۱۸۶۹ء کے بعد رامپور آ کر فروری سنہ ۱۸۷۰ء میں میرزا صاحب کی برسی کی فاتحہ کے لیے رخصت لے کر دلی گئے، تو سسرال والوں نے شادی کا تقاضا کیا۔ چونکہ سرکار رامپور سے چھپیں، پسے ماہوار اُن کی تنخواہ مقرر ہوئی تھی، اور ملازمت پر صرف ۶ مہینے گزرنے کے باعث کچھ لپٹا ہوا نہ ہو نہ سکا تھا، اس لیے جداگانہ عریضے میں سرکار سے مصارف شادی عطا فرمانے کی درخواست کی تھی، اور منشی صاحب سے خواہش کی تھی کہ اس کام میں کوشش کرے۔ ”یقین تو ہے کہ حضور، دام اقبال، اُس رحم فرما کہ کچھ عنایت فرمائیں گے۔ آگے سفدر؟“ اس کے بعد شادی سے متعلق کوئی تحریر نہیں ملتی، اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ سنہ ۱۸۷۰ء میں حسین علی خاں کی شادی ہوئی، تو ریاست کی طرف سے اُن کی کچھ مدد کی گئی یا نہیں۔

حسین علی خاں بھی شاعر تھے، اور فارسی میں خیالی اور اردو میں شادآں تخلص کرتے تھے۔ اُنھوں نے قیوں سال میں یکم شوال ۱۲۹۲ھ (۱۸۸۰ء) کو انتقال کیا۔ ”شادانِ فرخ ہادا“ مادۃ تاریخ ہے۔ اُن کا مختصر ساد بیان، چند سال پہلے، کتابخانے کے ردی گھر میں دستیاب ہوا ہے۔ کچھ خوب کلام تھمنا نہ جاوید افغان دہلی میں حسین علی خاں کا تخلص راقم لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے شادانِ تخلص کیا۔ اختیار کیا تھا۔ (۲) انتخاب یادگار: ۲۷ و ۱۷۶ء تاریخ طبع: ۱۵۲ء ذریعہ غالب: ۷۲ء یہاں سنہ ۱۸۷۰ء سال وفات درج ہے۔

میں اور ایک شعر فقانِ دہلی میں بھی درج ہے۔

تعلیم عربی و فارسی

میرزا صاحب نے خلیفہ معظم سے جو آگرے کے جلّت اُستاد تھے عربی کی ابتدائی اور فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن زبانِ فارسی سے طبعی لگاؤ، ذوقِ سلیم اور قدیم و جدید فارسی کے عمیق مطالعے نے انھیں لغز گوشتا اور دیدہ و رادیب بنا دیا۔

اپنی فارسی دانی کے متعلق ایک عریضے میں فرماتے ہیں :

”بد و فطرت سے میری طبیعت کو زبانِ فارسی سے ایک لگاؤ تھا۔ چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے پڑھ کر کوئی ماخذ مجھ کو ملے۔ بارے مراد برائی۔ ادراکاً برپا رہا ایک بزرگ یہاں وارد ہوا، اور اکبر آباد میں فقیر کے مکان پر دو برس رہا، اور میں نے اُس سے حقائق و دقائقِ زبانِ پارسی کے معلوم کیے۔ اب مجھے اس امر خاص میں فہم حاصل ہے۔ گرد و عوی اجتہاد نہیں ہے، بحث کا طریقہ یاد نہیں۔“^۲

میرزا صاحب نے اس بزرگ کا نام عبدالصمد اور سالِ درود ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۲ء) بتایا ہے۔ لیکن برہانِ قاطع کے ادبی ہنگامے سے پہلے کسی جگہ اس علامہ دہرستانہ کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ بحالتِ جوانی کلکتے میں جو معرکہ پیش آیا تھا، اُس کا تقاضا تھا کہ مخالفین کے سامنے ایسے کتنا اُستاد سے استفادے کا اظہار کرتے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں ملا عبدالصمد خود اُن کے اپنے ذہن کی پیداوار تو نہیں۔ خواجہ حالی نے ”لکھا ہے کہ میرزا صاحب فرماتے تھے ”مجھ کو مبدا و فیاض کے سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے۔ اور عبدالصمد محض ایک فرضی نام ہے۔ چونکہ لوگ مجھ کو بے استاد کہتے تھے، اُن کا منہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی استاد گھڑ لیا ہے۔“ اس بیان سے یہ شبہ حدِ یقین کو پہنچ جاتا ہے۔

تعلیم و فلسفہ

دلی میں میرزا صاحب کا حلقہ احباب مولانا فضل حق خیر آبادی جلیبے فلسفی

(۱) یادگارِ غالب : ۱۱۱، غالب نامہ : ۷، غالب : ۲۸، (۲) مکتب : ۶۰، (۳) قاطع برہان : ۷، یادگارِ غالب : ۱۳

حکیم مومن خاں مرحوم جیسے نجومی، مفتی صدر الدین خاں آزرودہ جیسے فقیر، شاہ نصیر الدین عرف کاکے صاحب جیسے صوفی بزرگواروں پر مشتمل تھا، اس لیے مجلسی مذاکروں اور ذاتی مطالعے سے انھیں تصوف کے اصولی مسائل کا ضروری علم حاصل ہو گیا تھا۔ ادھر احباب اور شاگردوں میں چند طبیب شامل تھے، اور خود ان کی عمر کا خاصا حصہ بھی گونا گوں امراض میں گزرا۔ ان اسباب نے طب سے خاطر خواہ واقف کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں چابکان علوم کی اصطلاحوں کا عالمانہ طور پر ذکر آیا ہے۔ زیر نظر مکاتیب میں بھی ایک کے اندر اصطلاحات علم نجوم اور دوسرے میں طبی تجربے کا ذکر ہے۔ اسی طرح نواب غلدہ آشتیاں کے جشن جلوس کے موقع پر جو نثر لکھ کر پیش کی تھی، اُس میں بھی منجماں پر وارز بیان نمایاں ہے۔^۲

دطن اور سکونت دہلی

میرزا صاحب کا دطن اکبر آباد (آگرہ) ہے۔ اپنے ایرانی استاد کے ذکر میں نواب غلدہ آشتیاں کو لکھا ہے:

”اکابر یارس میں سے ایک بزرگ یہاں دارد ہوا، اور اکبر آباد میں

فقیر کے مکان پر دو برس رہا۔“

لیکن شادی کے بعد ترک دطن کر کے دہلی میں آئیے تھے۔ یکم ستمبر سنہ ۱۸۷۲ء کو لکھتے ہیں:

”میں باون تریپن برس سے یہاں رہتا ہوں۔“^۳

اس حساب سے ان کا دہلی میں قیام سنہ ۱۸۱۳ء یا سنہ ۱۸۱۴ء سے

ہونا چاہیے۔ دہلی میں میرزا صاحب کا آبائی مکان نہ تھا، اس لیے بیشتر کرایے کے مکانوں میں رہے۔ ان میں سے دو کا ذکر ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کے عریضے میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”دہلی میں خاص برعنوان نامہ ہای پیشین نشان کچھ این در دہلیں و لریں

۱۔ مکاتیب: ۴۵، ۲۱: (۲) کلیات نثر فارسی: ۹۱: (۳) مکاتیب: ۵۷

عقبت مسجد جامع نمبہ اندھین از مہفت ہشت سال در محلہ بلی ماران

می نام ۱۱

مسکن کے حالات

جس زمانے میں میرزا صاحب دلی تشریف لائے وہ اس جہاں آباد کی پیرانہ سالی کا عہد تھا، تاہم آٹا شگفتگی و آبادانی ہر طرف ہو رہی تھی۔ غرض سنہ ۱۸۵۷ء نے شہر کی بچی کھچی دولت لوٹ کر نیا سکھ چلا دیا۔ عمارات گرا کر سڑکیں بچھائی گئیں، شہر جاڑ کر قبرستان آباد کیے گئے اور اہل ہنر کو شہر بدر کر کے شہر میں فوج کا پڑاؤ ڈالا گیا، تو دلی دلی نہ رہی، کمپ ہو گئی۔ ایک بار نواب فردوس مکاں کو چوب چینی کی ضرورت پیش آئی۔ شہر دہلی اطبا اور عطاروں کا مخزن تھا۔ سرکار نے میرزا صاحب سے فرمائش کی۔ اس کے جواب میں ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ء کو تحریر کرتے ہیں:

”دلی اب شہر نہیں، چھاؤنی ہے، کمپ ہے۔ نہ قلعہ، نہ شہر کے اطراف نہ اطراف شہر کے رؤسا“ ۲

۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ء کو کاکتوں کے فقدان کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

”شہر سردیران ہے، کاتب کہاں“ ۳۹

خشک سالی

سنہ ۱۸۶۵ء میں دلی باران رحمت کے فیض سے محروم رہی۔ جولائی بھری برسات کا مہینا ہے، لیکن شہر دہلی کے اندر اس زمانے میں بھی ٹوہلٹی نہ ہی۔ میرزا صاحب نے ۲۳ جولائی کے عریضے میں دلی کی محرومی کا رونا ان لفظوں میں روایا:

”یہاں غلن کو مینہ درکار ہے، اور ہوا شرارہ بار ہے۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کے تیور اور پہاڑ کے پتھر بے جاتے ہیں۔ پانی جگر گداڑ

ہوا جانستان، امراض مختلفہ کا مجموعہاں تہاں۔ جزا اعضای انسان
کے کہ وہ پسینے میں تر ہیں، طراوت و رطوبت کا کہیں پتا نہیں۔ یا کوہلیتی ہو
یا سطلی ہو نہیں؟^۱
۱۱ اگست کو بھر لکھا:

”یہاں مینہ اسی قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار ماحصل فصل
ربیع سے ہاتھ دھولیں“^۲

^{برسات}
لیکن آئندہ سال بارش نے سنہ ۶۵ء کی قلت باران کی تلافی کر دی
اور شہر میں اس قدر پانی برسا کہ گزشتہ باون تریپن برس سے ایسا نہ برسا تھا
یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء کو میرزا صاحب نے لکھا ہے:
”برسات ایسی ہوئی ہے کہ میں باون تریپن برس سے یہاں رہتا ہوں
عرش آرا نگاہ اکبر شاہ کے عہد میں ایک بار ایسی برسات دیکھی تھی، یا اسال
نظر آئی ہے“^۳

^{عقائد}
ایک عریفی نے میرزا صاحب کے عقائد اسلامی پر اجمالی روشنی پڑتی
ہے۔ فرماتے ہیں:

”اگرچہ فاسق و قاجر ہوں، مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیاء کا
پہل معتقد اور بزبان معترف ہوں“^۴

میرزا صاحب کا خاندان سنی عقیدے کا تھا۔ لیکن وہ خود توحید و
صلالت کے بعد امامت کے بھی قائل تھے، اور اس طرف ان کا رجحان
بچپن ہی سے تھا۔ حضرت عباس علیہ السلام کی منقبت میں ان کا ایک

۱۔ مکاتیب: ۳۵ (۲)، (یعنی: ۴۰) (۳)، (یعنی: ۵۷) (۴)، (یعنی: ۶۱)

فارسی قصیدہ ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

انکو دیکھیں دریں دلائی تو برداشت
دانی خود از بن پیش کہ غنم تبوکم را
منقلب است امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرماتے ہیں:
کہ تا گیند از مہر پشناستم
بکس غیر حیدر نہ پرداستم
جوانی بدین در بسد بردہ ام
سببی در خیالش سحر کردہ ام
بظاہر جب تک گھر میں تبدیل نہ رہے کے دواعی موجود نہ ہوں کوئی بچہ
از خود ایسا نہیں کر سکتا۔ اس لیے بعید نہیں کہ میرزا صاحب کی نامنیال جہاں
ان کی پرورش ہوئی تھی، شیعہ عقیدہ رکھتی ہو۔

اخلاق و عادات

میرزا صاحب کے اخلاق و عادات اس عہد کے دنیا دار اور زمانہ فہم
شرقا کے اخلاق و عادات کا نمونہ تھے۔ لغو گوئی سے پرہیز، بیزہ جھوٹ
سے نفرت، احباب کی تکلیف سے بچ، خوشی سے راحت، چھوٹوں پر مہربانی
اور بزرگوں کی خیر خواہی کا ثبوت ان کی زیر نظر تحریروں میں بھی ملتا
ہے۔^۳

قدما کا اعتراض

میرزا صاحب شعرا کی قدیم کے فنی مرتبے اور ان کے کلام سے استہزاء
کو تسلیم کرتے تھے۔ نواب خلد آشتیاں کو صراحتاً لکھا ہے:
”فقیر اشتہار قدما کا معنفد، ان کے کلام کا عاشق“^۴

نیز خلیفہ احمد علی صاحب رامپوری کو دور متاخرین کے کل نوشگفتہ،
مولانا عرفی شیرازی، کے متعلق لکھتے ہیں:

”تو بعد زبان فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہے.... عربی کی زبان ہے“

۱۔ کیا لٹ فارسی: ۲۰۸ (۲) ایر گہر بار: ۶۱، اکمل المطابع دہلی سنہ ۱۳۸۰ھ

۳۔ مکتبہ تیسب: ۱۲، ۱۶، ۲۱، ۲۳، ۳۸، ۴۴، ۶۱، (۴) ایضاً: ۶۱

جو نکل جائے وہ سند ہے۔ ہمارے واسطے وہ ایک قاعدہ محکم ہے۔ وہ

سطر ہے اور ہم اس کے تقلد اور مطیع ہیں۔^۱

ہندی شعرا اور فرہنگ نویسوں کا انکار

لیکن ہندی شعرا سی فارسی گو اور ہندی فرہنگ نویسوں کے قائل نہ تھے، اور اس معاملے میں بڑی حد تک انصاف سے آگے نکل گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ حضرات اہل زبان کا کلام پڑھ کر محاورات و الفاظ کے معنی اپنے قیاس سے قائم کرتے ہیں، جو بھروسے کے قابل نہیں۔ نواب خلدکشیہ کو لکھا ہے:

”سیاں انجو جامع فرہنگ جہانگیری، شیخ رشید راقم فرہنگ رشیدی،
عظمیٰ عم میں سے نہیں۔ ہند ان کا۔ ولد، ماخذ ان کا، شعرا پر متدبا،
ادی ان کا، ان کا قیاس، ٹیکچر اور سیما کوئی مل ان کے پیر و سببان
ہندی بھی اور ہندو بھی۔“^۲

اس عریضے کے جواب الجواب میں لکھتے ہیں:

”شعرا ہندی کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں، یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں
کے بیان میں جو نادستی اور باہم جوآن کی عقول میں اختلاف ہیں، اس میں
کلام نہیں کرتا، اپنی تحقیق کو ماننے ہوئے ہوں۔“^۳

بے تکلفی

فخلص احباب اور محضوں سے تکلف برتنے کو نامزا جانتے تھے۔ نواب
فردوس مگن سے اُن کا تعلق سرا سرا اخلاق پر مبنی تھا۔ جب رُپے کی ضرورت
آپڑتی، بلا تکلف مانگ لیا کرتے تھے۔ اپنے اس رویے کو ایک خط میں ظاہر
بھی کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”جو آپ بن مانگے دیں، اُس کے لینے میں مجھے انکار نہیں، اور جب مجھے حاجت

آپٹے، تو آپ سے مانگنے میں عار نہیں ہے۔

قرض کی عادت

متمول اور ذمی عزت خاندان کا فرد ہونے کے سبب سے میرزا صاحب کے مصارف زیادہ تھے، اس لیے انگریزی پنشن اور راسپور کا وظیفہ ملنے کے زمانے میں بھی انھیں قرض سے نجات نہ ملی، اور اس بار گراں سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ سرکار راسپور سے امداد طلب کرتے رہے۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی تحریر میں، جو پنشن کی بندش کے زمانے میں نواب فردوس مکاں کی خدمت میں ارسال کی ہے، لکھتے ہیں:

”بارگراں غم سے پست ہو گیا ہوں۔ آگے تنگدست تھا، اب تنہی دست

ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجئے، اور کچھ بھجوا دیجئے۔“ ۲

اس کے بعد ۸ دسمبر سنہ ۱۸۵۹ء کو پھر لکھا ہے:

”سور و پیسے کی ہنڈ دی... پہنچی، اور روپیہ وصول میں آیا، اور صرف

ہو گیا، اور میں بے ستور بھوکا اور تنگ رہا۔ تم سے نکلوں تو کس سے کہوں

اس مشاہرہ مقررے سے علاوہ دو سو روپیے مجھ کو اور بھی دیجئے گا، تو

جلا لیجئے گا، لیکن اس شرط سے کہ اس عطیہ مقررے میں محبوب نہ ہو، اور

بہت جلد مرحمت ہو۔“ ۳

۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵ء کو نواب خلد آشیاں کی خدمت میں تحریر کیا ہے:

”ان دنوں میں متفرقات کے قرض مندار سرگرم تقاضا بلکہ آمادہ خود

غوثا تھے۔ دو سو روپیے کی ہنڈ دی مرا جی آب حیات ہو گئی، دام

مرگ سے نجات ہو گئی۔“ ۴

ایک بار راسپور سے تنخواہ کی روانگی میں دیر ہوئی، تو میرزا صاحب

نے ۱۰ اگست سنہ ۱۸۶۶ء کو سرکار کی خدمت میں لکھا:

”میرا حال یہ کہ اگر نیری تنخواہ گھر میں اور کچھ قرض کی قسطیں جاتی ہے۔
حضور کے عیال پر میرا اور شاگرد پٹنہ کا اور حسین علی خاں کا گزارا ہے۔ عالم
جاتا ہے، جس طرح گزرتی ہے۔ چار سو کا قرض باقی ہے اب کوئی قرض بھی
نہیں دیتا۔“

۱۳ اگست کو پھر لکھتے ہیں:

”کل آخر دہر میر منشی حضور کا خط آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید نہ پہنچنے کی
اطلاع پائی۔ تہہستی و قرض کے رنج میں خستہ و آزر وہ بیٹھا تھا۔ اسی
وقت عرضی بھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت نہ تھا، مگر عیال کی ۱۲
۱۶ کتو پرستہ مذکورہ کے عریضے میں راحت کا انحصار قرض کی ادائیگی میں تباہ
ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”مفتور ملک وال جس کو جس قدر چاہیں عطا کر سکتے ہیں۔ میں آپ سے قرض
راحت مانگتا ہوں، اور راحت منحصر اس میں ہے کہ قرض باقی ماندہ ادا ہو جائے
اور آئندہ قرض لینے کی حاجت نہ پڑے۔“

سرکار نے میرزا صاحب کا قرض ادا فرما دیا، تو ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء کو اس کے
شکریے میں لکھتے ہیں:

”محضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا۔ تنخواہ نے قسط سے ادائیگی نے
رنج سے رہائی پائی۔“

اگست سنہ ۱۸۶۸ء میں میرزا صاحب کے قرض کی ادائیگی کا سرکار نے پھر وعدہ
فرمایا۔ اس وعدے سے میرزا صاحب کو جو مسرت ہوئی، اس کا اندازہ ان الفاظ
سے بخوبی ہوتا ہے:

”تین انتہائیں سابق پیش ہوئی تھیں... ان خواہشوں کے منظور و مقبول
ہونے کی نوید پائی۔ انشاء اللہ الکریم حسب ارشاد حضور اسی برس ۶۸ء میں“

آئینہ ستاں یعنی نومبر دسمبر میں میرا قرض ... ادا ہو جائے گا۔ ۱
۱۶ نومبر سنہ مذکورہ کو پھر لکھا:

”حال میرا تباہ ہوتے ہوئے اب یہ نوبت پہنچی کہ اب کے تنخواہ میں سے
۵۴ روپیے بچے مجھلا آٹھ سو روپیے ہوں تو میری آبرو بچتی ہے۔
شادی کیسی؟ میری آبرو بچ جائے، تو غنیمت ہے۔۔۔ مختصر یہ کہ اب
میری جان اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے۔ مگر حضور جو عطا فرماتا ہے جلد
ارشاد ہو“ ۲

۱۷ دسمبر کو میرزا صاحب نے یاد دہانی کی، اور آخری خط میں اپنے
اضطراب کو ان الفاظ سے ظاہر کیا:

”حضور فرمادے گا میں نے بہت عاجز کر رکھا ہے۔ بس میرا یہی کام ہے کہ
یاد دلا دوں۔ آگے حضرت مالک ہیں“ ۳

لیکن ابھی یہاں سے رقم پہنچنے نہ پائی تھی کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔
ضعف پیری

میرزا صاحب نے سب سے پہلے یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء کے عرفیہ میں
ضعف پیری کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:
”خدمت گزار ہوں اور دعا دشتا میرا کام ہے۔ پڑھا پے نے کھو دیا۔ جز
نفسہ چند، مجھ میں کچھ باقی نہیں“ ۴

قولنج

امراض کا شکوہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۶۱ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانے میں
میرزا صاحب ابتداء در قولنج اور بعد ازاں بنجار میں مبتلا ہو کر ایک ماہ تک
امراض کی مصیبت جھیلے رہے تھے۔ فرماتے ہیں:

”دعا گو ایک مہینا بھر سے بیمار ہے۔ ابتداء ہی قولنج دوری بسبب استعمال

ادویۃ حارہ کہ اس مرض میں اس سے گزیر نہیں، تنہا نے آگیا، کئی
باریاں ٹبگتیں۔ اب دوباریاں مل گئی ہیں۔ لیکن طاقت بالکل سلب
ہو گئی ہے، اور ضعف دماغ نے قریب ہلاکت پہنچا دیا ہے۔ بائبل
آبید سید کا انتقال ہے ۱

امراجن مختلفہ کا ہجوم

نواب خلد آشتیاں کی دعوتِ قدوم رامتپور کے جواب میں ۱۸ جون ۱۸۶۶ء
کو نکلتے ہیں:

”وہ آگ برس رہی ہے کہ لیور کے پرمل رہے ہیں۔ بعد آگ کے پانی سے لگا

سفرِ مخصوصاً بوڑھے رنجور آدمی کو دونوں صورت میں منعذر ۲

۲۳ جولائی کو پھر تحریر کیا ہے:

”پانی جگر گداز، ہوا جانتاں، امراجن مختلفہ کا ہجوم جاں ہتاں ۳

نیم مردہ

سنہ ۱۸۶۵ء میں، نواب سکندر زمانی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا۔ ایسے موقع
پر میرزا صاحب کو ”بزبانِ فارسی عبارتِ تبلیغ“ تفریت نامہ لکھنا چاہیے تھا۔
لیکن ضعفِ پیرمی مانع آیا، اور انھوں نے ۱۸ اکتوبر کو ازراہِ معذرت لکھا:
”اب میں نیم مردہ، دل پڑ مردہ، غافلِ فردہ، جس باب میں لفظ دینی فریم

کیا چاہوں، وہ سراسر طبع کے خلالت ۴

کوفتہ درخجور

رامپور کے دوسرے سفر سے واپس ہوتے ہوئے میرزا صاحب مراد آباد
پہنچ کر بیمار ہو گئے تھے۔ نواب خلد آشتیاں نے مزاج پرسی کی، تو اس کے جواب
میں ۲۱ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء کو ردِ وادِ سفر بیان کر کے لکھتے ہیں۔

”دو ایک ہفتہ کوفتہ درخجور ہوا۔ اب دلیا پیر دنا توں ہوں میا کاس سفر سے پہلے تھا۔“

۱۔ مکاتیب: ۲۲ (۲) ایضاً: ۳۸ (۳) ایضاً: ۳۹ (۴) ایضاً: ۴۰ (۵) ایضاً: ۴۱

دردِ لیش کا حال

بعد ازاں ۱۵ فروری سنہ مذکورہ کو امرامنی کی تفصیل فرماتے ہیں:
 ”سائنہ درست سے کھڑی تھا۔ اب آنکھوں کو بھی روٹیھا... فقدانِ طاقت،
 سقوطِ اشتہا، ضعفِ بصر، ضعفِ حرکت“ ۱

نیمیان ہوں

اس سفر کی صعوبت اور عرضِ راہ کی بیماری نے، میرزا صاحب کی رہی
 سہی صحت برباد کر دی، اور یہ اپنے آپ کو نیمجان سمجھنے لگے۔ چنانچہ ۲۹ مارچ
 کو لکھتے ہیں:

”اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے ناٹوان تھا، اور اب نیمجان
 ہوں۔ پر خوردار نواب مرزا خاں اپنے مشاہدے کے مطابق جو میری
 حقیقت عرض کرے، وہ سموعہ مقبول ہو“ ۲

حواں درست نہیں

امراض اور مالی پریشانیوں نے میرزا صاحب کے حواں پر بھی کافی
 اثر اندازی کی تھی۔ ۱۱ اگست سنہ ۶۶ کو تحریر کیا ہے:

”غم نے بشمول بڑھاپے کے پسٹ و مشعل کر دیا ہے۔ حضرت کے قدموں
 کی قسم، نہ حواں درست، نہ رای صبح، یروس سے مکروہات میں مبتلا
 رہتے رہتے اب طاقت تحمل کی نہ رہی۔ خدا جانے کیا ہوتا ہے، کیا
 سمجھتا ہوں، کیا کرنا چاہیے، کیا کرتا ہوں“ ۳

۱۸ ستمبر کو اختلالِ حواں کے ساتھ بھارت کے فتور اور ہاتھ کے ریشے
 کا بھی ذکر کیا ہے۔
 امراضِ قدیم بڑھ گئے

اس کے بعد ۱۳ مارچ سنہ ۶۶ کو لکھتے ہیں:

۱۔ سکاٹین: ۵۰ (۲) ایٹنا: ۵۱ (۳) ایٹنا: ۵۶ (۴) ایٹنا: ۵۸

”اس دردیش کا حال اب قابلِ گزارش نہیں۔ امراضِ قدیم بڑھ گئے۔ دورانِ سر اور دوشہ اور ضعفِ بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا، لڑکوں سے بڑا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے۔“ ۱

فرمنِ محال

اس کے ایک مہینے بعد ۱۴ اپریل سنہ ۶۷ کو نمائشِ باغِ منتظر کی شرکت کی آرزو کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں :

”نمائش گاہِ سرسودہ رامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں، اور خونِ حسرت کھاتا ہوں کہ ہائے میں دہاں نہیں! بالا خانے پر رہتا ہوں، مگر نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں نے گود میں لے کر اتارا، اور پاکی میں بیٹھا دیا، کھارے کر چلے، راہ میں نہ مرا اور رامپور پہنچ گیا کھاروں نے جا کر بے نظیر میں میری پاکی رکھ دی۔ پاکی نفس اور میں طائرِ اسیر، دہی بے پردہاں۔ نہ چل سکوں، نہ پھر سکوں۔ جو کچھ ادھر لکھ آیا ہوں، یہ سب بطریقِ فرمنِ محال ہے، درندانِ امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے؟“ ۲

اب دم نہیں

ماہِ وسال کے سفر کے ساتھ ساتھ، میرزا صاحب کے اعصاب بھی فرسودہ دنیا توڑا ہوتے چلے گئے، تا آنکہ ۱۱ جون ۱۸۶۷ء کو انھوں نے منشی سلیمند کو صاف صاف لکھ دیا :

”بھائی! بے تکلف لکھتا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں۔ نہ طاقت باقی ہے نہ حواس درست ہیں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ آج بچا کل مرا کل بچا پر سوں مرا“ ۳

آخر وہ دن بھی آگیا، جس کی میرزا صاحب کو ہر سوں سے آرزو تھی یعنی ۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۹ء مطابق ۲ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ کو پیر کے دن ظہر کے وقت ان کا انتقال ہو گیا۔ ۲۱ دسمبر سنہ ۱۸۵۹ء کو دہلی اور دلی والوں سے ناراض ہو کر حسین مرزا کو لکھا تھا :

”راہپور زندگی میں میرا مسکن اور بعد مرگ میرا مدفن ہو گیا۔“

مگر قصداً و قدرے اُنھیں دلی ہی میں رکھا اور وہیں شاہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے قریب اپنے سببی خاندان کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۱۔ اردو ۳۲۹۰ (۲) تاریخ و وقت انتقال کے لیے دیکھو حاشیہ مکتوب ۱۱۷۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ مولانا مہر کو اس پر اصرار ہے کہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۹ء کو ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ کی تیسری تاریخ تھی، دوسری نہ تھی۔ اُن کی نظر میں اس کی پویل یہ ہے کہ ہجری و عیسوی تاریخوں کا تقابن بنانے والی کتابوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ان کتابوں کا حساب اس مفروضے پر قائم ہے کہ ہجری مہینوں میں سے ایک ۲۹ کا اور ایک ۳۰ کا ہوتا ہے لیکن مشاہدہ اس کے خلاف ہے یعنی کبھی دو چاند پے بہ پے ۲۹ یا ۳۰ کے دکھائی دیتے ہیں۔ اس لیے جس اقعے کے متعلق اُسی دن عیسوی اور ہجری تاریخ ضبط کر لی جائے اور مئی تاریخ کسی دوسرے دور و دراز مقام پر بھی تسلیم کی جا چکی ہو، تو پھر حسابی تقابن کو اس منشا پر اتنی نظائیں پر ترجیح نہ دیجائے گی۔ ۱۵ فروری کو ذیقعدہ کی دوسری تاریخ کا ہونا خواہ حالی نے یا دیگر میں ضبط کیا ہے ان سے پہلے حسین علی خاں بھی اپنے عرفیہ موسومہ فائدہ نشینیاں میں یہی دو تاریخیں لکھ چکے ہیں۔ یہاں سے جو جواب لیا گیا ہے، اس کی تاریخیں دیکھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس سال ۱۴ فروری کو ذیقعدہ کی پہلی ہوئی تھی اس سال کی ہجری میں بھی جس کا ایک نسخہ کتابخانہ راہپور میں محفوظ ہے، ۱۵ فروری کو ذیقعدہ کے مطابق درج کیا ہے ان تمام شہادتوں کے مقابلے میں حساب کی کتاب کو یہ جاننے ہوئے کہ وہ مفروضے پر مبنی ہے، کس طرح تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ ہاں کوئی معاصر بیان ہمارے سامنے نہ ہوتا، تب نہایتی تقابن کو ضرور مان لیتے جیسا کہ تمام اہل علم کا معمول یہ ہے۔

تصانیف

میرزا صاحب نے زیرِ نظر عریضوں میں اپنی متعدد تصنیفات کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر مشہور ہیں، اور بار بار طبع بھی ہو چکی ہیں۔ بعض کے حالات سے البتہ اربابِ علم آگاہ نہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے۔

میرزا غلام

۱۲ جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کے عریضے میں میرزا صاحب نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”از ہشت ہفت سال تجریر تاریخ سلاطین تیموریہ می برداشتہ ۱۸۵۸ء
۹ جون سنہ ۱۸۵۸ء کو پھر لکھا:

”بادشاہِ دہلی نے مجھ کو ذکر رکھا، اور خطاب دیا، اور خدمتِ تاریخ نگاری

سلاطین تیموریہ مجھ کو تفویض کی۔“ ۲

تفصیل یہ ہے کہ سنہ ۱۸۵۰ء میں شاہِ ظفر نے میرزا صاحب کو تاریخ نویسی کی خدمت پر پچاس روپے کے مشاہرے کے ساتھ مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ حکیم احسن اللہ خاں بہادر تاملہ پنوں سے حالاتِ اقتباس کریں، اور میرزا صاحب اپنے امانتِ خاص میں ان واقعات کو لکھیں۔ کتاب کا نام پر کوستان (کدوا گیا)

۱۔ کتابت: ۹ (۲) ایضاً: ۵۲

اور یہ پنجویں قرار پائی کہ کتاب دو حصوں میں تقسیم کی جائے: پہلا حصہ ابتدائی
۲۰ آفریش سے امیر تیمور گورگان تک بالاختصار اور تیمور سے ہمایوں تک قدرے تفصیل
کے ساتھ مرتب کیا جائے، اور دوسرے میں جلال الدین اکبر سے سراج الدین بہا
شاد تک کے واقعات ہوں۔ میرزا صاحب نے حصہ اول کا نام میرنیروز "اڈنی
کا نام نیم ما رکھا۔ حصہ اول کے متعلق ۱۱ جون سنہ ۱۸۵۲ء کو منشی جواہر سنگھ جوہر
کو لکھا ہے:

"مسودہ رد داد اور نامک نشینان چغتایہ بدست ہیرا سنگھ روان داشتہ ایم
دہنوز از رسیدن نشان نیافتہ ایم۔ اگر رسیدہ است نویسد ورنہ از ہیرا سنگھ
باز پرس کنند۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرنیروز کی ترتیب کا کام سال ڈیڑھ سال کے اندر ہی
ختم ہو چکا تھا، لیکن کتاب کی طباعت کی نوبت سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۳ء) میں آئی۔
چاہیے تھا کہ میرزا صاحب حصہ ثانی کی ترتیب شروع کر دیتے، لیکن ایسا نہ ہوا،
حتیٰ کہ سنہ ۱۲۷۵ھ ع نے سیاح کو مست لٹ دی، اور ماہ نیم ماہ شرمندہ طلع ہو گیا۔
بطور اس کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسی سال شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہوا
تھا اور میرزا صاحب بہ بخوادہ سابق، استاد شہ قرار پائے تھے، اس لیے انھوں
نے خلافت دانشمندی سنبھال لیا کہ ایک تنخواہ کے عوض دو خدمتیں انجام دیں۔
غور کے بعد میرزا صاحب اس کتاب کو اپنے انگریزی تعلقات کے
لیے مضر خیال کرنے لگے تھے۔ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء کو شیونرائین کو لکھا ہے:

"میرنیم ماہ نہیں، اس کا نام میرنیروز ہے اور وہ سلاطین تیموریہ کی تواریخ و
ابادہ بات گئی گوری، بلکہ وہ کتاب اب چھپانے کے لائق ہے، نہ چھپانے

کے قابل۔"

۱۔ کلیات نثر فارسی: ۲۵۰ (۲) اس ایڈیشن کا ایک نسخہ کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ آداریہ خزائن
سنہ ۱۸۵۵-۵۶ء سے پتا چلتا ہے کہ ۲ مارچ سنہ ۱۸۵۶ء کو اس کا حساب مجرا ہوا تھا۔ اس لیے
فردی سنہ مذکورہ میں خریداری عمل میں آنا چاہیے۔ (۳) خطوط: ۲۸۷، ۲۸۸

دستنبند

میرزا صاحب نے "آغازِ یازدہم مئی سنہ ۱۸۵۷ء سے ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۵۸ء" تک رودادِ شہر اور اپنی سرگزشت یعنی پندرہ مہینے کا حالِ نشر میں لکھا۔۔۔ اور لکھا کہ اس کا کیا۔۔۔ کہ دساتیر کی عبارت یعنی پارسی قدیم لکھی جائے، اور کوئی لفظ عربی نہ آئے، اور منشی شیونرائین کے مطبع مفیدِ خلافت واقع اکبر آباد (آگرہ) میں بڑا اہتمام و صحت کے ساتھ طبع کرایا۔ اس کتاب کا ایک نسخہ نواب فردوس مکاں کو بھی ارسال کیا تھا۔ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء کو اس کی رسید کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ چار خرد و کار سالہ جواب بھیجا ہے، اس کا دیکھنا ضرور درکار ہے۔ فارسی

قدیم اور پھر حسنِ معنی اور صنعتِ الفاظ؛ با این ہمہ ہر امر کی احتیاط اور ہر

کا لحاظ۔۔۔ میں پہلے سے مداحوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں، اور وزیر اعلیٰ

دارادربان کے دو سارے ٹیکٹ پا چکا ہوں۔ اگر اس اجمال کو یہ تفصیل

معلوم کیا چاہیے، تو اسی کتاب موسوم بہ "دستنبند" میں دیکھا جائیگا۔ ۲

لیکن خط کے الفاظ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا

ہوا نسخہ مطبوعہ تھا یا قلمی۔ اگر مطبوعہ تھا، تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ، نومبر سنہ

۱۸۵۸ء سے قبل کتاب طبع ہو چکی تھی۔

نامہ غالب

میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۶۰ء میں فارسی کی مشہور فرہنگ برہانِ قاطع کے

اغلاط پر مشتمل ایک رسالہ قاطع برہان لکھ کر، نواب فردوس مکاں کی امداد سے

شائع کیا تھا۔ اس کے جواب میں ہندوستان کے متعدد اہل علم نے رسائل کیے

ان میں سے ایک بزرگ مرزا رحیم بیگ نے رسالہ ساطع برہان تصنیف کیا اور

اس میں میرزا صاحب کو بہت جلی کٹی سنائیں۔ میرزا صاحب نے اس کا جواب الجواب

لکھا، اور اس کے باجیچہ نسخے نواب مرزا خاں داغ دہلوی کے توسط سے نواب

خلد آشتیاں کی خدمت میں پیش کر کے، ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ء کو لکھا:
ایک عبارت کا ایک جزو بطریق خط ایک انصاف دشمن کو لکھ کر چھپوا دیا ہے
پارسل آس کا نواب مرزا کو ارسال کیا ہے۔ پانچ رسالے وہ میری طرف
سے نذر گزار نہیں گئے۔ حضرت قبول نذر کو میرا عز و شرف جانیں گے۔^۱
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ مذکورہ شروع اگست سنہ ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا تھا
سو اتفاق سے ان پانچ نسخوں میں کا ایک بھی کتاب خانے میں نہیں نہ کسی اور
جگہ مکمل نسخے کا پتا چلا۔ البتہ اس رسالہ کا اخیر ورق ڈاکٹر عبدالستار صاحب یقی
کے پاس محفوظ ہے، اُس سے پتا چلتا ہے کہ رسالہ ۱۶ صفحات میں ختم ہوا ہے
صفحہ ۱۶ کے نیچے مسطر کے باہر چھاپے خانے والوں کی طرف سے یہ عبارت
خانے کی چھپی ہے: ”الحمد للہ کہ نجم الدولہ اسد اللہ خاں بہادر غالب کا خط موسو
مرزا رحیم بیگ صاحب کا مطبع محمدی محمد مرزا خاں میں پہنچ کنپ دہلی اندرون
کو چہ چیلہ گزر فیض حد چھاؤنی کے، اہتمام عبدالرزاق بیگ سے چھپا^{۱۸۶۵}۔“
دیوان اردو

میرزا صاحب نے ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۳ھ (۲۷ جولائی سنہ ۱۸۵۷ء) کے
عریضے میں دیوان اردو کا اس طرح ذکر کیا ہے:

”مجھ کو یہ غم ہے کہ... دیوان اردو کی رسید میں نے نہ پائی...“

دیوان کی رسید ۱۰۰۰ ایسے ہی باریک کاغذ پر لکھ کر اس ساہوکار کو دیکھے گا،

اور اُس کو تاکید کیجے گا کہ اس کو بھیج دے۔^۲

ملشی شیونراہن اکبر آبادی کو اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

”اب تم سنو۔ دیوان ریختہ اتم و اکمل کہاں تھا؟ مگر ہاں میں نے نذر سے

پہلے لکھا کہ نواب یوسف علی خاں بہادر کو راسپور بھیج دیا تھا۔“^۳

اس بیان سے مترشح ہے کہ میرزا صاحب نے مئی سنہ ۱۸۵۷ء سے قبل دیوان اردو

راپور بھیجا۔ لیکن دراصل نسخہ مذکورہ پانچویں عریضیہ کے جواب کی تاریخ (۱۱ مئی) اور تاریخ آشوبِ غدر (۱۱ مئی) کے درمیان بھیجا گیا تھا۔ چونکہ وہ تاریخ غدر سے قبل تھی، اس لیے میرزا صاحب نے مجملہ "غدر سے پہلے" کہا ہے۔
میرزا صاحب کو اس کی رسید نومبر سنہ ۱۸۵۸ء تک موصول نہ ہو سکی۔ سبب ماہِ مذکورہ مضمونوں نے دستنبو کی ایک جلد تحفہ ارسال کی اور نواب صاحب نے جواب میں لکھا کہ عدیم الفرستی کے سبب دیوان اور دستنبو ملاحظہ سے نہ گزرے تو میرزا صاحب نے نومبر کو لکھا:

"اس فریضے کے سبب کم فرصتی کے اُن کا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ۱۰ مئی سنہ ۱۲۶۱

کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا"۔
بظاہر اس کے کاتب کا ذکر کمیں نہیں ملتا۔ مگر خط کا انداز کلیات فارسی کے خط کے مطابق ہے۔ اس سے میں قیاس کرتا ہوں کہ یہ نواب فخر الدین خاں خرد کے قلم کا ہے، جو کلیات فارسی کے کاتب ہیں۔

کلیات فارسی

کلیات فارسی کا نسخہ میرزا صاحب نے مارچ سنہ ۱۸۶۱ء میں نذر کیا تھا۔

۷ اپریل سنہ ۱۸۶۱ء کو اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"کلیات فارسی کے پہنچنے سے دل میں نذر کے مقبول ہونے سے فخر کو بہت خوشی مائل ہوئی"۔

۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۲ھ (۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۵ء) کو نواب غلام آشیان کو لکھتے ہیں:

"دو قصیدہ مدحیہ میرے دیوان فارسی میں مرقوم اور وہ دیوان حضرت کے

کتاب خانے میں موجود ہے"۔

بعد ازاں ۱۸ جون سنہ ۱۸۶۵ء کو پھر لکھتے ہیں:

"اب مرعی یہ ہے کہ حسبِ حکم حضور کے یہ قصیدہ میرے دیوان فارسی میں،

جو کتاب خانے میں موجود ہے، درج کیا جائے"۔

خود میرزا صاحب کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخے کے کاتب نواب

نور الدین محمد خاں خرد تخلص دہلوی ہیں۔

انتخاب دیوان اردو

نواب خلد آشاں نے اساتذہ فارسی و اردو کے منتخب اشعار کی ایک
بیاض مرتب فرمانے کے سلسلے میں ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۶ء کو میرزا صاحب سے
اپنے چیدہ اشعار بھیجنے کی فرمائش کی۔ میرزا صاحب نے ۱۰ ستمبر کو جواباً تحریر کیا:
”اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے..... بعد اتمام تحریر نذر کیا جائے گا“
۸ ستمبر کو پھر لکھا:

”خاطر اندس میں نہ گزرسے کہ غالب تمہیں احکام ہیں کاہل ہے... کا تب
کی تلاش کی۔ شہر سراسر دیوان ہے، کتاب کہاں! بارے ایک دو سہ سنا سنے
کاتب کا نشان دیا۔ اردو کا دیوان، اشعار پر صاد کر سکے، اُس کو حوالے کیا،
کل وہ اجزای منقولہ آئے۔ آج بطریق پارسل مع اس عرضی سہ ارسال کیے۔
خط کاتب کا مجھ کو پسند نہیں آیا۔ حضرت کو کیونکر پسند آئے گا! اغلاط اتنے
تھے کہ مجھ کو تحریر کے برابر محنت پڑی“

۲۴ ستمبر کو سہ بارہ اردو دیوان کا اس طرح ذکر کیا:

۱۔ ملاحظہ ہو اردو معلیٰ: ۲۸۹۔ نواب نور الدین محمد خاں خرد تخلص، نواب نور الدین محمد خاں دہلوی کے
فرزند اور بیٹے آزاد مزاج اور ہوشیار انسان تھے۔ نواب سبط خاں شیفہ، نیر اور میرزا صاحب
غیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کستنبو اور اردو اور فارسی بھاشا کے نسخے، جو کتابخانہ
رامپور میں محفوظ ہیں اور دیوان غالب، اردو کا نسخہ ملو کہ خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی انھیں کے
لکھے ہوئے ہیں۔ میرزا صاحب نے ان کے متعلق نکتہ کو لکھا ہے کہ: کاتب اُن اجزا کا جن کی
رد سے کاپی لکھی جاتی ہے، فارسی کا عالم ہے علم اُس کا خیال نور الدین رامپوری اور حکیم حسین
زیادہ ہے۔ (خطوط: ۵۲، ۵۱) خرد کی کتابت حیرت انگیز درجہ کا اغلاط سے سیرا ہوتی ہے۔
خود میرزا صاحب بھی اس کے قائل تھے۔ چنانچہ جولائی ۱۸۵۹ء میں محمد رح کو لکھا ہے:
”قانع برائے مسودے سب میں نے بھاڑ ڈالے، اس واسطے کہ ہر نظر میں اُس کی صورت مندرجہ
گئی۔ وہ تحریر بالکل مغشوش ہو گئی، ہاں، اُس کی نقلیں صاف کہ جن میں کسی طرح کی غلطی نہیں، نواب
صاحب نے کر لی ہیں ایک میرے واسطے، ایک بھائی عیاد اور الدین خاں کے واسطے“۔ (خطوط: ۵۳، ۵۱)

۲۔ کتابت: ۵۸ (۲) (بقضا: ۵۸)

”آردودیوان کا انتخاب بھی چکا ہوں۔ یقین ہے کہ حضرت کی نظر انور

سے گزر گیا ہو۔“^۱

انتخاب دیوان فارسی

اسی سلسلے میں میرزا صاحب نے فارسی دیوان کا انتخاب بھی روانہ کیا تھا۔ اکتوبر کے خط میں اس کے متعلق فرماتے ہیں:

”فارسی دیوان کا شیرازہ مکول کر چند نفصوں کے حوالے کیا ہے۔“^۲

۸ اکتوبر کے عریضے میں، دیوان آردو کے ارسال کی اطلاع کے بعد، لکھتے ہیں:

”فارسی کلیات کا شیرازہ مکول کراؤ اس کے اجاب پر تقیم کر دیے ہیں۔

جا بجا اشعار پر صا در دیے ہیں۔ وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل

ہو رہے ہیں۔ بعد اتمام وہ بھی پیشکش کر دیں گا۔“^۳

۲۴ ستمبر کو یہ انتخاب روانہ کر کے سرکار کو لکھا:

”آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریق پارسل اس عرضی کے ساتھ بھیجا

ہوں۔ اس درویش نے صرت غزلوں اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے۔

تصانیف و قطعات و مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا۔ اگر حکم ہو، تو وہ

بھی بھیجوں۔“^۴

مثنویوں میں ایسی کوئی تحریر موجود نہیں جس سے پتا چل سکے کہ سرکار نے ان

اصناف کا انتخاب بھی طلب فرمایا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ میرزا

صاحب کو مزید رحمت نہ دی گئی۔ کتاب خانہ رامپور نے یہ دونوں مجموعے

”انتخاب غالب“ کے نام سے یک جا چھاپ کر شائع کر دیے ہیں۔

ان کے علاوہ حسب ذیل کتابیں بھی میرزا صاحب کی لکھی ہوئی ہیں:

(۱) کلیات نثر فارسی، (چونچ آہنگ، مہر نیروز اور دستنبو کا مجموعہ ہے)

(۲) پنج آہنگ (مجموعہ مکاتیب فارسی۔)

(۳) قاطع برہان، فارسی لغت کی مشہور کتاب برہان قاطع کے اغلاط پر مشتمل ایک رسالہ۔

(۴) درفش کاویانی، (قاطع برہان کا مرمرہ نسخہ)۔

(۵) سبد چین (جس میں وہ فارسی اشعار ہیں، جو کلیات نظم کی طباعت کے بعد کئے گئے تھے)۔

(۶) بارغ دو در۔ یہ سبد چین کا دوسرا نسخہ ہے۔ میرزا صاحب نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ وہی ہے جو سبد چین کے نام سے چھپا تھا صرف چند نظموں کا اضافہ ہوا ہے۔ دوسرا حصہ ان نثریوں پر مشتمل ہے۔

جو کلیات نثر فارسی میں چھپنے سے رہ گئی تھیں۔ دیباچے میں ۱۲۸۳ھ سال تالیف لکھا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ جناب وزیر حسن صاحب ایم۔ اے (دہلی) کے پاس محفوظ ہے۔

(۷) عود ہندی

(۸) اردو معلیٰ (مکاتیب اردو کے مجموعے)

(۹) نکات و رقعات، (قواعد فارسی سے متعلق ضروری ہدایات اور چند فارسی خطوط کا مجموعہ)

(۱۰) قادر نامہ، (خالق باری کی طرز کار رسالہ)

(۱۱) پنج تیز،

(۱۲) اطاعت غیبی، (جو میاں داد خاں سیاح کے نام سے میرزا صاحب نے شائع کی تھی)

اب بعض حضرات کو قادر نامے کے تصنیف غالب ہونے میں شبہ ہے۔ لیکن کتاب خانہ راجپور میں اس کا ایک ایسا مطبوعہ نسخہ موجود ہے، جو سنہ ۱۲۸۰ھ میں خود دہلی کے مجلس پریس میں چھپا تھا اس میں نہایت معنائی کے ساتھ اسد اللہ خاں غالب دہلوی کو اس کا مؤلف بتایا ہے۔ اس شہادت کے آسوا خود اشعار بالخصوص دو نمونے کی غزلوں سے غالب کی شوخی اور ندرت بیان اتنی جواہر ہے کہ جو اصحاب غالب کی افتاد طبع سے کما حقہ واقف ہیں، ایک لمحے کے لیے بھی اسے غالب کے علاوہ کسی دوسرے کا بیخود بلکہ تسلیم نہیں کر سکتے۔

(۱۳) ترجمہ دعائی صباح۔ (ایک چھوٹی سی فارسی مثنوی ہے جو امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک عربی دعا کا منظوم ترجمہ ہے غالب حقیقی جانیجے میرزا عباس بیگ صاحب کی فرمائش پر سنہ ۱۲۸۴ھ سے پہلے بطبع نوکشور کھٹو میں چھپی تھی۔ بعد ازاں رسالہ نگار کھٹو کے ماہ مئی سنہ ۱۳۱۶ء کے پرچے میں حقیر عرشی کی ایک مختصر تمہید کے ساتھ شائع ہوئی۔

(۱۴) میرزا صاحب نے شاہ ظفر کی طرف سے ایک فارسی مثنوی بھی لکھی تھی جس میں اس افواہ کی تردید کی گئی تھی کہ بادشاہ نے مذہب اہل تشیع اختیار کر لیا ہے۔ سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب کھٹو کی کو خود میرزا صاحب کہتے ہیں: ”انگارہش مثنوی مضمون از خسر داست و لفظ از من، چنانکہ در دانش زخمہ

از معنی و صدا از تار“

اس مثنوی کے ۶۴ شعر ہیں۔ کلام کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے: ۲
 ہلہ بان، ای دقیقہ اندیشان حق پرستان و معد لٹ کینشان
 تزد بانان و صفت جہاد راز و تانین دین و دانش داد
 شاہی مایہ ہر حادث نیست نو بر غلبہ حوادث شد نیست
 یافت ہر کس کہ حجت عنوانش منتفی تا بہ یافت اُغلانش
 (۱۵) اسمای فارسی۔ قادر نامے کے محبس پر پس واسے نسخے کے آخر میں
 قرآنی کی نصاب البیان کے آغاز پر ۱۱ فارسی قطفے مذکورہ بالا نام سے
 چھاپے گئے ہیں۔ پوری کتاب کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے: الحمد للہ
 والحمدہ کہ نسخہ کثیر المنفعت فلیل الحکم مسمی بہ قادر نامہ و اسمای فارسی از
 تصنیف حاقانی زمان دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب باہتمام کتبیا
 لال داروغہ در محبس پر پس دہلی طبع شد“

۱۔ کلیات نثر فارسی: ۲۲۹ (۲) یہ پوری مثنوی تنقیر غالب مرتبہ پر و فیروز سید

مسعود حسن صاحب رضوی میں شائع ہو چکی ہے۔

اس عبارت سے مترشح ہے کہ اسماء فارسی بھی غالب ہی کی تصنیف ہے۔ کتاب کے آخری بے نقط قطعے کے انداز سے مذکورہ خیال کی بڑی حد تک تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم عند اللہ۔

تلامذہ رامپور

میرزا صاحب کے رامپوری شاگردوں میں سے حسب ذیل حضرات کا ذکر زیر نظر مکتب میں آیا ہے:

نظم

یہ نواب فردوس مکاں کا تخلص ہے۔ آپ فروری سنہ ۱۸۵۵ء میں میرزا صاحب کے شاگرد ہوئے۔ ابتدائی چند غزلوں میں پوست تخلص کیا۔ بعد ازاں میرزا صاحب کے مشورے پر ناظم لکھنے لگے۔

میرزا صاحب کے قیام دہلی کے باعث، زیادہ تر خط کتابت کے ذریعے اصلاح عمل میں آتی تھی۔ سرکار اپنے مسودے خوشنویس سے صاف کرا کے میرزا صاحب کے پاس بھیجتے۔ اصلاح ہو کر غزلیں واپس آئیں، تو ملا خطے کے بعد خوشنویس سے شکل دیوان لکھا کر رکھ لیتے۔ حسن اتفاق سے اصلاحی مسودوں میں سے چند کتاب خانے کے ردی گھر میں دستیاب ہو گئے ہیں۔ ان میں سجدہ اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں، جن پر میرزا صاحب نے صاف کیا۔ ان شعروں پر تین صاف کیے ہیں؟

جیلہ پیر دی شرع کہاں سے سیکھا؟ قبر عاشق کا نشان خوب مٹایا تو نے
کی بھلائی بھی، تو کس نخوت پندار کیساتھ بختِ خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگایا تو نے

خاطر تو جمع ہے کہ نہیں بعدِ حشر موت ناظم گذر ہی جائے گا روزِ شمار بھی

مارا ہے اس طرح کہ عجب کیا ہی، اگر ہو محشر میں زندہ ہونے کا سیوے یقین بھی

ان شعروں پر دو صا د کیے ہیں :

چاہیے تجھ سے رہیں بندہ و آزاد لول ق چاہیے تجھ سے کریں کافرو دیندار کا ط
نہ تجھے حشر کا، اے فتنہ ایام خیال نہ تجھے خلق کا، اے شوخ ستمگار کا ط
ان مثنیوں پر ایک ایک صا د ہے :

دیکھتا شوخی کہ میرا پوچھتے پھرتے ہیں مگر مٹ لیا ہے یہ کہ اسکو کچھ نہیں مگر سے غرض

بات کی تیج ہو، جو نامح سے کیا کرتا خوش در نہ دل دینے سے ہو میں غ دیشیاں آکل

آستیں بھی سچوڑ ڈالیں گے اشک کے پوچھنے سے فرصت نہ

غلط سہی اثر آہ و نالہ، پر ناظم رہے نہ دل میں ہو میں آؤ بھی کر دیکھو

طریق عشق میں ہر گز رہا نہ میں بیکار جو گر پڑا، تو قدم میں نے پاساں کیلئے

عجب ہے خوف شکایت بس کے لمباؤ رہے ہیں یاد ستمناے میثار کے
میرزا صاحب کے تمام شاگردوں میں یہ فخر صرف نواب ناظم کو حاصل
ہے کہ اسخوں نے اپنے استاد کے اندازہ خاص کو سب سے زیادہ اپنایا ہو
اس راے کی تقویت کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے کچھ اور
منتخب اشعار پیش کیے جائیں۔ فرماتے ہیں :

طولی شب ہجر جانتا ہوں مرنا مجھے لاکھ بار ہوگا

عیلیٰ کا بھی علاج کئی بار ہو چکا اچھا غم سراق کا بیمار ہو چکا
اب کیوں کمی کرے تجھے کس کا لحاظ ہو روئے کا نام دیدارِ خونبار ہو چکا

ملت سے امتحانِ وفا میں مرا ہنوز تاظم، اگرچہ تجر بہ سو مار ہو چکا

میں بھی ہوں، حضرت ناصح، دانا
تم نہیں قول و قسم کے بچے
کچھ سمجھ کر مجھے سمجھائیے گا
جدوٹ کہتا ہوں، قسم کھائیے گا

مے میں یہ بات کہاں جو ترے دیوار میں ہے
دل کے پینے میں یہ قدرت اسے اُٹھانے کی
جس کو دیکھا کہ گلہ پھر نہ سنہلے دیکھا
جس کو مٹی کے کھلونے پہ چلنے دیکھا

وہ کون ہے جو نہیں چاہتا کہ کام بنے
کہاں کی ٹینڈ، ادا جب یاس کی یاد آج
پراختیار میں بھی ہو درست کر لینا
اُٹھا کے تیکھے بازو پہ سر کو دھر لینا

چاہو تم ادھ ہو آزرده، یہ مانا چھنے
شرط انصاف نہیں تنکوے کو بجا کھٹا

پیش دزاری و تنہائی دہر گر ادانی
گھر میں سب کچھ میں موجود ہر صحر اکیسا

آبرو کیا، پیر میں جب بے گریباں لگیا
دیکھتے کو میرے آیا، لوحِ شام جہا
بارے، آنسو بچھو گئے میرے کہ داماں لگیا
مرتے مرتے مجھ پہ اس ظالم کا احساں لگیا
آدمی پر مازہ حسن بے نشان کیڑ کر کھٹا
جس قدر ظاہر ہوا اتنا ہی پہناں لگیا

ہنٹیں، خستگی، دل کا ہوا غم تچہ کو
یہ نہ دیکھا کہ مرے دل میں ہی پکیاں کس کا؟

دکھتی کہوں اور کر نہ سکو مجھ سے شکایت
اُس چشمِ فوں ساز کو بیمار کہوں گا

شرمندہ ہوئے پر کہیں خداور نہ بڑھ جائے
عہد اُس کا اُسے یاد دلانا نہیں اچھا
غم کھانے میں کچھ نفع بھی ہوتا ہے کہ ماضی
کتنا ہے کہ غم ہیہ کھانا نہیں اچھا

وہ عذر ہا ہی موبہ سٹے کہ کیا کہیے
ہوئے ہم اُن سے گلہ کر کے شرمسار بہت
زمین پہ گر کے بھی ہوتی نہیں شربِ نعت
کہ زیرِ خاک ہیں رندانِ بادِ خوار بہت

نہ ثواب اُس میں ہے نہ اس میں اثر
صبر ہیودہ ، اضطرابِ عبث

شدداد، شکر کر کہ گئی در پہ تیری جان
جب تھا مقامِ شکوہ کہ مرنا ارم سے دور
دم بھر میں جا پہنچتے ہیں، یاں کے مقیم اداں
یہ مرحلہ نہیں ہے سوا دِ عدم سے دور

گایاں دینے میں تم کو نہیں نہ ہمار لحاظ
پوچھے بات، تو ہو مانع گفتار لحاظ
بچ ہے، تھا عہدِ وفا یکے دل اسکو دینا
آگیا وقت پہ کرتے ہوئے تکرار لحاظ
جیب و دامن کو کیا سر بسر لودہ خوں
کچھ نہ آیا تجھے، اسے دیدہ خونبار لحاظ

مٹی نہ وصل میں بھی کلفتِ زمانِ فراق
تمام رات کہی ہم نے داستانِ فراق
خوشا حبیب وادایا ہی داستانِ حبیب
بدا فراق و المہامی جانستانِ فراق
جگر گداز ہے کیا گرمی جگاہِ عتاب
جگر شکاف ہے کیا تیزی سنانِ فراق

ہمنشین، صورتِ آرایشِ عالم کب تک؟
جاد دانی سہی نقش، مگر تم کب تک؟
کون ہو گا کہ نہ ہو معتقدِ فصلِ بہار
موسم اچھا ہے، یہ یہ کیسے کہ موسم کب تک؟
کیا نہ سوکھیں گے سرشک اور نہ دم ٹوٹے گا
گر یہ پے در پے و فریاد و اوم کب تک؟

جیرے میں نے کیا ہے اُس کو مہاں آجکل
بن رہا ہے گھر مہکتاں کا زنداں آجکل
اُگیا برسات کا موسم وہ اب کیوں آئیں گے
اُن کے ہاتھ آیا ہے عذر باد و باراں آجکل

شہرت نہیں مجنوں کی برابر، یہ مسلم
ہستی سے ہیں بہرہ ملا ہے فقط اتنا
پر کوئی نہ جانے ہیں، ایسے بھی نہیں ہم
ہیں مثلِ سحر ایک دم باز پسیم

یظلم جو تم کرتے ہو، بیجا نہیں گویا
کتنے ہوئے "شکوہٴ سبباً نہ کر دو تم"
نے دام نہ دانہ، فقط اک شرط وفا کی
کیوں آ کے پھنسنے کوئی، گرا بیسا نہ کر دو تم
ہم تم کو پُر اسکتے ہیں یا خو کو تمہاری
لوخ کی بھی اچھی کھی، جھگڑا نہ کر دو تم

فسادِ ستم، ہجر ہے، سوال نہیں
سنا بھی تم نے تو کس سے سنا، خدا کی پناہ!
نہ دو جواب، سنے جاؤ، کچھ طلال نہیں
کہا ہے غیر نے جو کچھ، وہ میرا حال نہیں

مزا دیتا ہے تنہائی میں روتا
وصالِ دائمی کا ہے تصور
کہ اک دریا رداں ہے ادھر میں
یہاں ہے خزاں ہے ادھر میں

دلِ ستم ہے کافر کا، پُر آنکھوں میں حیا ہے
دل دیکھ رہا گریہِ خونیں کا مجھے شغل
سُستے ہی جفا کا کلمہ شرمائیں آنکھیں
باقی تھا جگر، سو اسے یوں کھا گئیں آنکھیں

بل جاتے ہیں تو کہتے ہیں، اچھی طرح نہ تو
گو یا ہمارے جی میں کچھ ارمان ہی نہیں

جب ترا نام سنا، تو نظر آیا گویا
ذرہ و مہر و گل و خار میں ہر سو موجود
کس سے کہیے کہ تجھے کان سے ہم دیکھتے ہیں
دیکھتے ہیں تجھے، گردِ ہیان سے ہم دیکھتے ہیں

کتنے ہو جائیں گے، پھر کیوں نہیں جاتے، جاؤ
میرے جینے کی مجھے راہ بتاتے جاؤ
غصہ کیسا؟ نہ مجھے زجر نہ دریاں کو نہیں
دنگ آتے ہو، تو آواز سناتے جاؤ
میں نے پھونکا بھی، تو کیا تم نے تماشا دیکھا
گھر کو اچھا ہے، تمہیں آگ لگانے جاؤ

عاشق ہو سے سے کم نہوئی اُس کی سرکشی
معشوق سے ہے عیدہ تازہ داد کے ساتھ
تھک رہے ہیں، پوسے کے سائل ہیں پرتیز
اک نوع کا غور بھی ہے التجا کے ساتھ

فرما دے دوس پریش نے بھی دمی تو سہی جان
ہم زہد و عبادت کے بھی منکر نہیں، ناظم
پرشیوہ ارباب وفا اور ہی کچھ ہے
پر قاعدہ فقر و فسا اور ہی کچھ ہے

ہمیں ہے حضرت عیسیٰ کا امتحان منظور
کے نہ کوئی کہ پھرتے ہیں ہم دو کچھ

کھلے کیا دل، درو دیوار کے آثار باقی ہیں
سبجائی کا دم بھرتے ہو، سچ ایسے ہی ہو لیکن
ہوا ہر چنڈ گھر دیراں، پہ صوابی بھی محراب ہے
کبھی اپنے مریش غم کو بھی پوچھا کہ کیا ہے

کیسی شفا، کہاں کی شفا، یہ بھی چند روز
ڈرتے ہیں منہ بے بھلا آئے تو سہی
قسمت میں تھا کہ ناز مسیحا اٹھائے
ابھی کہی کہ ساغر و میسنا اٹھائے

نہ دوس کو کوئی نہ اچھا کئے بھلا
تم سے نہ ہو مواخذہ، یہ اور بات ہے
آزادگی ہوئی بھی تو کس بات پر ہوئی
پر کیا کہو گے، ظلم کی پریش اگر ہوئی

وہ اپنے وعدے کے سچے ہیں آئیں گے، لیکن
نہ دل سے نالہ رکے اور نہ آنکھ سے آنسو
محال صبر کہاں، تاباں انتظار کسے!
کوئی کہو کہ کسے کوئی راز دار کسے

نودہ سہے کہ گرجم در گلزار سے گزے "کیوں بارغ گیا تھا" یہی تکرار نکالی
ہم وہ ہیں کہ بد وضع، تڑسی روز نئی بات سننے رہے پڑسنے سے نہ نہار نکالی

نواب فردوس مکاں کا دیوان دو بار چھپ چکا ہے۔ مگر پہلی بار سنہ ۱۲۷۸ء
میں چھپا، تو صرف میرزا صاحب کے اصلاحی کلام پر مشتمل تھا۔ دوبارہ اُن کے
صاحبزادے سید حیدر علی خاں بہادر نے سنہ ۱۲۸۶ء میں شائع کیا، نودہ غزلیں
بھی شامل کر دیں، جن میں اسیر کھنوی سے مثنوی سخن کیا گیا تھا۔^۱

بنیاب

نواب فردوس مکاں کے حقیقی چچا زاد بھائی، اور نواب خلد آشتیاں کے
حقیقی ماموں تھے۔ مومن خاں مرحوم سے تعلق تھا۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں میرزا صاحب
کے شاگرد ہوئے اور مومن خاں کا دیکھا ہوا مکمل دیوان اُن کے پاس اصلاح
کے لیے بھیج دیا۔ اس کی اصلاحیں بنیاب کے نام کے خطوط کے ساتھ لکھی جا چکی
ہیں۔ یہاں صادمی اشعار نقل کیے جاتے ہیں۔^۲

اس شعر پر میرزا صاحب نے تین صا د بناے ہیں:
لکھ دیا لکھتے تو، لیکن پھر جو کچھ رحم آگیا ردو یا اللہ نے میرا مقدر دیکھ کر
اور حاشیے پر لکھا ہے: "آپ سے پہلے میری سر نوشت پر بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ غالب
ان شعروں پر دو دو صا د ہیں:

کیا ہوئی مین جہیں ہنستے ہو کیسے نقش پڑا زندگی میں یوں کبھی صورت نہ دکھلائی ہیں

غیر بھی کہہ نہیں سکتا ہو کہ بنیاب ہوں میں نام سے میرے ہوئی ہو انھیں نفرت کہی

۱- دیوانِ ادلی کے چند نسخے کتابخانہ راجپور میں موجود ہیں اور اہل ذوق کے ہاتھ فروخت کیے جاتے ہیں

۲- بنیاب کا دیوان گلدستہ بارغ جہاں کے نام سے چھپ چکا ہے۔

ان اشعار پر ایک ایک صا د ہے :
کیا لپشیاں ہوئے وہ مار کے ٹھوکر افسوس ! سنگ رہ سمجھے غنچے جس کو وہ مراسر نکلا

ضد تو دیکھو کہ نہ کی غیر کی جانبداری یوں بھی اُنھیں ہم سے گوارا نہ ہوا

کوئی یوں نیم نسل کوڑ پتا چھوڑ جاتا ہے ! یہ پیر جی تو دیکھو، کس جگہ وہ رحم کھاتا ہے
نواب خلد آشیان

خلد آشیان نے میرزا صاحب سے مشورہ سخن کا آغاز فارسی نثر سے کیا
تھا۔ میرزا صاحب نے تفتہ کے خط میں لکھا ہے :

”نظم کی طرف توجہ نہیں، نثر لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں۔ جلا لای طباطبائی
کی طرف برتنے ہیں۔“^۱

خود نواب صاحب کو تحریر کیا ہے :

”دافعی اقتراح کلام بطرز میرزا طاہر وحید اور پھر نگارش مطالب بشیوہ میرزا
جلا لای طباطبائی ہے۔ لیکن دونوں صورتوں میں دیباچہ اعجاز حسدی کا رنگ
جلوہ گر ہے۔ پس ناقد بصیر کے نزدیک یہ نگارش، طاہر وحید اور جلا لای عیادت
سے بہتر ہے۔“^۲

بہت ممکن تھا کہ فارسی نظم میں بھی اُنھیں سے مشورہ کرنے۔ مگر سوہ اتفاق
سے یہ رشتہ استوار نہ رہ سکا۔ اور اُنھوں نے اپنا فارسی کلام مورخ الدولہ سپہر کاشانی
کے پاس ایران بھیج دیا۔ اُردو میں امیر مینائی کے شاگرد ہو گئے۔

آپ نے اپنے اُردو اور فارسی دواوین بڑے اہتمام سے شائع فرمائے تھے
گر عام طور پر اہل ادب اُن کے انداز سے نا آشنا ہیں۔ اس لیے مقتضای مقام

۱- اُردو : ۴۴ (۲) مکتب : ۵۵ (۳) نواب خلد آشیان کے دواوین کے باقی ماندہ نسخے

اہل ذوق کے ہاتھ فروخت کیے جاتے ہیں۔

یہاں چند منتخب شعر لکھے جاتے ہیں :
 ملا ہزاروں میں مجھ سے اک زمانہ ملا
 مگر حسد کی قسم ! بتا ہے وفاتہ ملا
 ملا ہے یار ! تو نواب اتنے خوش کیوں ہو؟
 خدا ملا، کوئی دولت ملی، خزانہ ملا !

ستا ہے ہر دم نئے رنگ سے زمانہ بھی تیر سی ادا ہو گیا

میں تو مرتا ہوں اپنی ہمت پر جان دے کر بھی انفعال ہوا

حشر تک تجھ کو مبارک ہے رونا، نواب
 رکھ دیا آنکھ پر اس شوخ نے دہن اپنا

ہجر میں ناتواں ہونے لے ہمار کیوں کرتے اٹھاؤں گا

کون قتل میں سے گا میری زیادیں کتم ہاتھ اٹھاؤ گے، تو شور مچا ہو جائے گا

یہ کیا کیا کہ کیا دعویٰ وفاتاب کہ اُس کو اور جفا کے لیے بہانہ ہوا

ذوق دیدار مدد کر، کہ بڑے شوق سے حوصلہ دیکھتے ہیں اپنے متاثنائی کا

نواب تو نے صل کا پیغام کیوں دیا؟ کینت، کیا فراق میں تجھ کو مزانہ تھا؟

نواب، یونٹو اُس نے آنکھیں لڑائیں کب پر دیکھنا وہی ہے، جس کو ادا سے دیکھا

اثر آیا دعا میں اُس دم ماے دل میں جب کوئی مدعا نہ رہا !

کس خرابی سے دل کو تھاما ہے! ناز سے اب نہ مسکرائیں آپ

ہم تو درو کے جاتے رہے الفت اپنی زیر لب ہنس کے وہ کہتے رہے ہر بار عبث

کی فرشتوں کی راہ ابرنے بند جو گنہ کیسیے ثواب ہے آج

دیوانہ گر کہیں گے، تو مجھ کو کہیں گے لوگ تم کیوں ہو مضطرب، مجھے بیتاب دیکھ کر

مرنا بہت ہے مشکل، کہتے ہو منہ بنا کر صدقے تھکائے منہ کے، دیکھو تو مسکرا کر

جاتے ہیں انتظار میں جی سے کون بیٹھا رہے قیامت تک!

شکوے نہ سننے کی ہر تغافل سے خودیاں اٹکا ہے دم یہاں گلہ تا تمام تک

دیا ہے بوسہ، اُسے پھیر لو تو ہم جانیں یہ دل نہیں ہے کہ لیجاؤ مسکرا کر تم

ہوش میں آؤ، نہ بھولو مری نادانی پر تم کو ہشیا رہنا یا ہے، وہ ناداں ہوں میں

ابھی تو بھولے ہوئے ہو، گر یہ یاد رہے ہوں گے ہم، تو کہو گے: ”وہ یاد آتے ہیں“

ایسی تو بخود ہی نہیں ہوتی شراب میں کیا تم نے میرے بخت کو دیکھا ہر خواب میں

سو ظلم اب تو ہم پہیں، پر کچھ بھی یاد ہے کہتا وہ بے بسی میں کہ ”اسد کیا کروں؟“

جس حشر پر توقع فریاد ہے مجھے ڈرتا ہوں، وہ بھی کوئی تمھاری ادا نہ ہو

اثرِ فلک سے اتر آؤ خدا کے لیے! کہ اُس نے ہاتھ اٹھائے ہیں ادب کے لیے

مانگیں ہیں رقیب نے دعائیں مٹی نہ حشر اب ہو اثر کی

وصل میں اک نہ اک بلا آئی جب رُکاوٹ گئی، حسیا آئی

آپ کا ماتم میں آنا عذر خواہی کے لیے حشر میں کافی ہے میری بے گناہی کے لیے

حشر میں جو بے بن کے چھوٹ گئے یہ نئی طرح کی شرارت تھی

اشک بچھاؤ اور آنکھیں دو، خدا یار کم کر اتنی ہی آنکھیں بھی دے آئینہ مانے کے لیے

یکس کا زخم ہے یارب کہیں مرنے وقت تڑپ کے سیکڑوں بے دل دگر کے لیے

لذت نہ پائی کچھ دل اُمید ارنے دھوکا بڑا دیاستم روزگار نے

کون کتنا ہو کہ نالوں میں نہیں تاثیر کچھ چور کرتے ہیں وہ ہم پر اک اثر یہ بھی تو درِ منشی

منشی سلیمان دارالافتا کے افسر کا تخلص ہے۔ اُنھوں نے نواب فردوس مہاں کے غسلِ صحت کی تاریخ کا ایک شوگر گاہ کر میرزا صاحب کے پاس بغرضِ اصلح تحمیل بھیجا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے شاگرد تھے۔ مزید کلام

دستیاب نہ ہو سکا۔

شوخی^(۱)

نادر شاہ خاں کا تخلص ہے۔ ان کے والد کا نام محمد ضامن خاں رسالدار اور وطن راجپور تھا۔ شوخی کی پیدائش دہلی کی ہے۔ ادنیٰ شباب میں وہیں ملازمت بھی کی۔

سنہ ۱۸۶۰ء میں میرزا صاحب راجپور تشریف لائے، تو انھوں نے اپنا کلام پیش کیا۔ میرزا صاحب نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ”تم جانتے ہو، میں نواب صاحب کا بھلایا ہوا حاضر ہوا ہوں۔ انھوں نے اصلاح شعر کی خدمت میرے سپرد کی ہے۔ بغیر ان کے حکم و اجازت کے یہاں اور کسی کے کلام پر اصلاح نہیں دیکھتا“۔ شوخی اس بات سے بہت مایوس ہوئے، مگر اتفاق یہ کہ میرزا صاحب کے پاس شراب ختم ہو گئی۔ نجی ملازموں میں سے کوئی اس کا اہل نہ تھا کہ مراد آباد سے جا کر شراب لا دے۔ شوخی آئے، میرزا صاحب نے ان سے سارا حال کہا، وہ اس خدمت کے بجا لانے کو تیار ہو گئے۔ میرزا صاحب نے شراب کا نام بتایا اور مزید شناخت کی خاطر خالی بوتل دکھا کر ویسی ہی ایک بوتل لانے کا حکم دیا۔ شوخی نے گھر آ کر باپ سے منتیں کر کے روپیہ لیا، اور ایک کی جگہ ۵ بوتلیں خرید کر لادیں۔ میرزا صاحب بہت خوش ہوئے، اور قیمت لینے پر اصرار کیا مگر شوخی نے ایک نہ مانی۔

۱۔ زیر نظر کاتب میں شوخی کا ذکر نہ ہونے کے باعث یہاں ذکر کرنا بے جوڑ سا نظر آتا ہے۔ لیکن مولانا مہر نے اپنی کتاب میں میرزا صاحب کے قیام رام پور کے کچھ واقعات ان کی زبانی نقل کئے ہیں، جن کے مجھ خود شوخی کی شاگردی کا دلچسپ واقعہ بھی ہے۔ چونکہ میں نے بحث تعلقات رام پور میں شوخی کے بیان سے فائدہ اٹھا رہا ہوں اس لئے جزا و حسان کے طور پر یہاں ان کا ذکر کر رہا ہوں۔

۲۔ ممکن ہو کہ میرزا صاحب شوخی کو ٹالنا ہی چاہتے ہوں۔ لیکن انھوں نے نواب، زمین الیاء پر خاں عورت کلن میاں کے کلام پر اصلاح دینے سے انکار کی جو وجہ جان کی تھی، وہ بھی میرزا صاحب سے استعارت تھی۔ اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس کے جذبہ رقابت و رشک کے خوف سے میرزا صاحب کی افواضہ مبارک کے اعزاز اور رعایا دونوں پر اسے استاء نہ نفعی پیدا کرنے کو مصلحت کے خلاف جانتے تھے، اور اسی لئے یہ اجازت اصلاح دینے سے شکتہ تھے۔

دوسرے دن شوخی حاضر ہوئے، تو میرزا صاحب نے فرمایا: ”وہ تمھاری غزل کہاں ہے، جو اُس دن لائے تھے؟“ شوخی نے فوراً جیب سے نکال کر غزل پیش کر دی۔ میرزا صاحب نے اُسے دیکھ کر جا بجا اصلاح دی۔ اصلاح دیتے جاتے تھے، اور ساتھ ساتھ ہدایات و افادات کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اس کے بعد شوخی دہلی جا کر کئی ماہ تک میرزا صاحب کی خدمت میں رہے (۱)۔

وسطِ عمر میں شوخی بنارس چلے گئے تھے، اور گلشنی کے نائب ناظر اور پیشوا کی خدمات انجام دینے کے ساتھ میرزا صاحب سے مشورہ سخن بھی کرتے رہے۔ (۱)۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اُن کے پاس ایک قطعہ دیکھا تھا، جس پر میرزا صاحب کے قلم کی اصلاحیں تھیں۔

نوٹ: کلام یہ ہے:

ہوں کسی حالت میں، پر غصہ ہو اس دلگیر پر
خود بخود دل آگیا پیشانیِ نقویہ پر

ہر ہر سخن پہ جان نہ دینے کا ہے گلہ
اک بات آگئی ہے بت خود نما کے ہاتھ

بنا کر دل کوئی میخانہ، جی میں ہے، شوخی
کہ بعدِ مرگ زمانے میں یادگار رہے

کچھ روز جوانی کے مزے لینے دے زاہد
دو چار برس میں تو قیامت نہیں ہوگی

لوازماتِ امارت

شاگردِ پیشہ

۱۰ اگست سنہ ۶۶ء کے عریضے میں میرزا صاحب نے اپنے ملازموں کا بھی اجمالی ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”حصنور کے عطیے پر میرا اور شاگردِ پیشہ کا اور حسین علی خاں کا گزارہ رہے۔

عالم الغیب بابتلے جس طرح گزرتی ہے۔“^(۱)

۱۵ نومبر سنہ ۶۷ء کو پھر لکھتے ہیں:

”ستے شاگردِ پیشہ اور لستے قرض تفرقہ میں جا کر لہ روپے بھیں گے۔“^(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مالی پریشانی کے باوجود میرزا صاحب امیرانہ شفاٹھ رکھتے تھے۔ ان میں سے بعض کا تذکرہ میرزا صاحب کے دوسرے سفرِ رامپور کے ضمن میں آئے گا۔

شاگردِ پیشہ کی تنخواہ

میرزا صاحب نے نومبر سنہ ۱۸۶۷ء میں نواب خلد آشیاں کو اپنے ماہوار مصارف کی جو روداد لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ہر مہینے ۶۳ روپے نوکروں کی تنخواہ کے ادا کرنا پڑتے تھے۔^(۳) لیکن ۱۲ نومبر سنہ ۶۷ء کو رامپور سے حکیم غلام نجف خاں کو مختار کار کی شکایت میں لکھا ہے:

”خفا میں ہوں کہ..... چٹا ۲۳ روپے ۸ آنے کا نہ بانٹا۔“^(۴)

ظاہر ہے کہ دو سال کے اندر ملازموں کی مقدار میں اتنا اضافہ ممکن نہیں کہ ۲۳ کی جگہ ۶۳ روپے کا ماہوار خرچ ہو جائے۔ اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا تو میرزا صاحب نے سرکار کی ہمدردی حاصل کرنے کی غرض سے واقعی صرف سے زیادہ لکھا، اور یا حکیم صاحب کے خط میں کاتب نے ۳۶ کی دہائی کو غلطی سے دوڑھ لیا۔ چونکہ ۶ اور ۲ میں اکثر دھوکا

(۱) مکاتیب: ۵۵ (۷) ایضاً: ۷۷ و ۸۳ (۳) خطوط: ۱/۲۳۱

ہوتا ہے، اس لیے میں یہی خیال کرتا ہوں کہ کاتب نے سوچا یا غلط پڑھ کر ۶۳ کی جگہ ۲۳ لکھ دیکے ہیں۔

مختار کار

میرزا صاحب نے ۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ء کے عریضے میں مختار کار کا بھی ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

”آج آخر روز قیوع و قیوع مع جلائی کی خواہ کی ہنڈوی کے پٹیا۔ ہنڈوی مختار کار کو دی اور یہ عرضی لکھنے بیٹھا“ (۱)

بعد ازاں ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء کو منشی سیلچند کے نام کے مکتوب میں لکھتے ہیں:

”اگلے چینی یعنی اگست ۱۸۶۸ء کی خواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی اس کا رد یہ

ابھی تک نہیں پٹا۔ میں تو جس دن ہنڈوی آتی ہے اسی دن یا دوسرے دن

اپنے مختار کار کے ہاتھ کہ وہ بھی ہمارے ہے، بیچ ڈالتا ہوں۔ مگر اس مختار کار کو

جس کے ہاں ہنڈوی آتی ہے، اس نے رد یہہ ایک نہیں دیا“ (۲)

اس بیان سے مترشح ہے کہ مختار کار سے کوئی تنخواہ دار ملازم مراد نہیں ہے

بلکہ میرزا صاحب کا جس ہمارے سے لین دین تھا اسی میرزا صاحب مختاری کا کام بھی لینے تھے۔

حکیم غلام نجف خاں کے محولہ بالا خط سے مختار کار کا نام بھی معلوم ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں:

”کہارنا تھڑا کا ہے۔ وہ مجھے سے کیا خفا ہو گا؟ روپیہ جو خزانے میں جمع ہو گا آخر

وہی لائے گا۔ خفا میں ہوں کہ روپیہ دام دام لیا میرا منک نہ دیا، اور چھپا

۲۳ روپیے آٹھ آنے کا نہ بانٹا“ (۳)

انگریزی تعلقات

دیرینہ نمکھوار

حکومت انگلشیہ سے میرزا صاحب کے تعلق کا آغاز اُن کے چچا نصر اللہ بیگ خاں بہادر کے توسط سے ہوتا ہے۔ نصر اللہ بیگ خاں بہادر انگریزی فوج میں رسالدار اور پریگٹ سوئٹ سوئٹ کے جاگیردار تھے۔ میرزا صاحب اپنے والد کے انتقال کے بعد چچا کی سرپرستی میں پرورش پائے تھے کہ سنہ ۱۸۰۶ء میں نصر اللہ بیگ خاں بہادر کا انتقال ہو گیا۔ لارڈ لیک بہادر نے دیرینہ خدمات کا لحاظ کر کے، جاگیر کے عوض اُن کے متعلقین کی ہزاروں پنشن مقرر کر دی، اور اس طرح میرزا صاحب انگریزوں کے وظیفہ خوار بن گئے۔

یہ پنشن نصر اللہ بیگ خاں بہادر کے نسبتی بھائی نواب احمد بخش خاں بہادر، والی فیروز پور جھڑکے خزانے سے ملتی تھی۔ لیکن اُن کے جانشین، نواب شمس الدین احمد خاں بہادر کو دلیم فریزر، ریڈیٹنٹ دہلی کے قتل کرانے کے الزام میں پھانسی دیدی گئی، اور فیروز پور کی جاگیر ضبط ہو گئی، تو میرزا صاحب اور دیگر ورثائی نصر اللہ بیگ خاں کی پنشن خزانہ کلکٹری، دہلی سے تقسیم ہونے لگی اور اپریل سنہ ۱۸۵۷ء تک میرزا صاحب کو ملتی رہی۔

اپنی اس ”دیرینہ نمکھوار“ کے متعلق نواب فردوس مکاں کو تحریر کرتے ہیں:

”حالی دہلی جان آرا می باد کہ دیرینہ نمکھوار سرکار انگلزم، دہلی میرزا خاں سال

یکہزار و ہشت صد و شش کہ درانگاہ شارسین عمر من از وہ نگوشتنہ بود

بعض جاگیر عم حقیقی نبی خود نصر اللہ بیگ خاں بہادر کہ باجمیبت

(۱) تاریخ سلطنت انگلشیہ ۱ ص ۵۸ ملحق مراد آباد سنہ ۱۸۶۷ء میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۸۰۵ء میں سوئٹ سوئٹ سہا رنقل اگر قبضہ سرکار میں آیا

رسالہ چار صد سوار بیعت جرنیل لارڈ لیک بھادور فتح ہندوستان
کوشنہای نمایان کردہ، وپرگنہ سوگنک سونہا بقیدین جیات جاگیر یافتہ
وہم دمان عہدبرگیا ناگاہ از جهان رفته بود، بفرمان جرنیل لارڈ لیک بھادور
منظور می گورمنٹ، مشت زری شامل جاگیر ہم سہی من، نواب احمد بخش
خان بھادور، دروجہ معاش من منجملہ ذراستمراری سرکاری کہ بدتہ
نواب احمد بخش خان مہر دوام واجب الادا بود، قرار یافت۔ چون
جانشین احمد بخش خان کیفر کردار یافت و جاگیر سرکار باز یافت مشد،
رسیدن آن وجہ مقرری از خزائن کلکتری دہلی صورت پذیرفت، چنانکہ تا
انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ء از کلکتری دہلی یافتہ ام ۱۱ (۱)

دربار اور خلعت

پیش خوار کی حیثیت سے میرزا صاحب اہم شخصیت کے مالک نہ تھے۔
انہیں ساڑھے سات سو روپے سالانہ یا ساڑھے باسٹھ روپے ماہوار کا معمولی وظیفہ ملتا
تھا۔ نواب خلد آشیان کو ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء کے عریضے میں لکھا ہے:
”ہیئنا انگریزی سرکار سے بعض جاگیر پاتا ہوں“ (۲)

در اصل ان کا حقیقی اعزاز یہ تھا کہ گورنر جنرل کے دربار میں دائمی صفت میں دسواں
نمبر اور سات پارچے کا خلعت مع جیفہ، سر پیچ و مالای مردارید پاتے تھے۔ نواب
فردوس مکاں کو یہ تفصیل لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میں انگریزی سرکار میں علاقہ ریاست دودمانی کا رکھتا ہوں۔ معاش اگرچہ
قلیل ہے، مگر عزت زیادہ پاتا ہوں۔ گورمنٹ کے دربار میں دسواں نمبر اور
سات پارچے اور جیفہ، سر پیچ، مالای مردارید خلعت مقرر ہے“ (۳)

خدا اور قصورِ خدمت

سرکار انگریزی سے میرزا صاحب کے تعلقات مئی سنہ ۱۸۷۷ء تک خوشگوار

(۱) مکاتیب: ۸ (۲)، ایضاً: ۳، (۳) ایضاً: ۱۵۔

تھے۔ جب دہلی اور دیگر اطراف ملک میں انگریزوں کے خلاف فوج اور رعایا نے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، اور بہادر شاہ ظفر مطلق العنان حکمران قرار دے گئے، تو میرزا صاحب کے لیے گوشہ گیری کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا، کیونکہ اگر اپنی محسن سرکار کا ساتھ دیتے، تو باغی گھر بار لوٹ لیجاتے، اور اہل قلعہ کی کھلم کھلا حمایت کرتے، تو بصورتِ ناکامی انگریزوں کی طرف سے بدسلوکی کا خوف تھا۔ نصیب کی تائید سے میرزا صاحب کی تدبیر کارگر ہوئی اور وہ دہلی کے اندر باغیوں کے ساتھ ”باطن بیگانہ و بظاہر آشنا“ ایام گزاری کرتے رہے۔ جب انگریزی فوج نے شہر فتح کیا، اور ان اشخاص کی دار دیگر شروع ہوئی، جنہوں نے باغیوں کی جذبہ داری کی تھی، تو بہت سے شہری خوف کے مارے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ میرزا صاحب اس وقت بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ شہر میں تحقیقات شروع ہوئی، مجروروں نے اظہار میں بہم پہنچا کر باغیوں کی تلاش میں گورنمنٹ کی مدد کی۔ میرزا صاحب بھی قلعہ کے وظیفہ خوار تھے۔ چاہیے تھا کہ حکام انھیں بھی بلاتے اور پُرس وجو کرتے، مگر ایسا نہ ہوا خود میرزا صاحب نے کسی حاکم سے اس لیے ملنا مناسب نہ جانا کہ موجودہ اصحاب میں ان کا کوئی شناسا نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصے کے لیے ان کے تعلقات انگریزی منقطع ہو گئے۔ دورانِ بغاوت میں، نواب فردوس مکاں نے انگریزوں کی بڑی امداد کی تھی۔ میرزا صاحب اس حقیقت سے واقف تھے۔ جب غدر کی آگ بجھ گئی، تو انھوں نے ۱۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کو اپنی روداد نواب صاحب کو لکھ کر آخر میں عرض کیا:

”راستی ایک دریں فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیا در وہ ام لیکن مقام شہر است کہ بہ تقدیم ز سید بن خدمت اذماہ بیدار ستگا ہی ست و ذریعہ اخلاص و خلوص ہاں بی گنا ہی ست“ (۱)

بعد ازاں ، نومبر ۱۸۵۵ء کو تحریر کیا ہے:
” خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلقِ قلعہ کسی طرح کے جرم کا بہ نسبت میرے احتمال
بھی نہیں“ (۱)

اسی سلسلے میں ، نومبر سنہ ۱۸۵۹ء کو لکھتے ہیں:
” اہلک میں اپنے کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار مقبول ہوں
یا مردود ، مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی جو نئے انعام کا مستحق ہوں ؛ لیکن
کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی ، جو دستور قدیم کو برہم مارے“ (۲)

مسدودی دربار و خلعت و نشین

میرزا صاحب نے ایامِ غدر میں جو رویت اختیار کیا تھا ، اس کی بنا پر
حکومت انگلشیہ کی نظر میں مجرم ثابت نہ ہوئے کہ سزا دی جاتی ؛ لیکن کسی خاص خدمت
کے انجام نہ دینے کے سبب سے اس کے بھی مستحق خیال نہ کیے گئے کہ نشین ، دربار
اور خلعت بحال رکھا جائے ۔ چنانچہ یہ تینوں اعزاز بند ہو گئے ۔ نو اسباب
فردوس مکاں کو ، نومبر سنہ ۱۸۵۹ء کے عریضے میں دربار و خلعت کے ذکر
کے بعد لکھا ہے :

” لارڈ ہارڈنگ صاحب کے عہد تک پایا ۔ لارڈ ڈالہوسی یہاں آئے نہیں ۔

اب یہ نواب علی القاب آتے ہیں ۔ زمانے کا رنگ اور ۔ کوئی حاکم کوئی

سکرٹریر آشتا نہیں ۔ بڑے میرے مربی قدردان جناب اڈمنسٹریٹرس صاحب

وہ بھی چیف سکرٹریز ہے ، لفٹنٹ گورنر ہو گئے ۔ وہ سکرٹریز رہتے ، تو

مجھے کچھ غم نہ تھا“ ۳

نشین کی مسدودی کے بارے میں ۴ جنوری سنہ ۱۸۵۸ء کے محولہ بالا عریضے
میں لکھتے ہیں :

” چنانکہ تا انجام اپریل سنہ ۱۸۵۷ء کلکتہ کی دہلی یافتہام ۔ دائرہ

خود آشکارا ہے کہ حالِ حیات ہے ۱

اس کے بعد، نومبر سنہ ۱۸۵۸ء کو تحریر کرتے ہیں:
 ”جنابِ عالی، طرہ معاملہ ہے۔ خدا کا شکر ہے، اور اپنی قسمت کا گلہ جو
 قسمت کا گلہ یہ کہ عطایٰ بنن قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر
 سنہ ۱۸۵۸ء انیواں مینا ہے۔ گویا بن کھائے جینا ہے“ ۲

پنشن کی بجالی کی کوشش

مئی سنہ ۱۸۰۶ء سے اپریل سنہ ۵۷ء تک میرزا صاحب کو خاندانی وظیفہ
 ملتا رہا۔ مئی میں غدر ہو گیا اور چند ماہ تک اہلِ دہلی اور گورنمنٹ کے تعلق سے
 منقطع رہے۔ فتحِ دہلی کے بعد، جنوری سنہ ۵۸ء تک میرزا صاحب نے اس لیے
 تنہا یہ راہ و رسم کی سعی نہ کی، کوشش لاکھوں میں سے اب کوئی نہ رہا تھا، اندر
 نئے حکام سے ملاقات کی تقریب کوئی خدمت ہوتی چاہیے تھی، جوازِ اخراجات
 انھوں نے انجام نہیں دی تھی۔ چنانچہ ۱۴ جنوری سنہ ۵۸ء کے عریضے میں نواب
 فردوس مکاں کو لکھا ہے:

”دائے سر آغاز سال ۱۸۰۶... بعض جاگیرِ عمِ حقیقی نسبتی خود... مشورہ

نرمی... درودِ سعادت من... قرار یافت... چنانکہ تا انتخاب

اپریل سنہ ۱۸۵۷ء از کلتری دہلی یافتہ ام۔ دائرہ خود آشکارا

کہ حالِ حیات... می باسیت کہ خود سلسلہ جہان گشتی و احکام پیوستی

درین بارہ سخن آنست، کہ درین فرماندہان بایں کس سابقہ معرفتی

ندارم۔ دستہ اسوق و محلِ آن نمی نگرم کہ نامہ توفیق و خواہش ملاقات

میان آورم۔ راستی ایک درین فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیا دردم ام“ ۳

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴ جنوری اور ۲۵ مارچ سنہ ۵۸ء کے درمیان ہی میرزا کا
 پنشن کی سلسلہ جہانی شروع کر دی تھی۔ اس لیے کہ نواب فردوس مکاں کی بارگاہ

دعوتِ راپور کے جواب میں، صاحبزادہ سید زین العابدین خاں بہادر کو
۲۵ مارچ سنہ ۱۹۵۸ء کو لکھتے ہیں:

”میں نے اپنے پن کے باب میں چیف کمشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔
وہاں سے صاحب کمشنر شہر کے وہ درخواست واسے ہوئی۔ صاحب کمشنر دہلی نے
صاحب کلکٹر شہر سے کیفیت طلب کی ہے۔ پس اگر وہ کیفیت پن کی ہے،
تو یہاں کی کلکٹری کا دفتر اگر نہیں رہا نہ رہے، ریویو پور کے دفتر اور لفٹ
گورنری اگر وہ اور ذاب گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پن کی کیفیت سے
خالی نہیں ہیں۔ اور اگر میری کیفیت مطلوب ہے، تو میرا پیرم اور بری اور لگ
ہونا فائدہ سے، از روی دفتر قلعہ داغدار مخبرین، ظاہر ہے۔ بہر حال صاحب
کمشنر شہر، کیفیت صاحب کلکٹر سے طلب کو کر چیف کمشنر کے ساتھ پنجاب کو
گئے ہیں۔ دیکھیے کب آویں، اور بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دیں۔“

مراحل میں نام

اس عرصے میں میرزا صاحب نے بقول خود ”مداہان حکومت انگلشیہ میں
اپنا نام درج کرا کے دزرای ملک دارا دربان کے دوسار تیفکٹ حاصل کر لیے
تھے۔“ اس کے باوجود نومبر سنہ ۱۹۵۸ء تک سائنس جاری نہ ہوئی، اور جب شہر میں
یہ افواہ مشہور ہوئی کہ جنوری سنہ ۱۹۵۹ء میں پشداروں کو روپیہ ملے گا، تو

۱۔ مکاتیب: ۸۶: ۱۶۱ نومبر سنہ ۱۹۵۸ء سے پہلے ہی غالب نے کلکٹر یا کسی طرح میں یہ تفسیر:

نظمِ محنت زمرہ خون چکان دہ
کلکٹر لارڈ آئن برا، سابق گورنر جنرل، کو لکھن بھجوا کر وہ اسے بارگاہِ شاہی میں پیش کر میں۔
جواب آیا کہ قصیدہ بھجوا، میں نے حکام پیشی کو بھیج دیا کہ گزرا نا جائے۔ پھر مشر بہرنگش کی تحریر ملی کہ جو
نقصیدہ لارڈ آئن برائے بھجوا تھا، اس پر حکم ہوا کہ قصیدہ گزرا جا کہ ہند کے توسط سے اپنے مطالب
گزارش کرے۔ غالب نے عرضداشت لکھ کر لارڈ کے ننگ کو بھیجی، تو انھوں نے اس کی رسید اس کے
ننگھتان بھیجے جانے کی اطلاع لکھی۔ چار مہینے پیچھے سرکار کلکٹر نے عرضداشت کا جواب بھیجا۔ یہ سب
کچھ ہو چکا تھا کہ پہلی نومبر کو اعلان ہوا کہ آج سے ہندوستان میں لکھو کو ترک کرنا عمل ہو گیا۔ اس صورت
میں ملاخوں میں نام لکھنا نا عبادت ہے، قصیدہ لکھ کر مودرج نہ لکھنا چاہئے۔ اور ساری ننگت ان ملاخوں
کو کہنا ہے، جو قصیدے اور عرضداشت کی رسید اور غالب کی سفید تہندی اور دناداری کے گویا غرض کیا
دو گز جنریوں نے انھیں بھیجے تھے۔ (در سار ہندوستانی) ۳۵۸ باب ۱۱ ج ۱ (سنہ ۱۹۳۸ء)

۷ نومبر سنہ ۵۸ء کو میرزا صاحب نے ازراہ شکایت نواب صاحب فردوس مکان کو لکھا:

”دقت کا نگہ یہ کہ عطای بن قدیم کا حکام کو خیال ہی نہیں۔ یہ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء میں وہاں مینا ہے۔ گویا بن کھاسے مینا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنوری شروع سال میں پندرہ سو کو رو پیہ لے گا۔ دیکھیے کیا نیا گل کھلے گا۔ پہلی نومبر کو یہاں ہشتاد عام ہو گیا ہے، کہ اب قلمرو ہندوستان میں علی ملکہ مظفر علی مقام ہو گیا ہے۔ میں پہلے سے مذاعوں میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں، اور وزیر اسی ملکہ دارا دربان کے دوسار ترقی نکلتا پا چکا ہوں۔ اس کے جواب میں نواب صاحب نے رامپور آنے کی دعوت دی۔ میرزا صاحب نے ۳ دسمبر کو جواب تحریر کیا:

”میرے حاضر ہونے کو جو ارشاد ہوتا ہے، میں وہاں نہ آؤں گا، تو اور کہاں جاؤں گا۔ بن کے دسول کا زمانہ قریب آتا ہے۔ اس کو ملندہ ہو کر کہو کہ چلا آؤں؟ مٹا جاتا ہے، اور تین ہی آتا ہے کہ جنوری آغاز سال ۵۹ء میں یہ قصہ انجام پائے۔ جس کو رو پیہ ملتا ہے اس کو رو پیہ جس کو جواب ملتا ہے اس کو جواب ملتا ہے“ ۲

عطی کی روداد

جنوری سنہ ۵۹ء پر دو مہینے اور گزر گئے، مگر ہنوز مقدمہ پیش نہیں ہوا۔ سرکار نے ۱۳ اپریل کو پھر دعوت آید رامپور دی، تو میرزا صاحب نے لکھا:

”مجموع پندرہ سو کی مثل مرتب ہے، اور ہنوز صدر کو روانہ نہیں ہوئی نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر نے کہنے سے میرے پیش کے کو اخذ طلب کیے، اور وہ کاغذ فرست میں سے الگ ہو کر لفٹ گورنر بہادر پنجاہ کی خدمت میں ارسال ہوئے۔ وہاں سے کھلے کو بھیجے جائیں گے۔ پھر وہاں

حکم منظور سی پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئے گا اور یہاں مجھ کو روپیہ
مل جائے گا۔

راہِ چارہ مسدود

جب مہینے پر مہینا گزرنے لگا، اور پیش کا تصفیہ نہ ہوا، تو میرزا صاحب
نے، نومبر سنہ ۱۲۹۵ء کو مجبوراً لکھا:

”اتناک میں اپنے آپ کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بیگناہ ہوں یا گناہگار۔ مقبول ہوں
یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی، جو نئے انعام کا مستحق ہوں، لیکن
کوئی بیوقوفی بھی سرزد نہیں ہوئی، جو دستور قدیم کو برہم مارے۔ بہر
حال راہِ چارہ مسدود اور رکھ موجود۔ عرقی خوب کتنا ہے:

مرا زمانہ طناز دست بستہ دینے زنبق رقم گوید کہ بان سہری ہیناز

نواب فردوس نظام کی سفارش

نواب فردوس نظام نے اپنے استاد کی پریشانی سے کما حقہ واقف تھے۔
آپ نے ازراہِ نوادرش بعض انگریز حکام سے اس لیے میرزا صاحب کی اکثر تعریف
کی کہ ان کے سابقہ ملازمت عزت بحال ہو جائیں، اور جب میرزا صاحب کی یاس نہ
مورخہ، نومبر سنہ ۱۲۹۵ء مطالعہ فرمایا، تو تسکین خاطر کے لیے لکھا:

”مشق، ہنگام ملاقات کے اکثر بعض صاحبان بہادر و نشان سے تذکار
نامہ اوصاف ذاتی اور صفاتی آپ کا عمل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے
فضل اور قدر ذاتی سرکار و دولتدار سے یقین ذاتی ہے کہ جو ملازمت
آپ کے قدیم سے ہیں، بیگناہ گورنمنٹ بہادر سے بھی اسی مطابق ظہور
میں آئے ہیں، کس واسطے کہ اہل سرکار بہادر و قدر دان و قدر شناس ہیں

انہاں کی تائید

سرکار کی سفارش بار آور ہوئی، اور پنداروں کا نفاذ، بعد صدور حکم

صدر سے واپس آگیا۔ میرزا صاحب نے ۱۲ اپریل سنہ ۶۰ کو ان الفاظ میں سرکار کو اطلاع دی :

”عالم دو ہیں : ایک عالم شہادت، ایک عالم غیب۔ جس طرح عالم شہادت میں آپ میری دستگیری کر رہے، عالم غیب میں آپ کا اقبال مجھ کو مدد پہنچا رہا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہ تقاضا پنداروں کا، جو یہاں سے صدر کو گیا تھا، وہ اب صدر سے بعد صدر ویرمک آگیا۔ حکم بہ نسبت ہر واحد کے مختلف ہے۔ تفصیل بہت ہے، سو دیکھتے ہیں۔ والے کو بچتر بھی ہیں اور بچس بھی ہیں اور دس بھی ہیں۔ اب فرمائیے میرے واسطے کیا احتمال گزرتا ہے۔ یاس کلی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے میرا نام اور پورے پنن کی داگزاشت کا حکم۔ طرہ یہ کہ میرے نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے، کہ جس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہے۔ حکام کے علم میں اور دکلا اور اہل شہر میں یہ مشہور ہے کہ وہ تحریر دلائل سے آئی ہے۔ بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں : ایک اس انگریزی تحریر کا حال اور دوسرے میرے بھائی کے پنن کی حقیقت۔ سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہو جائیں گے اور جو معلوم ہو گا وہ عرض کیا جائے گا۔“

خدا ساز بات

میرزا صاحب نے ۶ مئی سنہ ۶۰ کو زربنشن وصول کر لیا۔ اہل دہلی نے اس اجر کو نواب فردوس مکاں کی سعی و کوشش کا نتیجہ قرار دیا۔ میرزا صاحب ان مراتب سے بخوبی آگاہ تھے، اور جنوری سنہ ۶۰ میں رامپور آئے وقت بعض احباب کو یہ لکھ بھیجے تھے کہ اس سفر کا مقصد یہ ہے کہ نواب صاحب کے ذریعے سے گورنمنٹ سے میری صفائی ہو جائے۔ لیکن اس کے

باوجود جب یوسف مرزا صاحب نے لکھا کہ خواجہ جان کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ دائی رامپور کی کوشش سے آپ کی پنشن جاری ہو گئی، تو اس کے جواب میں میرزا صاحب نے اجرائی پنشن کو مسبب الاسباب کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھا:

”خواجہ جان بھٹ بولتا ہے۔ دائی رامپور کو اس پنشن کے اجرا میں کچھ دخل نہیں۔ یہ کام خدا سا ہے، بعلی بن ابی طالب علیہ السلام بھائی دربار اور خلعت کی کوشش

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ میرزا صاحب گورنر جنرل کے دربار میں خلعت بہشت پارچہ اور سہ رقوم جواہر لارڈ ہارڈنگ صاحب کے وقت تک حاصل کرتے رہے تھے۔ لارڈ دلہوزی نے دلی آکر دربار نہیں کیا، اس لیے سنہ ۱۸۶۴ء سے عذر سنہ ۵۷ء تک میرزا صاحب کو شرکت دربار اور حصول خلعت کا کوئی موقع میسر نہ آیا۔ قدر کے بعد، بعد پرستیاہ پنشن بند ہوئی، تو دربار و خلعت کی امید بھی جاتی رہی۔ لیکن اجرائی پنشن کے بعد میرزا صاحب نے بھائی دربار کی درخواست کی، جس پر عرصے تک تحقیقات ہوتی رہی۔ گورنر کا دربار اور خلعت

آخر ماہ فروری سنہ ۱۸۶۶ء کو سر رابرٹ ٹیلر سی، لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دلی میں دربار کیا۔ میرزا صاحب کو دربار میں نہ بلایا گیا، لیکن سہ ماہی کے وقت کے بارہ بجے گورنر نے یاد کر کے اپنی طرف سے خلعت دیا اور فرمایا کہ گورنر جنرل بہادر کا دربار انبائے میں ہونے والا ہے۔ آپ وہاں دربار میں شریک ہو کر خلعت معمولی حاصل کیجیے۔ میرزا صاحب نے غالباً سہ ماہی کو

۱۔ اردو: ۱۳۳۳، اردو: ۱۲۸۱، ۳۸۳، یہاں دو باتیں غلط کرنے کی ہیں، پہلی یہ کہ پہلے خط میں اردو: ۱۳۳۳ کے اندر غلطی فروری طبع ہوا ہے جو اردو: ۱۲۸۱ صواب غلط ہے۔ دوسری یہ کہ میرزا صاحب کو مولوی انوار حسین خاں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ گورنر جنرل دربار بہادر خلعت کی بھائی کا حکم کھانے سے ۱۳۳۳ یا ۱۵۸۱ بعد اس طرف کو روانہ ہوئے تھے۔ اس صورت میں حکم بھائی فروری میں جاری ہونا چاہیے نہ کہ مارچ میں، جیسا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے۔

سرکار سے زادِ راہ کے لیے عیلے کی درخواست کی۔ ااکو سرکار نے ۲۰ مارچ ۱۹۱۶ء کو میرزا صاحب رسید کے ساتھ نواب فردوس مکان کو لکھتے ہیں ”اب اپنے اپنے دعاگو کی داستان۔ منگل ۳ مارچ کو جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے خلعت عطا کیا، اور فرمایا کہ ”ہم تمہیں مژدہ دیتے ہیں کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے اپنے دفتر میں تمہارے دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا ہے میں نے عرض کیا کہ ”میں انہاے جاؤں؟ فرمایا ”البتہ انہاے جانا ہوگا“

بعد جناب نواب صاحب کے جانے کے شہر میں شہرت ہوئی کہ دلی کے لوگ انہاے جانے سے مسرور ہیں۔ گھیرایا اور صاحب کشتہ کے پاس گیا۔ آپ خط اپنا دے آیا، زبان پر کسٹل کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب میں خطِ حررہ ۷ مارچ آیا۔ چنانچہ لغاتہ بلحاظِ گرائی وزن رہنے دیتا ہوں، اور خطِ بجنہ ”شہرت کو بھیتا ہوں۔ کل سے ایک اور خبر آئی ہے کہ نصیب اعدا لارڈ صاحب کی طبیعت ناساز ہو گئی ہے۔ انہاے میں دوبارہ کریں گے، اور شملے کو چلے جائیں گے۔ اب میں دودھ سے بنی سفر والکون شروع ہوں: پہلی درجہ خاص اور دوسری درجہ عام دوسویں سے سولے کو سارو سامان درست کیا ہے۔ اور سوماجن کے ہاں ڈاک اور خرچہ راہ کے واسطے رہنے دیے ہیں۔ تار برقی میں نواب نواب صاحب سے حکم منگواؤں گا۔ جو حکم آئے گا آپ سے عرض کر کے اُس کی تعمیل کروں گا“ ۱

گورنر جنرل کے دربار میں نہ جاسکے

نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب کے عریفہ مورثہ ۱۶ مارچ کے جواب میں کشتہ صاحب کے خط کا جس قدر مضمون دہرایا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے

کہ صاحب نے انہاں میں گورنر جنرل سے ملاقات نہ ہونے کا امکان ظاہر کیا تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے میں میرزا صاحب کے پھنسیاں بھی نکل آئیں۔ مجبوراً خود انہاں کے جانے کے بجائے اپنا نذر کا قصیدہ، بسبیل ڈاک بھیج کر شکرِ یے کے جوابی فرمان پر قناعت کر لی، اور ۴ اگست سنہ ۱۸۶۳ء کو نواب فردوس مکاں کو تحفہ پر کیا:

”جب انہاں نے میرا جان نہ ہوا، تو میں نے قصیدہ مدح، چودہ بار کی نذر کے واسطے لکھا تھا، بطریق ڈاک جناب چیف سکرٹری بہادر کو اس مراد سے بھیجا کہ آپ اس کو جناب نواب معلی القاب کی نظر سے گزرائیں۔ اور یہ دستور قدیم تھا کہ جب میں قصیدہ مدحیہ بھیجتا، تو صاحب سکرٹری بہادر کا خط بے واسطہ حکام مانتے مجھ کو آجاتا۔ اب جو میں نے موافق معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہے کہ مارچ یا اپریل کے پہلے میں وہ لقاہ یہاں سے نکل کر گھیا۔ صدائے برنگاست۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا۔ بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسم تحریر خطوط نہ رہی، تو دربار و خلعت کہاں؟ ناگاہ، کل شام کو صاحب سکرٹری بہادر کا خط ڈاک میں آیا۔ وہی افشانی کا نذر، وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصل خط مع سرنامہ بھیج دوں، تاکہ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مگر برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرنامے اور خط کی بھیجتا ہوں“

گورنر کا دوسرا دربار خلعت

سر ڈائل میکلوڈ، گورنر پنجاب، نے، ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء کو دلی میں دربار کیا۔ میرزا صاحب دربار میں شریک اور خلعت و سفیت پارچہ و سر رقوم خواہر سے مشرف ہوئے۔ راجپور اس زمانے میں نواب خلدائیوں کے زیر حکومت تھا۔ دربار کے دوسرے دن میرزا صاحب نے سرکار کو لکھا:

”حضرت کی توجہ باطنی، جو ہمیشہ میری مصلح حال اور افزائشِ فرد و قار کی رہی

بخشش معنوی سمجھنا ہوگا ۱۵

[illegible]

باعث بغیر سہارے کے چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ ماسٹر پرانے لال اشوب
شربیک و بار تھے۔ انھوں نے سہارا دیا۔ بروقت ملاقات میں کلوڈ صاحب نے
پوچھا کہ یہ سہارا بیٹا ہے۔ میرا صاحب لے کہا کہ نہیں "مگر بیٹے سے زیادہ عزیز ہے"
سالک نے خلعتا ہفت پارچہ سے ۱۸۶۶ سنہ عیسوی، اور آل محمد مارہری
نے در خلعتا زبیا و ہمایوں آمد سے ۱۲۸۳ سال ہجری نکالا ہے۔

۱۱۔ خاندان: ۱۸۱۱ء دیوان سالک، ۲۱۱۱ء دیوان توارنچ، ۲۱۱۱ مگر مؤخر الذکر میں عنان قضا
کے ہیں اس خلعت کو گورنر جنرل کا عطیہ قرار دیا ہے، جو حقیقت میں معنیت کا سہو ہے۔

تعلقات قلعہ علی

تاریخ نویسی

دلی کے لال قلعے سے میرزا صاحب کے تعلقات اکبر شاہ ثانی کے وقت سے تھے۔ اُن کا ایک فارسی قصیدہ اور دو ایک قطعے اُن کی مدح میں موجود ہیں لیکن یہ تعلقات تفریبوں میں آمدورفت اور قصیدہ خوانی تک محدود تھے شاہ ظفر کے عہد میں مولانا نصیر الدین عرفا کالے صاحب، مرشد شاہ، اور احترام الدولہ حکیم حسن اللہ خاں بہادر کے توسط سے رشتہ ملازمت بگلی پیدا ہو گیا

جموں کے دن ۲۳ شعبان سنہ ۱۲۶۶ھ ۱۲ جولائی سنہ ۱۸۵۰ء کو بادشاہ کے حضور میں باریابی حاصل ہوئی۔ خلعت سفید پارچہ ملازمان درگاہ پہلے سے پہنا دیا تھا۔ بادشاہ نے دست خاص سے جیفہ اور سر پہنچا دیا اور مالای مروارید نگے میں ڈالی اور نجم الدولہ و دیر الملک، نظام جنگ خطاب عطا کیا۔ خدمت یہ قرار پائی کہ حکیم حسن اللہ خاں بہادر تاریخوں سے چن چن کر مستند واقعات میرزا صاحب کو دیتے رہیں اور یہ اشیاء طرہ خاص میں اُن واقعات کو لکھیں۔ اس خدمت کے صلے میں ۵۰ روپے ماہوار تنخواہ مقرر کی گئی۔ میرزا صاحب اس کتاب کا صرف ایک حصہ مرتب کر سکے، جو ہر نیم روز کے نام سے چھپ چکا اصلاح اشعار

میرزا صاحب کے تعلق خدمت کو کچھ اوپر چار برس ہوئے تھے کہ ۲۴ صفر سنہ ۱۲۷۱ھ ۱۲ نومبر ۱۸۵۶ء کو شیخ امیر الہیم ذوق، استاد شاہ ظفر کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اصلاح اشعار کی خدمت بھی میرزا صاحب کے سپرد کر دی

۱) مکاتیب: ۵۰، ہر نیم روز: ۱، کلیات نثر فارسی: ۲۷۱، غالب: ۲۰۲، غالب نامہ: ۵۷، ذکر غالب: ۲۴، میرزا صاحب نے سہو ۱۲گریزی تاریخ میں جو ناکھڑی پانچ جلدوں کا حساب جولائی ہوتا ہے۔

میرزا صاحب نے ان دونوں خدمتوں کے متعلق نواب فردوس مکان کو لکھا ہے
 میرزا صاحب نے ان دونوں خدمتوں کے متعلق نواب فردوس مکان کو لکھا ہے
 جو یہ دو تعلق باہر اور شاہ جو کہ از حدیثِ حشت سالِ تخریر تاریخِ سلطین
 جمادیہ ۱۲۰۰ و ۱۲۰۱ سال باصلاح اشعار و شہرِ ماری پر داختم ہے
 ۹ جون سنہ ۱۲۰۶ء کو نواب خلد آشتیاں کی خدمت میں تکریم کیا ہے
 و جناب بادشاہ دہلی نے مجھ کو نوکر رکھا، اور خطاب و پاء اور خدمتِ تارخ نکلی
 سلطین تھو ریہ مجھ کو تعویض کی تو میں نے ایک غزل طرزِ تازہ پر بھی - مقطع اس کا
 یہ ہے۔

فالب و ظیفہ خوار ہو، و دشاہ کو دھا
 وہ دن گئے، جو کہتے تھے، نہ نوکر نہیں ہوں میں
 میرزا صاحب کے ایک خط میں شاہ ظفر سے اپنے تعلقات کی نوعیت کا تذکرہ اس
 طرح کیا ہے:
 بادشاہ اپنے فرزندوں کے برابر بہار کرتے تھے۔ یعنی، ناظر، حکیم، کسی سے
 تو قہر کم نہیں، مگر فائدہ وہی قلیل ہے۔
 سنہ ۱۸۵۵ء کے پُر آشوب حادثے نے اس تعلق کو ختم کر دیا۔ اور میرزا صاحب
 انگریزوں کے خوف سے اپنے نام کی شاہی خطاب والی مہر کی جگہ دوسری مہر
 جس میں قادیان کے گندہ تھا، خطوں پر لگانے لگے۔ ۳ ستمبر ۱۸۵۵ء کو تفتہ
 کے خط میں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ "اجزای خطابی کا لکھنا نا مناسب بلکہ
 مضرب ہے۔"

۱۱) مکانیہ ۱۹ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب ۱۸ برس تک تاریخِ نویسی اور دو تین برس تک
 اصلاح کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ اس تعلق کی خدمت ۱۸ برس رہا، جن میں
 سے آخری دو اعلیٰ سال اصلاحِ اشعار میں گزرے

۱۲) مکانیہ ۲۰ (۱۲۰۶) اردو (۱۲۰۶) لاہور پرنٹیشن (۱۲۰۶) مکانیہ میں جگہ جگہ یہ مہر اشعار کی گئی ہے
 ان خطوں میں پہلا ۲۰ ستمبر ۱۲۰۶ء کو لکھا گیا ہے۔ اردو (۱۲۰۶) فاروقی دہلی ۱۲۰۶ء

تعلقات راکہ

ریاستوں سے تعلق کی نوعیت

میرزا صاحب کو اپنی عالیٰ نسبی پر ہمیشہ فخر رہا۔ وہ اس زمانے میں بھی حکم سر پر مصائب کے بادل منڈلا رہے تھے، اور چاروں طرف نفسی نفسی کا عالم تھا اپنی نسبی انفرادیت کے گیت گاتے رہے، اور از دہم افراسیاب کو دھوے لیکھن سنہ ۱۲۶۳ھ و ۱۸۴۱ء میں فیض الحسن خاں، کو تو ال دہلی کے ہاتھوں قمار بازی کے الزام میں گرفتار ہوئے، اور چھ مہینے کی ہاشقفت قید اور دوسو روپے جرمانے کی سزا پائی، اس واقعے کی جزئیات بیجا قوسناک

(۱) میرزا صاحب کی قید کا پراد ۱۲۶۳ھ یا ۱۸۴۱ء غالباً ۲۹ جولائی ۱۸۳۱ء غالباً ۲۷ جولائی ۱۸۳۱ء کو کرنا تھا، مگر اس میں غلطی ہو گئی تھی۔
 واقعہ کو دنیا غریبی کو یہ جان نہ سہا، ۱۸۴۱ء میں پٹنہ یا گھاٹو اردو حساب ۱۷۷۳ھ کے مطابق ہے، لہذا وہاں جو حال اس وقت کا ہے۔
 تحریر کرنا کسی طرح درست نہیں اس شہوت ہے کہ شدہ تعبیر کے ایک لالہ بھی دہلی کی مٹوئی ہوئی قریب دہلی سنہ ۱۸۴۰ء میں قید
 خراجہ ۱۵۰۰ روپے سنہ ۱۸۴۰ء میں اس واقعے سے متعلق ایک قطعہ تاریخ لکھا ہے اور قطعہ کے ساتھ شہر میں واقعے کی جزئیات پر
 روشنی ڈالی ہے اس کے بارے میں تاریخ سے بھی ۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۱ء میں نکلتے ہیں۔ حقیقی مہابہا یہ ہے۔

مرزا نوشہ شاعری بل دہلی، رنو مشرب، المتخلص، اس وقت غالب سے فیض الحسن خاں کو تو ال دہلی کو مٹوئی کی عداوت

پیدا ہو گئی، اس کے بعد تعلقات قمار بازی آن کو قید کر دیا جس کی مندرجہ ذیل تاریخ نکلی گئی،
 میرزا صاحب سے فصلی میں تو سب اظہارِ غم کیا ہے اور انکار سو سینا لیس میں قید غریباں ہے
 "فصلی غالب" نہ کیونکہ موسیٰ اور گریہ کے دل بہرہ دہلی کی کئی کان چھوٹے دہلی ہے
 رہائی دہلی دہلی میرزا نوشہ کی کہیے کچھ ہو دہلی غریب اور دہلی غریب فیض الحسن خاں ہے
 سر باز پیکر شہر نقد ہوئے عالمی اسد کو جو پکھڑا ہے گھیر کر ڈال دیا ہے

بروقت گرفتاری کو تو ال صاحب رتھ میں بیٹھ کر موقع پر گئے۔ اور ظاہر کیا کہ سواریاں زمانہ آئی ہیں
 اس دم سے اندر داخل ہو گئے اور اندر مکان کے ضربات جوق باجم اس قدر ہوئیں کہ باہر تک
 آواز آتی تھی۔ مگر نیز کے اندر جمعیت بہت تھی اور کچھ امدادی بر قندار پہنچ گئے، مگر گرفتار کر کے قید
 کر دیا بہت سے رہیں اور شرفا اس حرکت سے ناراض ہوئے اور عدالت میں برات
 کے سماعی ہوئے مگر قید ہو ہی گئی

(باقی صفحہ ۷۰ پر)

تھیں، کو تو ال نے گرفتاری کے وقت اور محبٹریٹ نے سزا کی تجویز میں ان کی وجاہت و شرافت کا قطعاً لحاظ نہ کیا۔ پولیس اور عدالت کے اس نامناسب سلوک سے ان کی حسِ غیرت سخت مجروح ہوئی خود اپنی نظر میں شرافت خاندان پر وجہاً آگیا، اور وہ اپنے آپ کو روسای ہندوستان سے ملنے جلنے کے قابل شمار کرنے میں پس پیش کرنے لگے۔

بقیہ حاشیہ ص ۷۰

ایک روز مشر اس صاحب سول سٹریٹ دہلی، قیدیاں جیل خانہ کو ملاحظہ کرتے کرتے حضرت کے پاس پہنچے و حال دریافت کیا آپ نے فی البدیہہ یہ فرمایا ہے جس دن سے کہ ہم غزوہ رنج پور میں کچھ دنوں میں جو میں بھیجے گا ان کو سے رہیں

ایک وقت ڈاکٹر صاحب نے گورنمنٹ کو بھی لکھ کر کہا کہ دیا، حکم جاری (۱۶۶۲) میں لکھا کہ ایک بار کبھی ارشاد صحیح میں کہ سید ۱۶۶۲ء کی عید الفطر ۱۳ اگست سنہ ۱۸۷۱ء کو تھی اور عید الفطر ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۷۱ء کو ہوئی کیونکہ ۲۷ مئی کی عید ۱۳ اگست سنہ ۱۸۷۱ء کو تھی ۱۰ دسمبر ۱۸۷۱ء میں جو عید الفطر آئی، وہ اولاً تو سنہ ۱۶۶۲ء کی تھی اور ثانیاً ۱۱ ستمبر کے مطابق تھی۔ ہر صاحب کے بیان میں ایک اور نیا معنی بھی بیان کا خیال ہے کہ میرزا صاحب کو ۲۵ جون سنہ ۱۸۷۱ء کو پاس سے چند روز قبل گرفتار کیا گیا۔ اس خیال کی بنیاد، خود انھیں کے بیان کے مطابق، احسن الاخبار بمطابق ۱۰ جون کی اشاعت میں اس خبر کا شائع ہونے سے پہلے تو یہی باور کرنا مشکل ہے کہ ۲۵ جون سے تقریباً سو برس پہلے دہلی اخباروں کو اتنے دور دراز مقامات سے ہر روزہ خبریں ملنا تھیں لیکن اس قطع نظر کے کہ بھی ۲۵ جون کو پاس سے چند روز قبل گرفتاری کا واقعہ ہونا عملی ناممکن ہے۔ اس لئے کہ محمد اکرم صاحب نے احسن الاخبار کا ترجمہ اقتباس دیا ہے وہ فقرہ دہلی ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۷۱ سے شروع ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ بیان ہونے والی خبر دہلی سے ۱۵ جمادی الثانی کو بھی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس خبر سے تعلق واقعہ اسی تاریخ کا یا اس سے قبل کا ہوگا۔ بعد کا کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۳ء کی چند مہینوں تاریخ ۱۳ مئی سنہ ۱۸۷۱ء کے مطابق ہے۔ لہذا میرزا صاحب کی گرفتاری اس سے پہلے ہونا چاہیے۔ اخبار فائدہ الناظرین (ج ۲ نمبر ۲) مورخہ ۱۳ مئی سنہ ۱۲۷۳ء ص ۷۰ میں دہلی کی خبروں کے تحت یہ عبارت درج ہے۔ ۲۵ مئی کو رنج مکان جناب مرزا نوشہ سداقہ خاں صاحب کے قمار بازی پوری تھی۔ چنانچہ کو تو ال صاحب یہ خبر پا کر وہاں گئے، اور جناب میرزا صاحب کو رنج اور قمار بازیوں کے گرفتار کر کے کو تو ال جیل کے لئے لے آئے۔ لیکن چاہیے کہ صاحب محبٹریٹ ان کے حق میں کیا حکم دیتے ہیں، یہ واضح ثبوت ہے اس امر کا کہ مرزا صاحب کی گرفتاری ۱۵ مئی سنہ ۱۸۷۱ء مطابق ۱۵ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۳ء کو عمل میں آئی تھی۔

عامی کے بیان سے ہیں یہ امور بالترتیب معلوم ہو جاتے ہیں (۱) کو تو ال کا نام (بقیہ دیکھیں)

سنہ ۱۸۵۲ء میں ریاست جیپور سے اتفاقاً رابطہ پیدا ہوا۔ میرزا لکھنؤ نے اس کی تفصیلات دریافت کرتے ہوئے لکھا کہ میرا بھی خیال رہے۔ اس کے جواب میں جمعہ دہم دسمبر سنہ مذکورہ کو میرزا صاحب نے لکھا،

جیپور کا امر محض اتفاقی ہے، بے قصد و بے فکر درپیش آیا ہے۔ ہوسناکانہ (دھرم تو جہ ہوا ہوں۔ بڑا معاہدہ کیا ہوں۔ پیرا ہو گیا ہوں۔ سرکار انگریزی میں بہت بڑا پایہ رکھتا تھا۔ رئیس زادوں میں گنا جاتا تھا۔ پورا اعلیٰ پائے تھا۔ اب بدنام ہو گیا ہوں۔ بہت بڑا مصیبت لگ گیا ہے۔ کسی ریاست میں داخل نہیں کر سکتا تھا۔ مگر ہاں، استاد یا پیر یا مداح بن کر راہ واسم پیدا کر دوں کچھ آپ فائدہ اٹھاؤں، کچھ اپنے کسی عزیز کو دہاں داخل کر دوں۔ دیکھو کیا صورت پیدا ہوتی ہے؟

چونکہ استاد یا پیر بن کر ملنے میں ان کا درجہ کم از کم والی ریاست کے مساوی ہونا یقینی تھا، اور بصورت مداحی، ممدوح سے مساوی ہوتا و کی آرزو نہیں پیدا ہوتی، اس لئے ان صورتوں میں میرزا صاحب کو اپنے اضافی

۱۱ (مبتدعہ) ۱۲ (گرفتاری کا تحریر) ۱۳ (میرزا صاحب اور ان کے رفقاء کے ساتھ پولیس کا غیر شرطیہ سلوک) ۱۴ (برہان کی سفارش کرنے والے کا نام) ۱۵ (جو جس سے سفارش کی گئی تھی اس کا تعین) ۱۶ (میرزا صاحب کے ایک شعر کی وجہ نظم) ۱۷ (چونکہ میرزا بیان ہے اس بنا پر ہم اس سے خود میرزا صاحب کے بعض بیانات کی تائید اور بعض کی تصحیح کر سکتے ہیں۔) ۱۸ (اکثر رہنماؤں کے دل کے تعین) ۱۹ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں فوائد ان طریقہ) ۲۰ (میرزا صاحب جو ۱۸۵۱ء میں راجستھان وچسپی سے پڑھا جائے گا۔)

۲۱ (دفع ہونا کہ متاخر حال کو اکثر افسران انگریزی ملازم گرفتار تھے) ۲۲ (دلی نے اکثر اس مسئلہ میں دلی کی کابلی جس میں کچھ افغانیاں عبارت تھی) ۲۳ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۲۴ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۲۵ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۲۶ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۲۷ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۲۸ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۲۹ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۰ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں)

۳۱ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۲ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۳ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۴ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۵ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۶ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۷ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۸ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۳۹ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں) ۴۰ (میرزا صاحب کے اس بیان کے سلسلے میں)

دھبے کے احساس کا خطرہ نہ تھا، اور اب وہ ہر ریاست سے اسی قسم کے تعلقات کے خواہاں تھے۔
راہپور سے ابتدائی تعلق

نواب سید غلام محمد خاں بہادر، نور الدین قادری، کے صاحبزادے اپنے والد ماجد کی تخت سے دست برداری کے بعد، حکومت انگلشیہ کی زیر حمایت راہپور سے باہر اقامت گزریں ہوئے پر مجبور ہوئے تھے، اور سابقہ تعلقات کی بنا پر پہلے کھنوا اور بعد ازاں دارالسلطنت دہلی کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ میرزا صاحب جس زمانے میں دلی نشریت لائے، یہ خاندان وہاں فروکش تھا۔ چونکہ یہ حضرات صاحب علم و فضل تھے، اس لئے ان سے میرزا کے روابط غلوں و اتحاد پیدا ہو گئے۔

ایک عریضے میں میرزا صاحب نے ان روابط کا تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے

میں:

میرزا علی گنج، کہ مسکن من است، شنیدہ ام کہ دلاشان زمین و آسمان خاں بہادر بہتر آئندہ اند۔ نیاز مندی من بامرحی نواب عید الد خاں بہادر، دہرورزی من بامرحی علی خان مرحوم و محبت و خلعت من بانواب عبدالرحمن خاں بہادر معذور کیا دیدہ اند، و آں مدارج کی در نظر دارند کہ ایشان را در ضمیر بیگزشت کہ گدای گدشتہ نشیں نہ پا بدیدہ۔

نواب فردوس مکاں کی شاگردی

نواب سید محمد یوسف علی خاں بہادر، فردوس مکاں، نے سن شعور میں قدم رکھ کر اپنی خاندانی ردایاں کے ماتحت طلب علم کی راہ پر گامزن کی، دلی کے اساتذہ میں، مفتی صدر الدین خاں آزرده اور مولوی فضل حق

خیر آبادی عربی میں، اور میرزا صاحب فارسی ممتاز خلیفہ رکھتے تھے ان سب سے خاندان رامپور کی بدستی تھی اس لئے نواب فردوس مکاں کی تعلیم انہیں حضرات کے سپرد کی گئی، اور حسن اتفاق سے میرزا صاحب ایک ایسے طالب علم کے استاد قرار پائے جس کو قضا و قدر ریاست رامپور کا تاج و تخت سوچنے والی تھی۔

نواب جنت آرا مگاہ کی مداحی

سنہ ۱۸۴۰ء میں، نواب سید محمد سعید خاں بہادر، جنت آرا مگاہ، وارث

۱۱، نواب فردوس مکاں کا بہڑا غالب سے فارسی پڑھنا بزرگان شہر کی روایات پر مبنی ہے خواہ جاتی مرحوم نے بھی یادگار غالب دس ۱۲۳۷ھ میں ذکر کیا ہے کہ نواب یوسف علی خاں بہادر نے میرزا جنت سے اپنی فارسی پڑھی تھی اس کی روایت دیکھ کر میرزا صاحب زادہ جو مدعی پیشہ نہ ہونے کے علاوہ مخصوص احباب کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے خاندان رامپور کے افراد سے ان کے تعلقاً خلصاً تھے۔ ان حالات میں بعد میں کہ انھوں نے نواب فردوس مکاں کو فارسی پڑھائی ہو۔

میرزا صاحب نے نواب فردوس مکاں سے اپنے قدیم تعلقات کا جن لفظوں میں ذکر کیا ہے ان سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ پیچھے کو لکھا ہے۔ "نواب یوسف علی خاں بہادر والی رامپور۔۔۔ میرے آشنائی قدیم ہیں" (داردوی: ۲۸۲) میرزا صاحب ثقہ کے خط میں صراحت کرتے ہیں کہ

"نواب یوسف علی خاں بہادر تیس بیس برس سے میرے دوست۔۔۔۔۔۔ ہیں" (داردوی: ۵۸)

داردوی مدعی کے نسخہ مطبوعہ کی رد سے یہ خاصہ ۱۸۶۲ء میں لکھا گیا تھا مگر اس میں میرزا صاحب نے نام پور کے پہلے سفر کی روداد لکھی ہے اس لئے اس کو سنہ ۱۸۶۰ء کا نوشتہ پونا چاہیے۔ اور سنہ ۶۲ء میں دستخط ۳ سال گزرنے کے یہ معنی ہیں کہ سنہ ۸۲ء میں یہ رشتہ پیدا ہوا۔ نواب فردوس مکاں

سنہ ۱۸۱۶ء میں متولد ہوئے۔ اور ۱۸۴۰ء میں اپنے والد ماجد کی تخت نشینی پر رامپور تشریف لائے۔

بنا برین سنہ ۸۳ء میں ان کو میرزا صاحب کا دوست بنیں کہا جاسکتا۔ البتہ شاگرد ہونا

بعید از قیاس نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۳ سال کی ہوگی، جو طلب علم کا موزوں تر

زمانہ ہے۔

یہاں اس کی وضاحت ضروری ہے کہ میرزا تیس بیس میں۔۔۔۔۔۔ تیس اسی نے اختیار کیا ہے کہ تیس کے پیش نظر اتفاقاً کا سنہ ۱۸۷۲ء قرار پایا ہے، جو اس لئے صحیح نہیں کہ اگست ۱۸۷۲ء کو میرزا صاحب سفر نکلتے کے پہلے عین دہلی سے باہر رہے ہیں۔

تخت را چہرہ قرار پائے۔ نواب سید عبدالحال بہادر برادر ترقی جنت آرامگاہ
نے، جو میرزا صاحب کے بہت گہرے دوست اور اس وقت میرٹھ کے
صدر الصدور تھے، سابقہ تعلقات کی بنا پر میرزا صاحب سے نواب جنت آرامگاہ
کی مدح میں قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی۔ میرزا صاحب نے معذرت کرتے ہوئے لکھا
خدا مہذب مقام کہ سرانجام قصیدہ بقصد نام آوری از غالب مینوچشم
دہشتہ آئندہ، مگر آں فرسودہ روانہ اسرودہ دل را کہ مہوز فرودہ است، زردہ
ہندیشہ اندہ... ہکاٹ، کشائش این کاہ، چوں صنوبر لقا شفی و گلستانہ
ہندی، تنہا بکوشش دست و ہازد صورت بستی، تا چشم از جنتگی دل
پیشیدہ می و فرمان نہ بیانہ در پردازش کار کوشیدی چکنم، چوں میرا این رشتہ
در دست دل است و تا دل بھجای نہا شد، زبان سخن سرای نہا شد۔ دیدہ
دران صاحب دل و اند کہ چہ قدر پادیدہ و دل بہم آہیختہ شود، تا نقش بدین
شکر فی کہ بالغ نظراں پسندید، انگینختہ شود۔ ایں دل شکستہ بہم نہ پیوستہ
کہ وہ سینہ من و ہما تا دشمن دہرینہ منست، ز نہار بکار سخن گستری نہاید،
و معنی آفرینی نہا شد... اگر دانند کہ فلانی، بایں چہ پریشانی، سخن گفتن
میتواند، دین نیز دانم کہ میتوانم، در مدح ہندکان سپہر آستان، امیر المسلمین
قبیلہ دنیا و دین، سرور سلطان نشان، نواب سید محمد سعید خاں بہادر بالغا بہ
چرا سخن نہاںم و تا اگر درین گیتی لعل و گہر سود نہ بردہ ہاشم، خود در آن گیتی دین
و ایمان نہاں نہ کردہ ہاشم۔ امید کہ در بارہ گزائش بدان ستائش نظرًا و نشرًا
نامہ نگار الاموات شمارند، و بدعا کی سلامت ایمان، کہ حسن خجستگی انجام

بہاں تواند بود، یاد آرند ۱۱

لیکن میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۶۰ء میں جس کام کے سرانجام نہانے کا غرض
کہا تھا، چند سال کے بعد قدرت ان سے وہی کام لینے والی تھی۔

نواب فردوس مکالمات کی تخت نشینی اور شہداء استاد کی تجویز

چنانچہ اس مراسلت کے چند روز بعد اپریل سنہ ۱۸۵۵ء میں نواب جنت آرا سنگھ نے وفات پائی، اور نواب فردوس مکالمات تخت نشین ہوئے۔ میرزا صاحب نے فشاہ دکن کے رابطے کو مد نظر رکھ کر قطعہ تاریخ خلوس ارسال کیا۔ دربار امپریٹل سے اس کا کوئی جواب نہ گیا۔ اور تقریباً دو سال تک تجویز تعلقات کی یہ کوشش بار آور نہ ہوئی۔

حین اتفاق سے مولانا فضل حق خیابادی راہپور میں فز و کش تھے۔ انھوں نے وقتاً فوقتاً سرکار کے روبرو میرزا صاحب کے اشعار پڑھے، جس سے سرکار ان سے مراسلت اور مشورہ سخن کے مشتاق ہو گئے۔

مولانا میرزا صاحب کو لکھا کہ سرکار کی خدمت کے لئے مکر بستہ ہو جائیے اور اصلاح اشعار کا کام انجام دیجئے۔ مولانا کا نامہ گرامی میرزا صاحب کو ۲۷ جنوری سنہ ۱۸۵۷ء کو موصول ہوا۔ ۲۸ جنوری کو انھوں نے بتعمیل ارشاد نواب فردوس مکالمات کی خدمت میں پہلا عرضیہ ارسال کیا۔ اس کے جواب میں سرکار نے ۲۵ فروری کو اپنے کچھ اشعار بغرض اصلاح بھیجے اور ان کے ساتھ تحریر فرمایا:

”تمیذاً بنبوءۃ بلاغت، آئین مشیر سید خط مولوی صاحب خدم مولوی محمد فضل حق صاحب، دیگر فرائض محبت و اشتقاق لجامت را نگین و دقیق در مین انظار سرکش صیول و اصول نشاط شمول گردیدہ، ہا طلاع خیر تہا سرمایہ مہر نامحسور فردوس۔ از مزید شفق و ابتلا قلبی منظور شد۔“

(۱۔ مکاتیب: ۲۳۳) میرزا صاحب کے شاگرد نواب مصطفیٰ خاں شیقہ نے ہر نمبر کا غالباً مطبوعہ نسخہ سوال ۱۲۷۱ھ و جون سنہ ۱۸۵۵ء میں نواب فردوس مکالمات کی خدمت میں تحفہ ارسال کیا تھا۔ نواب صاحب ۱۳ جب سنہ ۱۲۷۱ھ دیکھا اپریل سنہ ۱۸۵۷ء کو تخت نشین ہوئے تھے۔ شیقہ کا تخت نشینی کے چند ماہ بعد میرزا صاحب کی تصنیف کا تحفہ میں بھیجا اس امر کی غازی کہتا ہے کہ انھوں نے خود میرزا صاحب کے اشارے سے ایسے کیا تھا۔ شیقہ کے خط کے لئے ملاحظہ ہو جبر صیدہ اجاب جس میں شیل ۱۷۵۸ بستم کا خلاصہ درج ہے۔

اس فرمان نے میرزا صاحب میں نیا ولولہ پیدا کیا، اور انھوں نے افروزی کو
سرکار کی مدح میں قصیدہ نظم کرنے پر راجعہ ڈال کر رسالہ کیا۔ اس کی ایک
نقل میرزا صاحب نے مولانا کی خدمت میں بھی بھیجی تھی، جو انھیں آٹو میں موصول
ہوئی وہاں سے ۱۱ ماہ اپریل کو مولانا نے سرکار کو تحریک فرمایا؛

بجز عرض میرزا صاحب کے خیر نکال بافضل ایزد بیجاں بصحت و اعتدال با نور رسیده
ملاحظہ فرما صاحب مشفق نظم الدولہ مرزا اسد اللہ خاں صاحب متخلص بغالب
مع قصیدہ میمیکہ در مدح حضور نفیس محمود منظوم کردہ اند، از ذاک خانہ یافتہ۔
مرزا صاحب موصوف در ثناء و ستایش موزونی طبع اقدس و توصیف غزلہائی
کز زویشان شریف رسالہ یافتہ بودند، و شکر و سپاس عظمای مبلغ پانصد روپیہ
کہ بدو دفعہ ہجرت صاحب موصوف عنایت شدند، اسہانہاں در تحریر فرمودند،
حالاکہ طبع اقدس در علوم عقلیہ و فنون حکیمہ آبخاں دقیقہ رس کہ عدلی آں
در ملکات ہندوستان کہ حال علمای آں تفصیلاً معلوم است، کمتر بلکہ معدوم
است، نظم شعرو فہم آں و ابداع معانی تازہ و مضامین مبتکرہ و سرود الفاظ
نصیحہ و تراکیب بلیغہ بحسب اوزان عروض نسبت بعلو طبع اقدس و بلندی
افکار صائبہ از ادبی مراتب است، مرزا صاحب از یہ حال لاعلم اند۔
طبع عالی و فکر صاحب در دقائق حکیمہ و مخفیات فلسفیہ بجائی میرسد کہ
رسیدن انہماک علامہ علامہ تا آں مقام معلوم الا انتفاست۔ در یہ سخن بیچ مبالغہ
و اغراق نیست۔ حضور مع انور بنفس نفیس امتحانات فرمودہ اند، و نگہ بہر
امتحان ہم سہل است۔ و نظر بہمت والا در جوہر و سخا بذل الکافیا الوفا را نالی قلیل
توان پنداشت۔ مرزا صاحب حق پاسگزاری ادا کردہ اند نظم قصیدہ مدحیہ
در غایت بلاغت و انجام است۔ غالباً شرف اندوز ملاحظہ والا شدہ باشند،

۱۔ مثل نمبر ۲۰ صفحہ ۱۱۰ بعد از اب فردوس مکان، محکمہ دارالانشاء

مولانا کی اس تحریر نے میرزا صاحب کے سابقہ تعلقات از سر نو استوار کر دیے اور ایک مخلص دوست کی کوشش سے میرزا صاحب کی یہ تجویز کہ "ابندہ ریاستوں میں پیر یا استاد بن کر سوخ حاصل کرنا چاہیے" ریاست رامپور میں کامیاب ہوئی۔

نواب فردوس مکاں کا سال شاگردی

نواب فردوس مکاں کے سال تلمذ کا تذکرہ میرزا صاحب نے متعدد خطوط میں کیا ہے۔ لیکن تقریباً ہر خط میں ان کا بیان دوسرے خط سے مختلف ہے۔ تاریخ سنہ ۶۰ ع میں پیچہ کو لکھا ہے :-

در سنہ ۱۸۵۵ء میں نواب یوسف علی خاں بہادر والی رامپور، کہ میرے آشنای قدیم ہیں، اس سال یعنی سنہ ۱۸۵۵ء میں میرے شاگرد ہوئے۔ ناظم ان کو مخلص دیا گیا۔ بیس بچہ بیس غزلیں اردو کی بھیجتے۔ میں اصلاح دیکھ بھید بتایا، گاہ گاہ کچھ روپیہ ادھر سے آتا رہتا۔ قلعے کی تنخواہ جاری، پنشن کھلا ہوا، ان کے عطایا فتوح گفے جاتے تھے۔ جب وہ دونوں تنخواہیں جاتی رہیں، تو زندگی کا مدار ان کے عطیے پر رہا۔ لہذا نفع دہلی وہ ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے، میں عذر کرتا تھا جب جنوری سنہ ۱۸۶۶ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب دیا کہ جو اوپر لکھ آیا ہوں، تو میں آخر جنوری میں رامپور گیا، اسی چہینے میں تفتہ کو لکھتے ہیں:

نواب یوسف علی خاں بہادر بیس بیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد ہیں۔ آگے گاہ گاہ کچھ بھیج دیا کرتے تھے۔ اب جولائی

سنہ ۶۵۹ سے سو روپے مہینہ ماہ بھیجتے ہیں ۲۷

اس نختینے کی رو سے، نواب فردوس مکاں کا سال شاگردی سنہ ۱۸۵۵ء

قرار پاتلے، لیکن ۳ جولائی سنہ ۱۸۶۵ء کو سیاح کو تحریر کیا ہے:
 دو ایک قرن ۱۲ برس سے فردوس مکاں کو اب یوسف علی خاں، والی ساپور اپنے
 اشعار میرے پاس بھیجتے تھے، اور سورت پہلے میرزا باہ بھائی صاحب نے منسلک ہی
 بھجواتے تھے ۱۱

اس حساب سے نواب فردوس مکاں کو سنہ ۵۵۰ ع میں میرزا صاحب سے
 مشورہ سخن شروع کرنا چاہیے۔ لیکن اسی عرض کہ میرزا صاحب
 نے ۲۸ جنوری سنہ ۵۵۰ء کو اپنا پہلا عریضہ ارسال کیا تھا، اور اس میں یہ لکھا تھا
 کہ سنہ ۵۵۰ ع میں قطع تاریخ جلوس کار سال ربط شاہ و گدا کی بنا پر تھا، اب
 یہ عریضہ مولانا فضل حق خیر آبادی کے ارشاد کی تعمیل میں لکھ رہا ہوں۔ اس کے جواب
 میں ۵ فروری سنہ ۵۵۰ء کو نواب فردوس مکاں نے گرامی نامہ تحریر فرمایا،
 جس کا ضروری حصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ارادہ تلذ پر دالی
 ہیں:

”شفقا، ہر چند کہ کاتب را اتفاقی موزونیت یک مصرعہ ہم نشدہ بود،
 لیکن محض بخت سماعت کلام سامی زبانی مولوی صاحب صدر الوصف دلم
 خواست کہ طریقہ رسل و رسائل جاری شود۔ چون بسببی نہ از بی نظرم نہ رسید،
 لہذا چند ایام است و ایام موزون نموده، ہر صدر اصلاح پیش آں بیکارہ آفاق مزل
 گشت۔ چشم داشت کہ بعد اصلاح غزل ہائی ذکر مری کہ ام طرح جدید لطیف
 فرمودہ شود ۱۲

اس کے جواب میں میرزا صاحب نے ۱۲ فروری کو عریضہ تحریر کیا، اور اس پر
 غزلیات اور مہنڈوی کے پیچھے کی اطلاع کے بعد عرض کیا کہ ”اشعار خود ہنگام غزل
 خواہر رسید“ نیز ۱۵ فروری کو اصلاح شدہ غزلوں کے ساتھ جو عریضہ بھیجا، اس
 میں تخلص کے متعلق لکھا:

میرزا صاحب کی بیخوابی

میرزا صاحب کے جدید رشتہ استادی کے قیام پر چند ماہ گزرے تھے کہ غدر سنہ ۵۷۷ کے آثار پیدا ہونے لگے میرزا صاحب نے اپنے محسن شاگرد کی خدمت میں کچھ خط لکھے، جو ان کی حسب ہدایت چاک کر دیے گئے۔ اس ہدایت کی وجہ سے اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ ان تحریروں کا مضمون کیا سیات سے متعلق تھا۔ اس لئے کہ جب آنکھیں غدر بھر چکی تھیں، اور نواب فردوس مکاں کے لئے ناگزیر ہو گیا کہ اپنا رویہ متعین کر لیں، تو انھوں نے انتہائی ہوشمندانہ طریقہ کار اختیار کیا۔ وہ سبقتوں میں میرزا صاحب لکھتے ہیں:

و چشم بد دور! فروز نغمہ ہور، نواب بے سفت علی خاں بہادر فرمانروای را بہور کہ از دیدار دوران سرزمین ہر زبانی و شاہ فانی نیاکان خویش را جانشین است و با جہان انان انگلند و ہر دزی و دیکہ کی استواری پیمانیں بر آن آئین است کہ دست روزگار و ہزار سال ہزار گونہ کشاکش از انبار گست و چلد ناچار بفرستادین پیام خشک، زبان ہم سا یگان از گفتگو

بست ۱۱

یہ رویہ، جسے میرزا صاحب نے پیام خشک سے تعبیر کیا ہے، اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، جب تک حالات کا صحیح علم اور ان کے پیرایوں

دیکھ کر اسے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر میرزا کا استاذ ناظم ہونا واقعہ تھا تو انھوں نے اس کا ذکر اتنا کیا کیا میں کیوں نہ کیا مادہ صورت دیکھ دیا چہ میرزا لکھتا میں کیوں بیان فرمایا چونکہ اس کا کوئی مسکت جواب نہیں ملتا، اس لئے ہم نواب ناظم کے اپنے بیان پر میرزا حرم کے بیان کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ ہاں تیسرے کھنری کی شاگردی کا ثبوت مسکار کے فرمان بنا، تیسرے مورخ ۱۲۷۳ کو ۱۲۷۳ سے بھی قبل ہے مثل ۵۵، صیغہ احباب، اس کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوئی ہے کہ ۲۲ سنہ ۱۲۷۳ میں میرزا صاحب نے ضحیفہ پری قلعہ امرالہ کے باعث سرکار سے اسد علی تھی کو زندہ نہیں خدمت صلاح متعارف کیا تھا (اردو ۱۲۷۳) قابل ملاحظہ اس بات کو منظور فرما کہ میرزا کی شہادت سے اس کے پاس بھی اپنا کلام بھیجا شروع کر دیا تھا مگر میرزا صاحب نے یہ سمجھا رشتہ شاگردی منقطع نہیں فرمایا چنانچہ مرض الموت میں بھی ایک سلام کھڑکرن کے پاس تیسرے صاحب اسرار لکھا تھا جو بعد اتم حال در پس آیا مکاتیب ۱۶۲ ص ۱۶۲ کلیات شرفاوی، ۱۷۳

کے واقعی اسباب قبل از وقت نہ معلوم ہو چکے ہوں
ترک مراسلت

غدر کے ساتھ حکومت ہند کے سلسلہ نامہ رسائی میں اختلال واقع ہو گیا، نیز
دہلی سے خط اکتا بہت کرنے میں کاتب و مکتوب دہیہ کے لیے لال قلعے کی حکومت
ہند کی نظر میں مشتبہ قرار پانے کا خطرہ تھا، اس لیے قاصد کے ذریعے سے خیریت
گوئی و رعایت جوئی بھی سہل اور بیخطر نہ رہی۔ اور نواب فردوس مکان
روہیلکھنڈ کی بغاوت فرو کرنے میں مہمکس تھے۔ ان حالات کا نتیجہ نکلا کہ
میرزا صاحب اور سرکار مل اگست سنہ ۱۸۵۷ء سے جنوری سنہ ۱۸۵۸ء تک اسلٹ
نہ ہو سکی۔ ساتویں عریضے میں میرزا صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

”دور زمانہ چیرہ دستی اور نکاح سپاہ و سیاہ، سرشتہ نام از ہم گستاخار
نفرستادہ نامہ بر، رساندن نامہ و پیام صورت بہت۔ درینا روزگار
کہ فرمان دو زبان دو گروہائی و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت، نامہ
دریام روان داشتہ شد، و نارسیدن پاسخ از چنان پنداشتہ شد
کہ اگر آن بنای شامہ نرسیدہ باشد، یا قیلا احتیاط مانع تخریب جواب
گردیدہ باشد۔ بہ نگاشتین این نامہ، ز صحبت اد قاصد ملازمان
نفلان روزہ ہشتہ ام، کہ اگر نفرستادین نامہ محض از روی احتیاط است
جو پیدا گردیدہ کہ در عنایت تقریظ و در رعایت افراط است“

میرزا صاحب کی مالی پریشانی اور فقر و غلبہ

میرزا صاحب کو خزانہ کلکٹری سے ساڑھے باسٹھ روپے ماہوار پنشن ملا کرتی تھی،
جسے غدر کے بعد تعلق قلعہ کے سب سے گورنمنٹ نے مسدود کر دیا۔ ان
کے بعد میرزا صاحب نے بیگناہی ظاہر کی۔ لیکن مدت تک شخوائی نہ ہوئی
غدر سے قبل نواب فردوس مکان نے دو تینا دو تینا کچھ عطیات بھیجے تھے میرزا

صاحب نے پتھر کو ان عطیات کے بارے میں لکھا ہے ا
 در نواب دوست علی خان بہادر والی بہا پور..... بیس پچیس غزلیں اردو کی
 بھیجے میں اصلاح دے کہ بھیج دینا گاہ گاہ کچھ روپیہ آمد صورت ہمار ہوتا ہے
 لیکن ایام غدر میں وہ بھی امداد نہ کر سکے۔ غدر کے بعد سنہ ۱۸۵۸ء میں میرزا صاحب
 نے ایک قصیدے کے توسط سے سالانہ امداد کی درخواست کی رفت و وس
 مکاں نے متعدد بار دعائی و معافی سو رہے نقد طاکے۔ میرزا صاحب کو
 اوقات بسر کرنے کے لیے ماہوار امداد کی ضرورت تھی۔ انہوں نے نواب صاحب
 کے حضور میں مزید پرورش کی درخواست ارسال کی سو رہ اتفاق سے مثل میں
 یہ درخواست موجود نہیں۔ البتہ عریضہ مورخہ ۱۸ اپریل سنہ ۵۹ء میں
 ایک حسن طلبہ پر مشتمل بنیاد نامے کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں:
 اسی بنیاد نامے میں کچھ حسن طلب بھی تھا۔ انہوں نے کہ ایسا خط ضروری نہ

پہچان

چونکہ اول الذکر عریضہ سرکار کو موصول نہ ہوا، اور دوسرے میں اس حسن طلب
 کی تصریح نہ تھی، اس لئے مجبوراً جولائی سنہ ۵۹ء کو میرزا صاحب نے ایک
 اور عریضہ ارسال کیا۔ مغلوں میں یہ عریضہ بھی موجود نہیں ہے، لیکن نگار
 کے جوابی فرمان مورخہ ۱۴ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۵ھ و ۱۶ جولائی سنہ ۱۶۵۹ء سے
 اس کے مضمون پر روشنی پڑتی ہے۔ سرکار نے ارشاد فرمایا ہے:

..... سامی صحیفہ تلف آگین مورخہ دسویں اس تہیہ جولائی سنہ ۱۲۷۵ھ
 کا بیچ میں انتظار کے غاۓ آزادی چہرہ وصولی نشا ط شمول کا ہوا۔ اور اوپر
 مراتب مرتوبہ کے مطلع کیا۔ اور ان غزلوں کی اصلاح سے خلص کو کمال مرت
 ہوئی، اور ہنر آپا کی زیر باری کے اس چہینہ جولائی سے سو روپیہ مہینہ مقرر
 کیا گیا، اور دفتر میں نام آپا کا مندرج کیا گیا۔

ہر مہینے تختہ اور مقرر پہنچے گی۔ یقین ہے کہ آپ بھی اس کو معمول کمال محبت پر
فرما دیجئے گا۔

اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں میرزا صاحب کسی وجہ سے
خط نہ لکھ سکے تھے، سرکار آن کے خط کے منتظر تھے ۱۰ جولائی کے عربیعہ میں
انھوں نے اپنی زہر باری کا ذکر کیا، تو سرکار نے اذراہ پرورش سوار پہلے
ماہوار تختہ ۱۰ مقرر فرمادی۔ سرکار کا رد بیکار و نفرت و طبعیت ۱۱ جولائی کو صادر ہوا
اور میرزا صاحب کو پہلی تختہ ۱۰ مقرر فرمادی ۲۵ ذیحجہ سنہ ۱۲۵۵ ہجری ۳ جولائی سنہ
۱۶۵۹ کو روانہ کی گئی۔

اپریل سنہ ۱۶۵۹ میں میرزا صاحب نے مجروح کو جو خط لکھا ہے اس میں
سبھی جولائی سنہ ۱۶۵۹ ع سے تختہ جاری ہونے کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں:
قرار واد یہ ہے کہ نواب صاحب جولائی سنہ ۱۶۵۹ ع سے کہ جس کو یہ دیکھا
ہو گیا ہے، سوار پہلے مجھے ماہ بہ ماہ بھیجتے ہیں ۲

ہندوی بھیجے کا طریقہ

چونکہ میرزا صاحب رامپور میں فروکش نہ تھے، اس لیے انھیں رامپور سے بھیجے کی

۱۰ مئی ۱۶۵۹ء میں ۳ مہینہ ۱۱ حساب ۱۶۵۹ء اور دوی ۱۶۶۰ء ۵۔ میرزا صاحب کا تختہ ان کے نظریہ کے سلسلہ میں مولانا قمر فرید میں
قدر کے بعد جب تختہ کی خواہ جاتی رہی اور خاندانی فتنے نہ ہو گا، تو غالباً ایکس فاری قصیدہ نواب یوسف علی خاں کے پاس
بھیجا جس میں گہرے دوستانہ روابط کا ذکر کرتے ہوئے نواب صاحب کے تلال کا شکوہ کیا گیا تھا..... اس قصیدے پر نواب
یوسف علی خاں مرحوم نے سوار و میرزا صاحب کا طریقہ غالب کے لیے مقرر فرمایا، جو ماہ بہ ماہ نواب خاں خاں کو لکھ بھیجتے رہے۔
دسمبر ۱۶۵۹ء لیکن مولانا قمر فرید کے پیش نظر مجھے مولانا کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ سرکار نے اس
قصیدے پر میرزا صاحب کا تختہ مقرر کیا اور نہ مجھے یہ تسلیم ہے کہ اس کے بعد نواب صاحب کو کوئی قطع برائی کی
مبارکباد دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں مفتی یا قاضی یا مخدوم یا عامل کے عہدے کا طلبگار نہیں،
بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ مجھے ماہ بہ ماہ پہنچتا رہے (۱۶۶۰ء) اس لیے کہ قصیدے میں
میرزا صاحب نے ایمانہ کی جگہ مولانا کی درخواست کی ہے۔ فرماتے ہیں:

ہر سال ازان شہر بن دایہ روانہ ۱۰
کنہ ہر ہین گشتہ روز قطار تو تالی

دوسری بار وہیں تاریخ تک سو روپے کی ہندوی سرکار کے کراچی نامے کے
ساتھ ملفوظ بھیجی جاتی تھی۔ بعض عرائض میں میرزا صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی
دوسری تاریخ تک سو روپیہ بھیج دیا جا یا کرے۔ سرکار نے اس کو منظور بھی فرمایا
ہے، اور دفتر کو حکم بھی ہو گیا ہے۔ لیکن بالعموم ان تاریخوں کے بعد جاری
روانہ کیا گیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب مورخہ ۱۵ جولائی سنہ ۱۲۵۵ بمقام سیاح
سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار میرزا صاحب سے روپے کی رسید نہیں لیتے تھے
میرزا صاحب لکھتے ہیں:

”ایک قرن“ اس سے فردوس مکاں، غالب یوسف علی خاں والی

راہپور۔۔۔۔۔ سو روپہ مہینہ ماہ باہ بسبیل ہندوی بھیجتے تھے۔ اس منفر

کی اندازہ دانی دیکھئے کہ مجھ سے کبھی اس روپے کی رسید نہیں لی۔ اپنے

خط میں ہندوی بھیجی کرتے۔ میں خط کا جواب لکھ بھیجتا۔

اس مکتوب میں رسید سے میرزا صاحب کی مراد باضابطہ ٹکٹ چسپاں

رسید ہوگی، وہ نہ سرکار کے فرمان میں روپے کی وصولیائی سے مطلع کرنے کی خواہش

اور میرزا صاحب کے تمام ماہانہ عرائض میں روپے کی رسید کی اطلاع

درج ہے

اصلاح میں تاخیر

میرزا صاحب کی طرف سے تو اس فردوس مکاں کے کلام پر اصلاح

دینے میں تاخیر بھی ہو جاتی تھی، چنانچہ متعدد دفرا میں تعجیل کا تقاضا اور

بعض میں تاخیر کا شکوہ نظر آتا ہے۔ اس کا سبب میرزا صاحب کی علالت

طبع تھی۔ نومبر کے ایک مکتوب میں میرزا صاحب نے سیاح کو لکھا ہے:

اخذوں ضعیف مانع، دورانِ سر میں ایسا مبتلا ہوں کہ دانی را مپید کا بھی

سبب سا کام یوں ہی دھرا ہوا ہے، دیکھئے کی بھی نوہتا نہیں آئی، تمہاری

بھیجی ہوئی غز میں سب محفوظ دھری ہوئی ہیں۔ خاطر جمع رکھو
جب نواب صاحب کی غز نہیں دیکھوں گا تو یہ بھی دیکھی جائیں گی یہ
ایک بار تفتہ کے کام پر اصلاح دینے میں دیر ہوئی۔ انھوں نے تھا ضافی خط
لکھا۔ اس پر ۱۱ اکتوبر سنہ ۶۲ کو میرزا صاحب نے تحریر فرمایا ہے :

بھائی تم فتح کہتے ہو کہ بہت سودے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں
مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ہکا نقصان پڑے ہیں۔ نواب صاحب کی غز میں
بجو۔ اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔ برسات کا حال نہیں بھی معلوم ہے۔۔۔
اب نجات ہوئی ہے۔ نواب صاحب کی غز میں اور تمہارے نقصان دیکھے جائیں گے۔۔۔
..... میں نا تو ان بہت ہو گیا ہوں گو یا صاحب فرما ہوں۔ کوئی شخص نیا
تعلقات کی ملاقات کا تمہارے، تو وہ میٹھا ہوں در نہ پڑا رہتا ہوں۔ لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں

لیٹے لیٹے مسودات دیکھتا ہوں۔ اللہ! اللہ! اللہ! ۳۵

اس جواب پر ایک ہفتین گزر گیا، لیکن تفتہ کو اصلاح شدہ نقصان نہ ملے
انھوں نے پھر شکایت آمیز خط لکھا۔ اس کے جواب میں ۲۷ دسمبر سنہ ۶۲ کو
میرزا صاحب نے معذرت کرتے ہوئے نواب صاحب کی غزلوں پر اصلاح
نہ دینے کا پھر ذکر کیا، فرماتے ہیں :

” مرزا تفتہ۔ جو کچھ تم نے لکھا ہے۔ یہ ہیرو و فلیپ اور بدگمانی۔ معاذ اللہ!
تم سے اور آزدگی۔ مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک
دوست صادق الولا رکھتا ہوں۔ جبکہ ہر گوپال نام اور تفتہ تخلص پر
..... بھائی، مجھ میں اب کچھ باقی نہیں ہے۔ برسات کا مصیبت گزر گئی
لیکن بڑے معاہدے کی شدت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں۔ بیچہ نہیں سکتا
اکثر لیٹے لیٹے لکھتا ہوں۔۔۔۔۔ لالہ ہا لکھتے میٹیر کا ایک پارسل ہے کہ اس کو

وزیر نہ بہم بھی آدمی تھے کام کے۔

صنعت سے غالب، نکما کر دیا

لیکن اس ناخبر کے باوجود نواب فردوس مکاں وظیفہ سرا بر دیتے رہے
 تھے کہ سنہ ۱۱۸۷ میں میرزا صاحب کے اصلاح سے انکار پر بھی سرکار نے
 ظیفہ بند نہ کیا۔ سرکاری اس جہر بانی کا میرزا صاحب نے ایک خط میں ذکر
 بھی کیا ہے۔ وہ قصیدہ در پیش آیا کہ ایک بار تفتہ کے کلام پر اصلاح دینے میں دیر ہوئی
 محول نے تقاضا کیا۔ میرزا صاحب نے عذر مضع کیا، جسے تفتہ نے ہا اور
 بھیجا۔ اس پر میرزا صاحب نے تحریر فرمایا،

میرا عجب حال ہے۔ چران ہوں کہ تمہیں میرا کلام کیوں یاد رہ نہیں سکتا...

نہایت مزگیا تھلا اسبابا صرہ بھی ضیف ہو گیا رئیس را پور سو روپے

ہنہیا دیتے ہیں۔ سال گزشتہ ان کو لکھ بھیجا کہ اصلاحِ نظم حواس کا کام ہے،

اور میں اپنے میں حواس نہیں پاتا۔ متوقع ہوں کہ اس خدمت سے

معاف رہوں، جب مجھے آپ کی سرکد سے ملتا ہے، عرض خدمات سابقہ

میں شمار کیجئے، تو میں کہہ لبراسی، اور نہ خیرات خواہی، اور اگر یہ عطیہ بشرط

خدمت ہے، تو جو آپ کی مرضی ہے۔ وہی میری قسمت ہے۔

بیس دن کے عرصے کا کلام تئیں آتما فتوح مفرری نو مہر تک آئی۔ اس

دیکھیے، آگے کیا ہوتا ہے۔ آجک نواب صاحب ازراہ جو انفرادی ہے

جائے ہیں۔ ۳۱

۱۱ اردو صفحہ ۱۹۱۰ء (۱۶۱) یہ انگریزی کے لفظ مسکسا بمعنی مریض کی بگڑی ہوئی صورت ہے آج کل راجپور کے حام

بچوں کی زبان پر "سیک" لہجہ اور جب کوئی سپاہی اچھا ہو کر شفا خانے سے اپنی بکینی میں جا سٹارل ہو تا،

دکھتے ہیں کہ جن کو گویا یہ لفظ انگریزی کے لفظ جو اُن کی نصیب ہے۔ (۳) اردو: ۶۳ و ۶۴۔

یہ خط میرزا صاحب نے ۱۲ رجب کو لکھا تھا۔ اس کے آخر میں سنہ درج نہیں ہے قیاس چاہتا ہے کہ سنہ ۱۲۸۱ ص مطابق ۱۲ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ء متاریخ کتابت ہو۔ وہ یہ ہے کہ اس میں میرزا صاحب نے نومبر کی تتواہ موصول ہونے کی اطلاع دی ہے، لہذا خط لکھے وقت دسمبر کا چھینا ہونا چاہیے، اور جیسا کہ خود میرزا صاحب کے اثنا بیسویں عریضے سے معلوم ہوتا ہے، رجب سنہ ۱۲۸۱ ص دسمبر سنہ ۱۸۶۴ء کے ساتھ شروع ہوا تھا۔

اس خط میں میرزا صاحب نے اس عریضے کا مضمون دہرایا ہے، جو نواب فردوس مکاں کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ گو یہ عریضہ مثلوں میں موجود نہیں ہے، لیکن دوسری مثلوں میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کا یہ ارشاد کہ دہ برس دن سے ان کا کلام نہیں آتا، حقیقی حذر ہے۔ کیونکہ دسمبر سنہ ۱۲۷۳ ع سے دسمبر سنہ ۱۲۷۴ ع تک نواب فردوس مکاں نے تقریباً ہر ماہ خط بھیجا ہے، مگر کسی میں اشارے کے ارسال کی اطلاع یا مرسلہ کلام کی واپسی کا تقاضا درج نہیں ہے۔ ان کا آخری کلام وہ دستخط تھا، جو میرزا صاحب نے آخر اکتوبر سنہ ۱۲۷۳ ع میں ارسال کیا اور یہ ۲۹ اکتوبر سنہ مذکورہ مطابق تھا۔ چنانچہ ۱۸ اکتوبر سنہ ۱۲۷۳ ع کو موصول ہوا جس کے بعد اکتوبر سنہ ۱۲۷۳ ع کے آخری نومبر کے فارم میں مکرر عرض ملتا ہے کہ اور غالباً سنہ ۱۲۷۳ ع کے شروع میں محمد منہدم کی مجاریس کے لیے صرف ایک سلام لکھ کر بھیج سکے۔ جو ان کے انتقال کے بعد میرزا صاحب نے نواب علیا شیاں کی خدمت میں واپس ارسال کیا تھا۔

رامپور کا پہلا سفر اور سرکار کے پلچے دعوت نامے

مملکت ہند میں ان دامال قائم ہوتے ہی، سرکار نے میرزا صاحب کو رامپور نشریت لانے کی دعوت دی۔ نواب صاحب کا پہلا دعوت نامہ مثل میں

کو سامعہ نوا نہیں ہوئی۔ اور آپ کہ انتظار مقدمہ پیش کا تحریر فرماتے ہیں، کیا خبر گیری مقدمہ پیش کی تشریف رکنے آپ کے سے یہاں پر مختاراً نہیں ہو سکتی؟ آپ براہِ لطف اور عہد بانی کے حال قصد تشریف آوری سے جلد مطلع اور مسرور فرمائیے گا کہ رفع انتظار ہو۔

میرزا صاحب کا عذر

میرزا صاحب مطلع سیاست صاف ہو جانے کے بعد، اپنی انگریزی پیش کے اجرا کی سعی میں لگا پڑے۔ اور اپنے آپ کو جرم بیوفائی و غداری سے قطعاً بری پاتے تھے، اس لیے حجام کی ہر دفتری حرکت ان کی اہمید کو پیام کامیابی نظر آتی تھی، بسا اوقات اجاب کو کامیابی کی منزل قریب آ جانے کی اطمینان تک دیدیتے تھے، ایسی حالت میں کس طرح ممکن تھا کہ دلی سے باہر چلے جاتے۔ چنانچہ یہی امر دزد فردا دلی چھوڑ کر رامپور آنے سے مانع رہے، اور انھوں نے ہر وعو تمنا کے جواب میں عذر کہا کہ پیش کے وصول کا زمانہ قریب آگیا ہے، اس کو ادھورا چھوڑ کر نہیں آ سکتا اس سلسلے میں صاحبزادہ سید زین العابدین خاں بہادر کو تحریر کرتے ہیں:

”جناب فواب صاحب میرے محسن اور میرے قدردان اور میری امید نگاہ ہیں۔ میں اگر رامپور نہ آؤں گا، فو اور کہاں جاؤں گا۔ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ تجھ کو آنے میں تردد کیا ہے، تردد کچھ نہیں، تو قطعاً ہے وجہ توقف کی یہ کہ میں نے اپنے پیش کے باب میں چیون کشنز بہادر کو نہایت دی تھی۔ وہاں سے صاحب کشنز شہر کے وہ درخواست حولے ہوئی صاحب کشنز دہلی نے صاحب کلکتر شہر سے کیفیت طلب کی ہے۔۔۔ بہر حال صاحب کشنز شہر کیفیت صاحب کلکتر سے طلب کر چکے ہیں کے ساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھیے کب آویں، اور بعد ملاحظہ کیفیت

۱۲ مئی ۱۲۱۵ء صیدہ اجاب ۱۲۱۵ء اردو دہلی اور عود ہندی میں اس مضمون کے متعدد خطوط موجود ہیں۔

کیا حکم دیں۔ مگر تا صدور حکم میں یہاں سے کہیں جا نہیں سکتا۔ ہاں بعد ملنے حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالف مدعا و دونوں صورتوں میں رامپور آؤں گا ۱۱

نواب فردوس مکال کے دعوت نامہ مورخہ ۲۵ نومبر سنہ ۵۸ ع کے جواب میں بھی اتنی عذر کا اعادہ کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

میرے حاضر ہونے کو چار شاد ہوتا ہے، میں وہاں نہ آؤں گا تو اور کہاں جاؤں گا۔ پٹنن کے وصول کا زمانہ قریب آتا ہے۔ اس کو ملتی چھڑ کر کیونکر چلا آؤں؟ سنا جاتا ہے اور یقین بھی آتا ہے کہ جنوری آغاز سال ۵۹ عیسوی میں یہ قصبہ انجام پائے۔ جس کو روپیہ ملتا ہے اس کو روپیہ جس کو جواب ملتا ہے اس کو جواب مل جائے ۲۶

لیکن جنوری سنہ ۵۹ ع کا مہینا بھی پونہ نہیں گزر گیا، تو انہوں نے اپنے حسن عقیدت میں اور وسعت پیدا کر لی، اور جب سرکار نے ۱۳ ماہ اپریل سنہ مذکورہ کو چوتھی بار اندرا میپور کی دعوت دی، تو اس کے جواب میں لکھا:

” پہلے خط میں یہ عرض کیا ہے کہ مجموعہ پنداروں کی مثل مرتب ہے، اور ہنوز صدر کو روانہ نہیں ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لارڈ کیننگ بہادر نے کلکتے میرے نہیں کے کو اغذ طلب کیے، اور وہ کاغذ فہرست میں سے الگ ہو کر لفٹ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے۔

وہاں سے کلکتے کو بھیجے جا میں گے۔ پھر وہاں سے حکم منظوری پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئے گا، اور یہاں فحجہ کو روپیہ مل جائے گا۔ آج روپیہ ملا، کل میں نے آپ سے سواری اور بار برداری مانگی۔ آج سواری اور بار برداری پہنچی، اور کل میں نے رامپور کی راہ لی ۲۳

چھٹی دعوت

اس عذر کو سرکار نے اپنے محکمہ بالا فرمان مورخہ بمبئی میں تسلیم فرمایا اور برابر اشتیاق ملاقات ظاہر فرماتے رہے، تا آنکہ سنہ ۵۹ ع ختم ہونے کے قریب آگیا، اور فیشن کا معاملہ ہنوز لیت و لعل میں پڑا رہا۔ آخر سرکار نے ۱۶ دسمبر سنہ ۵۹ ع کو پھر ارقام فرمایا:

سابقی میں چند مرتبہ درباب تشریع فرامی تیاں کے متکلف ہوا ہوں لیکن اب تک آپ نے سرور ملاقات بحت آیات سے مسرور نہیں فرمایا۔ اب لادم و غفاق کا یہ ہے کہ آپ تشریعاً شریعت باسرع ازمنہ ارزانی فرمادیں اور مخلص کو مطکور الطاف کا کریں ۱۱

میرزا صاحب اس عرصے میں نواب فردوس مکاں کے اخلاص اور امانت کے بدل معترف ہو چکے تھے، اور یہ عزم کر کے کہ مقدمہ فیشن کے منفصل ہوتے ہی رامپور روانہ ہو جائیں گے، یوسف مرزا کو لکھا تھا:

”میں تو فیشن کے باب میں حکم خیر سن لوں، پھر رامپور چلا جاؤں گا۔ جمادی

الاول سے ذی الحجہ تک نہ چینی، اور پھر محرم سے سنہ ۱۲۸۱ سال شروع ہوگا

اس سال کے دو چار ہندو س گیا وہ چینی، غرض کہ انہیں جیس

چینی ہر طرح بسر کرنے ہیں۔ اس میں رنج و راحت و دولت و عزت جو مقصود

میں ہے وہ پہنچ جائے، اور پھر علی، علی، کتنا ہو، تک عدم کو چلا جاؤں

جسم رامپور میں اور روح عالم نود میں۔ یا علی! یا علی! یا علی! ۱۱

میرزا صاحب کا عزم سفر اور اس کا مقصد

جب آغا فرسٹ سنہ ۱۲۸۰ ع میں گورنمنٹ نے مقدمہ فیشن کا فیصلہ میرزا صاحب کی خواہش اور امید کے خلاف صادر کیا، تو انھوں نے حسب وعدہ سفر آپکو

کی تیاری کی۔ اس سلسلے میں پیچھے کو لکھتے ہیں

بعد فتح دہلی وہ نواب فردوس مکاں، ہمیشہ میرے مقدم کے خواہاں رہتے تھے۔ میں عذر کرتا تھا۔ جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب

پایا کہ جو اوپر لکھا آیا ہوں، تو میں آخر جنوری میں راپہور گیا۔
نواب فردوس مکاں ابام غدر میں گورنمنٹ کے وفادار اور معاون رہے تھے انگریز حکام کی نظر میں ان کی بڑی عزت و وقعت تھی۔ میرزا صاحب سے بھی ان کے تعلقات بھید پر خلوص تھے۔ مقدمہ خلاف فیصل ہونے کے بعد میرزا صاحب نے مناسب جانا کہ راپہور جائیں اور سرکار کے توسط سے اپنا معاملہ گورنمنٹ سے صاف کرائیں۔ شیونر این کو ۳ مارچ سنہ ۶۰ء کو راپہور سے لکھا ہے،
میں حسب الطلب نواب صاحب کے دوستانہ یہاں آیا ہوں، اور اپنی صفائی

گورنمنٹ سے بذریعہ ان کے چاہتا ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ ۲۰

اس کے علاوہ ایک اور واقعہ جو قیام راپہور کے زمانے میں پیش آیا، اس امر پر شاہد ہے کہ سفر راپہور سے میرزا صاحب کا مقصد ”گورنمنٹ سے اپنی صفائی“ تھا۔ ۱۴ فروری سنہ مذکورہ کو حکیم غلام نجف خاں کو تحریر کیا ہے۔

”یہاں کا یہ حال ہے کہ نواب لغت گورنر بہادر اگر ہمدرد آدیا چاہتے ہیں۔ مراد آباد یہاں سے بارہ کوس ہے۔ نواب صاحب دورے کو اپنے ملک کے لئے ہیں۔ دو چار دن میں پھر آئیں گے۔ اگر ان کی ملاقات کو مراد آباد جا میں گئے میں بھی ساتھ جاؤں گا۔ اگرچہ گورنر عزب و شمال کو دلی سے کچھ

ملاقہ نہیں، مگر دیکھوں، کیا گفتگو درمیان آتی ہے۔ ۳

اگر میرزا صاحب کے پیش نظر گورنمنٹ سے صفائی نہ ہوتی، تو یہ جانتے ہی کہ غرب و شمال کے گورنر کو دلی سے کچھ واسطہ نہیں، سرکار کے ساتھ مراد آباد جانے کا تہیہ نہ کرتے

دلی سے روانگی

میرزا صاحب نے ارادہ کیا کہ آخر جمادی الآخرہ میں دلی سے روانہ ہوں اور رجب المرجب کا چاند راہپور آکر دیکھیں۔ حسین مرزا کو سہ شنبہ ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۵۹ء کو لکھتے ہیں:

راہپور زندگی میں میرا مسکن اور بچہ مرگ میرا مدفن ہو لیا جب تم لکھتے ہو کہ کہ لکھتے تم وہاں جاؤ، تو مجھ کو ہنسی آتی ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہلال ماہ رجب المرجب راہپور میں دیکھوں گا ۱۱

اس خط کی تحریر سے ۱۹ دن بعد میرزا صاحب دلی سے روانہ ہوئے دلی سے روانگی کی تاریخ کا ذکر متعدد خطوں میں پایا جاتا ہے مثلاً پیٹری کو جملہ لکھ دیا ہے: جب جنوری سنہ ۱۸۶۰ء میں گورنمنٹ سے وہ جواب پایا کہ حج اور لکھ آیا ہوں، تو میں آخر جنوری میں راہپور گیا ۲۵

راہپور سے واپس جا کر شیو ٹرائن کو جینے کے ساتھ تاریخ بھی لکھی ہے فرماتے ہیں:

۱۹ یا ۲۰ جنوری سنہ ۱۸۶۰ء کتاب اور دونوں عرضیاں ولایت کو روانہ کر کے

راہپور گیا ہوں ۳۵

لیکن آخر عمر میں میرزا صاحب کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، اس لیے انہیں صحیح تاریخ یاد نہیں رہی۔ دراصل وہ جنوری سنہ ۱۸۶۰ء کو دلی سے روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ ۲۱ جنوری کو میرٹھ پہنچ کر نغمۂ کو لکھا ہے:

بھائی، میں نے دلی کو چھوڑا، اور راہپور کو چلا..... ۱۹ کو مرہٹو نگر اور جمعہ ۲ کو

میرٹھ پہنچا۔ آج شنبہ ۲۱ کو بھائی مصطفیٰ خاں کے کہنے سے مقام کیس یہاں سے ریختا ٹکڑا لکھ کر بھیجا۔ کل شاہجہاں پور، پرسوں گڑاٹھ کلکیشنروں کا

پھر مراد آباد پوتا پورا راہپور جاؤں گا ۳۵

اسی تاریخ حکیم غلام نجف خاں لکھتے ہیں:

میں نے تم سے رخصت ہو کر اس دن مرادنگر میں رہا۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو یٹھہ..... پٹنچا۔ نواب مصطفیٰ خاں نے ایک دن رکھ لیا۔ آج شنبہ ۱۲ جنوری یہاں مقام ہے۔ نونج گئے ہیں۔ بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہوں مہنت کا کھانہ ہے۔ دغوب پیٹا بھر کر کھاؤں گا کل شاہجہاں پور، پرسوں کو گڈھ مکیشتر رہوں گا۔ مراد آباد سے پھر مکو خط لکھوں گا ۱

ان تمام خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے دن صبح کے وقت ۱۹ جنوری سنہ ۱۲۷۰ء کو میرزا صاحب دلی سے روانہ ہوئے۔

اخفا کی حال

روانگی سے پہلے میرزا صاحب نے کسی مصلحت کے ماتحت احباب سے مختلف مقامات کے سفر کا اظہار کیا تھا میرٹھ پہنچ کر اخفا کی ضرورت نہ سمجھی اور وہیں سے حکیم غلام نجف خاں کو لکھا

ہاں بھائی میں از روی مصلحت اپنے کو مقامات مختلف کا عازم کہ آیا ہوں اب جو شخص تم سے پوچھا کرے، اس سے پردہ نہ کرنا اور صاف کہہ دینا کہ رام پور گیا ہے۔ یعنی سب کو معلوم ہو جائے، اور کوئی تذبذب میں نہ رہے ۲، ۳، ۴

اس مکتوب میں میرزا صاحب نے اس مصلحت کو ظاہر نہیں کیا، جو مقام سفر کے اخفا کی بنا تھی۔

منازل سفر

۱۹ جنوری کی صبح کو دلی سے روانہ ہو کر میرزا صاحب نے شام کو مرادنگر میں قیام کیا۔ دوسرے دن جمعہ کو میرٹھ پہنچے۔ ایک دن نواب مصطفیٰ خاں بہاؤ شیفتر کے یہاں ٹھہر کر آوا کو شاہجہاں پور اور پھر کو گڈھ مکیشتر میں اتارے۔ یہاں

سنہ ۹۰ء تاریخ انگریزی ہونی چاہیے۔

قیام گاہ

راہپور پہنچ کر میرزا صاحب نے سرکار کی خاص کوٹھی میں قیام کیا
باقری خاں اور حسین علی خاں میرزا صاحب کے ساتھ تھے۔ یہاں چار دن گزارنے
کے بعد از روئے احتیاط جداگانہ مکان کی خواہش کی سرکار نے ایک مکان جو
چوئین چار حویلیوں پر مشتمل تھا، قیام کے لئے عطا فرمایا۔ میرزا صاحب نے
تفصیلاً کے پتہ پوچھنے پر جو خط لکھا ہے، اس میں فرماتے ہیں:

”پہلے تو یہ بتاد کہ راہپور میں مجھے کون نہیں جانتا۔ کہاں مولوی وجیبہ الزماں صاحب
کہاں میں ہوں؟ ان کا مسکن میرے مسکن سے دور ہے پھر مدد و دلالت رئیس کہاں
اور میں کہاں؟ چاروں والی شہر نے اپنی کوٹھی میں اتارا میں نے مکان
جداگانہ نام کا دو تین حویلیاں برابر برابر مجھ کو عطا ہوئیں اب اس میں رہتا
ہوں بحسب اتفاق ڈاک گھر مسکن کے پاس ہے۔ ڈاک نشئی
آشنا ہو گیا ہے، برابر دئی سے خط چلے آتے ہیں۔ صرف راہپور
کا نام اور میرزا نام محلے کی اور عرف کی حاجت نہیں بلکہ درود و سلام
اور مولوی صاحب کے نشان سے شاید خط تلف ہو جائے۔

حکیم غلام نجف خاں کو لکھا ہے:

”مکان کا پتہ ضرور نہیں۔ ڈاک گھر میرے گھر کے پاس۔ ڈاک نشئی میرا
آشنا۔۔۔۔۔ ایک مکان کہ وہ تین چار مکانوں پر مشتمل ہے،

رہنے کو ملا ہے۔“

مجرور کو تحریر کیا ہے:

تمہارا خط پہنچا ترود وعبث۔ میرا مکان ڈاک گھر کے قریب اور ڈاک

نشئی میرا دوست ہے۔“

مکان کی تحقیق

بزرگانِ شہر سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ محلہ راجدوارہ کی اس شاہراہ پر جو خاص باغ کو جاتی ہے، مفتی احمد یار خاں صاحب کے مکان کے محاذ میں ڈاک خانہ تھا، اور میرزا صاحب نے اس کے متصل مکان میں قیام کیا تھا۔ چونکہ یہ مکان اردو ادب کے نیرِ بخشاں کی فردگاہ رہ چکا تھا، عالی مرتبت صاحب چیف منسٹر بہادر کے حسبِ احکم ۲۱ فروری سنہ ۱۹۴۷ء کو اس پر یادگاری پتھر لگایا گیا، اور ۲۲ فروری کو بندگانِ ہمایون اعلیٰ حضرت شہر یار راہپور دامِ اقبالہم و ملکہم نے ایک نمائندہ ادبی مجمع کے روبرو اس کی نقاب کشائی فرمائی۔

مہمانداری

میرزا صاحب کے لیے ابتداءً سرکاری باورچیخانے سے کھانا آتا رہا
حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں:

”کھانا دونوں وقت سرکار سے آتا ہے، اور وہ سب کو کافی ہوتا ہے۔ غذا
میرے بھی خلافت طبع نہیں“

مجروح کے خط میں بھی سرکاری مہمانداری کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں:

”یہاں کا حال سب طرح غریب ہے۔ اور صحت مرغوب ہے۔“

اس وقت تک یہاں ہوں ۲۷

چند دن کے بعد کھانے کے سورپے ماہوار مقرر کر دیے گئے۔ دلی جاکر
میرزا صاحب نے مجروح کو لکھا ہے:

”اب جو میں وہاں گیا، تو سو روپیہ ہینا بنام دعوت اور دیا رشتہ ماہوار
رہوں تو دو سو روپے ہینا پاؤں، اور دلی رہوں تو سو روپے“

آب دہوای رامپور

رامپور کی آب دہوای میرزا صاحب کے مزاج کے موافق ثابت ہوئی
آب دہوای رامپور کے دن بعد حکیم غلام نجف خاں کو لکھا ہے:

”پانی کا شکر کس منہ سے ادا کروں! ایک دریا ہے کوئی سبحان اللہ!
اتنا بیٹھا پانی کہ پینے والا گمان کرے کہ یہ پھیکا شربت صاف ہے، سبک
گورا، ہاضم، سرخ، انفودراس آٹھ دن میں قبض و انقباض کے صدمے سے
محفوظ ہوں۔ صبح کو خوب بھوک لگتی ہے، لڑکے بھی تندرست، آدمی بھی توانا، مگر ہاں،
ایک عنایت اللہ دو دن سے کچھ بیمار ہے۔ خیر اچھا ہو جائے گا۔“

رامپور ہی سے مجروح کو تحریر کیا ہے

”یہ راہب ہے۔ دار السور ہے۔ جو لطف یہاں ہے، وہ اور کہاں ہے!
پانی سبحان اللہ! شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے، اور کوئی اس کا نام
ہے۔ بے شبہہ چشمہ آب حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے۔ خیر اگر یوں
بھی ہے، تو جہائی آب حیات عمر بڑھا دے، اتنا شیریں کہاں ہو گا؟“

ملاقات و تعظیم اور توقیر

نواب فردوس مکاں کا اخلاق میرزا صاحب کی امید کے مطابق ثابت
ہوا۔ سرکار نے بروقت ملاقات اجاب کی طرح معافہ کیا، اور اجاب میں
تعظیم و توقیر کی جو رسم ہے اس کو ملحوظ رکھا۔ میرزا صاحب نے دونوں لڑکوں
سے نذر دلوای۔ سرکار کے اس برتاؤ کے بارے میں مجروح کو لکھتے ہیں:
”تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں ہے۔“ ۲
بعد ازاں دلی جا کر لکھا ہے:

”ملاقات بھی دوستانہ رہی۔ معافہ جس طرح اجاب میں رہی

وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لڑکوں سے میں نے نذر و لوازی نہیں لیں، اس سے
 اسی سلسلے میں رامپور سے حکیم غلام نجف خاں کو تحریک کیا ہے؛
 اب میرا حال سنو تعظیم و توقیر بہت۔ ملاقاتیں تین ہوئی ہیں ۱، ۲، ۳
 ابھی گفتگو نہیں ہوئی

نواب فردوس مکان نے جولائی سنہ ۵۹ ع سے میرزا صاحب کو سوڑے
 ماہوار عطا فرمائا شروع کر دیئے تھے، جو انھیں بذریعہ ہندوئی ماہ بہ ماہ ارسال
 ہوا کرتے۔ میرزا صاحب رامپور تشریف لائے، اور چند روز تک خدمت
 اور معاوضے کے بارے میں سرکار سے رودر و گفتگو نہیں ہوئی، تو انھیں مختلف
 خطرات پیدا ہوئے۔ خدمت اور درمابہ کے خطرے کو حکیم غلام نجف خاں
 کے نام کے مکتوب میں اس طرح ظاہر کیا ہے:

در منہوز کچھ گفتگو در میان نہیں آئی۔ میں خود ان سے ابتدائے کردوں گا۔
 وہ بھی مجھ سے بالمشافہ نہ کہیں گے، مگر بواسطہ کارہدازان سرکار دیکھوں
 کیا کہتے ہیں اور کیا سفر کرتے ہیں ۱، ۳

یہ خط ۳ فروری کو لکھا گیا تھا۔ اس کے بعد ۱۲ فروری کو پھر لکھتے ہیں:
 در یہاں کارنگ نواب صاحب کے آنے پر جو ہو گا، اور جو قرار پائے گا وہ
 مفصل تم کو لکھوں گا۔

مجموع کو بھی بے الفاظ میں لکھا ہے:

در اس وقت تک جہاں ہوں۔ دیکھوں کیا ہوتا ہے ۱، ۴
 رامپور کی اقامت کے خطرے کو تفتہ کے خط میں ظاہر کیا ہے فرماتے ہیں:
 ”دوسری بات جو تم نے لکھی ہے وہ بھی مطابق واقعہ و مناسب حال نہیں
 اگر اقامت قرار پائی، تو تم کو بلا لوں گا ۱، ۵
 ۱۲ فروری کو تفتہ کے خط کے جواب میں پھر لکھا ہے:

میری جہاں آخر بڑے ہو، بات کو نہ سمجھ۔ میں اور تفتہ کا اپنے پاس ہونا غنیمت
نہ جانوں۔ میں نے یہ لکھا تھا کہ بشرط اقامت بلا لول گا۔ اور پھر لکھتا ہوں
کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھہری، تو بے تنہا رہے نہ رہوں گا،
نہ تنہا رہے نہ رہوں گا۔

سہ ماہ و یکم ماریج کو نکھتے ہیں:

در بالفعل فلب نقشت گود نہ بہانہ، مراد کا دار و ہاں سے راہ پور آئیں گے۔ بعد
ان کے حملے کے کوئی طور اقامت یا عدم اقامت کا ٹھہرنے کا منظور
مجھ کو یہ ہے کہ اگر یہاں رہنا ہو، تو فوراً تم کو
بلا لول گا۔ ۲

تعیین خدمت و اقامت

آخر کار یہی طے پایا کہ میرزا صاحب راہ پور کی اقامت اختیار کرنے
پر مجبور نہیں۔ البتہ راہ پور آکر رہیں گے، تو دعوت کے سہ ماہ پور
مزید عطا ہوں گے، اور دلی آ رہیں گے، تو صرف سہ ماہ تنخواہ ملے گی اس
تصنیف کے مشعلات میں صاحب نے خروج کو لکھ لیا ہے۔

در قرار داد یہ ہے کہ فلب صاحب جولائی سنہ ۱۸۵۵ء، کہ جس کو یہ سوال پینیا
ہے، سہ ماہ پور مجھے ماہ بچھتے ہیں۔ اب جہاں گیا تو سہ ماہ پور
پینیا بنام دعوت اور دیا یعنی راہ پور رہوں تو دو سہ ماہ پور
پینیا پاؤں، اور دلی رہوں تو سہ ماہ پور۔ بھائی، سو دو سو
میں کلام نہیں۔ کلام اس میں ہے کہ نواب صاحب دستخانہ
دشاگر دانہ دیتے ہیں۔ . . . بہر حال غنیمت ہے۔ رزق کے اچھی طرح
ملے کا شکر چاہیے۔ کی کا شکوہ کیا ہے۔ ۳

تفتہ کو تنخواہ کیا ہے۔

وہ سو روپے مہینا پہاں رہوں، وہاں رہوں، خدا کے ہاں سے میرا
مقرر ہے ۱۱
جنون بریلوی کو لکھا ہے:

”حق تعالیٰ والی راہپور کو صدوی سال سلامت رکھے! اُن کا عطیہ
ماہ بہ ماہ مجھ کو پہنچتا ہے۔ کرم گسٹری اور استاد پوری کر رہے ہیں۔
میرے ریخ سفر اٹھانے کی اور راہپور جانے کی حاجت نہیں“ ۱۲
علانیٰ کو قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں:

”رہائیس کی طرف سے بطریق و کتبہ ہندوستانی میں معین نہیں ہوں
جس طرح ارادے سے فقیر کے وجہ معاش مقرر کر دیتے ہیں، اسی طرح اس
سرکار سے میرے واسطے مقرر ہے۔ ہاں فقیر سے دعا ہے خیر اور مجھ سے صلح
نظم مطلوب ہے۔ چاہوں دلی رہوں۔ چاہوں اکبر آباد، چاہوں لاہور
چاہوں جہاد“ ۱۳

لڑکوں کی شہرت

راہپور کی آب و ہوا کی موافقت اور سرکار کی تنظیم و توقیر کے باعث
سے میرزا صاحب زیادہ قیام کرنا چاہتے تھے لیکن باقر علی خاں حسین علی خاں
سائیکھ تھے۔ میرزا صاحب نے اُن کا دل پہننے کے خیال سے طفلانہ کھیل کود
کے تمام لوازم مہیا کر دیے تھے اس پر بھی یہ براہِ اُن کے سکون و آرام میں
خلاف ڈال رہے تھے۔ ۱۴ فروری کو میرزا صاحب نے حکیم غلام نجف خاں کو لکھا ہے:

”لڑکے وہ تو ابھی طرح ہیں۔ کبھی میرا دل پہلاتے ہیں، کبھی مجھ کو ستاتے

ہیں، بکریاں، کبوتر، بٹیریں، بھٹکل، کھٹکوا سب سامان دست ہے“ ۱۵
اپنے ارادہ قیام اور اُن کی شہرت کے متعلق یوسف مرزا صاحب کو تحریر کرتے ہیں:

”مجھ کو لڑکوں نے بہت تنگ کیا اور نہ چند روز اور راہپور میں رہنا“ ۱۵

مجرورج کو لکھا ہے:

دو لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا وہاں آنکھوں نے میرا ناک میں دم کر دیا
تنہا بھیج دینے میں وہم آیا، کہ خدا جانے، اگر کوئی امر حادث ہو، تو
بدنامی عمر بھر رہے۔ اس سبب سے جلد چلا آیا، ورنہ گرمی برسات
وہاں کا تھا۔ اب بشرط حیات جریدہ بعید برسات جاؤں گا، اور بہت
دنوں تک یہاں نہ آؤں گا۔

دلی کو داپسی

لڑکوں کی شرارت سے تنگ آکر میرزا صاحب نے برسات ٹک کے
ارادہ قیام رامپور کو فسخ کر دیا۔ سہ کار نے ہر چند روکا اور آمول کا لالچ دیا لیکن
میرزا صاحب نہ رکے، اور آخر مارچ مطابق آخر شعبان میں دلی کو روانہ ہو گئے
رامپور سے روانگی کی تاریخ بھی میرزا صاحب نے متعذر و خطوط میں تحریر کی
جنوں بریلوی کو لکھتے ہیں:

۱۱ سال گذشتہ ان دنوں میں رامپور تھا مارچ سنہ ۱۲۷۰ ع میں یہاں آگیا تو ۱۲
نقشہ کو لکھتے ہیں

”مہان میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آگیا ہوں،
تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں؟“
مجرورج کو تحریر کرتے ہیں:

”میر مہدی، تم میری عادت کو بھول گئے۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی
جامع مسجد کی تراویح نافذ ہوتی ہے؟ میں اس صیغے میں راہدہ کہونکہ
رہنما، نواب صاحب مانع رہے، اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات
کے آمول کا لالچ دیتے رہے۔ مگر، بھائی، میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند
رات کے دن یہاں آپہنچا۔ پکشتہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا۔“

قدر بلگرامی کو سنہ شعبان ۱۳ مارچ سنہ ۶۰ء کو لکھا ہے:
 ”اب جو خط بھیجے، دلی کو بھیجے گا، کہ میں اس مہینے میں ادھر کو جاؤں گا
 رویتا ماہ صیام، اغلب بے کہ دلی ہی میں ہو گا۔“

ان خطوط سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب آخر شعبان سنہ
 ۱۲۷۶ھ مطابق آخر مارچ سنہ ۱۸۶۰ء میں رامپور سے روانہ ہو کر بم شعبان کو
 دلی پہنچے، اور وہاں پچھلے رمضان المبارک کا چاند دیکھا۔ ابھی انگریزی
 دھڑی تاریخوں کا تعین باقی ہے۔ انگریزی تاریخ کے بارے میں شیونرائین
 کو رامپور سے لکھتے ہیں:

”اب میں شعبان کے دن ۱۷ مارچ کو دلی روانہ ہوں گا، ۲۷
 یوسف میرزا کو ۹ رمضان مطابق ۲ ماہ اپریل کو دھڑی تاریخ کے متعلق
 تحریر کیا ہے:

”میں ۲۳ شعبان کو رامپور سے چلا اور ۳ شعبان کو دلی پہنچا۔ اسی دن
 چاند ہوا۔“ ۳

میرزا صاحب نے اس خط میں رمضان کی نو بہ تاریخ کو اپریل کی دوسری
 تاریخ کے مطابق لکھا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس سال رمضان کا چاند ۳
 کا ہوا تھا۔ اس حساب سے ۳ شعبان سنہ ۱۲۷۶ھ کا نصاب ۱۷ مارچ سنہ
 ۱۸۶۰ء کے ساتھ، اور ۳ شعبان سنہ مذکورہ کا ۲۲ مارچ سنہ ۶۰ء کے
 ساتھ ہو گا۔ لہذا میرزا صاحب کی رامپور سے روانگی کی تاریخ ۲۲
 شعبان سنہ مطابق ۱۷ مارچ سنہ ۱۸۶۰ء اور دلی میں سود کی تاریخ ۳ شعبان مطابق ۲۲ مارچ سنہ ۶۰ء
 قرار پائی ہے۔
 مراد آباد میں دیام

خواجہ حالی مرحوم نے حیات جاوید میں لکھا ہے کہ مرید کہتے تھے کہ جب

میں مراد آباد میں تھا، اس وقت میرزا صاحب نواب یوسف علی خاں مرحوم سے ملنے کو رامپور گئے تھے۔ ان کے جانے کی تو مجھے خبر نہیں ہوئی، مگر جب لی وواپس جاتے تھے، میں نے سنا کہ وہ مراد آباد میں سرکے میں آکر ٹھہرے ہیں۔ میں درآورے میں پہنچا اور میرزا صاحب کو سب اسباب اور تمام ہمارے بیوں کے اپنے مکان پر آنا نظر اجاب سے کہ سرسید نے تقریباً چھاپنے سے انکار کیا تھا، وہ میرزا سے اور میرزا ان سے نہیں ملے تھے، اور دونوں کو حجاب و سنگیر ہو گیا تھا، اور اس لیے میرزا نے مراد آباد آنے کی ان کو اطلاع نہیں دی تھی۔ الغرض جب میرزا سرکے سے سرسید کے مکان پر پہنچے، اور پاکی سے اترے، تو ایک بوتل ان کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے اس کو مکان میں لے کر ایسے موقع پر رکھ دیا جہاں ہر ایک قہقہہ جاتے، نگاہ پڑتی تھی۔ سرسید نے کسی وقت اس کو وہاں سے اٹھا کر اسباب کی کوٹھری میں رکھ دیا۔ میرزا نے جب بوتل کو وہاں نہ پایا، تو بہت گھبرائے۔ سرسید نے کہا: ”آپ خاطر جمع رکھیے میں نے اس کو بہت احتیاط سے رکھ دیا ہے۔“ برزائے کہا: ”بھئی مجھے دکھا دو تم نے کہاں رکھی ہے؟“ انھوں نے کوٹھری میں بیجا کر تل دکھا دی۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے بوتل اٹھا کر دیکھی، اور مسکرا کر کہنے لگے کہ ”بھئی، اس میں تو مجھے خیانت ہوئی ہے۔“ سچ بتاؤ کس نے کیا ہے۔ شاید اسی لئے تم نے کوٹھری میں لا کر رکھی تھی۔ حافظ نے

کہا ہے: واعظان کس جلوہ بر مجرای نغمی کنند
چوں بخلوت میر و نزال کا دگر می کنند
سید ہنس کے چپ ہو رہے، اور اس طرح وہ رکاوٹ، جو کئی برس سے چلی
ناگھی ارفع ہو گئی۔ میرزا دو ایک دن وہاں ٹھہر کر دلی چلے آئے۔“
حیات جاوید: ۱۱، ص ۷۰۔ مگر از روی حساب منازل، میرزا صاحب نے سرسید کے پاس دو ایک
قیام نہیں کیا تھا، بلکہ اسی دن وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔

زرنہ سہ پہر کو عام طور پر لوگوں سے ملاقات کرتے۔ ریاست میں جس قدر
ہل علم دفن تھے، میرزا صاحب کی موجودگی کو مفتختم تصور کرتے، اور بالالتزام آیا
لرتے۔ شب کی صحبت خاص ہوتی تھی، کیونکہ یہ اُن کے کیفیت و سرور کا وقت تھا
صرف انھیں لوگوں کو حاضری کا موقع دیتے، جن سے کسی طرح کا تکلف
نہ ہوتا۔ (۱)

ایسی پردتی میں چہ میگوئیاں

میرزا صاحب نے دلی سے روانہ ہوتے وقت اپنی واقعی منزل سفر
ظاہر نہیں کی تھی۔ جب رامپور سے واپس دلی پہنچے، تو حشاد نے اس اخفا کا
انتقام لیا، اور ایسی پر خوب رامی زنی کی گئی۔ میرزا صاحب نے شکایت
امیر لکھنؤ میں تفتہ کو لکھا:

”میں، میں جو آخر جنوری کو رامپور جا کر آخر مارچ میں یہاں آ گیا ہوں
تو کیا کہوں کہ یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کچھ کہتے ہیں۔ ایک
گروہ کا قول یہ ہے کہ یہ شخص دلی رامپور کا استاد تھا، اور وہاں گیا
تھا۔ اگر نواب نے کچھ سلوک نہ کیا ہوگا۔ تو بھی پانچ چار ہزار روپیے سے
کم نہ دیا ہوگا۔ ایک جامعہ کہتی ہے: ”نوکری کو گھنٹے تھے، مگر نوکر نہ رکھا۔“
ایک فرقہ کہتا ہے کہ ”نواب نے نوکر رکھ لیا تھا۔ دو سو روپیے مہینہ کر دیا
تھا۔ لفٹ گورنر الہ آباد جو رامپور آئے، اور اُن کو غالب کا دہاں ہونا
معلوم ہوا، تو انھوں نے نواب صاحب سے کہا کہ اگر ہمارا ہی خوشنودی
چاہتے ہو، تو اس کو جواب دو نواب نے برطرف کر دیا۔“ ۳

یہ ارباب دلی کی خیالی آرائیاں تھیں۔ اصل حقیقت کے متعلق فرماتے ہیں:
”یہ تو سب سن لیا۔ اب تم اصل حقیقت سنو۔ نواب یوسف علی خاں بہادر
تھیں تیس برس کے میرے دوست اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد

ہیں۔ آگے گا، گا، کچھ سمجھایا کرتے تھے۔ اب جولائی سنہ ۱۸۵۹ء سے روپے ماہ نامہ بکھتے ہیں۔ جلاتے رہتے تھے۔ اب میں گیا دو جینے رہ کر چلا آیا۔ بشرط حیات بعد برسات کے پھر جاؤں گا دو سو روپے مینا، یہاں رہوں، دہاں رہوں، خدا کے ہاں سے میرا مقرر ہے۔“

نواب فردوس مکاں کی علالت اور میرزا صاحب کا تردد

ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ء کے آخر یا نومبر کے آغاز میں نواب فردوس مکاں عارضۂ سرطان میں مبتلا ہوئے۔ میرزا صاحب کو کسی ذریعے سے اس کی اطلاع ملی، تو انہیں اپنے سخی داتا شاگرد کی علالت سے تردد لاحق ہوا۔ نواب صاحب ان کے پورے خاندان کے مربی تھے۔ اس لیے میرزا صاحب کی بی بی اور حسین علی خاں بھی اس خبر سے پریشان ہوئے۔ اُس وقت تک میرزا صاحب کو یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ صرکار کو کیا مرض لاحق ہوا ہے اس امر کی تحقیق کے لیے انہوں نے ۹ نومبر سنہ ۱۸۶۴ء کو انتہائی احتیاط کے ساتھ سفر پر کیا:

”جب سے حضرت کی ناسازی مزاج مبارک کا حال خارج سے صومعہ ہوا ہے، عالم الیب گواہ ہے کہ مجھ پر اور میری بی بی پر اور میرے نژدہ حسین علی خاں پر کیا گزر رہی ہے۔ ایک دن رات میرے گھر میں روٹی نہیں پکی، ہم سب نے فاقہ کیا۔ بارے وہ خبر وحشت اثر غلط نکلی، اس ٹھکانے ہوئے۔ بالکل امیدان جب ہو گا کہ آپ کے غسلِ صحت کی نوید سنوں گا، اور قطعہ تاریخ غسلِ صحت لکھ بھیجوں گا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں اور حقیقتِ مرض سے آگہی حاصل ہو۔“ (۱)

۱۲ نمبر کو سرکار کا نامہ مبارک موصول ہوا غالباً اس میں نوعیت کیفیت مرض کا ذکر نہ تھا، جس سے تشویش رفع ہوئی، اس لیے اس کے جواب میں ۱۳ نمبر کو میرزا صاحب نے پھر لکھا:

”ابتدا ہی یکم نومبر سے ۱۱ نومبر تک عرض نہیں کر سکتا کو لیل و نهار مجھ پر یکے گزرے ہیں۔ راہ دور، میں رنجور، معذرتاً بے مقدور۔ اگر دلی سے راجپوت تک شکم کی ڈاک جاتی ہوتی، تو میں یہاں ایک دم نہ ٹھہرتا، اور خدمت میں حاضر ہوتا۔ تاہم برقی بھی نہیں، جو صحت و عافیت کی خبر ملد حاصل ہو۔ ناچار اندر راہ و اضطراب ۸ ماہ حال یعنی نومبر کو عریضہ روانہ کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشد کامل، یعنی حضرت کی ہدایت۔ نے اس نطس کے جواب آنے کی مدت سے پہلے مجھے گرداب اضطراب سے نکالا۔ کل ۱۱ نومبر کو نوازش نامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی، بلکہ ایک اور نئی جان میرے بدن میں آگئی۔ اب استدعا یہ ہے کہ حالِ ناسازی مزاج اقدس مفصل معلوم ہوگا“

اس عریضے کے جواب میں ۱۹ نومبر کو سرکار کی جانب سے پھوڑا نکل کر افاقہ ہو جانے کی اطلاع دی گئی۔ میرزا صاحب اس خبر سے بے حد مسرور ہوئے اور ۲۰ نومبر کو اس کے جواب میں لکھا:

”وہ کس زبان سے کہوں، اور کس قلم سے لکھوں کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے! ہر روز شام تک جانبِ درنگراں رہتا کہ ڈاک کا ہر کارہ آئے، اور حضرت کا نوازش نامہ لائے۔ بارے خدا کی مہربانی ہوئی، اندر میری زندگی کافی ہوئی، کہ کل پارہ گھڑی رات گئے ڈاک کے ہر کارے نے وہ عطاقت نامہ عالی دیا، جس کو پڑھ کر

روح تازہ بگ و پلے میں دوڑ گئی۔ نیند کس کی؟ سونا کس کا؟ روشنی کے
ساتھ بیٹھا، اور اشعارِ تننیت لکھنے لگا۔ سات شعر مع ملودہ حصول
صحت جب لکھ لیے تب سوا ۱۱

غسلِ صحت کی تننیت

سرکار کے خط سے صحت وفاقِ مرض کی اطلاع مل گئی، لیکن یہ معلوم
نہ ہو سکا کہ غسلِ صحت ہو چکا ہے یا نہیں، اور بصورتِ دیگر کونسی تاریخ اس
تقریبِ سعید کے لیے مقرر ہوئی ہے۔ اس تحقیق کے لیے میرزا صاحب نے منشی
سیاحند کو ۲۵ دسمبر کو لکھا:

”اگرچہ از روئے خطوط حضورِ صحت دعا فیت حضور معلوم ہوئی ہے، لیکن
یہ کہیں سے نہیں سنا کہ غسلِ صحت کیا، یا کس دن کریں گے۔ آپ سے
یہ فقیر کا سوال ہے کہ مجھ کو لکھیے کہ حضرت غسلِ صحت کس دن فرمائیں گے
اور اگر موافق میری آرزو کے بنا چکے ہوں، تو غسل کی تاریخ سے
اطلاع دیجئے“

منشی صاحب نے جواباً لکھا کہ غالباً رمضان المبارک میں یہ تقریبِ عمل میں
آئے گی۔ میرزا صاحب کو ہم جنوری سے قبل سرکار کا نامہ صحت مل چکا
تھا، اور وہ اس عرصے میں قصیدہٴ تننیت بھی ارسال کر چکے تھے۔ التوا تاریخ
غسل پر ۱۹ جنوری سنہ ۱۳۶۵ کو پھر منشی صاحب کو لکھا:

”میر جو میں نے قصیدہٴ تننیت لکھ کر بھیجا ہے، منشا اس کا یہ ہے کہ شاہ
کبیر الدین صاحب رامپور سے آئے، اور انھوں نے کہا کہ نواب
صاحب مجھے کے دن ساتویں تاریخ شعبان کو نہائیں گے۔ اب
تمہاری تحریر سے معلوم ہوا، کہ ماہِ آئندہ، یعنی رمضان، میں
نہائیں گے۔ شیر، وہ کاغذ تو حضور کی نظر سے گزرے گا۔ اگر موقع

باؤ، تو حضور میں یہ ماجرا عرض کر دینا کہ میں نے بموجب روایت شاہ
 کبیر الدین کے اس کے اسی سال میں جلدی کی ہے۔
 تجویز یہ تھی کہ غسلِ صحت کا جشن ماہِ حید میں منایا جائے، لیکن ابھی مرضِ قدسے
 باقی تھا، اور راپور سے جس قدر سرکاری تحریریں جاتی تھیں، ان میں مزاج
 کی کیفیت کا مذکور نہیں ہوتا تھا، اس لیے میرزا صاحب نے ۱۴ مارچ سنہ
 ۶۶۵ کو منشی صاحب سے پھر استفسار کیا:

”منشی صاحب، عجب اتفاق ہے کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاج
 مبارک کا حال کچھ نہیں لکھتے، اور میرزا دھیان لگا ہوا ہے۔ خدا کے
 واسطے تم مفصل حال لکھو کہ کیا عارضہ باقی ہے، اور صورت کیا ہو؟
 دوبارہ بدستور ہوتا ہے یا نہیں؟“

منشی صاحب کا جواب مثل میں موجود نہیں، اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ
 انہوں نے مرض کے متعلق کیا لکھا۔ میرزا صاحب کے فارسی تہنیت نامے
 سے جو ۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ھ (۲۲ مارچ سنہ ۱۸۶۵ء) کو لکھا تھا،
 معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ مذکور تک میرزا صاحب کو سرکاری صحت
 ہی کی اطلاع تھی۔

عودِ مرض اور وفات

”سرکار کا مرض بالکل اچھا نہیں ہوا تھا۔ کسی بے احتیاطی سے دوبارہ
 اتنا شدید حملہ ہوا کہ اطباء عاجز ہو گئے، اور حالت روز بروز خراب ہوتی
 چلی گئی، یہاں تک کہ جمعے کے دن ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ (۲۱ اپریل
 سنہ ۱۸۶۵ء) کو سرکار کا انتقال ہو گیا۔

خدا آشتیاں کی عزت نشینی اور میرزا صاحب کا ولیفہ

نواب فردوس مکان کے بعد، نواب خلد آشتیاں نے مسند آ بائی پر

قدم رنجہ فرمایا۔ میرزا صاحب کا تعلق سرکار کی ذات سے تھا، اس لیے دورِ جدید میں اُس کے ختم ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس خطرے کا میرزا صاحب کو احساس ہوا اور اُنہوں نے فوراً تنہیت نامہ لکھا۔ سوء اتفاق سے یہ مکتوب مثل میں موجود نہیں، لیکن نواب خلد آشاں نے یکم مئی سنہ ۱۶۵۷ء کو اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

”مشفقا، آنچه مشاہدہ آن کرم فرما اند عبد نواب صاحب قبلہ
 فردوس مکان مقرر است، انشاء اللہ تعالیٰ، بدستور جاری ماند
 حسب مابطلہ بخد مت سامی رسپدہ خواہد ماند“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے تنہیت کے ساتھ اپنے وظیفے کے متعلق بھی کوئی درخواست کی تھی۔ یہ خواہش معروض قبول تکمیل ہوئی اور وظیفہ بدستور جاری رہا۔ اس سلسلے میں میرزا صاحب نے ۳۰ جولائی کو سیاح کو لکھا ہے:

”اپریل کا روپیہ رٹیں حال سے میں لے پایا“

اس مکتوب سے ۲۴ روز قبل بقیہ کو قدرے تفصیلاً تحریر فرمایا تھا:

”والی رامپور کو خدا سلامت رکھے! اپریل مئی ان دونوں مہینوں کا

روپیہ موافق دستور قدیم آیا۔ جون ماہ گزشتہ کا روپیہ خدا چاہے تو

آج جعہ جولائی ہے۔ معمول یہ ہے کہ دسویں مارچ کو

رٹیں کا خط مع ہنڈوی آیا کرتا ہے“

تنہیت نامے کا امید افزا جواب پاکر، میرزا صاحب نے قصیدہ مبارکباد ارسال کیا، جسے خود ہندی سے چھیا لیسویں عریضے کے حاشیے میں نقل کروایا گیا ہے۔ اس قصیدے کی پذیرائی موافق امید ہوئی، اور میرزا صاحب کو بڑا ہاپے کی تمام مجبور یوں کے باوجود سفر رامپور کے لیے آمادہ ہونا پڑا۔

نواب خلد آشیان کا دعوتنامہ

میرزا صاحب نے اپنے ارادہ سفر کی اطلاع مرزا داغ کو دی۔ انھوں نے کسی مناسب موقع پر سرکار کے حضور میں ذکر کیا۔ سرکار نے ۱۱ جون سنہ ۶۶۵ کو قصیدے کے ذکر کے بعد تحریر فرمایا:

”درین دلا زمانی نواب مرزا عزم سامی باین طرف شروع گشتہ موجب کمال مستحسن است، چرا کہ راقم نیز منتی طاقت شریف است۔ او تعالیٰ شیب یدای مسراق را بزودی ہر چہ تا متر با پیام وصال مبدل گرداند“ (۱)

سرکار نے جشن تخت نشینی کے لیے دسمبر کا پہلا ہفتہ مقرر فرمایا تھا۔ میرزا صاحب نے اسی زمانے کو سفر کے لیے مناسب خیال کیا، اور سرکار کو لکھا،

”حضرت کی خدمت میں دعاؤں گا تو اور کہاں جاؤں گا؟ وہ آگ ہیں رہی ہے کہ لیور کے پر جل رہے ہیں۔ بعد آگ کے پانی برسے گا۔ سفر خصوصاً بڑے رنجور آدمی کو دونوں صورتوں میں مستعد۔ آفتاب میزان میں آیا، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا، اور میں نے احرام

بیت المعمور را چور باندھا۔ انشاء اللہ العلی العظیم (۲)

چنانچہ ماہ اکتوبر سنہ ۶۶۵ میں، جب آگ ہنگامہ آتش و آب رفع ہو چکا تھا، احرام بیت المعمور را چور“ باندھنے کی نوبت آگئی۔

سفر کی غرض

میرزا صاحب کے اس سفر کی غرض وقایت نواب فردوس مکان کے انتقال کی تعزیت اور نواب خلد آشیان کی مسند نشینی کی تہنیت تھی۔ شاہرہ کہ سفر کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے:

”قبضہ و کعبہ، فقیر یا برکاب ہے۔ سہ شنبہ چار شنبہ ان دونوں
دنوں میں سے ایک دن عازم رامپور ہوئے گا۔ تقریب وہاں جانے
کی رٹیں مرحوم کی تعزیت اور رئیس عالی کی تہنیت دو چار مہینے وہاں
رہنا ہوگا۔“ (۱۲)

جتوں بریلوی کو رامپور سے تحریر فرمایا تھا:
”پیر و مرشد، نواب صاحب کا دلیفہ خوار، گویا اس در کا فقیر تکیہ
دار ہوں۔ مسند نشینی کی تہنیت کے واسطے رامپور آیا۔“ (۱۳)
لیکن اس تعزیت و تہنیت کی تہ میں جو غرض پہناں تھی، اُس کا اظہار مرزا
تفتہ کے خط میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:
”میں شر کی داد اور نظم کا صلہ مانگنے نہیں آیا۔ بیکیا مانگنے آیا ہوں۔“

تاریخ روانگی

شاگرد کے خط کے مطابق میرزا صاحب کا ارادہ مشکل یا بددھ کو رامپور
روانہ ہونے کا تھا۔ اس کے بعد کسی وجہ سے راہی بدلی، تو علی کو یکم
اکتوبر سنہ ۱۲۶۵ء کے خط میں لکھا:
”میان تم جانتے ہو کہ میں عازم رامپور تھا۔ اسیا مساعہ ہو گئے۔
بشرط حیات جیسے کو روانہ ہوں گا۔“ (۱۴)

لیکن ثاقب کے نام کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتے کو دو تین گھڑی
دن چڑھے دلی سے روانہ ہوئے۔ فرماتے ہیں:
”ہفتے کے دن دو تین گھڑی دن چڑھے احباب کو رخصت کر کے
راہی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ پلکھو سے رہوں۔ مگر وہاں قافلے کی گنجائش
نہ تھی۔“ (۱۵)

(۱۲) اردو ص: ۲۱۷ دعوہ: ۱۴ مؤخر الذکر میں ”عازم رامپور ہو گیا“ ہے۔ (۱۳) اردو ص: ۲۰۸

دعوہ: ۱۶۹ (۳) اردو ص: ۹۸۰ (۱۴) ایضاً: ۳۹۵ (۱۵) ایضاً: ۱۶۲

حکیم غلام نجف خاں کو مراد آباد پہنچ کر جو خط لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتے کو ماہ اکتوبر کی، تاریخ تھی۔ فرماتے ہیں:

”بدھ کا دن پر بھردن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پاکی پر مراد آباد پہنچا۔“

۱۰ جمادی الاول کی اور ۱۱ اکتوبر کی ہے (۱۱)

حکیم احمد حسن مودودی کو صراحت سے لکھا ہے کہ

”ہفتہ اکتوبر کو دلی سے راپور کو روانہ ہوا (۱۲)“

رفقای سفر

اس سفر میں میرزا صاحب کے ساتھ باقر علی خاں، حسین علی خاں، کلو خانساں، نیاز علی اور دو آدمی اور تھے۔ میرزا صاحب نے پاکی میں اور دونوں لڑکوں نے کبھی رتھ اور کبھی گھوڑوں پر راستہ طے کیا۔ بقیہ چار آدمیوں اور سامان سرفانی کے لیے دو گاڑیاں ہمراہ تھیں۔ حکیم غلام نجف خاں کو محولہ بالا خط میں لکھا ہے:

”میں فقط پاکی پر مراد آباد پہنچا... دونوں لڑکے، دونوں گاڑیاں

اور رتھ اور آدمی سب پیچھے ہیں“

ثناقب کے خط میں لکھا ہے:

”دونوں گھوڑے کو قتل آگئے، دونوں لڑکے رتھ میں سوار آتے ہیں“

آدمیوں کے بارے میں راپور سے روانگی کے وقت علانی کو لکھا ہے:

”آج صبح کے سات بجے باقر علی خاں اور حسین علی... دلی کو روانہ ہوئے۔“

دو آدمی میرے آن کے ساتھ گئے۔ کلو اور لڑکا نیاز علی، یعنی ڈیڑھ

آدمی میرے پاس ہیں (۱۳)

کیفیت منازل سفر

میرزا صاحب نے دلی سے راپور تک ۶ منزلیں طے کی تھیں۔ حکیم

(۱) اردو: ۲۳۳ (۲) ایضاً: ۲۳۳ (۳) ایضاً: ۳۴۹

احمد حسن مودودی کو تحریر فرمایا ہے :
 ”ہنتم اکتوبر کو دلی سے راجپور کو روانہ ہوا۔ بعد قطع منازل سے
 وہاں پہنچا“ (۱)

ثاقب کو ان منازل کی تفصیل بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :
 ”غازی آباد کا حال شمشاد علی سے منا ہوگا۔ ہفتے کے دن دو تین گھڑی
 دن چڑھے احباب کو رخصت کر کے واپسی ہوا۔ قصد یہ تھا کہ لکھنؤ سے
 رہوں وہاں قافلے کی گنجائش نہ پائی۔ ہاپوڑ کو روانہ ہوا۔ دونوں
 برخوار اور گھوڑوں پر سوار پہلے چل دیے۔ چار گھڑی دن رہے ہیں
 ہاپوڑ کی سڑے میں پہنچا۔ دونوں بھائیوں کو بیٹھے ہوئے اور گھوڑوں
 کو ٹٹتے ہوئے پایا۔ گھڑی بھر دن رہے قافلہ آیا۔۔۔ آج میں نے تمہارے
 والد کی نصیحت پر عمل کیا۔ چار نیچے پانچ کے عمل میں ہاپوڑ سے چل دیا۔
 سورج نکلے بابو گڑھ کی سڑے میں آ پہنچا۔ چار باغی بچپائی، اس پر
 بھونچا بچا کر حقہ پی رہا ہوں، اور یہ خط لکھ رہا ہوں۔ دونوں گھوڑے
 کو قتل آ گئے، دونوں لڑکے رکھ میں سوار آتے ہیں۔ ابادہ آئے
 اور کھانا کھا لیا اور چلے“ (۲)

حکیم غلام نجف خاں کو ہاپوڑ سے مراد آباد پنہج کر لکھا ہے :
 ”دبدرہ کا: پھر پھر دن چڑھا ہوگا کہ میں فقط پانگی پر مراد آباد پہنچا۔
 ۱۰ جادی الاول کی اور ۱۱ اکتوبر کی ہے۔۔۔ رات بھر گزرے بشرط
 حیات کل راجپور پنہج جاؤں گے“ (۳)

منازل سفر کے متعلق حکیم غلام رضا خاں کو تحریر کرتے ہیں :
 ”ہم سے رخصت ہو کر اور تمہیں خدا کو سوپ کر داتا راجپور ہوا۔ موسم
 اچھا تھا۔ گرمی گزر گئی تھی۔ جاڑا ابھی چمکا نہ تھا۔ عالم اعتبار اب دہوا“

سایہ و سرچشمہ جا بجا۔ آرام سے رامپور پہنچا۔ (۱)

توشہ راہ

شاقب کے خط میں میرزا صاحب نے ہاپڑ کی سڑے کے کھانے اور لڑکوں کے اتحاد کے متعلق لکھا ہے :

”میں نے چٹانک بھر گئی داغ کیا۔ دو شامی کباب اُس میں ڈال دیے رات ہو گئی تھی۔ شراب پی لی، کباب کھائے، لڑکوں نے ارہر کی کھڑی پکوائی۔ خوب لگی ڈال کر آپ بھی کھائی، اور سب آدمیوں کو بھی کھلائی۔ دن کے واسطے سادہ سالن پکوا یا، ترکاری نہ ڈلوائی۔ بارے آج تک دونوں بھائیوں میں موافقت ہے۔ آپس کی صلاح و مشورہ سے کام کرتے ہیں۔ اتنی بات زائد ہے کہ حسین علی منزل پر اتر کر ہاپڑ اور سٹھانی کے کھلونے خرید لائے۔ دونوں بھائی مل کر کھا لیتے ہیں۔“ (۲)

ناسازمی طبیعت

اوقات غذا میں اشتغال اور راستے کی فکرن سے میرزا صاحب کو قبض کی شکایت ہو گئی تھی۔ حکیم غلام نجف خاں کو مراد آباد سے تحریر کیا ہے :

”دکھرایا ہوا ہوں، تیسرا دن ہے پاخانہ پھرے کو۔“ (۳)

تاریخ ورود رامپور

مذکورہ چھ منزلیں طے کر کے، میرزا صاحب جمعرات کے دن ۱۲ اکتوبر سنہ ۱۲۵۶ کو رامپور تشریف لائے۔ جنون بریلوی کو رامپور سے تحریر فرمایا ہے :

”دو ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دہلی جاؤں گا۔“ (۴)

حکیم غلام نجف خاں کے ممولہ بالا خط میں بھی، جو ۱۱ اکتوبر کو مراد آباد سے لکھا تھا، یہی تحریر کیا ہے کہ کل ۱۲ اکتوبر کو رامپور پہنچ جاؤں گا۔ حکیم سید احمد حسن مودودی کے نام کے خط سے بھی یہی تاریخ مستنبط ہے۔ فرماتے ہیں :

(۱) اردو (۲) ایضاً : ۲۹۷ (۳) ایضاً : ۲۳۱ (۴) ایضاً : ۲۰۸، دعوہ : ۱۶۹۔

”ہفت اکتوبر کو دلی سے رامپور کو روانہ ہوا۔ بعد قلعہ منازل ستہ وہاں پہنچا۔“ (۱)

نواب خلد آشاں کی تواضع

نواب خلد آشاں نے میرزا صاحب کی خوب خاطر تواضع کی۔ قیام کے لیے جرنیلی کی کوٹھی اور بادرچی خانے سے کھانا مقرر ہوا۔ حکیم غلام نجف خاں نے اپنے خط میں غذا کے متعلق تشویش کا اظہار کیا تھا۔ اس سلسلے میں میرزا صاحب نے صبح شنبہ ۲۱ اکتوبر سنہ ۱۲۵۶ کو لکھا ہے:

”ہمارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے

تشویش ہے۔ خدا کی قسم! میں یہاں خوش اور تندرست ہوں!

دن کا کھانا ایسے وقت آتا ہے کہ پردن چڑھے تک میرے آدمی بھی

روٹی کھا چکے ہیں۔ شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے۔ کئی طرح کے سالن،

پلاؤ، متجن، پنڈے، دونوں وقت روٹیاں، خیر، چائیاں، مربے،

آچار، میں بھی خوش، لڑکے بھی خوش۔ کلو اچھا ہو گیا ہے۔ سقا، مشعلی،

خاکروب سرکار سے متین ہے، حجام اور دھوبی نوکر رکھ لیا ہے۔“ (۲)

۲۲ اکتوبر کو میرزا صاحب نے پھر حکیم صاحب کو خط لکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عرصے میں سرکار نے کھانے اور جانوروں کے گھاس دانے کی نقدی مقرر فرمادی تھی۔ فرماتے ہیں:

”آج منگل کا دن ۲ جمادی الثانی کی اور ۲۲ اکتوبر کی ہے۔ کھانے کی

اور گھوڑوں اور بیلوں کے گھاس دانے کی نقدی ہو گئی۔ لیکن اس

میں میرا فائدہ ہے، لقمان نہیں لکھتا۔“ (۳)

تعظیم و توقیر اور اخلاص

نواب خلد آشاں قدر دانی، علم و ہنر میں اپنے والد مرحوم کے بچے

(۱) اردو دی: ۲۲۳ و ۲۲۴ یہ عمارت قلعہ معلیٰ کے مشرقی دروازے کے باہر واقع تھی نواب جنت ماکاں نے

قدیم عمارتیں مہتمم کر اسے نئی عمارات تعمیر کرائے وقت بعد ترمیم مناسب اسے قلعے کے اندر داخل

کر لیا ہے۔ (۲) اردو دی: ۲۱۹ و ۲۲۰ (۳) ایضاً: ۲۲۳

جانشین تھے۔ اُنھوں نے میرزا صاحب کی تعظیم و توقیر اور خاطر تواضع کا بیحد لحاظ کیا۔ میرزا صاحب ۲۱ اکتوبر کو حکیم صاحب کو لکھتے ہیں:

”آج تک دو ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ تعظیم، تواضع، احشاق، کسی بات میں کمی نہیں“ (۱)

سرکار کا التفات روز افزوں دیکھ کر میرزا صاحب نے ۲۴ ماہ مذکور کو پھر حکیم صاحب کو تحریر کیا ہے:

”اب رو داسنو۔ نواب صاحب کا اخلاص و التفات روز افزوں ہے“

اُس بات کی کچھ اصل نہیں

راہپور کے سفر سے قبل میرزا صاحب نے کوئی منفی بات اپنی بیوی سے کہی تھی۔ یہاں آکر اُس کی تغلیط ہو گئی، تو حکیم صاحب کے خط کے آخر میں اُن کے صاحبزادے کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

”ظہیر الدین غاں بہادر کو دعا پہنچے۔ یہ خط لے کر تم اپنی دادی صاحب پاس جاؤ اور یہ خط پڑھ کر سناؤ اور اُن سے یہ کہو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی، وہ غلط ہے۔ اُس کی کچھ اصل نہیں ہے“ (۳)

نواب غلام اشیاں کے متعلق میرزا صاحب کی رائے

میرزا صاحب، سرکار کے حُسن صورت و سیرت کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ اُنھیں بعض شیوہ و روش میں نواب فردوس مہکاں پر ترجیح دینے لگے اُس زمانے میں سرکار نے بعض محال ریاست کو سرکاری مطالبات اور عام رعایا کو غلے کا محصول معاف کر دیا تھا۔ ان تمام واقعات نے میرزا صاحب کے دل پر اچھا نقش کیا۔ حکیم غلام رضا خاں کے خط میں اُن کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

”نواب صاحب حال بقصدائی اَنُو کد ریشہ لابیہ“ حُسن احشاق میں

نواب فردوس آرام گھا کے برابر بلکہ بعض شیوہ دروش میں اُن سے بہتر ہیں۔ میرد مند شینی کے غلے کا محصول ایک قلم معاف کیا۔ علی بخش خاں خانساں کو ۳۰ ہزار روپیہ بابت مطالبہ سرکاری بخش دیا۔ مفصل حالات بدل نوال عند الملاقات زبانی کہوں گا۔ (۱۱)

مرزا تفتہ کو لکھتے ہیں :

”نواب صاحب از روی صورت روح مجسم اور باعتبار اخلاق اُمتیت رحمت ہیں۔ خزانہ فیض کے تخلیہ دار ہیں۔ جو شخص دستہ ازل سے جو کچھ لکھو لایا ہے، اُس کے بٹنے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سال غلے کا محصول معاف کر دیا۔ ایک اہل کار پر ساٹھ ہزار کا عصبہ معاف کیا۔ اور سب ہزار روپیہ نقد دیا۔ منشی نو کشور صاحب کی عرضی پیش ہوتی۔ خلاصہ عرضی کا سن لیا۔ واسطے منشی صاحب کے کچھ تقریب شادی سببہ تجویز ہو رہا ہے۔ مقدار مجھ پر نہیں کھلی۔“ (۱۲)

علائی کے خط میں نواب صاحب کی تصویر کھینچتے ہیں :

”ریش کی تصویر کھینچتا ہوں۔ قد، رنگ، شکل، شامل بعینہ بھائی قلیار الدین خاں۔ عمر کا فرق اور کچھ چہرہ اور ریحہ متفاوت۔ حلیم خلیق باذل، متواضع، متشرع، متورع، شرفہم، سینکڑوں شعریاد۔ نظم کی طرف توجہ نہیں، نثر لکھتے ہیں۔ اور خوب لکھتے ہیں۔ جلالی طباطبائی کی طرز برتتے ہیں۔ شگفتہ جہیں ایسے کہ اُن کے دیکھنے سے غم کو سوں بھاگ جائے۔ فیصیح بیان ایسے کہ اُن کی تقریر سن کر ایک اور نئی روح قالب میں آئے۔ اَللّٰهُمَّ دَامْ رَاقِبًا لَّہٗ وَ ذَا اِجْلًا لَّہٗ“ (۱۳)

نواب غلام اشیاں حسن سخت نشینی سے قبل اضلاع ریاست کے معائنے کو تشریف لے گئے تھے۔ میرزا صاحب نے بھی رضوان کے ۴ نومبر ۱۲۷۵ء کے

خط میں اُن کے سفر کے پروگرام کی ان نفلوں میں اطلاع دی ہے :

”آج شنبہ ۲ نومبر کی ہے۔ پرسوں نواب صاحب دورے کو گئے ہیں فرمائے ہیں کہ دو ہفتے میں آؤں گا۔ اگر چار روز یہاں رہیں گے۔ پھر نمائش گاہ بریلی کی سیر کو جائیں گے۔ وہاں سے پھر کر جب آئیں گے تو کثیر بریلی کا انتظار فرمائیں گے۔ وہ پنجم دسمبر تک آجائیں گے۔ تین دن جن رہے گا۔ اُس کے دو چار روز بعد غالب رخصت ہوگا۔ خدا کرے تم تک زندہ پہنچ جائے۔“ (۱)

جب سرکار سوار ہونے لگے، تو مشایعت کے لیے میرزا صاحب بھی سواری تک ساتھ آئے۔ سرکار پابریکاب ہوئے۔ تو حاضرین کے ساتھ میرزا صاحب نے بھی آداب و کورنش ادا کی۔ سرکار نے میرزا صاحب کے آداب پر تعجب سا تھار شاد فرمایا: ”خدا کے سپرد“ میرزا صاحب کی شوخی طبع نے گدگدایا اور آپ قدرے خریں صورت بنا کر بولے: ”حضرت، خدا نے تو مجھے آپ کے سپرد کیا ہے۔ آپ پھر اُٹھا چھو کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔“

جن جن جمشیدی

دسمبر کا پہلا ہفتہ جن جن تخت نشینی کے لیے مقرر ہوا تھا، اور اس تقریب کا اس درجہ شاندار اہتمام کیا گیا تھا کہ میرزا صاحب نے اس کو ”جن جن جمشیدی“ سے تعبیر کیا ہے۔ حکیم غلام محبت خاں کو لکھتے ہیں:

”نواب صاحب دورے سے یا آج شام کو یا کل آجائیں گے۔ جن جن

جمشیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔“ (۲)

۲۴ اکتوبر کو تاریخ جن جن کے متعلق لکھتے ہیں:

”دسمبر کی پہلی سے جن جن شروع ہوگا۔ ہفتے دو ہفتے کی مدت اُس کی ہے

بعد جن جن کے رخصت ہوں گا۔ خدا چاہے، تو آخر دسمبر تک تم کو آدھینا ہو۔“ (۳)

مرزا تفتہ کو تحریر کیا ہے :

۱۔ جشن یکم دسمبر سے شروع، ۵ دسمبر کو خلعت کا آنا مسموح (۱)

۲۔ دسمبر سنہ ۱۲۵۶ء کو علاقائی کے خط میں اس جشن جمشیدی کی روداد لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :

”ہاں جن کے وہ سامان ہو رہے ہیں کہ اگر جیشید دیکھتا، تو حیران رہ جاتا۔ شہر سے دو کوس پر آغا پور نامی ایک بستی ہے۔ آٹھ دن سے وہاں خیام برپا تھے۔ پرسوں صاحب کشیز بہادر بریلی مع چند صاحبوں اور میوں کے آئے، اور خیوں میں اترے۔ کچھ کم سو صاحب اور ہم جمع ہوئے، سب سرکار راجپور کے مکان۔ کل سہ سببنہ ۵ دسمبر حضور پرنور ہرے بھل سے آغا پور تشریف لے گئے۔ بارہ پر دو بچے گئے اور شام کو پانچ بجے خلعت پہنکر آئے۔ وزیر علی خان ماں خواہی میں سے روپیہ بھینکتا ہوا آتا تھا۔ دو کوس کے عرصے میں دو ہزار روپیے سے کم نہ ایشا رہا ہوگا۔ آج صاحبان عالی شان کی دعوت ہے۔ ”پٹن“ شام کا کھانا نہیں کھائیں گے۔ روشنی، آفتابازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کرے گی۔ لوا تفت کا وہ ہجوم، حکام کا وہ جمیع کہ اس مجلس کو لوا تفت الملوک کہا جا رہے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ صاحب کشیز بہادر مع صاحبان عالی شان کے گل جائیں گے، کوئی کہتا ہے

پرسوں (۲)

مبارکباد خلعت

میرزا صاحب نے اس تقریب پر ایک فارسی نثر اور ۳۰ شعر کا ایک قصیدہ خلد آشاں کے حضور میں پیش کیا۔ نثر کے انجام میں لکھتے ہیں (۳)

(۱) اردو ہی : ۹۹ (۲) ایضاً : ۲۴۱ (۳) یہ نثر کلیاتِ نثر فارسی : ۹۱ میں چھپ چکی ہے۔

آخر بھنای مار گاہ آردہ است ہنگام فردزیش نگاہ آردہ است
 چون نور کہ از مہرباہ آردہ است تشریف شہنشاہ بشاہ آردہ است
 قصیدے کے یہ شعر امیر مینائی مرحوم کے انتخاب کیے ہوئے ہیں :^(۱)
 تا چہ نیز گم است این کوئند جهان آردہ اند نوہاری طرفہ در فصل خوان آردہ اند
 در ہشت آن لالہ عاشق بگوزار دی ہشت ردفق کر بہر بارغ و بوستان آردہ اند
 چون بواہر ہستاری تیب شاہ گویم محلاً حاصل صد سالہ دریا دکان آردہ اند
 تیار بخشہای شاہنشاہ ہندو انگلند خلعت از بہر خدیو شہنشاہ آردہ اند
 از شعاع ہر تابہ آہر تو مہتاب بود جامہ ہای زر نگار و زر نشان آردہ اند
 در خانی کہز گلوئی شہر بار آہ ہشتند کوہرازد بدین وتار از ککشان آردہ اند
 نیز دم تیری کہ چرخ بر تش از روڑ ازل بی نیاز از گردش نگاہ نشان آردہ اند
 دلازل حل ہکر سرگز سر دق تیغ و تیر از سودا دش جم را حزامان آردہ اند
 ابرو با نایل کہز عدش صد بخشند برق دش توسن کہ از بادش ہندان آردہ اند
 و گرا آراہ رسد شہرستہ بر منظر بالی کز فی تم دادہ تو سش در میان آردہ اند
 دولت اقبال و فقر و عزت مہابہ و جلال کز فراوانی نہ گنجیدہ گسار آردہ اند
 شاہ داور را فید دولت دین دادند شہریان را مژدہ امن دان آردہ اند

غرم مراجعت

ابتداء میرزا صاحب کا یہ ارادہ تھا کہ دو چار چیمپے راجپور میں قیام کریں گے۔ چنانچہ شاکر کو تالیف روائگی راجپور کی اشعار دیتے ہوئے تحریر کیا تھا۔

”دو چار چیمپے وہاں رہتا ہوگا۔ اب جو کوئی خط آپ بھیجیں، تو راجپور

بھیجیں۔

راجپور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ اختتام جشن کے بعد

(۱) انتخاب یادگار : ۱۹۹۰ء راجپور قصیدہ سید حسین : ۶۵ میں طبع ہو چکا ہے (۲) اردو : ۲۱۶

رخصت طلب کریں، اور آخر دسمبر تک دلی جا پہنچیں۔ حکیم غلام نجف خاں کے خط میں اس کا ذکر آچکا ہے^(۱)۔ علانی کو ۲۶ دسمبر کو تحریر کرتے ہیں:

”بعد اختتام محافل طالب رخصت ہوں گا۔ بعد حصول رخصت دلی جاؤں گا“^(۲)

اسی طرح جنون بریلوی کو بریلی کی دعوتِ قدوم کے جواب میں لکھا ہے:

”پیر و مرشد، نواب صاحب کا وظیفہ خوار، گو یا اس در کا فقیر تکیہ دار ہوں۔ سند نشینی کی تہنیت کے واسطے راسخو آیا۔ میں کہاں اور بریلی کہاں! ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہنچا۔ بشرط حیات آخر دسمبر تک دلی جاؤں گا“^(۳)

لڑکوں کی روانگی

باقی علی خاں اور حسین علی خاں اب نوجوان تھے۔ میرزا صاحب نے دونوں کو جمعہ کے دن ۲۲ دسمبر کو روانہ کر کے علانی کو لکھا:

”آج صبح کے ساتھ میرے باقر علی خاں اور حسین علی خاں، ۱۴ مرغ، ۲ بڑے اور آٹھ چھوٹے (لے) کے دلی کو روانہ ہوئے۔ دو آدمی میرے ان کے ساتھ گئے۔ تلو اور لڑکا نیاز علی، یعنی ڈیڑھ آدمی میرے پاس ہیں۔ نواب صاحب نے وقتِ رخصت ایک ایک دو سالہ مرحمت کیا“^(۴)

میرزا صاحب کی تاریخِ روانگی

اسی خط کے آخر میں اپنی روانگی کے متعلق لکھتے ہیں:

”میرے چلنے کا حال یہ ہے کہ انشاء اللہ اتالی اسی ہفتے میں چلوں گا“

۲۶ دسمبر کو سچھر تقریر فرماتے ہیں:

”جدا جانا! جانا! ایک خط میرا ہمارے دو خطوں کے جواب میں تم کو پہنچا ہوگا۔ آج منگل ہے، ۲ شبان کی اور ۲ دسمبر کی۔ دونوں بھیجے

متمم ہونے کے دن ۲۲ دسمبر کو روارڈ دہلی ہوئے۔ میں پرسون بوم
انجین کو مرحلہ پہنچا ہوں گا^(۱)
اس حساب سے میرزا صاحب جمعرات کے دن ۲۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء کو رامپور
سے رخصت ہوئے۔

اجاب رامپور سے آخری ملاقات

سرکار سے رخصت حاصل کر کے میرزا صاحب قیام گاہ پر تشریف
لائے رامپور کے بعض اجاب الوداع کہنے کے لیے پہلے سے جمع تھے۔ صاحبزادہ
سید محبت علی خاں بہادر نے حقیر عرضی سے بیان کیا کہ جب میرزا صاحب
سرکار سے رخصت ہو کر قیام گاہ پر واپس آئے، تو میں اپنے والد سید
ہدایت علی خاں بہادر کے ہمراہ وہاں موجود تھا۔ میرزا صاحب نے اجاب
کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ”بھئی! ہم نے ابھی یہ شعر کہا ہے :
اب ہے دلی کی طرف کوچ ہمارا غالب آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آئے“^(۲)
رخصتہ کی رقم

میرزا صاحب نے ۲۸ نومبر کو رامپور سے تفتہ کو لکھا تھا :
”میں لڑکی داد اور رقم کا صلہ مانگنے نہیں آیا، بھیک مانگنے آیا ہوں، روٹی
اپنی گرہ سے نہیں کھانا، سرکار سے ملتی ہے۔ وقت رخصت میری قسمت
اور منہم کی ہمت“^(۳)

(۱) اردو می ۳۹۶ (۲) مملکت نظامی دیوانی سے شرح دیوان غالب اردو (مطبوعہ نظامی پریس
بہاولپور سنہ ۱۳۵۲ء) کے صفحہ ۲۵۴ پر یہ مقطع اور ایک شعر نقل کر کے حاشیہ میں لکھا ہے: حضرت نواب سے
نواب پرنس علی خاں ناظم دلی رامپور کی طرف اشارہ ہے۔ یہ اس غزل کے شعر ہیں جو رامپور سے رخصت ہوتے
وقت لکھی تھی۔ چونکہ دیوان اس وقت مرتب ہو کر شائع ہو چکا تھا، اس لیے دیوان میں شامل نہیں ہوئی۔ اس
بیان میں مولانا قسار ہوا ہے، کیونکہ ایک مینی شاہد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نواب سید محمد کلب علی خاں
بہادر عہد میں ملاوہ اڑیں چونکہ پہلے سفر میں میرزا صاحب رامپور سے دیوان اردو کی نقل لے گئے تھے جس سے
دیوان طبع ہوا، اس لیے نواب فردوس مکاں کے بجائے نواب غلام شہیاں کے غزل کا اس
میں شامل نہ ہونا قرین قیاس اور مطابق واقعہ ہو سکتا ہے۔ (۳) اردو می : ۹۸۔

نواب خلد آشاں ۳۰ اکتوبر سنہ ۶۶۵ کو ایک ہزار روپے عطا فرما چکے تھے۔
تاہم ۱۶ دسمبر سنہ ۶۶۵ کو ۲۰۰ روپے بوجہ زاد راہ مرحمت فرما کر میرزا صاحب
کی اس آرزو کی بھی تکمیل کر دی۔^(۱۲)

نواب فیاء الدین خاں بہادر کی فرمائش

تیسرے میرزا صاحب سے فرمائش کی تھی کہ رامپور سے ہانس کی غلیل
لائیں۔ میرزا صاحب نے فرمائش پوری کی۔ لیکن غلیل پر جو کچھ بیٹی وہ دیکھی
سے خالی نہیں۔ علانی کے نام رامپور سے ۲۶ دسمبر کو لکھا ہے:

”تو کمان گرد وہ کھا کر۔ فارسی بھنگا کر۔ مجھ سے ہندی کی چندی
سن۔ ایک غلیل حضور نے دینی کی ہے۔ ایک علی اصغر خاں سے اینٹھی
دو لڑوں کل آئیں گی۔“^(۱۳)

لیکن سوء اتفاق سے فرمائش کی تکمیل میں سعی کے بعض مدارج رہ گئے۔
اور غلیل پر نئی افتاد پڑی۔ ۱۳ جنوری سنہ ۶۶۶ کو میرزا صاحب علانی کو
لکھتے ہیں:

”میاں چلتے وقت تمہارے چچا نے غلیل کی فرمائش کی تھی۔ رامپور سنبھکر
وہ بے سعی و تلاش ہاتھ آگئی، بنوا رکھی۔ لڑکوں نے ملازموں نے
مجھ سے سن لیا کہ یہ نواب فیاء الدین خاں کے واسطے ہے۔ اب
چلنے سے ایک ہفتہ پہلے تم نے غلیل مانگی۔ بھائی کیا بتاؤں کہ کتنی

(۱) آداریہ خزانہ سنہ ۶۶-۱۸۶۵ء، نظام و عنایات نومبر سنہ ۱۸۶۵ء (۲) آداریہ خزانہ سنہ
۶۶-۱۸۶۵ء، نظام و عنایات ۹ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء (۳) صاحبزادہ سید علی اصغر خاں بہادر
دولت سید جعفر علی خاں و لد سید نظام علی خاں و لد نواب بدیع اللہ خاں بہادر عرض منزل مراد ہیں۔
نواب فردوس مکاں نے ششدرم کی شورش میں ریاست کی فوج کے ساتھ مراد آباد و امر دہ کی شورش
مٹانے کے لیے بھیجا اور رزاں بعد امر دہ کے کاظم بنا دیا۔ بعد فخر خد مات کے حملے میں بہار روپے سالانہ مالک و
کی ضبط شدہ جاگیر گورنمنٹ سے وائر اسٹ کرائی، اور ۵ ہزار روپے کا صلحت دلایا۔ نواب خلد آشاں کے ابتدائے
عہد میں کل افواج ریاست کے جنرل معزز ہوئے اور وجیہ انراں خاں کے انتقال کے بعد انگریزی حکومت
میں ریاست کی جانب سے سفیر بھی بنا دیے گئے۔ ۴ سو روپے ماہوار تنخواہ پاتے تھے ۲۲ ملکان ۱۲۹۵ء
(۲۲ اگست ۱۸۷۵ء) کو انتقال کیا۔ (انجام امتداد دید ۱۹۷۷ء)

جستجو کی؟ کہیں ہم نہ پہنچی۔ دس روپیے تک مول کو نہیں ملی۔ نواب صاحب سے مانگی۔ تو صفحہ خانہ میں بھی نہ ملتی۔ ایک امیر کے ہاں چتا لگا، دوڑا ہوا گیا۔ کھچی موجود پائی۔ لیکن کیا کھچی، جیسے محنت خان کے عہد میں تورانیوں میں ہماری تمہاری ہڈی۔ بنوانے کی فرصت کہاں؟ آج لی، کل چلے گیا۔ اس بانس کی قدر کرنا، اور اس کو اچھی طرح بنوا لینا؟

سفر کے مصائب

راہپور سے والپسی میں میرزا صاحب کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مراد آباد کے نیچے دریائی رام گنگا بہتا ہے۔ سرمائی بارش کے سبب اس میں سیلاب آگیا تھا۔ میرزا صاحب کی پالکی پار ہوتے ہی پانی کے زور سے کشتیوں کا عارضی پل ٹوٹ گیا۔ اسباب کی گاڑیاں اور ملازم اس پار رہ گئے، اور میرزا صاحب یکہ دتتا ایک کبل ساتھ لیے مراد آباد کی سرے میں جا کر اقامت گزریں ہوئے۔ بڑھاپے کی کمزوری سرمائی تکلیفوں کا مقابلہ نہ کر سکی اور یہ بیمار ہو گئے۔ پانچ دن صدر الصدور مراد آباد کے یہاں قیام کیا، اور جب قدرے رو بصحت ہوئے، تو دلی کا عزم کیا۔ دلی پہنچ کر نواب خلد آشیاں کو کہتے ہیں:

”بعد تسلیم معروض ہے۔ مراد آباد پہنچا۔ بعد پالکی کے اتر آنے کے پل کا ٹوٹ جانا، گاڑی اسباب یہاں تک کہ رخت خواب کا جہیز آدمیوں کے اسی زمرہ کے میدان میں رہتا، اخیر بارش سے کچھ نہ بچتا خیر جو ان پر گزری وہ جانیں، میں مراد آباد کی سر میں ایک چھوٹی سی چوٹی میں ٹھہرا۔ بھوکا پیاسا کبل اور دھڑک پڑا۔ یہ شعر اپنا بڑھ پڑا کہ صبح کا گرم فریاد رکھا شکل نہانی نے مجھے۔ تنہا اماں، ہجر میں دی پرویمانی نے مجھے صبح کو خستہ و رنجور اٹھا۔ صاحبزادہ حسنا علی خاں آباد سکے بھیجے ہوئے

دو فرشتے آئے، ان کا کہنا کہ سید الدین خاں صاحب کے ہاں لے گئے
صاحب زادہ صاحب نے وہ انقیم و دیگر ہم اور سید الدین خاں صاحب نے
وہ دیگر ہم و انقیم کی کہ میری ارزش سے زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن آباد
صدر الامور آئے اور تجھ اپنے گھر لے گئے۔ ہاتھ دن وہاں رہا۔ بجائی
نواب سلف خاں وہیں مجھ سے آکر سٹ۔ دو سرے دن وہ رگڑائی لالہ
راپور اور نہیں بہادہ نور دستم آباد دہلی ہوا۔

سرکار کی ہمدردی

پیر ۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء کو لکھا گیا تھا۔ سرکار کو اس کے پہنچنے سے
پہلے ہی شیفٹہ کی ایوانی تمام حالات کی اطلاع مل چکی تھی۔ اور انھوں نے
مراد آباد کے سب سے میرزا صاحب کو لکھا تھا:

”دلیانی نواب سلف خاں چارہ سگہ دریافت ہوا کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت
آپ کی طبیعت پر تھی۔ ہاں تمام اس امر کے باعث کمال تردد کا ہوا۔
اس واسطے حالہ قائم ہوئی۔ مگر سگہ جو تاسیہ کہ خیریت ناز سے مطلع کیجئے۔
اور اگر ہنوز طبیعت مائل یا متزلزل نہ ہو، اور آپ کا ارادہ قیام مراد آباد
کا تادستی طبیعت ہو، تو آپ راہپور میں تشریف لے کر یہاں معالجہ
بخوبی عمل میں آئے گا۔“

میرزا صاحب اسی دن مراد آباد سے روانہ ہو گئے تھے، جس دن شیفٹہ
وہاں سے راپور کو پہنچے، اس لیے یہ فرمان انہیں نہ مل سکا۔ دلی
پہنچ کر ۱۰ جنوری کو میرزا صاحب سے رواد سفر پر مشتمل عرضہ روانہ کیا
تو اس کے جواب میں خند اشیاں نے تحریر فرمایا:

”الحمد للہ کہ معمول بنیقہ لطیف آگئی باعث اطمینان ہوا۔“

اس فرمان کے جواب میں میرزا صاحب نے ۱۱ جنوری کو لکھا:

”اس سفر کا حال کیا عرض کروں۔ دلی سے راجپور تک ذوقِ قدمبوسی میں جو اٹانہ گیا۔ اختلافاتِ آب و ہوا و فترتہٗ اوقاتِ غذا کو ہرگز نہ مانا۔ اور ریخِ داہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقتِ معاد دستِ اندودِ فراق نے وہ فشار دیا کہ جو ہر روح گزارِ پاکر ہرینِ موسے ٹپک گیا۔ اگر آپ کے اقبال کی تائید نہ ہوتی، تو دلی تک میرا زندہ پہنچنا محال تھا۔ جاڑا، مینہ، قہقہہ و نقابض، فقدانِ جوع، فاقہِ ہائی متواتر، منبرِ ہائی ٹالانوس، باپوڑ تک آفتاب کا نظرنہ آنا، شبِ دروزہ ہوا سی زہریلے کا جالگذا رہنا۔ بارے ہا پور سے چل کر نیزاعظم کی صورت دکھائی دی دھوپ کھاتا ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ در بخور رہا۔ اب دلیا پیردنا تو اں ہوں، جیسا کہ اس سفر سے پہلے تھا۔ خدادادہ دن کرے کہ پھر اس در پر پہنچوں۔“ (۱)

لٹ گئے

اس سفر میں میرزا صاحب کی تکالیف اس حد کو پہنچ گئی تھیں کہ وہ اُسے حُسنِ فکر کی یربادی سے تعبیر کرتے تھے۔ رطوان کو لکھتے ہیں: ”راجپور کے سفر میں تاب و طاقت، حُسنِ فکر، لطیفِ طبیعت، یہ اسباب لٹ گیا۔“ (۲)

رہ آورد

ان جہانی اذیتوں نے میرزا صاحب کی صحت پر بہت بُرا اثر کیا، اور انہیں ریشہ و ضعفِ بصر کی شکایت زیادہ ہو گئی۔ ۱۳ مئی سنہ ۶۹ کو ذکا کو تحریر فرماتے ہیں:

”تم کو میری خبر بھی ہے۔ آگے ناتوان تھا، اب نیجان ہوں۔ آگے ہرانتھا، اب اندھا ہوا چاہتا ہوں۔ راجپور کے سفر کا رہ آورد ہے

رعشہ و شعلت بعر جہاں چو ر سطرین لکھیں، انگلیاں ٹیز می ہو گئیں، صرٹ
سو جھٹھے سے رہ گئے۔“ ۱

وقت و تاریخ درود دلی

غناصر کی اس بے رخی کا مقابلہ کرتے ہوئے میرزا صاحب ۸ جنوری سنہ
۱۸۶۶ء کو دو شنبے کے دن گیارہ بجے دلی پہنچے۔ مرزا نقتہ کو درود کی اطلاع
دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”لو صاحب! کھڑی کھاٹی دن بھلائے، کپڑے بھاٹے گھر کو آئے۔
۸ جنوری ماہ و سالِ حمال دو شنبے کے دن غضبِ الہی کی طرح اپنے
گھر پر نازل ہوا۔ مختارِ اخط مشامین دردناک سے بھرا ہوا راتپور میں
نے پایا۔ جواب لکھنے کی فرصت نہ ملی۔ بعد روانگی کے مآد آباد میں
پہنچ کر بیمار ہو گیا۔ پانچ دن صدر الصدور صاحب کے ہاں پڑا رہا۔
انہوں نے بیمار داری اور غمخواری بہت کی۔“ ۲

حکیم احمد حسن مودودی کو لکھا ہے:

”مہتمم جنوری کو دلی پہنچا۔ عرصہ راہ میں بیمار ہوا۔ پانچ دن مراد آباد
میں صاحبِ فرائض رہا۔ اب جیسا فرسودہ رواں داتاواں تھا، ویسا ہوں۔“ ۳
بیخبر کو لکھتے ہیں:

”بندہ گناہگار شرمسار عرض کرتا ہے کہ پرسوں غازی آباد کا اٹھا ہوا
گیارہ بجے اپنے گھر پر مشعلِ بلائی ناگہانی نازل ہوا ہوں۔
باید کہ کتبہ ہزار نفس میں برنویس، اابرہانِ حبادۃ راہِ وطن،
شاہ کو لکھا ہے:

”قبائیر تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ۸ جنوری کو بغیر دلی پہنچا، تنکا
انڈہ، خجستہ در بخور۔ ہنوز افاقہ کلی نہیں پائی۔“ ۴

۱۔ اردو: ۳۵، ماہر کی ان سوغاتوں کی تحقیق عریضہ ۳۵۶۲، کے حاسیوں میں ملاحظہ ہو

۲۔ ایضاً: ۱۰۸ (۳)، ایضاً: ۲۳۳ (۴)، غرور: ۲۷۱، ایضاً: ۱۶۲

یہی تاریخ نواب خلد آشتیاں کو بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں :
 ”دوشنبہ ۲۰ شعبان ۱۲۸۲، جنوری ۱۸۶۶ء درغلدہ پر پہنچا۔ حضور کے
 اقبال کی تائید تھی، ورنہ میں اور جتیا دلی پہنچتا“^۱

باہر رہنے کی کل مدت

میرزا صاحب ۷ اکتوبر سنہ ۶۵ء کو دلی سے روانہ ہوئے اور ۸ جنوری
 سنہ ۶۶ء کو واپس پہنچے۔ اس حساب سے ان کی دلی سے باہر رہنے کی کل
 مدت تین ماہ ہوتی ہے۔

ارسال ہرایا

حسب ضابطہ مودت و خلوص، رامپور سے میرزا صاحب کو تحفے
 مخالف بھی بھیجے جاتے، جو بیشتر رامپور کے آم ہوتے تھے۔ میرزا صاحب کو
 آم طبعاً مرغوب تھے، اس لیے یہ تحفے انھیں انگریزی خلعت اور سرکاری
 عطیات سے کم نہ معلوم ہوتے ہوں گے، ۱۴ جون سنہ ۶۲ء کو سیاح کو
 لکھتے ہیں :

”رامپور سے نواب صاحب اپنے باغ کے آموں میں سے اکثر بیللی
 اور مخان بھیجتے رہتے ہیں“^۲

سرکاری کاغذات سے پتا چلتا ہے کہ ۸ جون سنہ ۶۰ء کو نواب فردوس
 نے آموں کی دو ہنگیاں تحفہ بہاریہ کہہ کر روانہ کی تھیں۔ اس کے بعد
 ۲۹ جون کو دو ہنگیاں اور ارسال کی گئیں۔ ۲۱ جون سنہ ۶۲ء کو قلمی آموں
 کی دو ہنگیاں روانہ کرتے ہوئے سرکار نے ”حسب دستور“ کے الفاظ سے
 اس تحفے کو تعبیر فرمایا۔ آغاز جولائی سنہ ۶۴ء میں بھی سرکار نے دو سو
 آم بھیجے۔ میرزا صاحب ۵ جولائی کو اس غنایت کی رسیدیں لکھتے ہیں :

”نوازش نامہ اور اس کے ساتھ دو ہنگیاں و دو سو آموں کی پہنچیں۔“
شکر نعمتہای توحید انکہ نعمتہای توہدا

فرمایشیں

اس کے علاوہ کبھی کبھی دونوں طرف سے بعض چیزوں کی فرمایشیں بھی ہوتی تھیں۔ ۱۷ اپریل سنہ ۶۶۰ کو نواب فردوس مکان نے میرزا صاحب کو لکھا:

”مشفقاً جو یہ ایام رنگترہای دمریزی کے ہیں اس واسطے حوالے
خاتمہ محبت نگار کے ہوتا ہے کہ آپ بقتضای لطف و عنایت فرمائی
مخلصانہ کے ایک ایک ہنگی رنگترہای سبز دمریزی کی بقتضات دس
دس روز سے تا اختتام فصل روانہ اس سرکار کے فرماتے رہیں اور
قیمت رنگتروں اور اچھٹ کھاروں ہنگی سے مخلص کو مطلع فرمائیے،
تاکہ مطابق اس کے ہندوی آپ کی سامی خدمت میں بھیجی جائے۔ اگرچہ
آپ کو اس خصوص میں تکلیف ہوگی۔ لیکن آپ کی محبت اور
الغنی قلبی سے چشمداشت یہ ہے کہ اس باب میں جانب ملازمان سامی
سے بخوبی عمل میں آئے ہوگا۔“

میرزا صاحب نے اس فرمایش کی تعمیل کی۔ سرکار نے ۲۹ اپریل کے
مکتوب میں اس کا شکریہ ادا فرمایا۔ اس کے بعد اپریل سنہ ۶۶۱ میں بھی میرزا
صاحب نے رنگترے ارسال کیے۔ ۲۰ اپریل سنہ ۶۶۱ کو سرکار نے ان کا بھی شکریہ
ادا کیا۔ ۶۶۴ سنہ میں نواب فردوس مکان نے چوب چینی کی فرمایشیں

لہ مکان چوب ۶۶۱ (۲) مثل نمبر ۲۲۱ (۳) مثل نمبر ۲۵۲ سنہ ۱۸۵۹-۶۰ ع کے آثار چے میں شاہ جہاں آباد سے
رنگتروں کی خرید کا حساب درج نہ ہونے کے باعث یہ بتانا دشوار ہے کہ میرزا صاحب کو رنگتروں کی قیمت و فیو
لی یا نہیں (۴) مثل نمبر ۲۲۳ (۵) اور چھ خزانہ بابت سلطنت شاہ (۶) دوق ۱۸۵۸ میں ۲ مئی سنہ ۶۶۱ ع کے مکتوب
شاہ جہاں آباد سے رنگتروں کی خرید کا حساب درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب پھلوں کی
قیمت پر اور یہ کہ ہمارے مکتوب میں صرف ہوئے تھے۔ مگر اس میں میرزا صاحب کے بجائے محمد وزیر علی خانان
کی معرفت خرید لکھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ خانان صاحب ڈالی خانے کے افسروں کے اور اس لیے دستبرد
ضابطہ کی رو سے میرزا صاحب کی جگہ ان کا توسط کا غلات میں ظاہر کیا گیا ہوگا۔

کی میرزا صاحب نے بڑی کوشش سے پانچ سیر زنگین و سنگین و بے گرہ
یا کم گرہ قطعات چوب چینی، مہیا کر کے سرکاری کمار کے ہاتھ روانہ کیے،
اور انہ راہ معذرت لکھا:

”دلی اب شہر نہیں، جھاڑی ہے، کنپ ہے۔ نہ قلعہ، نہ شہر کے امرانہ
اطراف شہر کے رؤسا“^۱

۱۱ جولائی سنہ ۶۶۱ (غرة محرم سنہ ۱۲۸۸ھ) کو میرزا صاحب نے آموں کی
فرمایش کی۔ اس کے جواب میں نواب فردوس مکاں نے تحریر فرمایا:
”در بارہ ترسیل انہ ہای کے کہ زینب ترقیم فرمایا ہے، حال یہ ہے کہ
امسال بہار انہ کی باغات اس سرکار میں بہت ظلیل اور کم رہی
اور علاوہ اس کے عجب کیفیت آن میں پیدا ہوئی کہ قابل رکھنے دو
چار دن کے نہ تھے، یعنی در صورت رکھنے کے خراب اور پوسیدہ
ہو جاتے تھے۔ اس سبب سے بھیجا انہ ہای کا متصور نہ ہوا۔ ظہور
اس امر کا بعالم مبوری تصور فرمائیے“^۲

راپور کے دوسرے سفر میں نیر کے لیے میرزا صاحب نے نواب خلدائیاں
سے ایک بانس کی غلیل مانگی۔ سرکار نے حکم دیا کہ توشہ خانہ خاص سے عطا
کر دی جائے۔ میرزا صاحب راپور سے ۲۵ شعبان سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۲۶ دسمبر
۶۶۵ء کو علاقائی کے خط میں لکھتے ہیں:

”مجھ سے ہنری کی چندی سن۔ ایک غلیل حضور نے دینی کی ہے۔^۳
بعد ازاں اسی غلیل کے متعلق ۲۵ شعبان، مطابق ۱۳ جنوری سنہ ۶۶۶ء
کو لکھا ہے:

”اب چلنے سے ایک ہفتہ پہلے تم نے غلیل مانگی۔ بھائی، کیا بتاؤں
کہ مٹی جستجو کی کہیں بسم نہ پہنچی، دس روپیہ تک مول کو نہ ملی۔ نواب صاحب

سے مانگی۔ تو شے خانے میں بھی نہ تھی۔^۱

دیگر خدمات

میرزا صاحب سرکار رامپور کی دیگر خدمات بھی بجالاتے تھے۔ دسمبر سنہ ۱۹۶۱ء میں نواب فردوس مکاں نے چوبے گردھاری لال کے لیے حکیم نیاز علی صاحب سے نسخہ تجویز کرا دینے کے متعلق تحریر فرمایا، تو میرزا صاحب نے جواباً لکھا کہ حکیم صاحب مریض کا معائنہ کرنے کے بعد دوا تجویز کریں گے۔ اس کے جواب میں ۱۹ دسمبر کو سرکار نے تحریر فرمایا:

”احوال چوبے مغزی المیہ صمد آغا بفردوس استقلاج از حکیم صاحب می دارند۔ لہذا حوالہ خاتمہ محبت نگار می شود کہ ہنگام رسیدن چوبے صاحب از حکیم صاحب ملاقات شان بخوبی کنندہ تجویز علاج بخوبی بل آید۔“^۲

۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۴ اگست سنہ ۱۹۶۲ء کو نواب فردوس مکاں نے تحریر فرمایا:

”دوینولا لالہ شب سہا سہا ساہور ہنے والے رامپور کے واسطے معاملے آنکھوں اپنی کے شاہجہاں آباد کو آتے ہیں۔ اور لالہ مذکور متوکل اس سرکار کے ہیں۔ اس کے علاوہ خاتمہ محبت نگار کے ہوتا ہے کہ دربارہ ملاج لالہ مغزی المیہ کے اطباء حاذق سے مراتب لطف اور مہربانی کے ان کے حال پر مرعی اور مبذول فرمادیں۔“^۳

جولائی سنہ ۱۹۶۲ء میں نواب خلد آشاں نے دلی کے ایک شطرنج باز فاضل نامی کو رامپور بھیجنے کی تحریک کرائی۔ میرزا صاحب نے اُسے روانہ کر کے اطلاعاً نواب صاحب کی خدمت میں لکھا:

”بوجہ تحریر میرزا رحیم الدین ہمارے حیا کے، فاضل شطرنج باز

کو خرچ دے کر روانہ کیا۔^۱

سرکار کا طریق خطاب

سرکاری فرامین کے القاب آداب اور خاتمے میں ہر جگہ بزرگی و محبت کا لحاظ پایا جاتا، اور عام طور پر فرمان کا انداز یہ ہوتا ہے:

”نواب صاحب مشفق مہربان کرم فرمای مخلصان سلمہ اللہ تعالیٰ۔“

بعد اشتیاق مواصلہ ہو فوراً مسرت کہ متجاوزا تحریر ہے مشورہ ضمیر پرودت

تحیہ کے ہو... زیادہ محبت و نشاط ہو۔“

انتہائی مطالب میں جہاں میرزا صاحب کے خط کا حوالہ آیا ہے، وہاں اُن کے مکتوب کو ”سامی صحیفہ لطف آگین“ یا ”نبیۃ اہنیۃ باغخت مشون“ یا دیگر تعظیمی الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہر جگہ لفظ ”مشہقا“ سے مخاطب ہے۔ ایک مکتوب میں نواب فردوس مکاں نے اپنے تعلقات کی صراحت بھی فرمادی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

”جو کہ آپ خفا ہوتا مخلص کا بسبب عدم رسی قائم اخلاص محضی ریہات معائنہ موصوفہ اپنے تحریر فرماتے ہیں، اے حضرت مخلص مہیم تو آپ کو بزرگ اور عنایت فرما اپنا جانتا ہے۔ توقف رسی قائم نیاز کی باعث نفی نہ تصور فرمائیے۔“^۲

ان روایہ و آداب سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سرکارِ راجپور سے میرزا صاحب کے تعلق کی نوعیت کیا تھی۔

میرزا صاحب کا طریق خطاب

خود میرزا صاحب کے عرائض کے القاب آداب اور خاتمے بھی اس پر شاہد ہیں کہ اس رشتے کی بنا احسان و عنایت کے ساتھ محبت اور مکاتیب: ۲۲ اعداد ۳۰ میں ۱۵ ستمبر ۱۸۶۷ء کے تحفہ ۲۵ روپیہ کی ایک رقم کا قاضی

شریح باز کو عطا کیا جانا اور یافت ہوتا ہے (۲) مثل نمبر ۲۲۱، ص ۱۸ باب

راہپور سے کل جاتی امراء

اس امداد میں وقتی عطیے اور وظیفہ دونوں شامل ہیں۔ وظیفے کا تقریر جولائی سنہ ۶۵۹ء میں ہوا تھا، جو میرزا صاحب کی تاریخ انتقال ۱۵ فروری سنہ ۶۶۹ء تک پیرایہ امتداد رہا۔ اس کی کل مقدار ۱۱ ہزار ۵ سو ۵ روپے ہوتی ہے۔

(۱) ۵ فروری سنہ ۱۹۵۷ء ۲۵۰ روپے

۲۳ مایچ " " ۲۵۰ " " تبریز نوشی

(۳) جولائی ۱۹۵۷ء (ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ) ۵۲۸۰

اگر یہاں پر دلائل کو دیکھنا ضروری ہے کہ تنخواہ کی رقم میں وہ سوز پڑے ماہوار شامل نہیں کیجئے تھے ہیں، جو راپور کے تمام میں بنیاد دعوت ملا کرتے تھے کیونکہ مصارف و مآثر اہی سے تعلق رکھتے کے باعث انہیں مالی امداد میں شامل کرنا کسی طرح مناسب نہ ہو گا۔

بغرض امداد مالی	(۴) ۳۱ اگست سنہ ۱۸۵۸ء ۲۵۰ روپے
"	(۵) ۲۵ نومبر " ۲۵۰ " "
بغرض مصارف خدام	(۶) ۲۰ مئی سنہ ۱۸۵۹ء ۲۵۰ " "
بغرض امداد مالی	(۷) ۱۶ دسمبر " ۲۰۰ " "
"	(۸) ۱۵ مارچ سنہ ۱۸۶۰ء ۳۰۰ " "
تقریب شادی نواب سید حیدر علی خاں بہادر	(۹) ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۶۱ء ۲۰۰ " "
(رقمے اور جوڑے کے)	(۱۰) ۱۱ جولائی " ۱۲۵ " "
مخرج اقبالہ برائے شرکت ہریار گورنر جنرل	(۱۱) ۱۱ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء ۲۰۰ " "
بغرض امداد مالی	(۱۲) ۳ اکتوبر " ۲۰۰ " "
تقریب غسل صحیفہ نواب خلد آشاں	(۱۳) ۱۶ اگست سنہ ۱۸۶۵ء ۲۰۰ " "

اس آوارجہ سنہ ۱۸۵۹ء و رقی ۲۵۹ پ پر ماہ اکتوبر ۵۹ء کے تحت ۲۵۰ کی رقم لکھ کر تحریر کیا گیا ہے :
 درود عنایت بابت تنخواہ مرزا نوشہ کہ قبل از تقدیر تنخواہ بصیفہ عنایت بذریعہ ہندوئی رشتہ بود ، بموجب
 حکم مشیہ عرضی مشایخ حکومت ۵ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء (۲) آوارجہ میں اس تاریخ کو تین سو روپے کی رسم
 کا خرچہ دکھایا ہے۔ مگر میرزا صاحب اور نواب فردوس مکا اس کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ
 دوسو روپے مانگے اور بھیجے گئے تھے۔ اس صورت میں تین سو کا اندراج بشمول وظیفہ ماہ ہراری ہوگا
 (۳) اس رقم کی حسب ذیل رسید مثل میں شامل ہے :

رسید مرزا نوشہ صاحب

مبلغ سے صدر و پیہ کہ نصف یک صد روپہ رو پیہ می شود بصیفہ عنایت از سرکار
 فیض آثار معرفت لالہ گوگل پرشاد دپورن پرشاد غراچیان وصول یافتہ۔
 بنا بران رسید نوشتہ شد۔

ہندوئی
مال

نقد
مال

اسد اللہ خان لالہ فیض علی بخش
 ایضاً مرزا نوشہ لالہ گوگل

حوالہ کلڈا خانان مرزا نوشہ صاحب منودہ شد مرقوم ۱۵ مارچ سنہ ۱۸۵۹ء

اس رسید میں صرف مرزا نوشہ غالب کے قلم کا نوشتہ ہے۔ بقیہ عبارت غالباً کسی اہلکار نے
 لکھی ہے۔ ۱۵ مارچ کو دیوان نے اس رقم کے باضابطہ حکم مطاکر رپورٹ کی تھی ۱۸ کو حکم عطا
 فرمایا اور ۲۸ کو حساب کی حیرانی کا حکم ہو کر تکمیل پر لیا گیا کوآوارجہ سنہ ۱۸۵۹ء میں
 ۳۶۰ الف میں اندراج ہوا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ رستم ۱۵ مارچ کو علی بخش خاں
 قاسم خان نے زبانی حکم کے مطابق نزد اب خواندہ سے دلا دی تھی۔ بعد ازاں رپورٹ کر کے
 باضابطہ حکم ۱۵ مارچ کو عطا کیا۔

(۱۳) ۱۷ نومبر سنہ ۶۶۵ ۱۰۰۰ دسپہ تقریب چٹن تنٹن نشین نواب غلام اسفندیار

(۱۵) ۹ جنوری سنہ ۶۶۶ ۲۰۰ نواب وادو دہلی

(۱۶) ۵ اکتوبر ۱۸۸۵ اور ۶ جنوری ۱۸۸۶ (کے درمیان) ۴۰۰ نواب غلام اسفندیار

(۱۷) ۱ نومبر سنہ ۶۶۶ ۶۰۰ نواب غلام اسفندیار صاحب کا رخصتہ ادا کرنے کے لیے

ان خلیوں کی مجموعی رقم ۵ ہزار ایک سو ۵۰۰ روپے ہوتی ہے۔ ان میں سے نمبر ۱، ۳، ۵، ۷، ۹، ۱۱، ۱۳، اور ۱۶ کا ذکر مکاتیب میں، اور بقیہ کا خزانے کے سنہ وار آوار جوں میں موجود ہے۔

۳۰ اکتوبر سنہ ۶۶۳ کو دو سو روپے کی جو رقم ارسال ہوئی تھی، اس کے متعلق میرزا صاحب نے سرکار سے دریافت کیا تھا کہ تنخواہ میں سے پیشگی توجہ طلب نہیں ہوئی ہے۔ نواب فردوس مکاں نے اپنے دستخط خاص سے منشی سیلینڈ کو تحریر فرمایا:

”منشی سیلینڈ، میرزا نوشہ صاحب کو خط لکھ کر روانہ کر دو کہ یہ دو سو روپے

تنخواہ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے ہیں۔ آپ ٹون سے صرف لکھیے۔ تنخواہ

موافق معمول سے پہنچ جائے گی۔ یہ ملاوہ تنخواہ سے ہیں۔ فقط“

منشی صاحب نے سرکار کی طرف سے محلولہ بالا مضمون کا جواب ۱۱ اکتوبر کو روانہ کر کے میرزا صاحب کو اطمینان دلایا کہ یہ سراسر فتوح ہے۔

قاطع برہان کی طباعت میں امداد

طباعت قاطع برہان کے لیے دو سو روپے کی ایک رقم کا ذکر خود میرزا صاحب نے سیاح کے نام کے خط میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”میرزا پاس روپیہ کہاں، جو قاطع برہان کو دوبارہ چھپاؤں۔ پہلے

میں نواب مختار نے دو سو روپے بھیج دیے تھے، اب پلاسیدہ صاف

ہو کر چھپایا گیا تھا۔ اب بھی وعدہ کیا تھا کہ اپریل کی اخیر مقررہ

مبلغہ امداد امداد فردوس مکاں۔

کے ساتھ دو سو پینس تھے۔ وہ آخر اپریل سنہ ۱۸۶۵ء حال میں مر گئے
 اپریل کا روپیہ رئیس مال سے میں نے پایا۔ مصروف کتاب کا روپیہ
 نہ آیا۔ یاد دلاؤں گا۔ مگر اس مرحوم کا دودھ سرشتہ دفتر سے نہ تھا
 جواز روپی دفتر اس کی تصدیق ہو۔ بہر حال فکر میں ہوں ۱۱

یہ رقم قاطع برہان کی تاریخ طبعاً ۲۰ رمضان سنہ ۱۲۷۸ھ/۲۲ مارچ
 ۱۸۶۲ء سے قبل عطا ہونی چاہیے۔ لیکن کسی مثل میں حوالہ نہ ملنے کی بنا پر
 اس کی صحت کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اسی لیے
 میں نے عطیات کے حساب میں اسے شامل نہیں کیا ہے۔

ہر قصیدے پر انعام

میرزا صاحب نے نواب غلام اشیاں کو لکھا ہے کہ میں نواب فردوس
 مکاں کی خدمت میں مدحیہ قصیدہ بھیجا، تو وہ ۲۵۰ روپے کی ہنڈی بھیجا
 کرتے تھے، جس کی دفتر سے تصدیق کی جاسکتی ہے؟
 میرزا صاحب نے فردوس مکاں کی مدح میں ۴ قصیدے لکھے تھے،
 پہلے کا مطلع ہے:

ہانا اگر گوہر جان فرستم بہ نواب یوسف علی خاں فرستم
 یہ ۱۱ فردوسی سنہ ۱۸۵۷ء کو بھیجا گیا تھا۔ دوسرے کا مطلع ہے:

چون نیست مرا شربت آبی ز تو حاصل دائم کہ تو دریائی و من سبزہ ساحل
 یہ غالباً اکت سنہ ۱۸۵۸ء میں لکھا گیا تھا۔ تیسرے کا مطلع ہے:
 تعلیم غسل صحبت نواب کم لکیر زان عید کان مضاف بود جانب فیر
 یہ ۲۷ نومبر سنہ ۱۸۶۴ء کو روانہ کیا گیا تھا۔ چوتھے کا مطلع ہے:

مرحبا سال منرخ آئین عید شوال و ماہ فردوس دین

۱- اردو می: ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴

یہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء اور ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء کے درمیان
کہا گیا تھا۔

عطیات کی فہرست دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۵۷ھ اور سنہ
۶۵۱ھ میں ڈھائی ڈھائی سو روپے کی رتیں پانچ بار عطا ہوئی تھیں۔ ان
میں سے ۲۳ مارچ ۶۵۷ھ کی رقم پہلے قصیدے کا اور سنہ ۵۸ھ کی
دونوں رقموں میں سے کوئی ایک، دوسرے کا صلہ ہو سکتی ہے، مگر
فردوس مکاں نے اول الذکر کو بتقریب تبرید نوشی اور مؤخر الذکر
کو امدادی عطیہ ظاہر کیا ہے۔

تیسرا اور چوتھا قصیدہ علی الترتیب نمبر اور دسمبر سنہ ۶۴۳ھ میں بھیجے
گئے تھے، مگر اس سال کے اندر کسی رقم کا عطا ہونا ثابت نہیں۔ اس
صورت میں میرزا صاحب کا دعویٰ ہنوز محتاج ثبوت ہے۔

اصلاح غالب

فروری سنہ ۶۵ء سے اپریل سنہ ۶۵ء تک میرزا صاحب "مصدر خدمت" بھی تھے، اور "شریکہ دولت" بھی۔ اپریل سنہ ۶۶ء میں نواب فردوس مکاں کا انتقال ہوا، تو صرف "شریکہ دولت" باقی رہ گئی، جس کا سلسلہ میرزا صاحب کے انتقال تک جاری رہا۔

یہ خدمت نواب فردوس مکاں کے کلام پر اصلاح تھی۔ میرزا صاحب کی دستگیری میں نواب فردوس مکاں سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہوا وہ ان سے دوستانہ ملتے، اور شاگردانہ وظیفہ مرحمت فرماتے تھے۔ میرزا صاحب نے بھی ان تعلقات کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا، اور تا بمقتدر تذبذبی سے سرکار کی خدمت بجالاتے رہے۔

مرد

یہ سرکار عالم ضیعفی میں میرزا صاحب کی دستگیری کر رہی تھی، اس لیے ان کا اصلاح سخن میں سعی و جانفشی کرنا ہرگز تعجب انگیز نہیں۔ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ انھوں نے دوسرے اہل سخن کے کلام پر اصلاح سے بھی کبھی دریغ نہ کی۔ اور یہ مشغلہ اُس وقت بھی ترک نہ ہو سکا، جب کہ انھیں کا فور و کفن کی پڑی ہوئی تھی۔

۳۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۰ء کو سید احمد حسن قنوجی کو لکھا ہے :

متماری نثر کی مرز پسند، تماری خواہش مقبول، دیکھ، سید احمد من صاحب کی خدمت گزاری منظور۔

منصف نے غالب، نکلا کر دیا۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کلام کے

۶۵ برس کی عمر ہوئی۔ اضطرابِ قوا، ضعفِ دماغ، فکرِ مرگ، غمِ عشقی

جو آپ مجھ کو دیکھ گئے ہیں، میں اب وہ نہیں ہوں۔ نظم و نثر کا کام صرف ۵۰ برس کی مشق کے زور سے چلتا ہے، ورنہ جو ہر فنکار کی رخشندگی کہاں: بوڑھا بھلائی بیچ بتاتا ہے، فہر نہیں دہا سکتا برہماں، حکیم صاحب کو میرا سلام کیجیے اور کہیے کہ آپ بے تکلف اپنا کلام بھیج دیا کریں۔ یہاں سے بعد تک واسطیہ خدمت میں پہنچ جاتا کرے گا۔^۱

حکیم احمد حسن مودودی کو ۲۴ جولائی سنہ ۱۸۶۵ء کو لکھا ہے: ”اب میں اپنی زبان سے یہ کہوں کہ کہوں کہ اچھا ہوں۔ مگر بیار اور عارض میں گرفتار نہیں ہوں۔ بوڑھا، اپا بیچ، بدحواس، ناقوان، فلک زدہ آدمی ہوں۔ عدد کرتا ہوں کہ جب آپ کا خط آئے گا، اس کا جواب لکھوں گا۔ جب غزل آئے گی، اس کو دیکھ کر پھر پیچوں گا۔“^۲ شنبہ ۲ جون سنہ ۱۸۶۶ء کو پھر انھیں کو لکھتے ہیں:

”آپ پر اور میرا برہم علی خاں پر میری جان نثار ہے۔ ماضی ماضی اب ایک ایک غزل آپ غنوں صاحب بھیج دیا کیجیے۔ اسی طرح میں فردا فردا بعد اصلاح بھیج دیا کروں گا۔ مگر میرے قبلہ و کعبہ واسطیہ خدا کے، شجرہ منظرہ ارسال نہ فرمائیے گا۔ اس کی اصلاح میری حیدر وسیع سے باہر ہے۔“

انھیں کو شنبہ یکم ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء کو ایک خط لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں: ”میں علی کا غلام اور اولاد علی کا خاندان، لیکن بوڑھا، ناقوان اور مصلوب الحواس اور پلے سرو سامان۔ خدمت بجالاتے میں مدد کروں گا لوگہ کار۔ درنگ و توقف کا مضائقہ نہیں۔“

پھر ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء کو لکھتے ہیں:

”حضرت، یہ آپ کے جدِ امجد کا غلام نور گیا۔ کثرتِ احکام، تواترِ درود، استغفار، پھر یہ ہتھار کہ سو روپیے کے نوٹ کی رسید، سو بار مانگتے ہو۔ غزلیں آپ کی پرستی ہیں۔ کہاں تک دیکھوں۔ آپ کی غزلوں کے ساتھ اور غزلیں بھی گم ہو جاتی ہیں۔

بہتر برس کا آدمی، پھر رنجور دائمی۔ خدا ایک فلم موقوف، آج پھر میں ایک بار آپ کو مفت پتی لیتا ہوں۔ نہ روٹی، نہ بوٹی۔ نہ پٹاؤ نہ خٹکا، آٹکھ کی بناٹی میں فرق، ایتھ کی گرائی میں فرق، رعشہ منگولی، جانظہ معدوم۔ جہاں جو کاغذ رہا، وہ وہ ہیں رہا۔۔۔ دعا یہ کہ آپ اور دونوں سید صاحب اس کا التزام کریں کہ ایک غزل اپنے خط میں بھیجیں۔ جب وہ غزل اور اس خط کا جواب پہنچ جائے، تب دوسری غزل خط میں عفو ت ہو کر بھیجی جائے۔ اور خط ہر صاحب کا جدا ہو گا۔“

پھر ۱ جولائی سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھا ہے:

”یہ جو آپ نے اپنی اور نواب صاحب کی غزلوں کی اصلاح کے واسطے لکھا ہے، مجھے اس حکم کی تعمیل بدل منظور ہے۔ جہاں جینے تک میں زندہ ہوں، اس جینے تک خدمت بجا لاؤں گا۔“

نواب میرا برائیم علی خاں بہادر وفا کو ۲۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء کو لکھتے ہیں:

”بیب ضعیف پیری کے خدمت گزار ہی میں درنگ واقع ہو جائے، تو معاف رہوں۔ قاصر کبھی نہ ہونگا، انتہا اللہ العظیم۔

دو غزلوں میں سے ایک غزل بعد اصلاح پہنچی ہے دوسری غزل ہفتہ آئندہ میں پہنچ جائے گی۔

منفعتِ احسان اور دوامِ مرض سے علاوہ، اختلالِ حواس کا کیا

حال نکھوں؟ دعوتیں دن ہوتے کہ قبلہ و کعبہ میر عالم علی خاں کا خط آیا،
 وہ لکھتے ہیں کہ آرزوہ تخلص کی دد غزلیں اعلیٰ پینچیں۔ دیکھیے اس
 سہو کو کہ کس کی غزلیں کس کو پینچیں۔ مگر اس میں ہے کہ اب یہ بھی یاد نہیں
 آتا کہ آرزوہ کا نام کیا ہے اور وہ کون ہے اور کہاں کا ہے۔ شاید اس
 بندہ خدا کو حضرت کی غزلیں بھی ہوئی گی۔ خدا کرے، وہ بزرگ دار میر خاں کی
 غزلیں میر صاحب کی طرح میرے پاس بھیج دے، تو میر صاحب کی خدمت
 میں بھیج دوں۔ اگر ایسا نہ ہوا، تو کون غزلیں کو جواب آتی ہیں،
 دیکھوں گا۔“

یہ اکثر برس کی عمر کی خوبی ہے۔ آپ میر صاحب قبلہ کو خط پڑھوا دیے گا
 میر صاحب ہی کو ۹ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ کو لکھتے ہیں:
 ”قبلہ، آپ کے بھائی، میر عالم علی خاں صاحب مجھ پر کیوں غنا ہیں کہ اپنی
 غزل نہیں بھیجتے؟ یہ امر ان کے خاطر نشان ہو جائے کہ غالب آپ کے
 دادا کا غلام اور خدمت بجالانے کو آمادہ ہے۔“
 ذکا کو لکھتے ہیں:

”مجموعہ کلام سابق اگر بھیج دو گے، میں بکمال لیبو خاطر اس کو دیکھ کر
 بھیج دوں گا۔ استہازت کیا ضرور۔“

تواضع

وہ عام شاگردوں سے بھی تواضع و انکسار کے ساتھ پیش آتے تھے۔
 شاکر کو لکھتے ہیں:

”آپ اپنی طرف سے اس کو اصطلاح سمجھتے ہیں، اور میں اس کو اپنی جانب
 سے استفادہ جانتا ہوں۔“

انہیں کو پھر لکھا ہے:

آپ کا دایمہ اصلاح کلام کے رجوع کو نامیری طرف موجب میری نادرش کا ہے۔^۱

سہ بارہ تحریر فرماتے ہیں:

”اشارہ بعد مک و اصلاح کے پہنچے ہیں۔ یہ رتبہ میری اور شش کے فوق ہے کہ میں آپ کے کلام میں دغل و تعریف کروں۔“^۲ سرور کو لکھا ہے:

”جناب شیخ صاحب کیوں مجھ کو محبوب کرتے ہیں۔ اس باب میں اس سے زیادہ عرض نہیں کر سکتا کہ افادہ مشترک ہے۔ قصیدہ و مثنوی بھیج دیجے۔ طبع اُٹھاؤں گا، اور جو کچھ میرے خیال میں آئے گا، بے تکلف عرض کروں گا۔ میرا سلام کہیے، اور مثنوی اور قصیدہ اُن سے لے کر بھیج دیجیے۔“^۳

قدربلگرامی کی استدعائی اصلاح کے جواب میں لکھا ہے:

”خواہش آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو؟ جب مزاج میں آئے، آپ نظم و نثر بھیج دیں۔ میں دیکھ کر بھیج دوں گا۔ اور اگر اشش منتظر یعنی مک و اصلاح میں کوشش دریغ نہ ہوگی۔“^۴ نفقہ کو لکھتے ہیں:

”سند صاحب! یہ تم جانتے ہو کہ زمین العابدین عاں مرحوم میرا سوزند تھا، اور اب اس کے دونوں بچے، کہ وہ میرے پوتے ہیں، میرے پاس آ رہے ہیں، اور دم بدم مجھ کو ستاتے ہیں اور میں غل کرتا ہوں بس تمہارے نتائج طبع میرے مثنوی پوتے ہوئے۔ جب ان عالم صورت کے پوتوں سے، کہ مجھے کھانا نہیں کھانے دیتے، مجھ کو دوپہر کو سونے نہیں دیتے، تنگ تنگ پانو میرے پلنگ پر رکھتے ہیں،

۱۔ مجموعہ ۱۵۵، (۲) ایضاً: ۱۵۶، اردو ۲۱۳ (۳) اردو ۱: ۹۷۔ لاہور ایڈیشن۔

(۴) خطوط: ۱۷۷۱

کہیں پانی ٹھکانے ہیں، کہیں خاک اڑاتے ہیں۔ میں نہیں تنگ آتا، تو اُن منہوی پوتوں سے کہ اُن میں یہ باتیں نہیں ہیں، کیوں گہراؤں کا! آپ اُن کو جلد میرے پاس بیسں ڈاک بھیج دیجے کہ میں اُن کو دیکھوں وہ کہتا ہوں کہ پھر اُن کو تمہارے پاس بہیں ڈاک بھیج دوں گا ۱۹

ڈاک کو تحریر کرتے ہیں:

اپنے آپ کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو اصلاح دوں
 ہمدردانی کیوں کیوں، قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ و استادانہ
 جو خیال میں آئے گا، کہا جائے ۲۰

شاگرد کی غلطی پر تنبیہ میں لطف اور تہذیب کا بھی بہت لحاظ رکھتے
 تھے۔ نواب انور الدولہ بہادر شفق۔ ایک غلطی ہوتی۔ اُس کی طرف
 ان لفظوں سے متوجہ کیا ہے:

"ہاں، ایک جگہ آپ تحریر میں سہو کر گئے ہیں۔ اسی مطربِ جادویش
 بازمِ رہ ہوشمِ زن، دویم آڑے ہیں۔ ایک میمِ محض بیکار ہے۔ دیگر
 کی جگہ آپ بازمِ لکھ گئے ہیں اسی مطربِ جادویش، دیگر ہوشمِ زن ۲۱
 نواب فردوس مکاں کے ایک شعر میں "بے دیتے" کی جگہ "بی دیتے"
 بنا کر لکھتے ہیں،

میں اپنی طرف سے اس لفظ کی شفا دیش کرتا ہوں۔ مگر آپ کی

اطاعت منظور ہے، ایک بار عرض کر کے پھر نہ کہوں گا ۲۲

شاگرد کے اس مطلع کے متعلق فرماتے ہیں:

"کوئی آتا نہیں آگے ترے ہمتا ہو کر آئندہ جب نظر آتا ہے تو اندر سے کہ
 یہ مطلع دل نشیں ہے، مگر اتنا تامل ہے کہ آئینے کو اندھا کہا جائیے

یا نہیں ۲۳

ڈاک کو لکھا ہے:

”مقطع میری پسند نہیں۔ میرے سر کی قسم، اس کو نہ رکھو، اور مقطع لکھ لو گے۔“

شرائط اصلاح

- مگر میرزا صاحب یہ ضرور چاہتے تھے کہ اُن سے اصلاح لینے والا
- (۱) نظم و نشر کو چھدرا چھدرا لکھے،
 - (۲) سطروں اور مصرعوں کے درمیان فاصلہ زیادہ چھوٹے،
 - (۳) اتنے باریک کاغذ پر نہ لکھے کہ دوسری طرف سیاہی کے دبے نظر آئیں،

- (۴) تحریر کو پھینچ نہ بناتے، اور
 - (۵) کتابت صاف اور روشن ہو، پھیلی سیاہی سے ہرگز نہ لکھے۔
- ان شرائط کو موقع بہ موقع شاگردوں کو بتایا ہے۔ تفتہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”دوسرا بار، جس کو تم نے تکلف خط بنا کر بھیجا ہے، پنپا نہ اصلاح کو بلکہ، نہ تحریر سطور کا بیچ و تاب سمجھ میں آتا ہے۔ تم نے الگ الگ دو ورقے پر کیوں نہ لکھا؟ اور چھدرا چھدرا کیوں نہ لکھا؟ ایک آدھ دو ورقہ زیادہ ہو جاتا، تو ہو جاتا“ ۲۷

قدر بلگرامی کو تحریر کیا ہے:

”حضرت، میں نے چاہا کہ حکم بجالاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں مگر کیا کروں؟ آپ خبر کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے؟ اگر مثل آپ خود نظر ثانی میں کوئی نقطہ بد لاچاہیں، تو ہرگز جگہ نہ پائیں۔ جس کاغذ پر اصلاح منظور ہوتی ہے، تو بین السطور نہ زیادہ چھوڑتے ہیں“ ۲۸

انہیں کو دوسرے موقع پر ہدایت کی ہے :
 حضرت، آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سراسر
 سیاہ۔ دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے، تو میری تحریر ایک طرف، تم
 خود اپنی عبارت کو درست نہ پڑھ سکو گے۔“

جنون بریلوی کے خط میں تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں :
 ”دو عنایت لئے آپ کے اوقات مختلف میں پہنچے۔ پہلے خط کے
 حاشیے اور پشت پر اشارے لکھے ہوئے ہیں۔ سیاہی اس طرح کی پھیل گئی
 کہ صرف اچھی طرح پڑھنے نہیں جاسکتے۔ اگرچہ بیانی میری اجازت
 سے اور میں عزیز کا محتاج نہیں، لیکن بایں ہمہ اس کے پڑھنے میں
 بہت تکلف کرنا پڑتا ہے۔ علاوہ اس کے جڈ اصلاح کی بانی نہیں.....

واسطے اصلاح کے جو غزل بھیجے، اس میں بین الافرادہ بین
 المعین فاصلہ زیادہ چھوڑ دیا۔ اب کے خط میں جو کاغذ اشارہ کیا
 ہے، حروف اس کے روشن ہیں، مگر بین السطور منقود اور اصلاح
 کی جگہ معدوم۔“

فقہ نے ایک گنجان اور بیچ ونا بستہ بھری ہوئی اصلاحی تحریر بھیجی
 تھی۔ میرزا صاحب نے اسے اوراق طلسمی، خطا سب دیا، اور انہیں لکھا :
 ”سوالات ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کا جواب لکھو آیا۔ اب اشعار کو
 دیکھتا ہوں۔ خدا کرے، مجھ سے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور
 تم بھی جب ان اوراق طلسمی کو دیکھو، تو کوئی اصلاح کا اشارہ
 تم سے باقی نہ رہ جائے۔“

میرزا صاحب ان اوراق طلسمی سے بہت گھبراتے تھے۔ فقہ کے محولہ
 بالا خط میں عارف لکھ دیا ہے کہ ”اب پھر اس طرح کبھی نہ لکھنا۔ میں

بہت گھبراتا ہوں، بعض شاگردوں کو ایسی تحریریں واپس بھی کر دی ہیں
چنانچہ قدر بلگرامی کے محولہ بالا خط میں فرماتے ہیں:

”جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل کروں، تب تک اصلاح
کا طور بنے، میرا کام اصلاح جانتا ہوں، نہ کتابت“

جنون بریلوی کے محولہ بالا خط کے آخر میں لکھا ہے:

”اُس نے آپ کی خدمت میں واپس سمیٹا ہوں، تاکہ آپ یہ نہ
جانیں کہ میرا خط پھاڑ کر پھینک دیا ہو گا۔ اور مہذا میرا لادیشہ آپ کو
بہی ہو جائے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں اصلاح کہاں دی جائے“

لیکن بعض اوقات آرام مروت خود نہ رحمت نقل برداشت کر پلٹتے تھے
جنون بریلوی کی دو تحریریں میں سے ایک کو واپس کر کے دوسری کو
خود نقل کیا ہے، اور جواب میں اُنہیں لکھتے ہیں:

”آپ کی خاطر سے رنج کتابت اٹھاتا ہوں، اور ان دونوں غزلوں

کو اس ورق پر بعد اصلاح لکھنا جاتا ہوں۔ مسودہ تو آپ کے پاس

ہو گا۔ اُس سے مقابلہ کر کر معلوم کر لیجیے گا کہ کس شعر پر اصلاح ہوئی

اور کیا اصلاح ہوئی، اور کونسی بیت موقوف ہوئی“

قدر بلگرامی کی باریک کاغذ والی تحریر کے متعلق لکھا ہے کہ ”تا چار جدا
کاغذ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں“

نواب فردوس مکاں خود بہت احتیاط کرتے تھے۔ اُن کی جس
قدر غزلیں یہاں سے جاتیں، نہایت صاف، روشن اور خوشخط قلم کی لکھی
ہوتیں، اور اُن کی اصلاح میں میرزا صاحب کو کوئی وقت پیدا نہیں
ہوتی، اسی سبب مکاتیب رام پور میں اس قسم کی کوئی شکایت نظر نہیں آتی

طریق اصلاح بعض خطوط میں میرزا صاحب نے اپنے طریق اصلاح کی بھی صراحت کی ہے۔ جیسا کہ رام پوری کو تحریر فرماتے ہیں:

”قبلہ میں شعر پر صاف ہے، وہ بہت خوب ہے، اور جس کو کاٹا دیا ہے، وہ میوہ خوب ہے، اور جس پر صاف نہیں، وہ بے عیب اور ہموار اور جس کے سینے میں جھے تال ہے، اس پر نظر، علامہ اس کی نظر۔ باقی بابا جمنا شاہ اصلاح اور حقیقت الفاظ لکھ دی ہے۔“
شاکر کو مختصر لکھتے ہیں:

”میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے، اس کو بدستور رہنے دیتا ہوں، اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں، اس کی وجہ خاطر نشان کر دیتا ہوں، تاکہ آئندہ صاحب کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصلح رہے۔“
جنون بریلوی کو تحریر کیا ہے:

”غیر کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر کلام میں اخلاط و اسقام دیکھتا ہوں، تو رفع کر دیتا ہوں اگر قسم سے خالی پاتا ہوں، تو تصرف نہیں کرتا۔“
قدربلگرامی کو اطلاع دیتے ہیں:

”صاحب، تم نے ثنوی خوب لکھی ہے۔ کہیں الما میں، کہیں انشا میں، جو اخلاط تھے، دور کیے اور ہر اصلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی۔“

ان اصولوں کی ترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) میوہ شعر کو قلمزد کر دینا،

(۲) جس شعر کے معنی میں تال ہو، اس کو نظری قرار دینا،

(۳) بے عیب اور ہموار شعر کو بدستور رہنے دینا،

(۴) اچھے شعر پر صاد کر دینا، اور

(۵) قابلِ تغیر لفظ کو بدل کر منشاءِ اصلاح اور حقیقتِ الفاظ بتا دینا۔

اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ میرزا صاحب کا اندازِ اصلاح کتنا دل پسند اور شاگرد کے حق میں کس درجہ مفید تھا۔ وہ شعر میں ایسا دخل و تصرف بہت کم کرتے تھے، جس سے شاعر کے بنیادی خیال میں تغیر ہو جائے۔ اسی لیے ایسے شعروں کو یا تو یکسر قلمزد کر دیتے، یا نظری قرار دے کر چھوڑ دیتے، تاکہ شاعر خود اس میں مناسب ترمیم کرے! اسی طرح کسی شعریا غزل میں اصلاح کی حاجت نہ ہوتی، تو اسے جوں کا توں واپس کر دیتے تھے۔ قدر بلگرامی کی ایک نظم کے متعلق لکھا ہے:

”حضرت کشفی کے دیوان کے انبار کی تاریخ اچھی ہے، کہیں اصلاح

کی حاجت نہیں“^{۲۷}

جنون بریلوی کی غزلوں کو واپس کر کے تحریر کیا ہے:

”قم کھا کر کتا ہوں، ان غزلوں میں کہیں اصلاح کی جگہ نہیں“^{۲۸}

ذکا کو لکھتے ہیں:

”یہ شعر ہوا ہے، نہ صاد کے قابل، نہ اصلاح کا محتاج“^{۲۹} اور ۵ یہ دو

شعر، واہ کیا کہنا ہے“^{۳۰}

اچھے شعروں پر صاد بنانے سے شاگرد کی خاصی ہمت افزائی ہو جاتی ہے میرزا صاحب نے بعض اشعار پر ایک، بعض پر دو اور بعض پر تین صاد بھی کیے ہیں، تاکہ شعروں کے حسن اور استاد کی پسندیدگی کے محتاج، درجے

۱۔ قیاب اور شاگرد کے متعدد شعر قلم دو اور نظری قرار دیئے ہیں۔

۲۔ خطوط ۱، ۱۸۹، (۳) اردو می ۱۵۹۱ (۴) ادبی خطوط ۱۵۹۱

نچوئی ظاہر ہو سکیں۔ وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے تھے، اچھے شعریا غزل کی جی کھولی گرداد بھی دیتے۔ ایک صاحب کو لکھتے ہیں :
ہائے کیا غزل لکھی ہے ! قبل آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے ! کیا پاکیزہ زبان ہے ! اور کیا طرز بیان ! کیا میں سخن نا شناس اور نا اخص ہوں ، کہ ایسے کلام کی حک و اصلاح پر جرات کروں !
سیاح کو تحریر کیا ہے :

”فیتر کا شیوہ خوشامد نہیں اور فن شعریں اگر اس شیوے کی رعایت کی جاوے ، تو شاگرد ناقص رہ جاتا ہے۔ یاد کرو ، کبھی کوئی غزل تمہاری اس طرح کی نہیں ہوئی کہ جس میں اصلاح نہ ہوتی ہو خصوصاً روزمرہ اردو میں۔ دونوں غزلیں لفظاً اور معنائے عیب ہیں۔ کہیں اصلاح کی حاجت نہیں ، آفرین ، ہزار آفرین !“ ۲

تو اب فردوس مکاں اور ہفتیاب کے مسودوں میں بھی اس قسم کے جملے ملتے ہیں۔

منشاء اصلاح کے سلسلے میں میرزا صاحب اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ صرف اُسٹھیں اصلاحوں کے منشا کو ظاہر کیا جائے ، جنہیں شاگرد از خود نہ سمجھ سکے ، ورنہ الفاظ یا فقروں کے بدل دینے پر اکتفا کی جائے۔ اسی لیے وہ اس کے متوقع رہتے۔ تھے کہ شاگرد اُن کی اصلاحوں کو غور سے دیکھ لے گا۔
نقشہ کو لکھا ہے :

”بھائی ، ہمارے ادراقی اصلاحی غور سے دیکھا کرو۔ ہماری محنت تو ضائع نہ جائے“ ۳

اس کا اُسٹھوں نے اِترام کیا ہے کہ منشاء اصلاح کو عاشیوں پر درج کریں۔ مگر بدلے ہوئے لفظ اکثر میں اس طور میں اور کبھی کبھی حاشیہ پر بھی لکھی ہیں

اصلاح کے باب میں تکرار سے بھی ناخوش نہ ہوتے تھے، الّا یہ کہ شاگرد کی طرف سے ہٹ دھرمی کا اظہار ہو۔ تفتہ کو لکھا ہے۔

”یاد رہے، یہ ذکات سوائے تمہارے اور گو میں نہیں چاہتا ہوں۔

میری بات کو غور کر کے سمجھ لیا کرو۔ میں پوچھنے سے اور تکرار سے ناخوش نہیں ہوتا، بلکہ خوش ہوتا ہوں، مگر ایں، ایسی تکرار، جیسی بیش اور بیشتر کے باب میں کی تھی، ناگوار گزرتی ہے کہ وہ صریح تہمت تھی مجھ پر جو میں آپ لکھوں گا، تم کو اُس کے لکھنے کو کیوں منع

کروں گا؟“

شاگردوں کو اساتذہ کی اُن ذہنیوں میں طبع آزمائی کرنے سے باز نہ رکھتے تھے جو حق کلام کی اتہما کو پہنچ چکی ہیں چنانچہ ۲۵ ستمبر ۱۸۶۶ء کو حکیم احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں:

”غزل کا کلام واپس بھیجتا ہوں۔ نہ اُس کو بھاڑ سکوں، نہ پائی میں

دھو سکوں، شہیدی کی غزل ان قافیوں میں بہ تغیر ردیف ایسی ہے کہ

اب ان قافیوں کا باندھنا ہرگز نہ چاہیے۔ آپ اور غزل لکھیے اس

کو ہرگز دیوان میں نہ رکھیے“

اس کو بھی مناسب نہ سمجھتے تھے کہ بالا التزام اصلاح لینے والا شاگرد

اصلاح سے پہلے کلام کو منظر عام پر لے آئے۔ ذکا کو نصیحت کی ہے:

”اگر آپ نے اس روش کا یعنی استعلااح کا التزام کیا ہے، تو

جب نلس کاغذ اشعار میرے پاس سے نہ جایا کرے، ماکتب فیہ

شہرت نہ پایا کرے“

میرزا صاحب کی اصلاحوں کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ ایک دو

لفظ یا فقرے سے زیادہ تغیر و تبدل بہت کم کرتے اور شاگرد کو خود

اپنی طبیعت پر زور دینے کی صلاح دیتے تھے۔ تفتہ کو لکھتے ہیں،
 ”پر جو تم نے التزام کیا ہے ترمیح کی صنعت کا اور دولت شریکھے کا،
 اُس میں ضرورت نشست معانی بھی ملحوظ رکھا کرو، اور جو کچھ کو، اُس کو
 دوبارہ سر بارہ دیکھا کرو“

اسی کا نتیجہ ہے اُن کے شاگردوں کے کلام میں استاد کے رنگ کی جھلک
 کم اور اپنی امتنا و طبع اور ذوق شعری کا اثر زیادہ ہے۔ تیر، شیقہ، مجروح
 بیتاب اور ناظم کے کلام کا مقابلہ کرنے سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے
 ناظم کے کلام پر اصلاح

خوش قسمتی سے نواب ناظم کی غزلوں کے چند اصلاحی مسودے دستیاب
 ہو گئے ہیں۔ بظاہر یہ مسودے ترتیب دیوان کے وقت نظر ثانی کے ہیں، اور
 اس بنا پر ان میں کہیں کہیں معمولی تغیر و تبدل نظر آتا ہے، تاہم اُن سے بھی
 اندازہ ہو سکتا ہے کہ میرزا صاحب نے ناظم کی غزلوں کی اصلاح میں کتنی
 توجہ صرف کی تھی۔ وہ اصلاحیں یہ ہیں:

لو، صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں ^{معاذ حق نہیں} ہم اس کو نہ سمجھیں اگر غلط
 اُس رخ کا جلوہ تجھ کو مضرب دل و نگار ^{معاذ حق نہیں} سب چاندنی سے کرتے ہیں گلاب کی آفتاب
 بے دریغ لے اڑا کبوتر خط ^{یوں پہنچتا ہے اور پرا و پر خط}

اگر ”بن دینے رکھنا منظور نہیں، تو بے دینے“ دہنے دیتے۔ لیکن میرے
 نزدیک ”بن دینے“ فیصیح ہے۔ چنانچہ میرا شعر ہے:

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اے جذباتِ دل ^{اُس پر بن جائے کچھ ایسی کہ بن آتے نہ بنے}
 اس سے قلع نظر، یہ جو مثل حضور زبانِ تدویر ہے کہ ”بن آتے کوئی
 نہیں مرنے“ اس کو کوئی کیا کرے گا۔ غرض کہ میں اپنی طرف سے اس لفظ
 کی سفارش کرتا ہوں۔ مگر آپ کی اطاعت منظور ہے۔ ایک بار عرض

کر کے پھر نہ کوں گار غالب
 پڑھ تولیں گے وہ نامہ میرا بھی آتے رہتے ہیں اُس کے اکثر خط
 یوں تو ہو جاتے ہر ایک عیش و عشرت کا شریک
 دوست کہتے ہیں اُسے جو ہو مصیبت کا شریک
 جہاں "ہر ایک" اچھی طرح نہ آتے، وہاں "ہر ایک" دیکھئے "ہر ایک" کیوں
 لکھے؟ غالب

مبدع فیاض سے دونوں ہیں، ناظم، بہر، یاب
 میں بھی اہوں استاد کے حسن طبیعت کا شریک
 بلکہ شریک غالب

بیری میں بھی بے و لولہ شوق نہیں ہم
 رکھتے ہیں ابھی ایک دل ہنگامہ گزریں ہم
 یہاں "ایک" کی جگہ "مک" بے یای تھنائی درست ہے۔ مگر "ہر" کے ساتھ
 "ہر ایک" ہو، نہ "ہر اک" غالب
 سیاح جہاں گرد ہیں، آنکے یہاں بھی
 کچھ تیرے پجاری تو نہیں، اے بیت چیں ہم
 "یہاں" بروزن وہاں فیض نہیں۔ بے ضرورت نہ چاہیے۔ "یہاں"۔
 یای محفل التلظظ افصح ہے۔ غالب

جو اپنے ہی سے اپنا پردہ کریں سو بند قبا کس طرح وا کریں
 وفا شعار تی ناظم یقین نہیں، نہ سہی یہ کون شخص ہے، اس کا بھی کچھ خیال نہ
 بجان اللہ! کیا امیرانہ مضمون ہے۔ غالب
 قاصدوں کے کہیں انعام میں بجا ہے نہ ملک
 جلد جلد اب مرے ناموں کے جواب آتے ہیں
 یہ مضمون سوائے آپ کے کون باندھ سکتا ہے؟ غالب

غلطی غیر کی گفتار کی دیکھی، ناظم؛ وہاں میں جاتا ہوں تو کتاب ہے نواب آتے ہیں

ہائے، کیا نیا مضمون ہے! غالب (۱)

رونے کی یہ شدت ہے کہ گہرا گئیں آنکھیں

اشکوں کی یہ کثرت ہے کہ تنگ آگئیں آنکھیں

ہے یہی گریہ خونیں، تو کسی دن، ناظم

یوں ہی رہ جائیں گی آپس میں چھپک کر ہلکیں

”چپکنا“ اور ہے، یہاں ”چپکنا“ منظور ہے، غالب

یہاں پڑخواہش کہ ہم کو جنت ہو

وہ سہرا چاہتے ہیں دوزخ بھی

زبس کہ آپ کو ناکردہ کار سمجھے ہو

ہومے ہو ایک بت و فیرب پر عاشق

فنون عشق کا آموزگار سمجھے ہو

صلاح و مشورہ رکھتے ہو مجھ سے اور

انہیں خلوت شبہای تار سمجھے ہو

شریک دولت ناز و نیاز رکھتے ہو

کہ مجھ سے نزدہ کو غمگار سمجھے ہو

اگرچہ خوش ہوں، پر آتا ہے غم بھی تیر

ہائے، کیا قطعہ ہے! غالب

طاقت کا گماں بھی ہے دل غمزدہ پر کچھ

ناے کے مجھے طور بہت یاد ہیں، لیکن

اے کو دورِ غم دیندار کھینچتے

تم آتو جاؤ صومے میں ایک دن کہ ہرگز

لگاؤٹ غیر سے دیکھ اس کی جگہ خاک ہو جاتے

سمجھتے گرنے ہم دل میں کہ وہ بے مہر کس کا ہے

ہورات تو جیتے رہیں امید سحر پر یہ روزِ سہ ہے، شبِ دیکھو نہیں ہے

خستہ پیکانِ غم ہر ایک جوان و پیر ہے

اور پھر دیکھو، تو ترکش ہی میں پنہاں تیر ہے

ملا کر منہ سے منہ بوسہ و قن کا دیکھتے ہیں

پیاسے پاس کیا آنا کنویں کا امیر مشکل ہے!

اگر پیار سے "کے لفظ میں یا ہی تنہائی کا اعلان نہ منظور ہو، تو آغاز مصرع
 میں کان لگہ دیجیے۔ غالبؔ
 دیکھے دل، مل گئی دلبر کی طبیعت مجھ سے سیکھنے آتا ہے آئین محبت مجھ سے
 سجان اللہ! اس غزل میں مشوق کے عاشق ہونے کا بیان کیا خوب ہے،
 اگرچہ مشوق کے معشوق کو مخاطب نہیں کیا، مگر معشوق کو کس کس لطف
 سے سمجھا یا ہے! غالبؔ
 تنگ ہوں جینے سے اب مرنا کہاں! سچ ہے نہ سچ چہ کہتی پرتیا مات ہی
 مانا ہے مجھ کو قیس بیاباں نور دے گر چھٹی دیتی ہے یلی محل نشیں تجھے
 یہاں "پوچھا" بہتی پرستش ہے، "پوچھا" بہتی پرستش نہیں۔ غالبؔ
 لکھ کے دو بحروں میں، ناظم، یہ غزل نازش حسن طبیعت ہے مجھے
 وہ پھر یہ ایک تو یہ "فولادش فولادش فولادش"، دوسری یہ "فولادش
 فولادش فولادش" کیا اچھی صنعت ذو بحرین کی۔ اور پھر باوجود رعایت
 صنعت، اشعار کیا خوب! غالبؔ

اصلاح املا

میرزا صاحب کی اصلاح کا دائرہ انشا اور املا دونوں کی غلطیوں کو
 محیط مقدار قدر بلگرامی کے خط میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ:
 "تم نے ٹنڈی خوب لکھی ہے! کہیں املا میں، کہیں انشا میں جو اغلاط
 تھے، دور کیے، اور ہر اصلاح کی حقیقت اُس کے سخت میں لکھ دی"۔
 مگر املا کے معاملہ میں اُنہوں نے کچھ مخصوص نظریے قرار دے لیے تھے
 بنا بریں اس قسم کی اصلاحوں سے "املا ہی غالب" میں بحث کی جائے گی۔

(۱) یعنی مصرعہ (۳) طرح بنایا جائے کہ پیار سے پاس کیا آنکھوں کا امر شکل ہے، معرشی

(۲) یہ بھی سن بہتہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ (۳) غلطی ۱۲ ۱۸۸۶ء۔

انشائی غالب

میرزا صاحب کے عہد تک ہندوستان کا تعلیم یافتہ طبقہ فارسی زبان میں اظہار خیالات پسند کرتا، اور دیسی زبان کا پایہ اپنے مرتبے سے فروتر جانتا تھا۔ عرصہ دراز تک میرزا صاحب بھی اسی روش عام کے دلدادہ رہے۔ رفتہ رفتہ فارسی خط و کتابت کی جگہ اردو نے حاصل کرنی شروع کر دی، جو آخر عمر تک پہنچ کر اُن کے اظہار خیالات کا واحد ذریعہ ہو گئی۔

اردو انشا کا آغاز

اردو مراسلت کی ابتدا کے متعلق خود میرزا صاحب کا کوئی تصریحی بیان موجود نہیں ہے، البتہ خواجہ حالی مرحوم فرماتے ہیں:

۱۔ پر دہیسر رسا ہمدانی نے ۱۲۹۹ھ میں ایک مجموعہ خطوط بنام "اور خطوط غالب" شائع کیا ہے۔ اس کا پہلا خانہ لفظوں سے شروع ہوا ہے۔ شاہ صاحب کو غالب ناتواں کا سلام پہنچا رہا ہے۔ پہلا خط ہے، جو میں بخیر اردو زبان میں لکھ رہا ہوں۔ زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا آج سے متروک ہے۔ خط پر یکم جنوری ۱۲۹۹ھ تاریخ مندرج ہے۔ اس سے رسا صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کتابت مذکور سے میرزا صاحب نے فارسی ترک کر کے اردو میں خط و کتابت شروع کی جہاں تک رسا صاحب کے دادا کرامت ہمدانی کے نام کے خطوط کا تعلق ہے، مالک رام صاحب نے رسالہ جامعہ (مارچ ۱۲۹۹ھ) میں اور قاضی محمد اودود صاحب نے رسالہ معاصرینہ (جنوری ۱۲۹۹ھ) میں اندرونی شہادتوں کی بنا پر ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ خط جعلی ہیں۔ لیکن کے تار و پود خود غالب کے دوسرے خطوں اور یادگار غالب سے مستعار لیے گئے ہیں۔ قاضی صاحب کے جواب میں ایک مضمون رسا ہمدانی صاحب نے رسالہ ندیم (اپریل ۱۲۹۹ھ) میں شائع کیا ہے۔ اس کے ساتھ میرزا صاحب کے چار خطوں کے عکس بھی شامل ہیں۔ پہلا خط قاضی عبد المجیب صاحب جنوں بریلوی کے نام، دوسرا نادر شاہ خاں شونجی راجپوری کے نام، اور تیسرا اور پوٹھا جناب کرامت ہمدانی کے نام ہیں۔ رسا صاحب کہتے ہیں کہ ان سب خطوں کی عبارت کی شان، جوہن کے لکھنے کا انداز اور کتابت کی ترکیب وہ ہی ہے، جو غالب مرحوم کے اس کے خط کی ہے، جو دیوان غالب مطبوعہ نظامی پرنٹری میں شائع ہو چکا ہے۔ اگر جلی ہیں تو سب جعلی ہیں، اور اصلی ہیں، تو سب اصلی ہیں، پہا اعتراض کرنے والے جو اعتراض چاہیں کریں۔ مگر خدا کے لیے نئی تحقیقات کی دھن میں عقل و بینائی سے کام لینے سے معذور نہ ہو جایا کریں۔

میں نے غالب کے قلم کے لکھے ہوئے تئوں سے زائد خط اور تقریباً اتنی ہی اصلاحیں دیکھی ہیں

”معلوم ہوتا ہے کہ میرزا سنہ ۱۸۵۰ء تک ہمیشہ فارسی میں خط کتابت کرتے تھے۔ مگر سنہ مذکور میں جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیے گئے اور ہمہ تن مہر نیروز کے لکھنے میں مصروف ہو گئے، اُس وقت ضرورت اُن کو اردو میں خط لکھنا بہت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثر میں اور اکثر فارسی خطوط، جن میں قوتِ مخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے، نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب اُن کی ہمت مہر نیروز کی ترتیب و انشا میں مصروف تھی، ضرور ہے کہ اُس وقت اُن کو فارسی زبان میں خط لکنا بہت کرنی اور وہ بھی اپنی طرزِ خاص میں شاق معلوم ہوتی ہوگی اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے غالباً سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد سے اردو میں خط لکھنے شروع کئے ہیں۔“

(بقیہ حاشیہ ۱۵۷) اُن سب کے پیشِ نظر یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علاوہ جنوں بریلوی و لے خط کے بقیہ تینوں خطوں کا غالب تھے قلم سے کوئی تعلق نہیں۔ چونکہ غالب کی اصلی تحریریں سامنے رکھ کر نقل کی کوشش کی گئی ہے، اس لیے کہیں کہیں معمولی سی مشابہت کا پیدا ہو جائیگا۔ نیز کچھ صورتِ حروف کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ محاذ ہے کہ ان خطوں میں جگہ جگہ جملوں کے اختتام پر ڈبلش استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ یہ غالب کی عادتِ باطل نہیں تھی۔ یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ نادر شاہ خاں شوخی راہپوری کے نام کا خط بلی ماروں کے محلہ سے ۲۰ جون ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا ہے۔ اس میں میرزا صاحب نے لکھا ہے کہ اصلاحی غزل دیر میں پہنچے تو فہرہ کا بیت ذکر تاکہ میں حوادثِ زمانہ اور عوارضِ جسمی سے نیم جان ہوں اور تو بھی درست نہیں کہ میرزا صاحب اس تاریخ سے قبل بلی ماروں میں آپٹے تھے۔ کیونکہ میرزا صاحب کا شاہ نصیر الدین عرف کالے صاحب کے مکان سے منتقل ہو کر بلی ماروں کے محلے میں آنا ۹ ستمبر ۱۸۵۰ء کے بعد کا اور ۲ مارچ ۱۸۵۱ء سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ثانیاً تو شوخی نے اپنی شاگردی کا مقصد واقعہ مولانا ابوالکلام آزاد کے روبرو بیان کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میرزا صاحب کے قیام راہپور کے موقع پر شاگرد ہوئے ہیں۔ میرزا صاحب صرف دو بار رام پور آئے۔ پہلا سفر جولائی ۱۸۴۸ء اور دوسرا اکتوبر ۱۸۴۹ء میں اختیار کیا گیا تھا۔ ایسی حالت میں زیادہ سے زیادہ سنہ ۱۸۴۸ء کو ساں شاگردی کہا جاسکتا ہے۔ ان دو حصے میں ان خطوں کو شہادت میں پیش کرنے کے قابل نہیں سمجھتا۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ میرزا صاحب اس سے پہلے بھی اردو زبان میں خط لکھتے رہے تھے چنانچہ اُن کا مکتوب بنام بواہر سنگھ جوہر جس میں تسلی ارسال کرنے کا تقاضہ ہے، یکم دسمبر ۱۸۴۸ء کے کچھ بعد کا اور دوسرا خط بنام میرزا تقی، جس میں اُن کے دیوان کی تقریظ کی ترمیم کا ذکر ہے، ۳ اگست ۱۸۴۹ء سے پہلے کا نوشتہ ہے (۱)

اردو پر انحصار

”ہنج آہنگ“ کے خاتمہ میں فارسی مراسلت بالکل ترک کر کے صرف اردو ہی خط کتابت کرنے کی تاریخ خود میرزا صاحب نے بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

”یزداں ماند“ مدعیانِ دانش را توفیق دانستن دہد تا دانند کہ غنمہ غالب سید نامہ مسلک و شوار گزار پارسی آئینہ تباہی را بکدام دلاویز رقار پیمودہ است۔ دریں شصت و ہشت سالہ زندگی کہ ہمز و در بازی و کل و در سخن طرازی گزشت و بسا گزین روشہا

یہ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، غالب: ۴۰۲، طبع ثانی و رسالہ مصنف علی گڑھ: ص (۷) نمبر ۱۸ ص ۳۲۔ ۴۷۔ تفتہ کے نام کے خط کو میں نے ۳ اگست سے پہلے کا اس لیے قرار دیا ہے کہ میرزا صاحب کی تقریظ ”ہنج آہنگ“ کی اشاعت میں باغایہ موجودہ چھپی ہے۔ اور ”ہنج آہنگ“ کے اس نسخے کے خاتمہ میں کاتب نے لکھا ہے کہ ”تاریخ سبز و ہم رمضان ۱۲۳۳ مطابق چارم اگست ۱۸۴۸ء در مطبع شاہی (سلطانی دہلی) بقلم شکستہ رقم احقر العباد شیخ احمد صوبہ تمام یافت (نسخہ ملوکہ ہارڈنگ لاہور دہلی) لہذا تقریظ کے اندر ترمیم اور اس کی اطلاع یہ دونوں امر ۳ اگست سے قبل ہی انجام پا چکے ہوں گے۔ اندازے کے لیے یہ عرض کرنا مفید ہوگا۔ کہ یہ نسخہ چھوٹے ناسپ کے ۳۹۲ صفحات پر مشتمل ہے، جن میں سے ۱۹۲ تا ۱۹۸ تقریظ نے لکھ رکھے ہیں۔ اس صورت میں بعد نہیں کہ کاتب نے آغاز جولائی میں اس حصہ کی کتابت کی ہو، اور ترمیم والا خط جون میں لکھا گیا ہو۔ یہاں پہا اشارہ بھی مناسب ہوگا کہ مذکورہ بالا نسخے میں تقریظ دیوان تفتہ کے بعد مر سید احمد خاں مرحوم کی آثار و منادید کی تقریظ چھپی ہے۔ اس کو بعد میں درج کرنے سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ بعد میں لکھی گئی تھی۔ آثار العنادید ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۷ء) میں پہلی بار چھپی تھی۔ ظاہر ہے کہ میرزا صاحب نے چھپنے سے پہلے ہی تقریظ لکھ دی ہوگی۔ اگر یہ درست ہے، تو پھر دیوان تفتہ کی تاریخ تصنیف بھی کم از کم ۱۲۵۵ھ کے کسی مہینے میں واقع ہونا چاہیے۔

دو شتر نظر فروش آمد، اردو سال در پند آن بودم کہ دیگر
در خامہ فرسائی انداز خود تمسائی فروش ہلم پنجاب سال نئی بی
برگ ما بنجار اورامہ سہوایان پارس یہ نواداشتہ ام
اکون آن روش فروش گزاشتہ ام پس مانی الفیصر را کہ
پادان نزدیک و دور عرضہ بایداد، در زبان اردوی و آن ہم
مسرری و از تکلف بری رقم خواہم کرد، بقا زندگی
آسان گردد

یہ خاتمہ سنہ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) میں لکھا گیا تھا، جب کہ میرزا صاحب
کی عمر ۶۸ سال کی تھی۔ انھوں نے اس ۶۸ سالہ زندگی میں سے ۱۶
سال کھل کود میں گزار کر ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) سے ادبی زندگی کا آغاز
کیا تھا، اور تقریباً ۵۰ سال فارسی نظم و نثر لکھتے رہے تھے لیکن ۱۲۷۸ھ
(۱۸۶۳ء) سے دو سال قبل سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) میں یہ عزم کیا تھا کہ اب
فارسی آہستہ و نا آہستہ بتازی کو ترک کر کے سادہ اردو میں
اظہار مطالب کریں گے، کیونکہ فارسی کے لیے جس قرارِ خاطر و قوتِ
دماغ کی ضرورت تھی، غلبہ پیری کے سبب سے میرزا صاحب اس
سے محروم ہو چکے تھے۔ اردوی معلیٰ اور خود کے مختلف خطوط سے اس کی
تصدیق بھی ہوتی ہے کہ میرزا صاحب نے سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) سے قبل
ہی فارسی نگاری سے احتراز شروع کر دیا تھا۔ پنجشنبہ ۸ ستمبر سنہ ۱۲۷۹ھ
(مصر سنہ ۱۲۷۹ھ) کو جنون بریلوی کو لکھتے ہیں:

”فارسی کیا لکھوں، یہاں ترکی تمام ہے۔ اخوان و احباب یا مقتول
یا مفقود البحر ہزار آدمی کا ماتم دار ہوں۔ آپ غزوہ اور آپ غمگسار ہوں اس سے
قطع نظر کہ تباہ اور خراب ہوں، مرنا سر پر کھڑا ہے۔“

پابرکاسب ہوں ۱۱
رفعت بھوپالی کو ۴ ربیع الاول سالی "رستاخیز" (۱۲۷۸ھ ۱۸۶۱ء)
کو تحریر کرتے ہیں،

"از دیر باز بہ نظم و نثر نمی گرایم۔ نظم، خواہی پارسی و خواہی اردو،
خواہی ست فراموش۔ نامہ در پارسی نوشتن نیز آئین نمائندہ۔ ہرچہ
نوشتہ می شود یک دست در اردو دست۔ انیک... مولانا عباس
... از بھوپال فرمان فرستاد کہ غالب... نامہ در پارسی زبان
لویدر یارب، فرمان چون بجا آدم، و در نامہ چہ نویم، باری نہ
از توانائی بنان بلکہ از اثر ردائی آن فرمان جنبش خامہ لفظی چند کہ
بخواندن نیرزد، بر روی درق ریخت ۱۲

ان دونوں خطوں میں میرزا صاحب نے ترکی فارسی کا سبب غلبہ
ربح و غم اور ضعف پیری کو قرار دیا ہے۔ یہی سبب شاکر کے نام کے
مکتوب میں بھی ذکر کر چکے ہیں۔

خلاصہ بحث

الغرض میرزا صاحب ایک ایسے دشوار گزار مسلک فارسی نگاری
کے مجدد بنے جو اطمینان خاطر و توانائی دماغ و قلب کا مقتضی تقاضا
۱۸۵۰ء (۱۲۶۹ھ) تک یہ دونوں اسباب مستحکم تھے، اس لئے میرزا
صاحب زیادہ تر اسی زبان میں خامہ فرمائی کرتے رہے۔ منہ زکورا
میں بادشاہ ظفر نے تاریخ نگاری کی خدمت سپرد کی اور فراغ خاطر پیر
کئی ہو گئی، تو میرزا صاحب نے اردو نثر کو زیادہ نوازا۔ شروع کیا
۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء) میں ذوق کا انتقال ہوا، تو اصلاح کلام بھی میرزا
صاحب کے سپرد کی گئی، اور یہ فرصت سے محروم ہو گئے، جس

۱۸۵۰ء دھولا: ۱۱۷ (۲) انشائی نور چشم: ۵۱، دلیلیات نثر فارسی: ۲۵۵، لیکن

جہاں میں تدریس تفسیر و تبدل ہے۔

کے سبب سے مسلک فارسی کی گامزنی کے لیے اور کم وقت میں آنے لگا اور اردو کو مزید غلبہ حاصل کرنے کا موقع ملا۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد بچوں میں واکلام نے اطمینان خاطر کا قطعی خاتمہ کر دیا۔ نیز انوکار کی زیادتی اور معاشی پریشانی کے سبب رفتہ رفتہ امراض مستولی ہوتے چلے گئے۔ انب اردو نہایت سرعت کے ساتھ ان کی انشا پر چھاننے لگی، تا آنکہ سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۱ء) میں میرزا صاحب کو عزم کرنا پڑا کہ آئندہ فارسی نظم و نثر کچھ نہ لکھیں گے۔ لیکن اس عہد کی عملی تکمیل سنہ ۱۸۶۵ء سے پہلے نہ ہو سکی جس کے بعد کی فارسی تحریریں کالمعدوم ہیں۔

اردو کی فرمائش

میرزا صاحب اپنے عہد کے ممتاز فارسی ادیب تھے، اور اکثر اباب علم و فضل کی طرح اسی کو سرمایہ نازش و افتخار خیال کرتے تھے جب بعض معاصرین نے اپنی اردو شاعری کے بل بوتے پر ان کی ہمسری کا دعویٰ کیا، تو انہیں میدان سخن کے ان یکہ تاروں سے کھدینا پڑا:

فارسی میں، ناتین، نقشہ ای رنگ و رنگ
بگڑا تر جموعہ اردو کہ بیرنگ نیست
راست سیکویم من و اندامت میرزا کی کشید
ہرچہ در گفتار غیرت است آئی تنگ نیست

میرزا صاحب کا یہ خیال نظم اردو ہی تک محدود نہ تھا۔ وہ نثر اردو کو بھی اپنے پایہ کمال سے فرد تر جانتے تھے۔ مثنوی شیوہ زرائین کے توسط سے پتہری اسٹوارٹ ریڈ صاحب نے نثر اردو کی فرمائش کی، تو میرزا صاحب نے

اردو میرزا صاحب نے سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے قدر بگڑائی کو اپنی مفروضیت کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

”رہا جواب کا گفتار کاش، آپ یہاں ہوتے اور میرا حال دیکھتے! ہر روز صبح کو قلعہ جانا اور دوسرے کو آنا، بعد کھانا کھانے کے حضرت کے مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کے خط لکھنے کی خدمت چہت کم ہاتھ آتی ہے۔“ (۲) اردو میں علی، لاہور ایڈیشن، فیض سرخوش) یہ اردو خطوط کے جواب کے متعلق معذرت ہے۔ ایسی حالت میں فارسی نگاری کی مہلت ملنے کی امید رکھنا کس طرح ذہین صاحب ہو سکتا ہے؟ (۳) کلیات نظم فارسی: ۳۳۔

۱۱ دسمبر ۱۸۵۵ء کو منشی صاحب کو لکھا:۔

”مگر بھائی غور کرو، اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کر دوں گا،
اور اُس عبارت میں معافی نازک کیوں کر پھروں گا؟“

۱۸ دسمبر کو دوبارہ تحریر کیا:

”جناب سب ریڈ صاحب صاحبی کرتے ہیں میں اردو میں اچھا کمال کیا ظاہر
کر سکتا ہوں؟ اُس میں تجاوش عبارت آرائی کی کہاں ہے؟ بہت
ہو گا تو یہ ہو گا کہ میرا اردو بہ نسبت اردو کے اردو کے صحیح
ہو گا؟“

۲۵ جنوری سنہ ۵۹ء کو دوبارہ لکھا:

”میں، اردو کیا لکھوں؟ میرا یہ منصب ہے کہ مجھ پر اردو کی
فرمایش ہو۔“

نظم و نثر میں منتخ

اس کے باوجود میرزا صاحب یہ ضرور جانتے تھے کہ اُن کا کلام
نظم ہو یا نثر، حسن و خوبی کے اُس درجہ پر پہنچ چکا ہے جسے علمایِ بلاغت
”سہل و متمتع“ کہتے ہیں۔ چنانچہ پیچر کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:
”پیر و مرشد... سہل و متمتع اُس نظم و نثر کو کہتے ہیں کہ دیکھنے میں
آسان نظر آئے اور اُس کا جواب نہ ہو سکے۔ بالکل سہل و متمتع
کمالِ سخنِ کلام ہے، اور بلاغت کی نہایت ہے۔ متمتع درحقیقت
متمتع النظیر ہے۔ شیخ سہری کے بیشتر فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں
اور رشید و طوطا وغیرہ شعرا کی سلف اس شیوے کی رعایت منظور
رکھتے ہیں۔ خود ستائی ہوتی ہے سخن فہم اگر غور کرے گا، تو فقیر کی
نظم و نثر میں سہل و متمتع اکثر پائے گا۔“

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ میرزا صاحب کی نثر اُردو شیخ سعدی کی گلستاں کی طرح بظاہر اس قدر سہل معلوم ہوتی ہے کہ انسان سمجھتا ہے میں بھی ایسی نثر لکھ سکتا ہوں، مگر لکھنے بیٹھتا ہے، تو ایک جملہ بھی نہیں لکھ سکتا۔ اور یہی کلام کی خوبی کا آخری حد ہے، جس تک رسائی کے لیے زور و باغ سے زیادہ بخشش معنوی کی ضرورت ہے۔

برتری کا پہلا سبب، استعداد فارسی

میرزا صاحب کی اُردو نثر کی برتری و دلچسپی کے متعدد اسباب ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ اُردو زبان کی نثر اُن کی پختہ عمر کا کارنامہ ہے، جب وہ فردوسی و نظامی سے حزمین و قفا آتی تک تقریباً ہزار سالہ فارسی نظم و نثر مطالعہ کر کے اس زبان کی سادگی و پرکاری سے آگاہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے کامیاب کوشش کی کہ اس دیسی زبان میں بھی وہی جدت، شیرینی، سادگی اور لطافت پیدا کریں جو سعدی نے جیسے اسانہ ایران کی نثر کا طرہ امتیاز ہے۔ اگر وہ فارسی کے ابتدائی ادیب نہ ہوتے یا اپنے کلام اُردو میں فارسی جیسی جدت و شیرینی اور تناسب پیدا کرنے کی کوشش نہ کرتے، تو ناممکن تھا کہ اُن کا کلام زبان اُردو میں پائدار حیثیت حاصل کر سکتا۔

دوسرا سبب خطوط سے تفریع

دوسرا سبب یہ ہے کہ اُردو مکاتیب اُن کے تفریحی مشغلوں کا جز بن گئی تھی۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اپنا اور مکتوب الیہ کا دل بہلانے کی خاطر لکھا کرتے تھے۔ قدرت نے بذلہ سنج طبیعت عطا کی تھی، اس لیے خطوط سے خود لطف اُٹھانے اور دوسروں کے لئے سامان انبساط مہیا کرنے میں اُنہیں خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی۔ غرض سنہ ۱۷۷۵ء کے بعد تمام مشاغل میں سے صرف اسی ایک مشغلے پر انحصار کرنا پڑا۔ یہ دور اہل ہند

کے لئے عموماً اور اہل دہلی کے لیے خصوصاً سخت ابتلا و مصائب کا دور تھا، جس نے اعزاء و احباب کی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار کر بقیہ اصحاب کو شہر بدر کر دیا تھا، اور میرزا صاحب ہندوستان کے براعظم میں اپنے آپ کو نیک و تنہا محسوس کرنے لگے تھے۔ اس عذابِ فراق کی کو فرحت و انساط کے ساتھ گزارنے کی یہی ایک ترکیب باقی تھی کہ جو دو چار دوست آشنا رہ گئے تھے، اُن سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا جائے، تاکہ اپنا دکھ اُنہیں سُننے اور اُن کا درد خود سُننے سے کچھ غم غلط ہو جائے۔ چنانچہ مجروح، تفتہ بے خبر اور چند دوسرے اصحاب سے میرزا صاحب کی کثرتِ مراسلت کا باعث یہ بھی تھا۔ اُن میں سے جس کا خط آتا اُس کو جواب، اور جس کا نہ آتا اُس کو شکوہ و عتاب لکھتے رہتے۔ اُس زمانے میں ایک بار تفتہ نے کوتاہِ قلمی سے کام لیا، اور ایک باہ تک کوئی خط نہ بھیجا، تو میرزا صاحب نے ۱۹ جون سنہ ۱۸۵۷ء کو پیر حسرت انداز میں لکھا:

”کیوں صاحب، مجھ سے کیوں خفا ہو! آج مینہ بھر ہو گیا ہو گا۔ یا بعد دو چار دن کے ہو جائے گا، کہ آپ کا خط نہیں آیا۔ انصاف کرو! کتنا کثیر الاحباب آدمی تھا، کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میرے پاس دو چار دوست نہ ہوتے ہوں۔ اب یاروں میں ایک شیو جی رام برہمن اور بالکل اُس کا بیٹا، یہ دو شخص ہیں کہ گاہ گاہ آتے ہیں۔ اس سے گزر کر لکھنؤ اور کاپی اور فرخ آباد کس کس ضلع سے خطوط آتے رہتے تھے۔ اُن دوستوں کا حال ہی نہیں معلوم کہ کہاں ہیں اور کس طرح ہیں۔ وہ آند خطوط کی موقوف ہر ماہ تم تین صاحبوں کے خط کے آنے کی توقع۔ اُس میں وہ دونوں صاحب گاہ گاہ، ہاں، ایک تم کہ ہر مہینہ میں ایک دو بار میرا بانی کرتے ہو

سنو، صاحب، اپنے پر لازم کر لو ہر مینے میں ایک خط مجھ کو لکھنا اگر
کام آ پڑا دو تین خط، ورنہ صرف تاخیر و عافیت لکھی اور ہر مینے میں
ایک بار بھیج دی ۱۱

اُس کے بعد پھر تفتہ سے تاخیر ہوئی، تو میرزا صاحب نے ۱۳ نومبر ۱۸۵۷ء
کو مزاحاً تحریر کیا:

”کیوں، صاحب، کیا یہ آئین جاری ہوا ہے کہ سکندر آباد کے رہنے
والے دلی کے خاکہ نشینوں کو خط نہ لکھیں؟ بھلا اگر یہ حکم ہوا ہوتا،
تو یہاں بھی تو اشتہار ہو جاتا کہ زہار، کوئی خط سکندر آباد کو یہاں کی ڈاک
میں نہ جاوے ۲۴

لیکن تفتہ نے اُس کے بعد بھی تساہل سے کام لیا، تو میرزا صاحب نے
۲۷ دسمبر ۱۸۵۷ء کو بجا حجت سے لکھا:

”کیوں، صاحب، روٹے ہی رہو گے یا کبھی منو گے بھی؟ اور اگر کسی
طرح نہیں منتے، تو دو ٹوٹنے کی وجہ تو لکھو۔ میں اس تنہائی میں
مرگت خطوط کے بھر دے جیتا ہوں۔ یعنی، جس کا خط آیا، میں نے
جانتا کہ وہ شخص تشریف لایا۔ خدا کا احسان ہے کہ کوئی دن ایسا
نہیں ہوتا، جو اطراف و جوانب سے دو چار خط نہیں آ رہتے ہوں۔
بلکہ ایسا دن بھی ہوتا ہے۔ کہ دو دو بار ڈاک کا ہر کارہ خط لاتا
ہے: ایک دو صبح کو اور ایک دو شام کو۔ میری دل لگی ہو جاتی ہے۔
دن اُن کے پڑھنے اور جواب لکھنے میں گزر جاتا ہے۔ یہ کیا سبب ہے اس
دس بارہ بارہ دن سے تمہارا خط نہیں آیا، یعنی تم نہیں آتے۔ خط
لکھو۔ صاحب نہ لکھنے کی وجہ لکھو۔ آدھ آنے میں بخل نہ کرو لیا
ہی ہے، تو پیرنگ بھیجو ۲۵

لفظ بنا کر دل بہلاتے

اُس زمانے میں میرزا صاحب غم غلط کرنے کے اس قدر درپختے کہ جب خط کتابت کے بعد بھی وقت پہنچ رہتا، تو آئندہ مراسلت کے لیے لفافے بنانے لگتے منشی بنی بخش کو ۲۳ ستمبر ۱۸۵۸ء کے خط میں لکھتے ہیں۔
 "اللہ! اللہ! یہ دن بھی یاد رہیں گے۔ خط سے خط لکھے گئے ہیں، مجھ کو اکثر اوقات لفافے بنانے میں گزارتے ہیں، اگر خط نہ لکھوں گا تو لفافے بناؤں گا۔"

منشی شیونرائی نے کچھ لفافے بھیجے اور بذریعہ تحریر ارسال کی اطلاع دی، تو اُس کے جواب میں میرزا صاحب نے لکھا:
 "لفافوں کی خیمہ بنی، آپ نے کیوں تکلف کی؟ لفافے بنانا دل کا بدلانا ہے۔ بیکار آدمی کیا کرے۔ بہر حال جب لفافے پہنچ جائیں گے، ہم آپ کا شکریہ بجالائیں گے۔ ہرچہ از دوست میرزا بیکو ست۔"

تیسرا سبب خط نہیں جاتیں

تیسرا سبب یہ ہے کہ میرزا صاحب نے تحریر کو تقریر کا پیرایہ دیکھا تھا۔ وہ جب کسی دوست کو خط لکھتے، مخاطب میں وہی انداز اختیار کر سکتے جو اُس مکتوب الیہ سے ملاقات کے زیبا ہوتا۔ اور چونکہ ہر شخص لکھگو میں سادگی، برحسبگی اور ظرافت پسند کرتا ہے۔ اور یہ سب خوبیاں اُن کی تقریر میں موجود تھیں، اس لیے اُن کی تحریر میں بھی وہی دل چاہی نظر آتی تھی، جو تقریر کا طرہ امتیاز تھی۔ دراصل میرزا صاحب اس قسم کی مراسلت کرنے پر مجبور بھی تھے، اُنھیں دور افتادہ دوستوں کو اپنی پریشانیاں، سنانی تھیں۔ اگر یہ پریشانیاں قدیم انداز تحریر کے لباس میں جلوہ گر ہوئیں، تو مکتوب الیہ بہت جلد اکتا جاتے، اور میرزا صاحب کو مراسلت کا زیادہ

موقع نہ ملتا۔ لہذا انہوں نے اپنے تمام خطوط کو مکالمہ بنا کر اُس میں شعبی ظرافت کی تحم ریزی کی، جس کے سبب سے اجاب و اعزاء اُن کے خطوں کے انتظار میں رہا کرتے۔

چونکہ میرزا صاحب نے یہ طریقہ جان بوجھ کر اختیار کیا تھا، اس لیے جب انہیں اس کی کامیابی کا یقین آگیا، تو اس کی ایجاد کو فخرِ اپنی ذات کی طرف منسوب بھی کرنے لگے تھے۔ مہتر کے نام کے ایک خط میں فرماتے ہیں: ”مرزا صاحب، میں نے وہ اندازِ تحریر ایجاد کیا ہے، کہ مرا سے کو مکالمہ بنا دیا ہے، ہزار کو س سے بزبانِ قلم باتیں کیا کرو، ہجریں دصال کے مزے لیا کرو۔“
تفتہ کو لکھا ہے:

”بھائی، مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کو ہے، مکالمہ ہے،“ ۲
منشی نبی بخش کو تحریر کیا ہے:

”بھائی، مجھ کو اس مصیبت میں کیا ہنسی آتی ہے، کہ یہ ہم تم اور مرزا تفتہ میں مراسلت گویا مکالمہ ہو گئی ہے۔ روز باتیں کوستے ہیں۔ غیبت ہے کہ محصول آدم آئے ہے، در نہ باتیں کرنے کا مرزا معلوم ہوتا ہے۔“

حکیم غلام نجف خاں کے خط کے آخر میں لکھا ہے:

”اُس وقت جی تم سے باتیں کرنے کو چاہا۔ جو کچھ دل میں تھا وہ تم سے کہا۔“ ۴

شفیق کی خدمت میں بھی اسی طرح عرض کیا ہے:

”میردمشدد، یہ خط لکھنا نہیں ہے۔ باتیں کرنی ہیں۔“ ۵

انہیں کو ایک خط کے آخر میں لکھتے ہیں:

”آب میں حضرت سے باتیں کر چکا، خط کو سرنامہ کر کے کہا، کو
دیتا ہوں“
بچہ کو لکھا ہے:

”اس افسردگی میں جی چاہا کہ حضرت سے باتیں کروں۔ با آنکہ خط
جواب طلب نہ تھا، جواب لکھنے لگا۔“

میرزا صاحب اجاب سے بھی اسی طرح کی مراسلت کے امیدوار رہتے
تھے۔ کوئی شاگرد اُن کے پیش میں مراسلت کو مکالمے کا رنگ دیتا، تو
تعریف کیا کرتے۔ ایک بار فقہ کا پیرائے بیان پسند آیا، تو اظہار
خوشنودی کے لئے انھیں لکھا:

”چیتے رہو اور خوش رہو!... زیادہ خوشی کا سبب یہ کہ تم نے
تحریر کو تقریر کا پردہ دیدیا تھا۔“

مراسلت کا مہر شاہی طرز

میرزا صاحب کے وقت تک اردو فارسی دونوں زبانوں کی خط
کتابت کا انداز یہ تھا کہ شروع میں بھاری بھر کم القاب و آداب
لکھے جاتے، زان بعد متعلقین کی خیریت کی اطلاع اور استفسار ہوتا اور
اُس کے بعد استعاروں، تشبیہوں اور کتابوں کے پردے میں دو
چار مطالب لکھ کر عربی یا فارسی دعائیہ جملے پر ختم کر دیا جاتا۔ میرزا صاحب
ابتداء سے اس روش کو ناپسند کرنے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ
مکتوب الیہ کے مناسب حال دو چار لفظ کا القاب لکھ کر سید سے
سامنے جملوں میں اظہار مطالب کر دیا جائے۔ پہنچ آہنگ کے دیباچے
میں اس روش سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بیگانگی میں روش از شیوہ غالب مستمند نہ چندانست کہ بگفتن

نیاز داشته باشد۔ زواشناس دانند کہ ہنجامن در نگارش این است

کچون کلک و ورق بکف گرم، مکتوب الیہ را بلفظی کہ فراخور حالت
اوست، در سر آغاز صفحہ آواز دہم، و زمزمہ سخن مدعا گردم۔ القاب
و آداب و خیریت گوئی و عافیت جوئی عشو زائد است، و بچکان
حشور ادفع ہند!!

میرزا صاحب نے مراسلت کی اُس روش کا نام، جس میں بڑے
بڑے القاب و آداب اور عشو و زوائد سے پُر خیریت گوئی و عافیت
جوئی کے جملے ہوتے، محمد شاہی روش، رکھا تھا، اور اس سے اس قدر سبیل
سختے کہ مجروح کے نام کے خط میں اس کی ہنسی اڑاتی ہے۔ فرماتے ہیں،

”ہاں صاحب، تم کیا چاہتے ہو؟ مجتہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے
کر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں؟ تم میرے ہم عمر نہیں، جو سلام لکھوں میں
فقر نہیں، جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ جل گیا ہے۔ لفاظہ کو گریدا کر دو،
مسودے کو بار بار دیکھا کر دو، پاؤ گے کیا؟ یعنی تم کو وہ محمد شاہی
روشیں پسند ہیں۔ یہاں خیریت ہے۔ وہاں کی عافیت مطلوب ہے
خط تمہارا بہت دن کے بعد پہنچا۔ جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح
کے بھیجا جاتا ہے۔ برخودار میر میر فرار حسین کو دینا، اور دعا کہنا
اور ہاں حکیم میرا شرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔

لازمہ سعادتمندی یہ ہے۔ کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو،
یوں ہیج کیوں، اگلوں کے خطوط کی تحریر کی یہی طرز تھی؟
ہاتے، کیا اچھا شیوہ ہے! جب تک یوں نہ لکھو، وہ
خط ہی نہیں ہے۔ چاہ بے آب ہے، ابر بے باراں ہے،
نخل بے میوہ ہے، خانہ بے چراغ ہے، چراغ بے نور
ہے۔ ہم جانتے ہیں، تم زندہ ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہم زندہ
ہیں۔ امر ضروری کو لکھ لیا۔ زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا

اور اگر تمہاری خوشنودی اُسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے تو بھائی
ساڑھے تین سڑاپے دیسی بھی میں نے لکھ دیے۔ کیا نماز قضا نہیں
پڑھتے اور وہ مقبول نہ ہوگی؟ ۱۴۱

شفیق کے خط میں القاب و آداب سے آغاز کرنے کی جگہ انتہائی
پاکیزہ انداز سے اُس متعارفہ طرز کی سبکی اور عدم احتیاج کا اظہار
کیا ہے فرماتے ہیں:

”کیونکر کہوں کہ میں دیوانہ نہیں ہوں، ہاں، اتنے ہوش باقی ہیں
کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ وہ کیا ہوشمندی ہے! کہ قبلہ اور اسباب
ہوش کو خطا سمجھتا ہوں، نہ القاب، نہ آداب، نہ بندگی نہ تسلیم
سُن غالب، ہم نچھ سے کہتے ہیں، بہت صاحب زمین۔ اسی پادشاہ
خود بہت ناس۔ مانا کہ تو نے کئی برس کے بعد نو بیت کی
غزل لکھی ہے اور آپ بیکلام پر وعدہ کر رہا ہے۔ مگر یہ تحریر کی
کیا روش ہے؟ پہلے القاب لکھ، پھر بندگی عرض کر، پھر ہاتھ
جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ، پھر عنایت نامے کے آنے کا شکر ادا کر ۱۴۲
میرزا صاحب کی روش

میرزا صاحب کے عہد میں جو روش پسند کی جاتی تھی، اُس کے
سمجھ لینے کے بعد ضروری ہے کہ خود میرزا صاحب کا انداز مراست
دریافت کیا جاوے۔

پنج آہنگ کے دیباچے میں اُنہوں نے تفصیل سے بتایا ہے
کہ کاتب کو کن امور کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ فرماتے ہیں:

”نامہ نگار دا آن باید کہ
(۱) بنشمن را رنگ گفتن دہد

(۲) و مطلب را بدین روش گزارد کہ دریا فتن آن دشوار نہ بود،

۱) اگر مطلبی چند داشتہ باشد، در تقدیم و تاخیر صرف نگہی بکار برد،
 و ازان پرہیز کہ سخن گرہ در گرہ گردد و اجزائی مدعا بہم گروہ خورد
 (۲) زہار استعارہ بای دقیق، و لغات مشککہ بامانوس در عبارت
 درج نکند،

(۳) و در ہر نور در عایت رتبہ مکتوب الیہ در نظر دارد۔

(۴) بتاواند سخن را درازی نہ دہد

(۵) و از تکرار الفاظ محترز باشد،

(۶) و بیشتر مذاقی اہل روزگار حرف زندہ و از احاطہ قواعد و قوانینی کہ
 قرار دادہ این مردم است، بدر نرود،

(۷) اما اندازہ خوبی زبان نگاہ دارد، و این پارسی آمیختہ تہازی را در
 کش کش تعارفات ہندی زبانان پارسی نویس ضایع نگذارد، و
 لغات عربی جز بقدر بایست صرف نہ نماید، پیوستہ در ان کوشد کہ
 سادگی و لغزی شعار او گردد۔

(۸) و در اقسام مکاتیب، خاصہ در خطوط و عوائض کہ بحکام نویسد و مشق بہر

معاظت باشد، از اخلاق و اخواق احتراز واجب داند، و سخن

استعارہ و اشارہ نگارد، و نرم گوید، و سنجیدہ گوید، و آسان گوید،

در اصل ان تمام ہدایتوں کی روح یہ ہے کہ "بہشتن
 رنگ گفتن و ہد" اسی کو میرزا صاحب نے ایک
 خط میں اسن طرح تعبیر کیا ہے کہ "میں نے مراد
 کو مکالمہ بنا دیا ہے"

جب ہم کسی سے بات چیت کرتے ہیں، تو کوشش کرتے ہیں
 مخاطب کو سہولت کے ساتھ اپنا مطلب سمجھا دیں، چند باتیں کہنا ہوتی ہیں
 تو جو پہلے کہنے کی ہیں، پہلے اور جو بعد میں کہنی جاسکتی ہیں، بعد میں کہتے

پچیدہ اور گرہ درگرہ باتیں کرنے سے بچتے ہیں۔ مشکل اور نامانوس لفظوں اور ترکیبوں سے گریز کرتے ہیں۔ مخاطب کے رتبے کے لائق لفظ زبان سے نکالتے ہیں حتیٰ الامکان گفتگو کو لمبا نہیں کرتے۔ ایک بات یا ایک لفظ کو بار بار زبان سے نہیں نکالتے۔ وہی باتیں باہم کرتے ہیں، جو زمانے کی روش اور پسندیدگی کے مطابق ہوں۔ اپنے زمانے کے اصول زبان کا لحاظ رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ قواعد و ضوابط زبان کی پابندی کے ساتھ دوسرے محاسن کلام بھی گفتگو میں برتے جائیں۔ اہل زبان کی طرح بولنے اور دوسری زبان کے الفاظ کو بقدر ضرورت استعمال کرنے کی سعی کرتے ہیں، اور سب سے آخر میں اس کا لحاظ رکھتے ہیں کہ بات چیت میں سادگی اور حسن پیدا ہو جائے۔ اشاروں اور کنایوں سے کام نہیں لیتے، اور نرمی و سنجیدگی برتتے ہیں، بالخصوص جب کسی معاملہ پر برابر والے یا حاکم سے عرض کرنا ہو، تو ان آخری باتوں کا اور زیادہ خیال کرتے ہیں۔

میرزا صاحب چاہتے تھے کہ خطوں میں بھی ان اصول کو برتا جائے۔ خود انھوں نے اپنی انشائیں ان پر کس حد تک عمل کیا ہے، اس کی جانچ کے لئے ان کے مکاتیب کے اجزاء سے جدا جدا بحث کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

القاب و آداب

سب سے پہلے القاب و آداب کو لیجیے۔ میرزا صاحب کے یہاں یہ اجزاء اس قدر مختصر، مکتوب الیہ کے رتبے کے مطابق اور مستعارہ ماروفا سے جدا ہیں کہ انھوں نے ان کے ترک کر دینے کا دعویٰ کر دیا ہے فرماتے ہیں:

”پیر و مرشد، یہ خط لکھنا نہیں ہے، باتیں کرنی ہیں۔ اور یہی سبب

ہے کہ میں انقاب و آداب نہیں لکھتا۔
 دراصل انھوں نے انقاب و آداب کا پرانا اور فرسودہ طریقہ ترک
 کیا تھا۔ یہ نہ تھا کہ مکتوب الیہ کے مرتبہ کا لحاظ کے بغیر ہر خط کو بغیر انقاب
 و آداب کے شروع کر دیتے ہوں۔ انھوں نے بزرگ یا بلند مرتبہ اصحاب
 کو جس قدر خط لکھے ہیں، اُن سب میں الفاظ اور پرواز کے تنوع کے
 ساتھ یہ دونوں چیز موجود ہیں۔ مثلاً نواب فردوس مکاں اور نثار آشتیاں
 کی خدمت میں جس قدر موصیایاں ارسال کی ہیں، اُن سب میں سحر و دو
 ایک کے ”حضرت و بی نعمت آیہ رحمت سلامت۔ بعد از تسلیم معروض
 ہے“ ہوتا ہے۔ اور بشکل چار پانچ عرضیوں میں لفظ حضرت ساقط
 ہوا ہے۔ ہاں، بے تکلف اجاب یا شاگردوں کے نام کے مکاتیب
 میں کبھی تو سرے سے انقاب ہوتا ہی نہیں، اور ہوتا ہے، تو
 میاں، برخوردار، بھائی صاحب، سید صاحب، مرزا، میری جان
 کیوں صاحب، منشی صاحب، بندہ پرور، یا اور کوئی مختصر اور بے
 تکلف لفظ یا فقرہ کبھی مراعات چھوٹوں کو بھی ”قبلہ و کبرہ“ مولانا یا
 پیر و مرشد، لکھ دیا ہے۔ بعض خطوط ایسے بھی ہیں، جن میں پورا انقاب
 تحریر کیا ہے، مگر اُس میں بھی سادگی و بے تکلفی مفقود نہیں ہوتی
 ہے۔ مثلاً میر سر فراز حسین کو لکھتے ہیں:

”تو چشم، راحت جان، میر سر فراز حسین جیتے رہو اور خوش رہو“
 یا انھیں کو لکھا ہے:-

”میری جان کے چین، میر سر فراز حسین“
 تفتہ کو تحریر کیا ہے

”میرے مہربان، میری جان، مرزا تفتہ سخندان“
 یا ”نورِ نظر، محبت جگر مرزا تفتہ“

صلاتی کو لکھتے ہیں۔

”سعادت و اقبال نشان، مرزا علاؤ الدین خاں بہادر کو فقیر غالب

کی دعا پہنچے۔“

یہی حال آداب و تسلیمات کا ہے۔ نواب میر غلام بابا خان بہادر کو لکھا ہے،

”سلام سنون الاسلام و دعای دوام دولت و اقبال کے بعد

عرض کیا جاتا ہے۔“

بعض اصحاب کو لکھ دیا ہے: ”... فقیر غالب کا سلام“ یا ”سلام، علیکم“ یا ”بعد دعا کے معنوم ہو، یا صرف ”آداب“ یا زیادہ مزاحیہ انداز میں ”اگر نغمانہ ہوں تو دعا اور اگر آرزوہ ہوں تو بندگی“ وغیرہ۔

خیریت گوئی و عافیت جوئی

خیریت گوئی سے میرزا صاحب سخت متنفذ تھے۔ وہ اس حقے کو شش شمار کرتے تھے، اس لیے کسی ایک میں بھی ”یہاں خیریت ہے اور آپ کی خیریت نیک مطلوب“ نہیں پایا جاتا۔ ہاں مطالب کے ساتھ ساتھ اپنی خیریت کا ذکر اور مکتوب الیہ کی عافیت کا استفسار کر لیتے، اور اس روش کو ”کار پختہ گان“ شمار کرتے تھے۔

اظهار مطالب

میرزا صاحب کا ادائی مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے۔ جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال و جواب کرتے ہیں۔ مثلاً اُن کو یہ لکھنا تھا کہ محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گزرا میں نے پوچھا کہ لوہار کی سواریاں روانہ ہو گئیں؟ اُس نے کہا ابھی نہیں ہوئیں میں نے پوچھا کی آج جائیں گی؟ اُس نے کہا آج ضرور جائیں گی۔ تیسری

اس عنوان کے ماتحت جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ یادگار غالب (ص ۱۷۶ - ۱۹۰) کا بلذفا خلاصہ ہے۔

’ہو رہی ہے۔ اس مطلب کو آنکھوں نے اس طرح ادا کیا ہے:
 محمد علی بیگ ادھر سے نکلا۔ بھٹی محمد علی بیگ، لوہار دہ کی سواریاں
 روانہ ہو گئیں؟ حضرت ابھی نہیں کیا آج نہ جاتیں گی؟ ضرور جاتیں
 گی۔ تیاری ہو رہی ہے۔“

میر حمدی مجروح کو خط لکھا ہے۔ اُس میں لکھنا یہ ہے کہ میرن صاحب آئے
 اور اُن سے یہ یہ باتیں ہوئیں۔ مگر وہ اس طرح نہیں لکھتے، بلکہ اُس کو
 اس طرح شروع کرتے ہیں۔

”اے میرن صاحب، السلام علیکم! حضرت آداب، کو، صاحب، آج
 ابازت ہے۔ میر حمدی کے خط کا جواب لکھنے کی؟ حضور، میں کیا منع
 کرتا ہوں؟ مگر میں اپنے ہر خط میں آپ کی طرف سے دعا لکھ دیتا ہوں،
 پھر آپ کیوں تکلیف کریں؟ نہیں، میرن صاحب، اُس کے خط
 کو آئے ہوئے بہشت دن ہوئے ہیں۔ وہ خفا ہوا ہو گا۔ جواب
 لکھنا ضرور ہے، حضرت، وہ آپ کے فرزند ہیں۔ آپ سے خفا
 کیوں ہوں گے؟ بھائی آخر کوئی وجہ تو بتلاؤ کہ تم مجھے خط
 لکھنے سے کیوں باز رکھتے ہو؟ سبحان اللہ! اسے لو، حضرت
 آپ تو خط نہیں لکھتے، اور مجھے فرماتے ہیں کہ تو باز رکھتا ہے
 اچھا تم باز نہیں رکھتے، مگر یہ کہو کہ تم کیوں نہیں چاہتے کہ میں
 میر حمدی کو خط لکھوں؟ کیا عرض کروں! سچ تو یہ ہے کہ جب
 آپ کا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا، تو میں سنتا اور خط اٹھاتا
 اب جو میں دہاں نہیں ہوں، تو نہیں چاہتا کہ آپ کا خط جلائے
 میں اب پنشن کو روانہ ہوتا ہوں۔ میری رو، گلی کے تین دن بعد
 آپ شوق سے لکھیے گا۔ میاں بیٹھو۔ ہوش کی خبر لو۔ تمہارے
 ہانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ؟ میں بوڑھا آدمی تمہاری باتوں میں

آگیا، اور آج تک اسے خط نہیں لکھا۔ لَاقَوْلَ وَلَا تَوَدُّہٗ ۛ

اس کے بعد میر مہدی سے مخاطب ہو کر اصل مطلب لکھتے ہیں۔
بعض جگہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے غائب فرض کر لیتے ہیں،
یہاں تک کہ جو لوگ میرزا صاحب کے انداز بیان سے واقف نہیں وہ
اُس کو مکتوب الیہ کا غیر سمجھ لیتے ہیں۔ مثلاً میر مہدی کو لکھتے ہیں:

”میر مہدی! جیسے رہو! آفریں ہمہ ہزارا فریں! اردو لکھنے کا کیا اچھا
ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا ہے۔ سنو، دلی کے
تمام مال و متاع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی ہے
یہ طرز عبادت خاص میری دولت تھی۔ سو ایک ظالم ہالی بہت
انصار یوں کے جھکے رہنے والا لوٹ لے گیا۔ مگر میں نے اس کو
بھل گیا۔ اللہ برکت دے ۛ

مغربی طریقہ پر جو قصے لکھے جاتے ہیں، اُن میں اکثر اس قسم کے سوال و
جواب ہوتے ہیں، جیسے کہ میرزا صاحب کی تحریروں میں ہم اوپر دیکھا
چکے ہیں مگر وہاں ہر سوال و جواب کے سرے پر سائل اور مجیب کا نام
یا ان کے ناموں کی کوئی علامت لکھ دی جاتی ہے، ورنہ یہ نہیں معلوم
ہو سکتا کہ سوال کہاں ختم ہوا اور جواب کہاں سے شروع ہوا؟ میرزا صاحب
ایسے موقع پر سائل و مجیب کا نام نہیں لیتے، اور نہ اُن کے نام کی علامت
لکھتے ہیں۔ مگر سوال یا جواب کے ضمن میں ایک ایسا لفظ لے آتے ہیں، جس
سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سوال کیا ہے، اور جواب کیا۔

میرزا صاحب کی طرز تحریر کی خصوصیتیں اوپر مذکور ہوئیں یہ کوئی ایسی
چیز نہیں ہے کہ اور لوگ اس کی پیروی نہ کر سکیں۔ مگر وہ
چیز جس نے اُن کے مکاتبات کو ناول یا ڈرامے سے زیاں و بچھپ بنا دیا
ہے، وہ شوخی تحریر ہے، جو اقتساب یا مشقی و مہارت یا پیروی و تقلید

سے حاصل نہیں ہو سکتی۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط میں کوئی ایسی بات لکھی جائے کہ مکتوب الیمہ اس کو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو۔ پھر جس رتبے کا مکتوب لکھا ہوتا تھا، اس کی سمجھ اور مذاق کے موافق خط میں شوخیاں کرتے تھے۔ مثلاً اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے: "اس میں ان کی لڑکی کو جو بچپن میں میرزا صاحب کے سامنے آتی تھی، اور اب جوان ہو گئی ہے، بعد وصال کے لکھتے ہیں:

"کیوں بھئی، اب ہم اگر کوئی آئے ہیں تو تم کو کیونکر دیکھیں گے؟" کہا تھا ہے ملک میں بیٹیجھاں چلا سے پڑھ کر قہقہے؟

یا مثلاً نواب امیر الدین احمد خاں، بیس لوہارو، کو ان کے بچپن کے زمانے میں ان کے رشتے کا جواب، جس میں میرزا کو دادا صاحب لکھا تھا، اس طرح لکھتے ہیں:

"اے مردم چشم جہاں میں غالب، پہلے القاب کے معنی سمجھ لو۔ یعنی چشم جہاں میں غالب کی چلی، چشم جہاں میں، تمہارا باپ مرزا غلام الدین احمد خاں بہادر، اور چلی تم۔ میاں، تمہارے دادا نواب امین الدین خاں بہادر ہیں۔ میں صرف تمہارا دادا ہوں۔"

ایک دوست کو دسمبر سنہ ۵۸ء کی اخیر تاریخوں میں خط لکھا ہے، انہوں نے اس کا جواب جنوری سنہ ۵۹ء کی پہلی یا دوسری کو لکھ بھیجا۔ اس کے جواب میں ان کو اس طرح لکھتے ہیں:

"دیکھو صاحب، یہ باتیں ہم کو پسند نہیں۔ سنہ ۵۵ء کے خط کا جواب سنہ ۵۹ء میں بھیجے ہو۔ اور مزایہ کہ جب نام سے کہا جائے گا، تو یہ کہو گے کہ میں نے دوسرے ہمارے چاہے لکھا ہے،"

الغرض میرزا صاحب کے خطوط و رقعات میں ایسے خطوط بہت کم نکلیں گے، جن میں اس قسم کی ظرفیت اور نشی کی باتیں مندرج نہوں یہاں تک کہ رنج و افسردگی کا بیان بھی اس قسم کی چیخ سے خالی نہیں ہوتا۔
نشی نبی بخش کو لکھتے ہیں:

و بھائی صاحب! میں بھی تنہا رہا ہوں وہ ہو گیا۔ یہی مشکل کے دن
اور بیچ الاول بشام کے وقت میری بھیجی کہ میں نے بچپن سے آج تک
اس کو مان سمجھا تھا وہ وہ بھی مجھ کو بتا سکتی تھی، مگر
آپ کو معلوم رہے کہ ہر سوں میرے گویا نو آدمی کے ہیں بچپن
اور تین چار اور ایک باپ اور ایک دادا اور ایک دادا یعنی اس مرحلے کے
سے میں جانتا تھا کہ یہ نو آدمی زندہ ہیں اور اس کے مرے میں نے جانا
کہ یہ نو آدمی آئے ایکسا ہار گئے،

میرزا صاحب نے بعض اوقات خطوں میں... مستحق عبارت لکھے کا الیم
کہا ہے۔ عربی اور شکر ت زبان کے سوا اور زبانوں کی مستحق
نشدوں میں عموماً ہر گستاخ و تائبہ کہ دوسرے فقرے میں جو پہلے
فقرے کی رعایت سے خواہ مخواہ قافیہ تلاشی کرنا پڑتا ہے، تو
اس میں تصحیح اور آواز کا عجیب پیدا ہو جاتا ہے اور اس لئے پہلے فقرے
کے مقابلے میں دوسرا فقرہ بسبب لڑویم والا جڑ جاتا ہے۔ مگر میرزا
صاحب کی بیچ تئیں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے فقرے
میں تقریباً ویسی ہی بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ جیسی پہلے
فقرے میں۔ اور یہ بات اسی شخص سے بن رہی ہے
یہ، جو باوجود خوش سلیقگی اور لطیف طبیعت کے
شاعری میں غایت درجے کا کمال رکھتا ہو، اور وزن و
قافیہ کی جانچ اور تول میں ایک عمر بسر کر چکا ہو۔ مگر یہ معلوم رہے کہ

مقتفی عبارت میرزا صاحب بیشتر ان خطوں میں لکھتے تھے، جن سے ہنسی یا
ظرافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا۔
عرائض کی طرزِ ادا

اگرچہ میرزا صاحب کے عرائض کا انداز بیان ان خطوں کے
مقابلے میں، جو اردو کی اصلی اور عود ہندی میں شائع ہو چکے ہیں، بالکلیت
ہے، اور یہاں وہ رنگارنگی نہیں پائی جاتی، جو مذکورہ مجموعوں
کے خطوط کی جان ہے، تاہم یہ عرائض بھی اسی نادرہ کارِ قلم کی پیداوار
ہیں جو ادبِ اردو کے دامنِ کوتاہ کو سدا بہار پھولوں سے بھر چکا ہے
اس لیے ان سرکاری درخواستوں میں بھی وہ سادگی، شوخی اور ظرافت
موجود ہے، جس کے سبب سے ادائی مطلب میں میرزا صاحب
کی دانش و نگارنشاپر وازوں کی تحریروں سے گوی سبقت لے گئی ہے۔
لیکن یہ محاسن ان خطوں میں زیادہ پایے جاتے ہیں، جن میں
حسنِ طلب ہے۔ چونکہ سرکارِ امپور میرزا صاحب کی مالی دشگیری کی
واحد کفیل تھی، اس لیے وہ ہر ضرورت کے موقع پر سوال کر بیٹھتے، اور
یہ سوچ کر کہ ابھی سابق امداد کو زیادہ زمانہ نہیں ہوا ہے، ہمیشہ ایسے انداز
سے سوال کرتے تھے کہ انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ مثلاً تو اب فردوس
مکال نے سہیدِ علی خاں بہادر کی شادی کے موقع پر میرزا صاحب
کو توروے اور خلعت کے نام سے ۱۲۵ روپے نقد ارسال کیے ہیں، میرزا
صاحب اس روپے کو خرچ کرنے کے بعد آئندہ کے لئے سبیل نکالتے
ہوئے لکھتے ہیں:

در یہ تحریر نہیں مکالمہ ہے۔ گنجائی معاف کر دے اور آپ سے اجازت
لے کے بطریقِ انبساط عرض کرتا ہوں کہ یہ سوہ سوروپے، جو توروے

کے نام سے مرمت ہوئے ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤں گا، اور اس میں لباس نہ بناؤں گا، تو میرا خلعت حضور پر باقی رہے گا یا نہیں؟ (۱)

نواب فردوس مکاں کی وفات کے بعد نواب خلد آشیان کی خدمت میں قصیدہ تہنیت ارسال کیا ہے۔ یہاں سے صلیے میں تاخیر ہوئی ہے میرزا صاحب کو روپے کی ضرورت ہے، اس لئے نامہ تقاضائی لکھتے ہیں:

”پرورد مرشد، حضرت فردوس مکاں کا دستور تھا کہ جب میں قصیدہ بھیجتا، اس کی رسید میں خط تحسین و آقرین کا، شرم آتی ہے کہتے ہوئے، مگر کچے بغیر بنتی نہیں، ملاحظہ کی ہنڈوی اس خط میں مفلون عطا ہوا کرتی تھی..... یہ رسم بری نہیں ہے۔ اگر جاری رہے، تو بہتر ہے“ (۲)

ایک سال دلی میں بارش کم اور رامپور میں کافی ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

”اگرچہ یہاں مینہ اسی قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصل فصل ربیع سے ہاتھ دھوئیں، مگر چونکہ بفرمان ازلی میرے رزق کی برات آپا پہ ہے، اور آپ کے ملک میں بارش خوب ہوئی ہے۔ ابر رحمت کے شکر یہ میں ایک قطعہ مفلون اس عرضی کے بھیجتا ہوں۔ بنظر اصلاح نظم و اصلاح حال ملاحظہ ہو۔“ (۳)

نواب خلد آشیان نے جشن تخت نشینی میں شرکت کی دعوت دی ہے، اس کا شکریہ ادا کر کے لکھتے ہیں:

”حضرت کی خدمت میں نہ آؤں گا، تو اور کہاں جاؤں گا۔ وہ

آگ برس رہی ہے کہ طیسور کے پر جل رہے ہیں۔ بعد آگ کے پانی
برسے گا۔ سفر ختم صابو بڑھے رنجور آدمی کو دونوں صورت میں
منقذر۔ آفتاب میزان میں آیا، اور ہنگامہ آتش دآب
رنج ہوا، اور میں نے احرام بہینہ المعصور را مپور ہا نڈھا (۱۱)

ایک مرتبہ نواب خلد آشیان نے اپنی ایک فارسی نثر صلاح کو بھیجا ہے۔
میرزا صاحب بعض مجاوروں کی تخلیط کرتے ہیں، اہل دربار بہارِ نجم
اور فرہنگ جہاںگیر کی وغیرہ کے حوالے سے اس صلاح کو غلط ٹھہرتے
ہیں۔ نواب صاحب یہ حوالے نقل کرتے کہ میرزا صاحب سے اس صلاح پر
نظر ثانی کی درخواست کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب
نے تحریر کیا ہے:

مجھے اس امر خاص میں نفس مطمئنہ حاصل ہے۔ مگر دعویٰ بہت
نہیں ہے، بحث کا طریقہ یاد نہیں۔ یہاں انجو جامع فرہنگ جہاںگیر
شیخ رشید راقم فرہنگ رشیدی عطای نجم میں سے نہیں۔ سینہ ان کا مولد
ماخذ ان کا اشعار قدما، ہادی ان کا قیاس، ٹیکہ چند
اور سیالکوٹی ل ان کے پیرو۔ سبحان اللہ! ہندی بھی اور ہندو
بھی! نور علی نور (۱۲)

بائے بے نظیر کی نمائش کا حال اخبار میں پڑھا ہے، اور چاہتے ہیں کہ
نواب صاحب کو اس جشن بے نظیر کی مبارکباد دیں۔ اس مضمون
کو اس طرح ادا فرماتے ہیں:

وہ نمائش گاہ سراسر سورامپور کا ذکر اخبار میں دیکھتا ہوں
اور خون چمکے کھاتا ہوں کہ ہائے میں دیاں نہیں! بالاخانے
پر رہتا ہوں، اتر نہیں سکتا، مانا کہ آدمیوں نے گودیں لے کر
اتما، اور پاکی میں بٹھا دیا۔ کہا رچلے۔ راہ میں نہ مرا اور

دراپور پہنچ گیا۔ کہاروں نے جا کر بے نظیر میں میری پاکی رکھ دی، پاکی
 قفس، اور میں طائر اسیر، اور وہ بھی بے پروا ہاں۔ نہ چل سکوں نہ
 پھر سکوں۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب بظریق فرض محال ہے۔
 ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے؟ (۱۷)

نواب سکندر زمانی بیگم کی قبر لیت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں، مگر نہیں جانتا کہ کیا لکھوں۔ لازم تھا
 کہ تعزیت نامہ بزبان فارسی و عبارت بلغ لکھوں۔ آپس کے
 قدموں کی قسم، دل نے قبول نہ کیا، کہ اپنی گفتار نظرًا اور مغرور
 واسطہ تہنیت کے ہے، کہ دل کثرت نشاط سے گل کی طرح کھل رہا ہے
 طبیعت راہ دیتی ہے، الفاظ ڈھونڈتے جاتے ہیں، معنی پیدا کیے
 جاتے ہیں۔ اب میں نیم مردہ، دل پژمردہ، خاطر افسردہ جس
 بات کا تصور ناگوار ہو، اس کے تذکرے جی کیوں نہ بے قرار ہو؟“ (۱۸)

نواب زین العابدین خاں بہادر سے خواہش کرتے ہیں کہ اپنے نام کا خط
 سرکار کو دکھا دینا، مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں:

”لیکن تم سے یہ توقع کیونکر پڑے؟ کس واسطے کہ تم نے اردو
 دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جناب عالی سے دریافت کر کر
 کب لکھا ہے، جو اس بات کا جواب لکھو گے؟“

خاتمہ

میرزا صاحب خط کے آخر میں بالعموم ایک دو دعائیہ لفظ لکھا
 کرتے تھے۔ اردو معلیٰ اور عود مہندی میں بعض مقامات پر یہ جز متروک
 ہو گیا ہے، یا اپنی خیریت یا دنیا کی بے ثباتی سے متعلق کسی جملے بدل
 گیا ہے، لیکن عرض میں کبھی نظر انداز نہیں ہوا۔ ان میں اکثر:

یا " تم سلامت رہو قیامت تک ۔ دولت و عز و جاہ روز افزوں

کاتب کا نام

اور تنہا یا کسی اہم قافیہ فقرے کے ساتھ آتا ہے۔ مثلاً:

تاریخ کتابت

[illegible]

انکی توقع پسند طبیعت اس خشک جزیرہ مکتورہ میں بھی سنے نے شگوفے کھلائی ہے۔ وہ کبھی آغاز، کبھی درمیان اور کبھی آخر میں تاریخ بنٹ کر رہے اور بعض اوقات تاریخ کے ساتھ دن گھڑی اور سال بھی تحریر کر رہے تھے۔ انگریزی اور عبری تاریخوں میں سے اکثر صرف انگریزی یا صرف عبری اور کبھی کبھی دونوں ان کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ مگر سنہ لکھنے کا التزام کم اور علامت ہجری و عیسوی کا التزام کمتر ہے۔

میرزا صاحب موجودہ یورپی طرز کے مطابق القاب و آداب سے
قبیل تاریخ بہت کم سمجھتے تھے۔ ان کے خطوط میں القاب کے بعد آغاز
مطلب میں تاریخ زیادہ ہوتی ہے۔ مجروح کو لکھتے ہیں:

۲۰. میاں آج کھینے کا دن ساتویں فردی کی اور شاید بائیسویں

جہاں ایشیائی کمبے۔ دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی، جہانگیر

استغفار کرنے کو چاہئے کہ، میرے پاس آئے اور انھوں نے تمہارا خط

شماره ۱۵۱ جمادی الثانی ۱۳۵۱

جسٹس میڈیکل کالج

”آؤ صاحب پہرے پاؤں بیٹھو جاؤ۔“ بیچنے کا دن ہے، ساقو ہیں

”اور شیخ رمضان کی اور انبیاء پر جو ملی تھی :

۱۰۰

راجہ شکر کے دن یا پچوہ ایڑی کو شین سے ڈھکیا دن بہت ڈاک کا

12/1/57

10/10/19

در بیمار شقیه در اصفهان نقیض محمد بن (در وقت ۱۳۳۴)

شوق کو لکھتے ہیں:

”حذاوند نعمت، آج دو شنبہ ہر رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہے اس وقت کہ بارہ پر تین بجے ہیں، عفو فت نامہ پہنچا گیا“

پینچر کو تحریر کیا ہے:

”جناب عالی، آج دو شنبہ ۳ جنوری ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پھر دن چڑھا ہو گا کہ اگر گھر رہا ہے، تو شیخ ہو رہا ہے، پینے کو کچھ میسر نہیں، ناچار روٹی کھائی ہے (۲)“

وسط کی تاریخ

یہی طالب کے ضمن میں اس طرح تاریخ لکھتے کہ بظاہر پڑھنے والے کو تاریخ کا خیال تک نہ گزرتا، بلکہ تاریخ بھی منجملہ مطالب معلوم ہوتی تھی۔ مثلاً علانی کو لکھا ہے:

”تمہارے پاس جو قلعہ بہان ہے، اگر چاہے کیسے، تو چھپے، جہاں تردد ہو، غلط فہم حلقہ میں دیکھ لو۔ زیادہ انکشاف منظور ہو، جو سے پوچھ لو۔ اور اگر قلعہ ہے، تو اور قلعہ اعتبار سے ساقط ہے۔ اس کو میری تالیف نہ سمجھو، بلکہ مجھ کو مول لے لو اور اس کو پھاڑ ڈالو۔ آج یوم النہیس و جون المبارک بارہ پر تین بجے تمہارا خط آیا۔ اُدھر پڑھا، اُدھر جواب لکھنے بیٹھا۔ یہاں تک لکھ چکا تھا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی آئے۔ تمہارا خط مان کو دیا، وہ پڑھ رہے ہیں، ہم اکٹھے رہے ہیں، اب آیا ہوا ہے ہوا سرد چل رہی ہے (۳)“

شاہ عالم مارہروی لکھا ہے:

”پای تختی لکھ چکا تھا کہ ایک چہرا ہی آیا، اور اس نے خط تمہارا

میراج کو لکھتے ہیں:

خاتمے کی تاریخ

لکھ بھئیہ داسلام (۳۰)

فہم کا کہ تحریر کیا ہے :

در جواب خط کا طالب غائب سر نشینم از روی جنتری ۱۶ اور از روی رومی

۲۵ رجب سنہ ۱۲۸۳ھ اور ۱۸۶۶ء سنہ ۱۸۶۶ء بمطابق ۲۵ رجب سنہ ۱۲۸۳ھ

اندر اس احتیاط پر نگ بھیجا ہوں ۱۵
علانی کو لکھتے ہیں:

”۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء کی بدھ کا دن صبح کے آٹھ بجا چاہتے ہیں۔ کاتب
کا نام فالگبہ ہے کہ تم جانتے ہو گے ۲۱
انھیں کو لکھتے ہیں:

..... مر قومہ شنبہ یکم جون وقت صبح چھ بجے سات کے عمل میں ۳۱
خاتمے میں اعادہ تاریخ

بھبی بھی میرزا صاحب آغاز میں تاریخ لکھ دینے کے بعد غلطی میں آگیا
دوبارہ اجمالی ذکر کرتے ہیں۔ علانی کو لکھا ہے:

”دن، تاریخ، اپنا نام، آغاز کتابت میں لکھ آیا ہوں۔ اب ارسال
جواب کی تاکید کے سوا اور کیا لکھوں ۱۴
انھیں کو ایک اور خط میں لکھتے ہیں ۲۵

”دن، تاریخ صدر میں لکھ آیا — کاتب کا نام فالگبہ ہے کہ دستخط
سے پہچان جاوے

سم بارہ تحریر کیا ہے:
”تاریخ اوپر لکھ آیا ہوں۔ نام اپنا بدل کر مغلوب رکھ لیا ہے ۶

وقت کتابت کا ماحول

بعض اوقات میرزا صاحب تاریخ کے علاوہ خط لکھتے وقت کی حالت
کا نقشہ بھی مکتوب الیہ کی نگاہوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کرتے،
تاکہ مکتوب الیہ یہ محسوس کرے کہ خود میرزا صاحب کے پاس بیٹھا ہوا ان
کی زبان سے مکتوبہ واقعات سن رہا ہے، مطالبہ خط سے زیادہ لطف
اندوز ہو مثلاً گرمی کا موسم ہے، رامپور کے پہلے سفر سے واپس دلی پہنچے ہیں

(۱) اردو: ۳۳ (۲) ایضاً: ۳۲ (۳) ایضاً: ۴۰ (۴) ایضاً: ۴۴ (۵) ایضاً: ۴۳
۳۹۵

اور مجروح کی فرمائش پر روادار سفر لکھی ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں:
 دیکھو میں بیٹھا ہوں: تنہا لگی ہوئی ہے، ہوا آ رہی ہے، پانی کا جھرو
 دھرا ہوا ہے، حقہ پی رہا ہوں، تم سے باتیں کرنے کو جی چاہا،
 یہ باتیں کر لیں (۱۷۷)

برسات کے موسم میں پیچھے کو تھریر کرتے ہیں:
 درپیر و مرشد، شرب رفتہ کو مینہ خوب برسا۔ ہوا میں فرط رطوبت سے
 گزند پیدا ہو گیا۔ اب صبح کا وقت ہے، ہوا ٹھنڈی ہے گزند چل رہی
 ہے، ابونک محط ہے، آفتاب نکلا ہے، پر نظر نہیں
 غز وہ دور و مند بیٹھا تھا۔ کہ ڈاک کا سرکار و تمہارا خط لایا ۲
 شفیق کو لکھتے ہیں:

درپیر و مرشد، شرب رفتہ کو مینہ خوب برسا۔ ہوا میں فرط رطوبت سے
 گزند پیدا ہو گیا۔ اب صبح کا وقت ہے، ہوا ٹھنڈی ہے گزند چل رہی
 ہے، ابونک محط ہے، آفتاب نکلا ہے، پر نظر نہیں
 آتا ہے (۱۷۸)

انہیں کو ایک خط میں لکھا ہے و

درپیر و مرشد، ۱۲ بجے تھے، میں بنگا اپنے بنگا پر لیٹا ہوا حشر
 پمار پاتا تھا کہ آدمی نے آکر خط دیا۔ میں نے کھولا، پڑھا۔ بھلے کو
 انگر کھا یا کرتا گے میں نہ تھا اگر ہوتا، تو میں گریبان بھارت ڈالتا
 حضرت کا کیا جانا؟ میرا نقصان ہوتا ۱۷۹

میرزا صاحب کا خط

میرزا صاحب کا خط نہایت پختہ شیعہ آمیز استعلاقی تھا۔ وہ ایرانی
 ادوں کے دلدادہ تھے، اس لیے خط سے بھی لائی شان زیادہ نمایاں ہے

آخر عمر میں ریشہ پیدا ہوا جس سے دائروں اور کشتوں میں پہلی سی خوشنمائی
بانی نہیں رہتی تھی، تاہم پہلی میں کوئی فرق نہیں آئے پایا۔

سامان کتابت کاغذ

میرزا صاحب کے خطوط میں سامان کتابت کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس لیے
اس پر اجمالی نظر مناسب ہوگی۔

میرزا صاحب باہموم باہیکہ ولایتی کاغذ استعمال کرتے تھے، جو
نیلگوں یا سفید یا گلابی ہوتا۔ دربار راہپور میں ان کی جس قدر عرضیاں
پیش ہوئی ہیں۔ وہ سب ایک دو کے تمام اسی قسم کے گراں قیمت کاغذ پر
لکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً سلچند اور بیفہ احمدی صاحب کے نام کے خطوط
گھٹیا کاغذ پر ہیں، اس لیے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ میرزا صاحب کاغذ
کے انتخاب کے وقت مکتوب الہ کے رتبے کا لحاظ رکھتے تھے۔

بعض اوقات تنگ دستی کی وجہ سے میرزا صاحب کے پاس کاغذ کا ذخیرہ
ختم ہو جاتا، تو جواب دینے کے لیے روپے کا انتظار کرنے کے عوض کتاب
میں سے سادہ ورق بچھاڑ لیتے تھے۔ ۸ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء کو
مہرروج کو خط لکھتے وقت یہی صورت اختیار کرنی پڑی تھی اسی
خط میں فرماتے ہیں:

”بھائی، یہ کاغذ ہے، نہ ٹکڑ ہے۔ انکے لفافوں میں سے ایک
پر نگہ لگا لفاذ پڑا ہے۔ کتاب میں سے یہ کاغذ بچھاڑ کر تم کو خط
لکھنا ہوا۔ اور ہر نگہ لفافے میں لپیٹ کر بیجا یوں نیگیں نہ ہونا
کل شام کو کچھ ختم ہو گیا۔ یہ بیچ گئی ہے۔ آج کاغذ ٹکڑ منگالوں کا“

قلم

میرزا صاحب کے زمانے تک نوہ کے قلم کا رواج عام نہ ہوا تھا،

اس لیے وہ نیزے کا قلم استعمال کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قلم بناتے ہیں چاقو سے انگوٹھا زخمی ہو گیا، اور اس بنا پر ملشی شیو نرائن کے خط کے جواب دہا میں تاخیر ہوئی، تو میرزا صاحب نے تحریر کیا:

”دو صاحب، تم خط کے جواب نہ بھیجنے پر گھبراز رہے ہو گے۔ حال یہ ہے کہ قلم بناتے ہیں میرا ہاتھ انگوٹھے کے پاس سے زخمی ہو گیا اور دم گر آیا۔ چار دن روٹی بھی مشکل سے کھائی گئی ہے۔ بہر حال اب اچھا ہوں (۱۷)“

یہ سنہ ۱۲۵۸ھ کا واقعہ ہے۔ آخر عمر میں رشتے کے سبب سے خود قلم بنانے کے قابل نہ رہے تھے، لڑکوں سے بنو لیتے تھے۔ ۱۳ مارچ سنہ ۱۲۸۶ھ کو نواب خلد آشیاں کو لکھتے ہیں:

”دورانِ سراور در مشہ ضعیف بصر، تین بیماریاں نئی سپید ہوئی ہیں۔ قلم نہیں بنا سکتا، لڑکوں سے بنو لیتا ہوں (۲)“

لفافے

شروع میں میرزا صاحب اپنے ہاتھ سے لفافے بنا کر اردھر اردھر بھیجتے تھے۔ ایک بار ملشی شیو نرائن نے لفافوں کے اوپر ”از مقام در مقام، تاریخ و ماہ“ طبع کر کے پارسل بھیجا۔ میرزا صاحب ان باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ انھوں نے یہ دیکھ کر دو ستوں میں تقسیم کر دیا اور جب ملشی صاحب نے ۱۸ دسمبر سنہ ۱۲۵۸ھ کو دوبارہ اسی قسم کے لفافے ارسال کیے، تو لکھا:

”بر خود در اس وقت تمھارا خط مع افانوں کے لفافے کے آیا۔ دل خوش ہوا۔ بھائی میں اپنے مزاج سے ناچار ہوں۔ یہ لفافے در از مقام در مقام و تاریخ و ماہ“ مجھ کو پسند نہیں آئے جو تم نے

کے ہیں۔ یہ لفافے بالعموم آبی کاغذ سے بنائے گئے ہیں جس پر خط لکھا ہے، اور تمام مستطیل شکل کے ہیں۔ البتہ دستی نے جوئے لفافے حسب اقتضائے وقت چھوٹے بڑے ہو گئے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا ۱۸ انچ لمبا اور ۳۱ انچ چوڑا، اور سب سے چھوٹا ۱۵ انچ لمبا اور ۱۶ انچ چوڑا ہے۔ مطبوعہ کا نمبر ۶ x ۱۳ اور ۵ x ۲۲ ہے۔

سرنامے

میرزا صاحب کے لفافے دیکھنے سے معلوم ہو تا ہے کہ انہوں نے سرناموں میں وہ ساوکی نہیں برتی ہے، جو ان کے خطوط کا طرز امتیاز ہے۔ ان کے ابتدائی چند لفافوں پر یہ عبارت مندرج ہے۔

۱

باسمہ تعالیٰ شہرہ بہرہ نظر فرماں جناب مستطاب نواب والا منقبت الیہ الخ فیض علیہ السلام و آتھم و آلہم اجمعین
بگذرد و غالب بن مقام دہلی مرسلہ چہار شنبہ ۲۰ جنوری ۱۸۵۷ء پست پڑھی

۲

باسمہ تعالیٰ امین نیا پیشمارہ بخیر و بوب محکمہ — عوام احسان جناب مستطاب — مقبلہ پیا سخی زلفی باد
از غالب بن مقام دہلی
چہار شنبہ یازدہم فروری ۱۸۵۷ء

۳

بجنور پر نور جناب مستطاب — محبہ احسان حضرت نواب محمد — بجز قبول مقرون باد
بلاست
۱۔ اس کیجھ کا مقصد یہ ہے کہ سابق سترائے کی اتنی عبارت اس سترے میں بھی پائی جاتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نواب: خلد آسمان۔ کہے لیے حضرت امیر السلاطین بڑا عا و باست۔
انھیں کے ایک افسانے پر تاریخ کی جگہ لکھا ہے، ”سہ شنبہ ماہ اکتوبر
دن کو بارہ بجے ڈاک میں پہنچا، بعض افسانوں پر ایسی باتیں بھی لکھتے ہیں،
جو آجکل کوئی نہیں لکھتا۔ مثلاً نوابزادین العابدین خاں بہادر کے لفظی
پر تحریر فرماتے ہیں؛

در شهر پیرام پور رسول و بجزویت نواب صاحب مشفق و حکوم منظر المصطفی و کرم نواب ذیل این برین عالی مقام عرض
کن میمان سکره القهقهه مقبول باد از غالب کیرنگ پیرنگ هر سه ۱۵ جمادی الاول ۱۰۵۰ هجری قمری و در طلب شتاب طلب
چون بجلست در اسالی مکتوبهای بایست هم بدو چهره شنبه آخر روز ۲۴ جمادی الاول فرستاده شد ۱۰۵۰

میرزا صاحب کے جس قدر لفافے پہری نظر سے گزرے ہیں، ان

میں سے صرف دو پر پتا و غیرہ اردو میں ہے، اور سب کی زبان فارسی ہے۔ اردو والوں میں سے ایک مولوی محمد حسین خاں، مالک مطبع حسنی رام پور کے نام ہے، جس کا سرنامہ حسب ذیل ہے:

محمد حسین خاں مالک مطبع ہیڈ فزوری
رام پور آزاد خان کا بنگلہ دہلی سکندری کا مطبع
۱۸۷۶ء

دوسرا جنوں بریلی کو تحریر کیا گیا ہے۔ اس کا عکس خطوط غالب میں صفحہ ۱۱۳ کے مقابل شائع ہو چکا ہے۔ اس کے سرنامے کی مہارت یہ ہے:

بریلی جات مسجد کے پاس حضرت قاضی عبد الباقی صاحب کی خدمت میں پہنچے
اسدیک رنگ پرنگ ۱۱ ماہ اکتوبر سن ۱۲۸۵

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آخر عمر میں میرزا صاحب اپنے تخلص احباب اور شاگردوں کو اردو ہی میں پتا لکھنے لگے تھے۔

میرزا صاحب بیشتر پوست پیڑ خط بیچتے، اور اوپر کے بائیں گوشے میں "پیڑ" پوست پیڑ، اسٹامپ پیڑ، پیڑ ضروری، ڈبل پیڑ ضروری، پیڑ ضروری واجب الترمین، اسٹامپ پیڑ ضروری، اسٹامپ ضروری۔ یا پیڑ واجب الترمین ضروری لکھ دیتے تھے۔
لغافے پر ٹکٹ لگانے کا مقام بھی مضمون نہ تھا، کبھی لگانے کے رخ پر اور کبھی پشت پر، اور رخ پر بھی کبھی دائیں اوپر یا نیچے کے گوشے میں، کبھی وسط میں نیچے کی طرف، اور کبھی بائیں اوپر یا نیچے کے گوشے میں

چسپاں کرتے تھے۔

میرزا صاحب نے ایک دو چھوڑ کر باقی ہر ٹکٹ پر اپنا آئین اسٹامپ "غالب" اور اگر دو ٹکٹا ہوئے تو پہلے پر اسٹامپ اور دوسرے پر غالب ضرور لکھا ہے۔ ایک دو پر اسٹامپ بھی ہے۔ غالباً اس سے مقصود یہ تھا کہ دوسرے شخص اس ٹکٹ کو استعمال نہ کر سکے۔ لیکن قدر بلکاری کو ایک خط میں بھی لکھا ہے کہ

یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی مولف ہے۔ بہت عجیب کہ طریقہ ہے۔

خطوط بیرنگ شیعہ ہائیڈرو کولر سے لکھے گئے ہیں۔

یہ خط مرتبہ خطوط غالب سا، نزدیکی جون ۶۲ء اور فروری ۶۳ء کے درمیان کسی تاریخ کو لکھا گیا تھا۔ اگر میرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ٹکٹ پر نام لکھنا ممنوع ہے، تو وہ اپنے اکتوبر سنہ ۵۷ھ میں لکھا کہ رام پور بھیجے۔ لفظ فوں پر دستخطی ٹکٹ چسپاں کرتے رہے ہیں۔

ان ٹکٹوں پر ڈاک خانے کی جوہر لگائی گئی ہے، اس پر ۵ نومبر سنہ ۵۹ء تک انگریزوں کا میل ۶۲ء اور ۱۳ جولائی سنہ ۶۰ء سے ۶۴ء لکھا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہر او۔ ڈی۔ ٹاؤن ہے، جس پر انگریزی میں دلی (DELHI) منقوش ہے۔ ۱۱ اپریل سال ۵۸ء کے لفافے سے ڈاک خانے والوں نے سرخ روشنی سے انگریزی میں راہپور بھی لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس لفافے سے دہلی کی ہر کے ساتھ ایک ہر میرٹھ کی بھی شروع ہوئی ہے۔ اس میں اوپر میرٹھ اور میان میں تاریخ اور نیچے سورٹڈ (SORTED) منقوش ہوتا ہے۔ ۵ جولائی سنہ ۵۹ء سے مراد آباد کی ہر بھی چسپاں نظر آتی ہے۔

روشنائی

میرزا صاحب ہمیشہ سیاہ روشنائی استعمال کرتے تھے، جو عموماً روشن اور سچمتہ ہوتی۔ آخری ایام کے خطوط میں کچھ بھی روشنائی بھی نظر آتی ہے، جس کی وجہ خود میرزا صاحب کی قلندرانہ نشاے ہے تو بھی تھی ضرورت کے وقت لڑکوں کے قلم اور انھیں کی روشنائی سے لکھا کرتے ہوں گے اور خود لوح و قلم کی درستی اور اہتمام سے اس لیے بے پروا ہو گئے ہوں گے مگر اب انھیں ان دونوں کی شہادت کی ضرورت باقی نہ تھی، عالم ادب ان کا لوہا ان چکا تھا۔

قادر ڈاک لکھا ہوا

میرزا صاحب ڈاک کے قادرانہ کے سخت پابند تھے۔ وہ خود بھی خلاف ورزی قانون سے احتراز کرتے، اور احباب کو بھی اسی امر کی ہدایت کرتے رہتے تھے۔ ایک بار ڈاک سے کہیں۔

خط میں خط مغفوت کرنا جائز ہے۔ یہ غلط ہے۔ مگر یوں نہ ہوتا تو میں ان کے نام کا خط تمہارے خط میں مغفوت کر کے بھیجتا۔
نشی غلام بسم اللہ نے اپنی غزل کے ساتھ کسی منصف صاحب کی غزل بھی ارسال کر دی تھی۔ ان کی اس پہل انگاری پر سرزد قلم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”سنئے۔ حضرت، خط میں خط اسکا، داخل ہوئے۔ اگر یہاں کی ڈاک میں کبھی خط کھل گیا، تو مجھ سے بچاؤ، رو سپو، یہ جاؤں گے یا قہد کا حکم ہوگا۔ آئندہ آپ خط جدا کرنا بھیجا کیجئے۔ اس باب میں تاکید جائیے۔ کوئی جیلر جو اس کا آپ کی طرف سے سموع نہ ہوگا۔“
سردار نے پارسل میں کچھ خط رکھ دیتے تھے۔ ان کو تحریر کرتے ہیں:

۱۰ پارسل میں خطوط بھیجنے میں اندیشہ ہے۔ خدا نے بچایا۔ چونکہ اسے
وہ خط آپ کے کچھ کام کے نہ سمجھا اور یہ احتیاط پارسل میں
سے نکال لیے ۱۱

ایک بار تفت کے نام ایک پارسل حسب قاعدہ ایکس آنے کا ٹکٹ پہنچا
کر کے ڈاک خانے بھیجا۔ یوشنس پارسل لے کر آیا تھا، اس نے غلطی
سے غلطوں کے بجائے پارسل ڈال دیا۔ میرزا صاحب نے دقت سے
مطلع ہو کر تفت کو لکھا،

۱۱ صاحب، اگر پارسل شمار کا ایکس آنے کا ٹکٹ لگا کر اور اس پر یہ
لکھ کر کہ یہ پارسل ہے، خط نہیں ہے، ڈاک میں بھیج دیا۔ ڈاک فٹھی
نے کہا کہ غلطوں کے صندوق میں ڈال دو۔ خدا نیکار ناخواندہ آدمی،
اس حکم کو بھالایا، اور اس کو غلطوں کے صندوق میں ڈال
پڑا۔ ملاحظہ کریں یہ خط نہیں ہے، پارسل ہے، دست کو بیچو معقول ہے۔
اگر وہاں کے ڈاکے تم سے خط کا حصول مانگیں، تو تم اس چیلے
کے ذریعے سے گلگلو کر لینا ۱۲

دراصل میرزا صاحب کی احتیاط کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بار تفت کی غلطی کا
غیبا زہ پہلکت چکے تھے، اور غالباً پارسل کو غلطوں کے بجائے ڈال دینے
کی وجہ سے ان کو پوسٹ پیڈ پارسل کا مزید حصول ادا کرنا پڑا تھا
۱۸ جولائی سنہ ۱۸۵۷ء کو یہ واقعہ خود تفت کو لکھا ہے۔

۱۱ میرزا تفت، کل قریب دوپہر کے ڈاک کا ہرکارہ، وہ جو خط
بانتا ہے، آیا اور اس نے پارسل جوم جلدے میں لپٹا ہوا دیا۔
پہلے تو حیران رہا کہ پاکٹ غلطوں کی ڈاک میں کیوں آیا، بارے، ہا
اس کی تحریر دیکھی، تو تمہارے ہاتھ کا بیم فلٹ لکھا ہوا اور دو ٹکٹ لگے

ہوئے۔ مگر اسی کے آگے کافی پروا رکھ کر لکھا ہوا۔ ہر کار سے
نے کہا کہ ایک سارہیم دس آٹے دلوں سے۔ دلوں سے داد پائی رہی
مگر حیرت کہ یہ کیا بچ پڑا قیاس ایسا چاہتا ہے کہ تمہارا آدمی جو
ڈاک ٹکڑی، اس کو خطوں کے بجائے میں ڈال لکھا۔ ڈاک کے کار پر ملا
نے غور نہ کیا، اور اس کو ہیرنگ خطوں کی ڈاک میں
بھیجا۔

لیفٹیننٹ

ایک بار میرزا صاحب کے نام خط آیا۔ پتہ میں کتبستان کے نام
کے ساتھ جو قلعہ افغانستان کے آگے ایک لفظ کیشاں ہو گیا تھا
ڈاک کے اسے ڈھانچا ہوا اور میرزا صاحب کی خدمت میں پہنچا
پیش کی۔ میرزا صاحب نے شگفتگی سے اس کو دیکھا۔ پتہ
فرماتے ہیں:

ایک لطیفہ نشا ایگریٹو۔ ڈاک کا ہر کارہ، ہر کاروں کے
خطوط پہنچا ہے، ان دنوں ایک بیٹا پڑھا لکھا جو قلعہ
کئی فلاں ناستہ ڈھک رہا ہے۔ میں بالاجہ، پیر رہتا ہوں
جہلی میں اگر اس نے اردو کو خط دیا، اور اس نے خط دے کہ
مجھ سے کہا کہ اک کا ہر کارہ، نہ لگی فرم کہ تاسے اور کہتا ہے
کو مبارک ہو! اس کو، جیسا کہ دیکھ کے بادشاہ نے فراموش کیا
دیا تھا، اس کا پتہ خط اس کا پتہ تھا، جہاں کو یہ کیا کہتا ہے
سرنامہ کو غور سے دیکھا۔ کہیں قبیح ازعمہ مقدم شہانہ نہ لکھا
اس قلم و ساق نے اور افغان سے قلم و ساق کے۔ کیشاں کو
کیشاں پر دھاوا

بیرنگ خطوط

بیرنگ خطوط ار سال کرنے کو میرزا صاحب قانوں محبت و اخلاق کے خلاف جانتے تھے۔ پیدا ہوا اس کو دہلی کو ایک بیرنگ خط لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میرا مشورہ ہیں بے خط بیرنگ بھیجنا۔“
لیکن کبھی بیرنگ خط بھیجتے، تو بیرنگی کی وجہ سے لکھا گیا کہتے تھے۔ اُن کی تقریروں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ
۱) یا تو اُس وقت بیرنگ خط لکھا کرتے، جب اُن کے پاس ٹکٹ موجود نہ ہوتا، خواہ اس لیے کہ جیب اس کی اجازت نہ دیتی، یا بوقت ڈاک خانے سے ٹکٹ کا حصول دشوار ہوتا۔ مگر اس عذر کے لیے یہ تکلفا جواب اور شاگرد و خصوص شیعہ۔ مہر و حج کو ایک بیرنگ خط میں لکھا ہے:

”بھائی، نہ کاغذ ہے، نہ ٹکٹ۔ یہاں لکھ لکھا فراہم میں۔ یہ ایک بیرنگ کاغذ پر ہے۔ کتاب میں ہے یہ کاغذ چھڑا کر تم کو خط لکھتا ہوں اور بیرنگ لکھانے میں اپنی کڑھچھا ہوا۔“
کچھ فتوح کہیں سے پہنچ گئے۔ آج کا روز ٹکٹ سگالوں کا ۲۵ اسی طرح ملائی کو لکھتے ہیں:

”بھائی، فتح تو یہ ہے کہ ان دنوں میرے پاس ٹکٹ نہیں۔ اگر بیرنگ بھیجوں، تو کہاں مانڈہ، اٹھ نہیں سکتا۔ ڈاک گھر تک جائے کون؟ (۳)“
شائبہ کو زیادہ مضحکہ آفر انداز میں تحریر کیا ہے:

”آج میرے پاس ٹکٹ ہے، نہ دام، محاسبہ رکھنا، والسلام“

۲) یا اس وقت بیرنگ ار سال کرتے جب خط کے تلفظ ہو چلنے

کا خطرہ ہوتا۔ چونکہ تلف ہو جانے کا خطرہ اہم مکاتیب کے سلسلے میں زیادہ
نا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے، اور اہم مکاتیب بے تکلف اور بالکل
دونوں قسم کے مکتوب الیہ کو لکھے جاتے ہیں، بنا بریں اس قدر کے
مانعیت میرزا احمد علی نے ادبیات (ریاست) اور اسرا تیک کو بیرنگ
خطوط لکھے ہیں (۱) ایک بار شفق نے خط نہ لکھنے کی شہادت کی، تو اس کے
جواب میں میرزا احمد علی نے لکھا ہے۔

در سوچتا ہوں کہ درنوں خط بیرنگ گئے تھے۔ تلف ہونا کسی طرح
مقصود نہیں ہے۔

وراصل میرزا صاحب یہ سمجھتے تھے کہ ڈاکہ بیرنگ خط کو شش کر کے
مکتوب الیہ تک جلد پہنچا دیتا ہے، تاکہ اس سے محصول ڈاک وصول
کر سکے نہ یہ خیال و مارچ ۱۸۵۵ء کے شفق کے خط میں اس طرح ظاہر
کیا ہے:

”بیرنگ پر ضائع ہونے کا گمان کم ہے۔ اس دستور کا بادی اور
بانی میں ہوتا ہوں۔ آپ بھی جب بھی بفرض محال خط بھیجیے، تو
بیرنگ بھیجیے۔“

پھر رائے سید احمد حسن مودودی کے خط میں بھی ظاہر کی ہے۔ فرماتے ہیں:
”یہ خط عہد بیرنگ بھیجتا ہوں۔ کہتے ہیں کہ پتہ کے تلف ہونے کا
احتمال ہے۔ اور بیرنگ کا نہیں۔“
سباحت کو لکھتے ہیں

”پتہ خط سہ ماہ تلف بھی ہو جاتا ہے۔ نظر اس بات پر یہ خط تم کو

دائم نواب فردوس میکان کے نام دوسرا خط، جس میں تصدیق منسلک تھا، بیرنگ بھیجا
(۲) اردو وی ۳۰ ۳۱ خطوط: ۱، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵

بیرنگ بھیجتا ہوں، تاکہ ضائع نہ ہونے کا احتمال قوی رہے ۱۱
 سرور کو ضرور فی خطوط کے بیرنگ ارسال کرنے کی ہدایت کرتے
 ہوئے لکھتے ہیں ۱۲

در ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں۔ اگر اس کو منظور کیجیے گا، تو خطوط
 کے نہ پہنچنے کا احتمال اٹھ جائے گا، اور رجسٹری سے درود سر جاتا رہے گا۔
 آدھ آدھ نہ ہوں، ایک آنہ سہی، آپ بھی خط بیرنگ بھیجا
 کیجیے، اور میں بھی بیرنگ بھیجا کروں۔ اسٹامپ پیڈ خطوط
 قلم ہی ہوتے ہیں۔ اس قاعدے کا جیسا کہ میں واضح ہوا ہوں،

بادی بھی ہوا، اور یہ خط بیرنگ بھیجا ۱۳
 مولانا عزیز الدین نے، جنون بریلوی کے خط ارسال کرنے کی اطلاع
 دے کر اس کا جواب نہ لکھنے کی شکایت کیا، اس کا جواب میں میرزا صاحب
 نے لکھا ہے،

در خط از روی احتیاط بیرنگ بھیجا۔ پتہ پوسٹ پڑ خط اکثر تلفت ہو جاتے
 ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالجلیل صاحب کا خط، جس کا آپ نے ذکر کیا،
 ہے، آنکھیں پھوٹ جائیں، اگر میں نے دیکھا ہوا، آپ ان سے
 میرا سلام نیاز کیجیے، اور خط کے نہ پہنچنے کی ان کو خبر پہنچائیے ۱۴
 والی بھر پور کا انتقال ہوا اور یہ خبر دلی پہنچی، تو میرزا صاحب کو فکر
 ہوئی کہ کہیں جانی جی، جو میرزا قفترہ کے مربی تھے، معزول تو نہیں
 کر دیے گئے۔ اس خبر کے استفسار کے لیے قفترہ کو خط لکھا اور اس میں بتایا
 گیا کہ،

در واسطہ خدا کے! نہ مختصر نہ سرمسری، بلکہ مفصل اور منقح جو کچھ واقع
 ہوا ہو، اور جو صورت ہو، مجھ کو لکھو، اور جلد لکھو، کہ مجھ پر خواب غور

حرام ہے۔ کل شام کو میں نے سنا، آج صبح قلعے نہیں گیا تھا اور یہ خط لکھ
 ازراہ احتیاط بیرنگ روانہ کیا ہے۔ تم بھی اس کا جواب بیرنگ
 روانہ کرنا۔ آدھ آنہ ایسی بڑی چیز نہیں۔ ڈاک کے لوگ بیرنگ
 خط کو ضروری سمجھ کر جلد پہنچاتے ہیں، اور پوسٹ پڈ پڑا رہتا ہے۔
 جب اس محلے میں جانا پوتا ہے، تو اس کو بھی لیجاتے ہیں ۱۱
 دستبنو کی طباعت کے متعلق ضروری باتیں بیرنگ لکھ کر فرماتے ہیں؛
 دراصل سیکرٹری کے بیرنگ بھیجا گیا ۲۴

اسی طرح نوٹ کو ایک ضروری خط بیرنگ لکھ کر عذر کرتے ہیں:

در بھائی کبیر خاں ازراہ احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں (۱۵/۳)

نواب فردوس مکانی کی خدمت میں، ایک عریفہ جو ان کی والدہ ماجدہ کی
 تقریبیت و وفات کے متعلق تھا، ارسال کیا ہے، اور اس کا جواب شہ پاکر
 دوسرا عریفہ بیرنگ ارسال کرتے ہوئے آخر میں ازراہ منذرت
 لکھتے ہیں:

میرسوں ایک قطع مناسب بیگم صاحبہ و قبلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہے
 یقین ہے کہ پہنچے گا۔ ازراہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانہ
 کرتا ہوں (۱۴/۴)

میرزا صاحب پوسٹ پیڈ خط کے ذریعے تو جاتے تھے اس درجہ قائل تھے
 کہ جب بھی انہیں کوئی خط نہ ملتا، وہ اسے ڈاک خانے کی پہل انگاری
 پر محسوس کر کے لکھ دیا کرتے تھے کہ ڈاک میں ضائع ہو گیا ہو گا، اور اگر کسی کو
 میرزا صاحب خط میں تاخیر ہوئی، یا ان کے مرض خط کا حال نہ ہوتا، تو باور
 کر لیتے کہ خط ڈاک میں تلف ہو گیا۔

میرزا صاحب کا پتا

اگرچہ باعتبار حسب ذنسب میرزا صاحب دلی کے مشاہیر میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن ان کی وسیع اور مسلسل مراسلت نے اس شہرت میں چار چاند لگا دیے تھے۔ ان کے پاس روزانہ ہندوستان اور بیرون ہند سے اردو، فارسی اور انگریزی خطوط آتے رہتے، جن میں سرکاری اور نجی ہر قسم کی تحریریں ہوتی تھیں چونکہ شہر میں انہیں ہر شخص جانتا تھا، اس لیے ان کا خیال یہ تھا کہ دلی کے ڈاک خانے میں پہنچ کر میرے نام کا خط کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ان کی ڈاک خانے کی معروفیت کا ایک وجہ یہ بھی تھی کہ پورے شہر دلی میں وہ اپنے نام کے اعتبار سے یکہ و تنہا تھے اور ڈاکباز اسد اللہ خاں غالب کا سسی ایک ہی ذات کو جانتا تھا۔

میرزا صاحب کو اپنی اس شہرت و ناموری کا اس درجے پاس تھا، کہ کوئی دوست یا شاگرد ان کے مکان کا پتا دریافت کرتا، یا ان کے نام کے خط پر لانا چڑھا پتا لکھ دیتا، تو وہ اس کو اپنی فوہن خیال کرتے۔ ایک بار علی گڑھ کے مکان کا پتا دریافت کیا۔ میرزا صاحب نے برہم ہو کر لکھا، دوست میرزا صاحب! حسن پرستوں کا ایک قاعدہ ہے کہ وہ امر کو دوچار برس گھٹا کر دیکھتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ جو ان ہے، لیکن بچہ سمجھتے ہیں یہ حال تمہاری قوم کا ہے۔ قسم شرمی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت اور نام آوری جمہور کے نزدیک ثابت ہو، معتقد ہے کہ اس کا نام میرزا صاحب بھی جانتے ہو۔ مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کر دو، اور اس مسخرے کو گناہ و ذلیل نہ سمجھ لو، تم کو چین نہ آئے گا۔

پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں۔ ہزار باخط اطراف و جوانب سے آتے ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ نہیں لکھتے۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ سابق کا نام لکھ دیتے ہیں۔ حکام کے خطوط مغربی اور انگریزی

یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہوئے ، ہر سنہ شہر کا نام اور میرا نام
 یہ سب مراتب تم جانتے ہو ، اور ان خطوں کو تو کچھ پتے ہو ، اور پھر
 مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتاؤ۔ اگر میں تمہارا سہ تر دیکھا ،
 نہ سہی ، اہل حرفہ میں سے بھی نہیں ہوں ، کہ جب تک مسئلہ اترکھانہ
 نہ لکھا جائے ، ہر کارہ میرا پتا نہ پائے۔ آپ صرف دہلی لکھ کر میرا
 نام لکھ دیا کیجئے۔ خط کے پہنچنے کا میں ضامن ہوں۔
 جنوں پر بلوی نے پتا معلوم نہ ہونے کی وجہ سے خط لکھنے میں تردد کا اظہار
 کیا۔ ان کو لکھتے ہیں :

در قبلہ آپ کو خط کے بھیجنے میں تردد کیوں ہوتا ہے ؟ ہر روز دوچار
 خط اطراف و جوانب سے آتے ہیں ، گاہ گاہ انگریزی بھی آد ر
 ڈاک کے ہر کارے بھی میرا گھر جاتے ہیں۔ پوسٹ ماسٹر میلر شنا
 ہے۔ مجھ کو جو دست خط بھیجتا ہے ، وہ ہر سنہ شہر کا نام اور
 میرا نام لکھتا ہے ، مسئلہ بھی ضرور ہٹیں۔ آپ ہی انصاف فرمائیے کہ
 آپ لال کنواں لکھتے رہے ، اور مجھ کو بی ماروں میں خط پہنچتا رہا
 خلاصہ یہ کہ خط آپ کا کوئی تلف نہیں ہوا۔

وگاہیکے بعد دیگرے دو نیاز نامے بھیجے ، مگر میرزا صاحب کی طرف
 سے جواب نہ ملا۔ انھوں نے اس کو دلی کے ڈاک خانے کی غفلت
 پر محمول کر کے آخری خط بذریعہ رجسٹری ارسال کیا ، اور اس میں
 جواب نہ دینے کی شکایت لکھی۔ اس کے جواب میں میرزا صاحب الفاظ
 و مطالب کے گلی کھلاتے ہیں :

”میرے مشفق ، میرے شفیق ، مجھ سے پیچ و پوچ کے ماننے والے ،
 مجھ سے برے کو اچھا جاننے والے ، میرے محب ، میرے

محبوبہ! تم کو میری خبر بھی ہے، ۲۹ گئے ناتوان تھا، اب نیم جاں ہوں۔
 آگے بہراٹھا، اب اندھا ہو چکا ہوتا ہوں۔ رامپور کے سفر کا رہاؤ
 ہے، رشتہ و ضعف بھر۔ جہاں چار سطریں لکھیں، انگلیاں ٹیڑھی
 ہو گئیں، حروف سو جھننے سے رد کئے۔ اکثر برس جیا بھیت جیا۔
 اب از ندگی برسوں کی ہنیں، مہینوں کی اور دنوں کی ہے۔ پہلا خط
 ٹھہرا پہنچا۔۔۔۔۔ دو سرا خط مع غزل آیا۔۔۔۔۔ غزل بعد مشاہدہ
 تم کو بھی گئی۔ اور نکھار گیا، نوید حصول صحت جلد بھیجو۔ کل ایک خطا جبری
 وار آیا۔ گویا، ستارہ دہالہ دار آیا۔ حیران کہ ما جہ کیا ہے! بارے
 کھولا اور دیکھا۔ خط نوید رفع مرض و حصول صحت سے خالی اور
 ٹکڑا ہی بیجا سے لہریز۔

صاحب میرے نام کا خط جہاں سے روانہ ہو وہیں رہ جائے تو
 رہ جائے، ورنہ دکانی کے ڈاک خانے میں پہنچے کہ کیا مجال ہے کہ مجھ
 تک نہ پہنچے، اسی طرح میرا خط یہاں کے ڈاک خانے سے نہ روانہ
 ہو، کیا معنی! جہاں پہنچے، وہاں کے ڈاک کے کارپروازوں
 کو اختیار ہے، مکتوب الیہ کو دیں یا نہ دیں! ۱۱

نقشہ کو ایک خط میں صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ نامور آدمی کے واسطے
 محلے کا پتہ ضرور نہیں۔ فرماتے ہیں:

در بات یہ ہے کہ نامور آدمی کے واسطے محلے کا پتہ ضرور نہیں۔ میں
 غریب آدمی ہوں، مگر فارسی انگریزی جو خط میرے نام کے آتے
 ہیں، تمت ہنیں ہوتے۔ بعض فارسی خط یہ اچھے کا نہیں ہوتا، اور
 انگریزی خط پر تو مطلق تنہا ہوتا ہی نہیں، شہر کا نام ہوتا ہے تو چا
 خط انگریزی دلائت سے مجھ کو آئے۔ جانے ان کی بلا کہ

لی ماروں کا محلہ کیا چاہیے؟
چکر کو تخریم کی جاوے

در اور یہی آپ کو معلوم رہے، کہ میرے خط کے سرنامے پر محلے کا
نام لکھنا ضرور ہیں۔ شہر کا نام اور میرا نام، فقہہ تمام (۲۷)
ایک بار میرزا صاحب نے مکان تبدیل کیا۔ فقہہ کو تو دو ہوا کہ
یہ مکان کس محلے میں واقع ہے۔ ان کے اس کو دو دے رفع کرنے کے لیے
ارشاد ہوا ہے:

”یہ مکان بہ نسبت اس مکان کے بہشت ہے، اور یہ قریبی کہ محلہ جہا
بیماروں کا۔ اگرچہ بے یوں کہ تپ اگر اور محلے میں بھی جا رہتا، تو قاصدین
ڈاکہ وہیں پہنچتے۔ یعنی اب کنز خطوط لال کنوے کے پتے سے آتے
ہیں، اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہر حال تم وہی دلی بیماروں
کا محلہ، لکھ کر خط بھیجا کرو (۲۸)
فقہہ ہی کو دوبارہ لکھا تھا،

”میرے نام کا کوئی عارفہ ضائع نہیں جاتا۔ خدا جانتا، اس پر کیا ہوگا
پڑا ہے؟

سید احمد حسن مودودی کی شکایت پر تحریر کیا ہے:
”میرے نام کا عارفہ جس شہر سے چلے آئی شہر کے ڈاک گھر میں رہ جائے
تو رہ جائے، ورنہ دلی کے ڈاک میں پہنچ کر کیا امکان ہے کہ قطع
ہو (۲۹)“

ایک بار میرزا صاحب نے میر جہدی مہر دج کے نام خط لکھا۔ ڈیکے نے
غلطی سے کسی دوسرے میر جہدی کو جا دیا۔ اُنہوں نے میرزا صاحب کو
اس کی اطلاع دی اس اطلاع پر ارشاد ہوا ہے:

(اردو کا: ۸۷، ۱۵۳، ایف، ۲۵۱، ایف، ۷۵، ایف، ۷۸، ۵۵، ایف، ۲۲۵۔

”وہ جو تم نے لکھا تھا کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہمنام کے ہاتھ جا پڑا،
صاحب تصور تمہارا ہے۔ کیوں ایسے شہر میں رہتے ہو، جہاں
دوسرا میر مہدی بھی؟ مجھ کو دیکھو کہ میں کسب سے دلی میں رہتا ہوں
نہ کوئی اپنا ہمنام ہونے دیا، نہ کوئی اپنا دھم، عرف بننے دیا، نہ
اپنا ہم تخلص ہم پہنچایا۔“

ابتدائی میرا سلسلہ میں نواب فردوس مکاں کے فرامین جامع مسجد
کے پتے سے تگاتے، حالانکہ میرزا صاحب سا آٹھ برس سے بلیماروں
میں چلے آئے تھے۔ اس کے باوجود یہ فرامین میرزا صاحب کو ملتے رہے
جب خود انھوں نے سرکار کو لکھا کہ:

”در دیرین خاص بر عنوان نامہ ہای پیش نشان کلبہ این درویش دلریش
عقیب مسجد جامع ہشتہ اندومن از ہفت ہشت سال در محابہ بلیماران
می مانم۔ سپس نشان این محلہ نگاشتنہ شد۔“

اور اس پر سرکار نے اہل دفتر کو ہدایت فرمائی، تو یہاں سے خط
بلیماروں کے پہنچے کہیں جانا شروع ہوئے۔

مشكلات النساء

اس بحث کے آخر میں بعض ایسے حالات کا تذکرہ بھی ضرور رہا ہے، جو بظاہر میرزا صاحب کے عادات و خصائل کی ایک کڑی معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان کی انشا کی کیفیت و کمیت کے اغراض کے لیے ان کا مطالعہ افادے سے خالی نہیں، اور اس لیے انہیں متعلقات انشا کے عنوان سے ذکر کیا جاسکتا ہے۔

جواب میں جلدی

خطوط کا جواب دینے میں میرا صاحب بہت باضا بطور تھے۔ وہ یوں تو ہر خط کا جواب فوراً لکھتے، اور غیر اختیاری عذر کے علاوہ کسی اور عذر کے پیش کرنے کا بھی موقع نہ آنے دیتے، لیکن ضروری اور جواب طلب خط کے جواب میں بچہ جلد بازی سے کام لیتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ یہ جانتے ہوئے کہ اب ڈاک کا وقت گزر چکا ہے، جواب لکھ لیتے اور مکتوب الیہ کو بتا دیتے کہ اس مجبوری کے سبب آج خط سپرد ڈاک نہ ہو سکا۔ مثلاً پیچیر کو تحریر کیا ہے؛

۱۰ جناب عالی، آج دوشنبہ ۳ جنوری سنہ ۱۸۵۹ء کی ہے۔ پھر دن چڑھا

ہیوگا غمزہ و درد مند بیٹھا تھا کہ ڈاک کا ہرکارہ نہما را خط

لا یا..... یا آنکہ خط جواب طلب نہ تھا، جواب لکھے لگا: (۱۱)
شفیق کو لکھا ہے:

”خداوند نعمت، آج دو شنبہ ۶ رمضان کی اور ۱۵ فروری کی ہے

ہر کارے کو دیا (۱)

عذر تاخیر

چونکہ میرزا صاحب خطوط کا جواب باقاعدگی سے دیا کرتے تھے، اس لیے اگر ان کا کوئی دوست اپنے نیاز مانے کا جواب نہ پانے کی شکایت لکھتا، اور فی الحقیقت کسی وجہ سے جواب میں تاخیر ہو جاتی، تو میرزا صاحب فوراً عذر تاخیر لکھ دیتے لیکن اگر شکایت پادور ہوا ہوتی، تو اپنے اوپر بھی ذمہ داری نہ لیتے اور صفات انکار کر دیتے۔ ایک بار میرزا احمد حسن مودودی نے شکایت کی کہ آپ نے میرے کئی خطوں کا جواب نہیں بھیجا اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

وہ آپ کے کسی خط کا جواب میرے ذمے باقی نہیں ہے دو یا تین جن خط

کا جواب نہیں پہنچا، ۲۱۰ کو یہ سمجھے کہ وہ خط ۱۰۱ میں تلف ہوئے اور

میرے پاس نہیں پہنچے ۳

ایک بار اپنی عادت کے خلاف تہر کے خط کا جواب دوسرے دن لکھا، تو تاخیر کی تلخی کو ظرافت کی چاشنی سے بدلنے کی بھی کوشش کی۔ فرماتے ہیں:

وہ بندہ پھر وہ آپ کا خط کل پہنچا۔ آج جواب لکھتا ہوں۔ دارونہا

کتنا شتاب لکھتا ہوں! ۳

اسی طرح مجروح کے خط کے جواب میں کئی دن کی دیر ہو گئی، تو انھیں لکھا:

وہ داد سید صاحب! تم تو بڑا مبارک آرائیں کہ لے لگے۔ نرزیں

خود نمایاں کرنے لگے۔ کئی دن سے تمہارے خط کے جواب کی

فکر میں ہوں، مگر جاڑے نے بے حس و حرکت کر دیا ہے۔ آج جو

باسباب ابر کے وہ سردی نہیں، تو میں نے خط لکھنے کا قصد کیا ہے۔ م

ایک بار قہر کو خط لکھا، اور کہیں میں رکھ لیا کئی دن کے بعد کہیں کھولا تو خط برآمد ہوا۔ اس کے متعلق انھیں تحریر فرماتے ہیں:

مراسدہ دیباہی من توں بخشید خطا نمودہ ام و چشم آفرینا دام
کل و شبے کا دن ہستمبر کی تھی۔ صبح کو میں نے آپ کو شکایت نامہ
لکھا، اور بیرنگ ڈاک میں بھیج دیا۔ دوپہر کو ڈاک کا ہرکارہ آیا۔
تمہارا خط اور ایک مرزا تفتہ کا خط لایا۔ معلوم ہوا کہ جس خط کا جواب
میں آپ سے مانگتا ہوں، وہ نہیں پہنچا، کچھ شکوے سے شرمندگی اور
کچھ خط کے نہ پہنچنے سے حیرت ہوئی۔ دوپہر ڈھلے مرزا تفتہ کے خط کا
جواب لکھ کر محنت نکالنے لگا۔ کہیں میں سے وہ نمبر لے نام کا خط
کل آیا۔ اب میں سمجھا کہ خط لکھ کر بھول گیا ہوں، اور ڈاک میں نہیں بھیجا
اپنے زبانی کو لغت کی اور چپ ہو رہا۔ متوقع ہوں کہ میرا قصور
معاف ہو گا

ایک مرتبہ میرزا صاحب نے تفتہ کو خط لکھا۔ ان کی طرف سے جواب نہ
ملا۔ بلکہ خط آیا تو ایسی خط نہ بھیجنے کی شکایت درج تھی۔ میرزا صاحب
اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

”آج پچھینے کے دن ۱۱ نومبر کو تمہارا خط آیا اور میں آج ہی جواب
لکھتا ہوں۔ کہا تھا شاید کہ تمہارا خط پہنچتا ہے، اور میرا خط نہیں

پہنچتا، ۲

لیٹے لیٹے لکھتے

میرزا صاحب شدت مرض اور زیادتی ضعف کے باعث نشست
و برخاست کی قوت نہ ہونے کی حالت میں بھی جواب خط سے دستوں
کو محروم رکھنا گوارا نہ کرتے، اور لیٹے لیٹے جواب لکھتے تھے۔ ایک بار زوری

سنہ ۱۸۵۴ء میں تپ و لرزہ کا شدید دورہ ہوا۔ ابھی مرض کی شدت باقی تھی کہ نقۃ کا خط آگیا۔ میرزا صاحب نے اسی حالتِ ضعف میں جواب دیا، اور اس میں لکھا:

”میں چار دن سے لرزہ میں مبتلا ہوں۔ اتنی سطریں مجھ سے بہزار جو نقیل لکھی گئیں (۱۷)“

صاحبِ عالم مارہروی کو بحالتِ بیماری لکھا ہے:

”جو کچھ لکھنا ہوتا ہے وہ سب کئی اکڑ لیتے بیٹے لکھنا ہوں“ (۲۷)

اسی طرح ایک مرتبہ پتھر کا خط آیا، تو میرزا صاحب کو اٹھنا بیٹھنا دشوار تھا۔ اسی حالت میں جواب لکھ کر آخر میں فرمایا:

”بارہ پر دو بجے ہر کارے نے آپ کا خط دیا۔ پلنگ پر پڑے پڑے

خط پڑھا، اور اسی طرح جواب لکھا“ (۳۷)

سنہ ۱۸۶۲ء میں تقریباً سارا جسم زخموں سے بھرا ہوا تھا، اور بالخصوص سیدھے ہاتھ کے بھوڑے کی تکلیف سے روح تحلیل ہوئی جاتی تھی۔

اس حالت میں بھی خطوں کے جوابات برابر بھیجتے رہے۔ سترہ کو لکھتے ہیں:

”اشعار کی اصلاح یک قلم موقوف۔ خطوط ضروری بیٹے بیٹے لکھنا ہوں

دو خط چودھری صاحب کے آئے، اور ایک خط شاہ عالم صاحب کا اور

دو خط حضرت صاحب کے آئے، جواب نہ لکھ سکا۔ آج اپنے کو

لٹنے دے کر مرد بنایا، جیسا یہ عبارت لکھی (۴۷)

انہیں کے ایک خط میں اشعار کے حسن و قبح کا معیار بتاتے ہیں۔ آتش و ناخ کا ذکر کرتے ہیں۔ استسنا دیں ان کا کوئی شعر نہیں آتا، تو کہتے ہیں:

یاد کیا آوے۔ لیٹا ہوا ہوں۔ دمبدم پاؤں کے درم کی میٹس ہوش
اڑاے دیتی ہے۔ انا لیٹا دانا المیرہ راجپوت
اسی زمانے میں ثقہ کو لکھا ہے:

میں ناتوان بہت ہو گیا ہوں۔ مگر یا صاحب فرارش ہوں۔ کوئی شخص نہ
تکلف کی ملاقات کا آجائے تو اٹھ بیٹھنا ہوں، ورنہ پڑا رہتا ہوں۔

لیٹے لیٹے خط لکھتا ہوں ۲

ضعف کے سبب مراسلت میں کمی

جب بلوچہ پیرانہ سالی میرزا صاحب کا ضعف روز افزوں ہونے
لگا، تو مجبوراً مراسلت میں کمی کرنی پڑی۔ تاہم اس حالت میں یہ کبھی نہ ہوا
کہ کسی جواب طلب کا جواب نہ دیا ہو۔ ہاتھ میں رعشہ اور بینائی میں
نقصان لگ جانے کے بعد اخبارات میں اپنی اس حالت کا اعلان کر کے
ارباب ادب سے التجا کی تھی کہ آئندہ جواب خط اور اصلاح اشعار سے
معاف رکھا جائے۔ اس پر بھی برابر خطوط چلے آتے تھے۔ میرزا صاحب کی تکلف
دوست کے منتظر رہتے۔ جب ایسا دوست آجاتا، اس سے جواب لکھا
دیتے۔ ایک بار رضوان نے کوتاہی کی شکایت کی۔ اس کے جواب میں ارشاد
فرماتے ہیں:

”مردارسم تحریر خطوط بسبب ضعف ترک ہوتی جاتی ہے۔ تحریر کا
تارک نہیں ہوں، بلکہ متردک ہوں۔۔۔۔۔ اگر مہتاب خط کا حبل
نہ لکھوں، تو محلِ ترجمہ، نہ مقامِ شکایت ۳

اپریل سنہ ۱۸۹۶ء میں سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں:

”پیر درمشہد آپ کو میرے حال کی بھی خبر ہے؟ ضعف نہایت کو پہنچ گیا
رعشہ پیدا ہو گیا، بینائی میں بڑا فتور پڑا، اس مضمون ہو گئے۔ جہاں تک

ہو سکا۔ احباب کی خدمت بجالایا۔ اور اقی و شعار لیٹے لیٹے دیکھتا تھا اور اصلاح دیتا تھا۔ اب نہ آنکھ سے اچھی طرح سوچھے نہ ہاتھ سے اچھی طرح لکھا جائے۔ کہتے ہیں کہ شاہ شرف بولی قلندر کو بسبب کبرستی کے خدائے فرض اور پیمبر نے سنت معاف کر دی تھی۔ میں شوق ہوں کہ میرے دوست خدمت اشعار مجھ پر معاف کر دیں۔ خطوط شوقیہ کا جواب میں صورت سے ہو سکے گا لکھ دیا کروں گا۔ زیادہ حدو بآیتا

ذکا نے کیفیت مزاج دریافت کی، تو اسپر در نشانی فرماتے ہیں: ”تم میری بات بوجھتے ہو، مگر میں کیا لکھوں! ہاتھ میں ریشہ، انگلیاں کہنے میں نہیں، ایک آنکھ کی بینائی زائل جب کوئی دوست آجاتا ہے، تو اس خطوط کا جواب لکھو ادیتا ہوں“ ۲

جون سنہ ۱۸۶۶ء میں سیاح کو اپنی حالت لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”میرا حال اسی سے جانو کہ اب میں خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے لیٹے لیٹے لکھنا تھا۔ اب ریشہ و ضعف بصارت کے سبب سے وہ بھی نہیں ہو سکتا۔“ ۳

انہیں کو اگست ۱۸۶۶ء میں لکھا ہے:

”آگے میں لیٹے لیٹے کچھ لکھنا تھا۔ اب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ ہاتھ میں ریشہ آنکھوں میں ضعف بصیر۔ کوئی مقصدی میرا نوکر نہیں۔ دوست آشنا کوئی آجاتا ہے، تو اس سے جواب لکھو ادیتا ہوں۔ بھائی، میں تو اس کا کوئی دن کا مہان ہوں۔ اور اخبار دالے میرا حال کیا جانیں؟ ہاں اکل الاخبار اور شرف الاخبار دالے کہ یہاں کے رہنے والے ہیں، ۱۰ درجہ سے طے رہتے ہیں۔ سو ان کے اخبار

میں میں نے اپنا حال مفصل چھپوادی ہے، اور اس میں میں نے غور کیا کہ
خطوں کے جواب سے اور اشعار کی اصلاح سے۔ اس پہم کمی نے
عمل نہ کیا۔ اس بات تک ہر طرف سے خطوں کے جواب کا تقاضا اور
اشعار اصلاحوں کے چلے آتے ہیں، اور میں شرمندہ ہوتا ہوں،
بڑا معاف پانچ، پورا بہرا، آدمی اندھا۔ دن رات پڑا رہتا ہوں۔
نواب میر غلام آباد خاں بہادر نے کبھی کبھی اطلاع غیریت کی جو اشعار کی
تھی انہیں ۶ اپریل سنہ ۱۸۶۸ء کو لکھتے ہیں:

”وہ آپ جو فرماتے ہیں، کہ تو اپنی غیروماہیت کبھی کبھی لکھا کر آگے دیتی طاقت
باقی تھی کہ لپیٹ لپیٹ کچھ کہتا تھا، اب وہ طاقت سخی زائل ہو گئی، ہاتھ
میں۔ عشہ سپرد ہو گیا، بنیائی ضعیف ہو گئی۔ متصدی نوکر رکھنے کا
مقدور نہیں عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی صاحب وقت
پر آگئے، تو میں مطلب کہتا گیا، وہ لکھتے گئے“ (۲)

سید احمد حسن موہود دی کو کسی دوست نے اطلاع دی کہ اب میرزا
صاحب کو افاقہ ہے۔ انہوں نے میرزا صاحب سے اس کی تصدیق
چاہی۔ اس پر تحریر فرماتے ہیں:

”وہ آپ نے سنا ہے کہ اب غالب کو مرض سے افاقہ ہے،
سو محض غلط ہے۔ آگے ناتوان تھا، اب بیجان ہوں، خط نہیں لکھ سکتا
ایک لڑکے سے یہ چند سطر لکھوا دی ہیں۔ جو میں کہتا گیا ہوں
وہ غریب لکھنا گیا ہے“ (۳)

اپنی اس مجبوری کے زمانے میں میرزا صاحب دوستوں اور شاگردوں
کے خطوط کی طرح اعزہ کے خطوط کا جواب بھی مشکل دیا کرتے تھے۔
عارف کے پیٹے یا قری علی خاں کا ہی، جنہیں بیٹوں کی طرح پالنا تھا، روزگار

کی تلاش میں آؤں گے اور دلی میں بیٹھا اور ایک سچی چھوڑ گئے۔ میرزا صاحب سے امید تھی کہ اپنی اور بہو اور پوتی کی خیریت سے جلد جلد مطلع کرتے رہیں گے۔ میرزا صاحب ان کو بھی تاخیر سے جواب دیتے تھے۔ ایک بار انھوں نے شکایت کی۔ میرزا صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا:

۸۔ مجھ سے جو تم لکھتے ہو خط کے نہ پہنچنے کا، بھائی، اب میری انگلیاں نکلی ہو گئی ہیں، اور عبارت میں بھی ضعف آ گیا ہے۔ دوسرے نہیں لکھ سکتا۔ اطراف نادھان کے خط آئے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ جب کوئی دوست آجاتا ہے، میں اس سے جواب لکھ دیتا ہوں۔ پھر سول کا تمہارا خط آیا ہوا دھرا تھا اب اس وقت مرزا یوسف علی خاں آگئے۔ میں نے ان سے یہ خط لکھوا دیا۔ (۱)

املائی غالب

میرزا صاحب کی نوشتہ تحریروں اور اصلاحوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں صنعتِ املا کا بڑا عہد تھا۔ خود بھی غلطی املائے پر مہینہ کرتے اور شاگردوں سے بھی اسی توجہ کے متوقع رہتے تھے۔ اگر شاگرد معمولی غلطی کا مرتکب ہوتا تو صرف اصلاح پر اکتفا کرتے، ورنہ غلطی اصلاح کا معنا بھی واضح کر دیتے تھے۔ ایک بار جنون بریلوی نے فارسی کے ماہی قریب کے صیغہ واحد حاضر کو "ی" کے ساتھ لکھا۔ آج کل اہل ایران اسی طرح لکھتے ہیں، مگر اُس زمانے میں ایسا دستور نہ تھا۔ اس کی اصلاح میں ارشاد فرمایا ہے:

» پروردہ، رفتہ، یہ جتنے الفاظ ہیں ان میں ہای تختانی نہیں لکھتے
 پس وہی ہای بنای حرکت رہتی ہے۔ پس اگر وہ ساکن ہے، تو تو
 رفتہ، بردہ اس صورت پر رہے گی۔ اور اگر اُس کو حرکت لازم
 آئے، تو علامتِ حرکت ہمزہ لکھ دیا جائے گا۔ رفتہ آمدہ اور
 ان مفعول کے سبب مبیغوں کا یہی حال ہے (۱)۔

شیخو شراہین کو تحریر کیا ہے:

» ہرچہ کہ تم کو مشاہدہ اخبار اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی
 عبارت کا شننل رہتا ہے، یہ تقلید اور انشا پر دازوں کے منھاری
 عبارت میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ میں تم کو آگاہ کرتا رہتا ہوں۔
 خدا چاہے، تو ابلا کی غلطی کا ملکہ نہ لگی ہو جائے (۲)۔

مکتبہ راہپوری کے کاتب دیوان نے ”طیمور“ لکھا تھا۔ اس پر فرماتے ہیں:

”لفظ ”طوی“ سے نہیں ”تے“ سے ہے اور پھر تیمور یوزنی تیمور

نہیں۔ دراصل تیمور یوزن سہ دہ ہے“ (۱)

میرزا صاحب کے قلم کے لکھے ہوئے خطوط اور نواب آظم اور مکتبہ کے اسلامی مسودوں کی خاصی تعداد ہمارے سامنے ہے، ان سے نیز دوسرے مشاہدوں کی اعلائی تفصیح سے جو اردو کی اصلی اور عود ہندی کے اوراق میں محفوظ ہے، اٹلا اور رسم خط سے متعلق حسب ذیل نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔
۱۔ اپنے عہد کی طرز کتابت کے مطابق پائی معروف و مجہول کے لکھنے میں بالکل حال سے زیادہ خطی خوشنمائی اور کاغذ پر باقی ماندہ جگہ کا لکھا نہ کرتے تھے۔ معروف کی جگہ مجہول اور مجہول کی جگہ معروف ”ی“ کا استعمال ان کے یہاں اتنا عام ہے کہ بعض اوقات پڑھنے میں وقت اور تاکید و تائید کے متعین کرنے میں دشواری پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۔ ان کی تحریروں میں ہای مخلوط و جیشی ”ھ“ کی جگہ ہای سادہ کی رسم شکل نظر آتی ہے۔ اس زمانے کے کاتبوں کا دستور تھا کہ مخلوط ”ھ“ کو دو سادہ ”واو“ سے ظاہر کرتے تھے، جیسے ”آبکھہ“ ”اتہ“ ”کنہہ“ وغیرہ۔
۳۔ میرزا صاحب اس کے بھی خلاف تھے۔ اسٹنہول نے اپنی تحریروں میں اس قسم کے اکثر اور مکتبہ راہپوری کے مسودوں میں اس قسم کے تمام الفاظ کو ایک ہی سادہ ”و“ سے لکھا ہے۔

۴۔ ان کے زمانے تک ترکی نام الخط کی دیکھا دیکھی اردو خط میں بھی اعراسیہ یا محرو و سنا کا طریقہ لکھنا حد تک مردج تھا۔ مگر میرزا صاحب

۱۔ مکاتیب ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴،

لفظ کے شروع میں واقع ہونے والے لفظ مضموم کے علاوہ ہر جگہ اعراب بالحرکت کو ناپسند کرتے تھے۔ بیتاب کے کاتب نے ”مہر و ماہ“ کو ”مہر و ماہ“ اور اسی کو ”ایسی“ لکھا تھا۔ انھوں نے اس کتابت کو غلط قرار دیتے ہوئے ”مہر و ماہ“ بجذبات الفصحاء اور ”ایسی“ بجذبات لاپنے قلم سے بنا دیا ہے۔

”مینہ“ کا اطلاق بھی بجذبات ”بی“ پسند کرتے تھے۔ خود ان کی اپنی تحریروں میں ”مینہ“ موجود ہے (۱) لیکن نواب فردوس مکاں کے اس شعر میں آکر ترے کوچے میں یہ کچھ ہم سے بنا آئی جاتے تھے اک مینہ تھا کہ ہر سا گئی نکھیں مینہ کو ”منہ“ بنا دیا ہے۔

عام طور پر ”پہنچنا“ اور اُس کے مشتقات میں ”ہ“ کے بعد لوگ ”و“ لکھ دیا کرتے ہیں۔ میرزا صاحب کے خود نوشتہ خطوں میں بھی کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے، مگر ایک جگہ کے علاوہ انھوں نے ”پہنچنا“ کبھی نہیں لکھا۔

انتخاب دیوان آغا خان اور ناظم و بیتاب کے مسودوں کے کاتبوں نے بھی جہاں کہیں واؤ کے ساتھ لکھا تھا، میرزا صاحب نے اُس کی ہر مقام پر اصلاح کی ہے۔

ناظم کا ایک شعر ہے:

داں کے جانے سے ر کے اور آگئی فصل بہار

لو مبارک جمع پھر وحشت کے سماں ہو گئے

کاتب نے اس میں ”ر“ کے ”لکھا تھا“ ”میرزا صاحب نے“ ”و“ قلمزد کر دیا ہے۔

ایک شعر میں ”دوکان“ تحریر ہو گیا تھا۔ اس کا بھی داد کاٹ دیا ہے۔

بیتاب کے اس شعر میں:

پھکا جاتا ہے دل سینے میں، اللہ چھپاؤں کب تلک سوئے تھاں کو
کاتب نے ”پھوکا“ جاتا ہے، لکھ دیا تھا۔ اس میں سے بھی میرزا صاحب
نے داد نکال دی ہے۔

خود میرزا صاحب کے انتخاب دیوان اردو میں کاتب نے لکھا تھا:
”دیکھو لیتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ“

اسے میرزا صاحب نے ”کھلتا“ بنایا ہے۔

”خور اور خورشید“ کا عام اطلاق ہے۔ میرزا صاحب خورشید کو
بے داد اور خور کو صرف خور سے التباس دور کرنے کے خیال سے بواؤ لکھا
کرتے تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ پارسی قدیم میں ”خور“ بضم الخاء نور کا ہر
کو کہتے ہیں۔ ”شید“، یکسر شین کے معنی روشنی ہیں۔ ایمانی آفتاب
کو بعد از خدا بزرگ جانتے تھے، اس لیے انہوں نے سورج کو خور اور
خورشید کہا۔ جب عرب دعیم مل گئے، آکا عرب نے واسطہ دفع التباس کے
”خور“ میں داؤ مخدولہ بڑھا کر ”خور“ لکھنا شروع کیا (۲)

”منہ“ کا پراانا اطلاق ”مونہ یا مونہ“ ہے۔ نواب ناظم کے مسودہ میں

(۱) انتخاب غالب اردو کلی: ۱۳۲۲ء رضا کی ہدایت نے فرہنگ انجمن آرای نامری و لفظہ میں لکھا ہے: ”اہم

انتخاب دستاخرین برای آن کہ نمبر خورشید نشو و بود کو یسند۔ لیکن در زبان قدیم بے داد بود۔ اس سے میرزا صاحب
کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ مگر ڈاکٹر صدیقی متاخر کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے اس مسلک کی جو توجہ دیا ہے وہ درست نہیں یا یہ کہنا
صحیح نہیں کہ قدیم پارسی میں ”خور“ کو پیش تھا حقیقت یہ ہے کہ ایران کی پرانی زبان میں بعض لفظوں کا پہلا حرف ساکن
ہوتا تھا چنانچہ خور اور خود وغیرہ کا خ ساکن تھی اور داد ”مفتوح“ یعنی ”د“ آپس میں مل کر ایک ذہری آواز پیدا
کرتے تھے۔ آگے چل کر جب ابتدا بسکون قدسی زبان میں ترک ہو گئی تو ”د“ کی تبدیلی ہو کر نقطہ میں ایک ضمیاتی رہ گیا

کہا جاتا ہے: ”بیکسوفہ معدول“ داد و قرار ہے۔ واسطہ دفع التباس کے داؤ مخدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا
یہ بھی صحیح نہیں کہ عربوں نے واسطہ دفع التباس کے داؤ مخدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا
عربوں کی زبان میں نہ خور کو دخل ہوا نہ خورشید کو، اور نہ قرآن کی زبان میں دخل تھا۔ پھر ان کو
التباس کے دور کرنے کی فکر کیوں ہوئے لگی؟ (مقدمہ خطوط صفحہ ۷)

متحد و جگہ یہ لفظ آیا ہے، اور ہر جگہ اسے کاتب نے ”مو نہ“ لکھا ہے
میرزا صاحب نے ایک جگہ کو مستثنیٰ کر کے ”مو“ بنا دیا ہے۔
(۴) فارسی اور ہندی لفظوں کے اٹا میں عربی کے مخصوص حروف تہجی
ح، ص، ض، ط، ظ، ع، استعمال نہیں کرتے تھے۔ سیاح کو لکھتے
ہیں:

”عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا۔ جس لغت میں عین ہو اس کو
سمجھنا کہ عربی ہے..... جس طرح عین فارسی میں نہیں ہے، طوی
بھی نہیں ہے، مثلاً قشت لغت فارسی لا حاصل ہے۔ اٹا اس کی
طوی سے غلط ہے“ (۵)

بتیاب نے ”طمانچہ“ اور ”طیمور“ لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے طمانچہ کو
”تپمانچہ“ بنا دیا، اور طیمور کے بارے میں یہ لکھا:
”یہ لفظ طوی سے نہیں آتا ہے۔ اور پھر تیمور بوزن تہجور
نہیں۔ دراصل تیمور بوزن تہجور ہے“ (۶)

میرزا صاحب ”ذ“ کو بھی عربی کے مخصوص حروف میں شمار کرتے،
اور کبھی کسی فارسی لفظ میں ”ذ“ نہیں لکھتے تھے۔ بتیاب کے مسودے میں
”خذف“ تھا اسے ”خزف“ بنا کر لکھا ہے:

”در خذف بمعنی ٹھیکری کے لغت فارسی اور اٹا اس کی ز سے ہے“ (۷)
گزشتن، پذیرفتن، وغیرہ فارسی مصادر کے تمام مشتقات میں جہاں ”ذ“
مروج ہے، میرزا صاحب نے ”ز“ استعمال کی ہے۔ ناظم نے سرگزشتن
لکھ دیا تھا، تو اسے سرگزشتن بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب فرماتے ہیں۔
”گزشتن، گزشتن، پذیرفتن، یہ سب لفظ ذال سے ہیں۔ ائمہ گزاردن“

ز سے صحیح ہے۔ میرزا غالب نے پہلے نادانی سے پھر سخن پروری

اور سینہ زداری سے "ذ" کو فارسی سے خارج کرنے کی کوشش کی اردو
میں یہ لفظ "ذ" سے لکھیے، تو مضائقہ نہیں، مگر فارسی میں "ذ" لکھنا
ضروری ہے (۱۷)

اس قاعدے کی انھوں نے انہی پابندی کی ہے کہ اُن عربی لفظوں میں
عربی کے مخصوص حرکات نہیں لکھتے، جو اپنے معنی کی بنا پر سنہ
یا فہند بن گئے ہیں، جیسے طیار اور ذرا، طیار کے بارے
قدر بلگرامی کو لکھا ہے۔

"طیار..... لفظ عربی، مگر اس کی طای حقی سے..... بازداروں میں
اس لفظ نے جنم لیا، حقیقت بدل گئی، طوی، تے بن گئی، یعنی جب کوئی شکار یا جانور
شکار کرنے لگا، بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ "فلاں باز" کا مارا ہو جائے۔
شہدہ است و صید می گیرد"

پھر حال اب تباہی و تفرشت سے یہ لفظ بیا نکل آیا۔ اس لفظ کو مستحدثہ اور مہمل
اردو اور تباہی و تفرشت سے معنی آمادہ، اشخاص اور اشیاء پر عام تصور کرنا چاہیے (۲۰)
"ذرا" اصلاً عربی ہے اور اس کا اطلاق ذرہ ہے۔ پہلے اردو محاورے
بتشرید بھی بولا جاتا تھا۔ شاہ عالم، بادشاہ دہلی آفتاب شاہ کا مقتطع
لے آفتاب دل کو ذرہ نہ چین اُس بن اس رشک نہ کہ جلدی مجھ سے کوئی ملا
دوسرے مقتطع میں بھی اسی طرح باندھا ہے:

(۱۱) حاشیہ دستورالقصاحت، ص ۱۱، پروڈاکٹر صاحب نے یہ شعر برتھ کر پھر عرض کیا کہ یہی ہے۔
ہر خطوط: ۱۸۳، ۱۸۳۔ مگر خان آرزو کا بیان ہے: "چراغ ہدایت نو کشور" کہ طیار عربی ہے
معنی پرندہ ہے، لیکن ایرانی آمادہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، اور یہ بطور مجاہدہ
کے نزدیک ایک صورت یہ بھی ہے کہ تیار عربی میں معنی چہندہ ہے۔ معنی آمادہ جو فارسی میں آ
ممکن ہے یہی ہو۔ آرزو کا قول صحیح ہے، تو غالب کا بیان کہ آمادہ کے معنی میں اردو ہے، قابل
نہیں اور اس کا اطلاق اردو دونوں سے ہو سکتا ہے" (معاصر ج ۸ نمبر اول)

ایک ذرہ تشلی نہ ہو خوشید جہاں کو اک بوسہ بھی جب تک ملے اندام ہوگا
 اگرچہ اب تنہا مشدد نہیں بولتے، لیکن کسی ایسے لفظ کے ساتھ آئے، جو
 وزن یا ناپ کو ظاہر کرتا ہو، تو ذرہ ہی لفظ کہتے ہیں، جیسے "اسے میری
 ذرہ بھر پر دانا نہیں ہے" ظاہر ہے کہ یہ تشدید وہیں باقی رہ گئی ہے جہاں
 حقیقی معنی مراد ہیں۔ پس اس لفظ کو موجودہ معنی کے لحاظ سے اردو
 اور مستحدث کہا جائے گا۔ میرزا صاحب اسی کے قائل تھے اور ۱۲ نومبر
 سنہ ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں انھوں نے "ذرہ" ہی لکھا ہے (۱)
 (۵) جن فارسی الفاظ کے آخر میں الف یا داد کے بعد "ی" آتی ہے،
 خواہ اصلی ہو یا اضافت و صفت کی علامت، عام کاتب اس "ی" پر
 ہر ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ میرزا صاحب اسے عقل کو گالی دینا جانتے تھے۔ تھوڑے
 کے خط میں صراحت فرماتے ہیں:

و دیکھو پھر تم دنگا کہتے ہو؟... غلطی میں جمہور کی پیروی کیا مرض
 ہے۔ یاد رکھو، یای تحتانی مثنیٰ طرح پر ہے۔

(۱) جزو کلمہ

جہاں ہر سر مرغان اذان مشرت داد
 ای سرنامہ نام تو عقل گمرہ کنشای را
 یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یای تحتانی ہے، جزو کلمہ ہے۔
 اس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔
 (۲) دوسری تحتانی مضائقہ ہے۔ صرف اضافت کا کسرہ ہے
 ہمزہ وہاں بھی محلی ہے، جیسے آسیہ یا چرخ یا آشنای قدیم۔
 تو صیغی، اضافی، بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو، ہمزہ نہیں چاہتا
 ندای تو شوم، رہنمای تو شوم، یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اردو وی، ۳۰ دیوان غالب کے خوشخط کلمی نسخے میں ایک جگہ کا تباہ ذرا کو ذال سے لکھا تھا، پیرزا
 تباہ نے یہاں بھی ذال کا سر جاتو سے پھیل کر ذرا بنا دیا ہے۔

میرزا صاحب نے اس فطرتی کی بالالترام اصلاح کی ہے۔
 ”دو دونوں“ کو بعض صحفہ دو نو، مے بے نوں آخر لکھتے ہیں۔ میرزا صاحب
 اسے نوں کے ساتھ لکھتے تھے۔ مذکورہ بالا مسودوں میں بھی اس لفظ کی
 اصلاح کی ہے۔

”بھوسکا“ کا تلفظ کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ واو کے بعد نوں غنہ محسوس
 ہوتا ہے۔ بنیاب کے کاتب مسودہ دیوان نے بھونکا لکھ دیا تھا۔ میرزا صاحب
 نے اسے نوں غنہ سے پاک کر کے بھو کا بنا دیا ہے۔

”ہای مخلوط کی کتابت میں شاید فصحا کی دہلی کے تلفظ کا لحاظ زیادہ
 رکھا ہے۔ چنانچہ تڑپنا میں ان کے نزدیک ہای فارسی اور نوں کے
 درمیان ہائی مخلوط تلفظ ضرور ہے۔ یہاں ”مے“ کے مخفف ”یاں“ کو دلی
 دلی یہاں بولتے تھے۔ میرزا صاحب نے اس تلفظ کو انفع قرار دیا ہے۔

”بگھارنا“ کی جگہ ”بھگازنا“ اور ”گڑ بھنگھ“ کی جگہ ”گڑ بھنگ“ یا ”گڑ بھنگ“
 ”تلفظ کا اتباع معلوم ہوتا ہے۔ ”ٹھہرنا“ دلی میں ٹھہرنا بولا جاتا ہوگا۔ یہی
 وجہ ہے کہ میرزا صاحب ہمیشہ ایک ”ہ“ سے لکھتے ہیں۔ ناظم نے لکھا تھا
 ”جو آگے ہو مرے گھر، تو کوئی دم ٹھہرو“

میرزا صاحب نے اسے ”ٹھہرو“ بنایا۔ بنیاب کا شعر تھا
 کیسا مزہ دکھاتے ہیں ہم بھی تو ٹھہر جا تقریریں کر کے اور بہ نامح تو لگیا
 اس میں میرزا صاحب نے ”ٹھہر تو جا“ اصلاح دی۔

مخلوط و دھ“ جب لفظ کے آخر میں آتی ہے تو اس کی آواز بہت ہلکی
 جھلا اس کے اگر واحد کی لکھاوت ”پانوں“ یا ”پاؤں“ قرار دیجے تو جمع محوت پانوں یا پادوں بنتی ہے جو ہر قول
 کرنے کے لائق نہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر مٹا کا استدلال توئی نہیں کہ نوں، دھواں، رواں، جوں کی معنی کنوین کنوون
 دھوین، دھوون، رویں، اردوں اور دھوین، جوہں ہیں۔ مذکورہ مولیٰ کے پیش نظر ہم یوں کہتے ہیں ”اس کنوین کا پانی
 ٹھہر کے کنوون سے بہہ رہا“ حالانکہ کنوون سے بہہ رہا“ سب کی بول چال ہے۔ میرزا صاحب نے اسے یہ ہے کہ ان
 لفظوں میں البتہ اور دودوں کے بعد نوں غنہ ہے، اس لیے بہتر اظہار چھانوں اور گانوں ہے۔

ہو جاتی ہے، ایسی ہلکی گویا اس کا وجود ہی نہیں۔ میرزا صاحب نے اس ہلکی "ہ" کا نام مضمون رکھا ہے، اور کتاب میں اکثر حذف کر دیتے ہیں چنانچہ رنخہ کہ رست، ہاتھی کو ہاتی اور اودھ اور میرٹھ کو اود اور میرٹھ اور مجھ کو، پنخہ کو کی بجگہ جھگو، پنخو لکھا ہے۔ "ہاتھ" کو بھی خود ہاتھ لکھتے تھے، مگر ناظم کے مصرعوں ع: ہاتھ سے رضواں کے چھوٹا شانہ زلف سحر میں، اور ع: ہاتھ میں خط لیا کہ دم نکلا، میں کاتب نے ہاتھ اور ہاتھ لکھا تھا، ان دونوں شکلوں کو ہاتھ میں تبدیل کر دیا۔ مگر ساتھ کو ہمیشہ "ہ" سے لکھتے تھے، تاکہ سہولت سے، جو عدد ہے، التباس نہ ہو۔ اسی طرح ان لفظوں میں بتاکید ہائی مخلوط لکھتے تھے، جن میں بول چال کے اندر "ہ" موجود ہے، مثلاً تو اب ناظم کے مودے میں کاتب نے "خو نہڑا"، لکھا تھا، میرزا صاحب نے اسے "ڈکھونڈھا"، بنا دیا ہے۔ مثلاً کاتب کے کاتب دیوانہ نے "منہ چڑانا" اور "چکھنا" لکھا۔ میرزا صاحب نے چڑھانا اور چکھنا کر دیا ہے (۱۲)۔

(۱۱) بعض ہندی الفاظ کا تلفظ ایک مقام پر "ڈ" سے اور دوسرے پر "ڈھ" سے کیا جاتا ہے۔ جیسے گاڑی، بوڑھا، کہہ دیا ہے سہارنپور نے میرٹھ میں "گاڑی" اور "بوڑھا" بولتے ہیں۔ میرزا صاحب نے ان دونوں لفظوں میں "ڈھ" پہلا کو (۱۱) اور دوسرے کو (۱۲) لکھا ہے اور دوسری جگہ (۱۳) سے لکھا ہے۔

(۱۲) پہلے زمانے میں "آن" نے "ا" اور "اس" سے، کو ملا کر "اٹے" اور "اٹے" بھی لکھ دیا کرتے تھے۔ میرزا صاحب بھی دو لفظ ملا کر لکھ دینے کے عادی ہیں، مگر ان دونوں لفظوں کو نہیں ملائے تھے، جن میں سے اول کا حرف اخیر اور دوسرے کا پہلا حرف ایک ہو چنانچہ ان مثالوں میں قیاس کے دیوان کے اندر اصلاح کی ہے۔

(۱) مکاتیب ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱،

(۱۳) لفظ آئینہ جب فاعل کے وزن پر نظم میں باندرج ہے، تو گئے آئینہ لکھا ہے، آئینہ نہیں لکھا، اور یہی اطلاق نظم کو بتایا ہے۔ (ای طرح خامشی اور ہیبرہ میں "د" کے اضافے کو منع کیا ہے۔

عربی الفاظ کا اطلاق

میرزا صاحب عربی الفاظ کا اطلاق ایسا نہیں کے انداز پر لکھتے تھے۔
 (۱) کتاب نے ایک شعر میں "جز لا ینفک" لکھا تھا، میرزا صاحب نے انہیں بتایا کہ بجائے اس کے "جز ولا ینفک" لکھنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ ان اس لفظ کو سہ "رہنی" بتانا درست ہے، لیکن اس کے آخر میں ہمزہ کی جگہ واؤ لکھنا عجیبوں کا دستور ہے۔ مولوی نجم الحسنی خاں حرم لکھتے ہیں۔
 "تبدیل حرفت چنان کہ در بحر... یعنی ابتدا کردن و افعال ہمزہ آخر ابدال کو درندہ و چھین در جزو یعنی پارہ چیز، بجای ہمزہ واؤ لایسند و خوانند مگر بشرطی کہ اس را مضاف نمایند، چون جزو کتاب و جزو بدایہ والا در عبارت پارسی بدون ہمزہ نویسند۔" (۲)

(۲) جن عربی اسم فاعل کے مبیضوں میں الف کے بعد "ی" آتی ہے، جیسے دائم، قائم وغیرہ، ان کا اطلاق ہمزہ کے ساتھ ہے۔ مگر میرزا صاحب نے بیشتر "ی" کے ساتھ لکھا ہے اور اگر ہمزہ ہے، تو "ہی" کے اوپر چنانچہ مادہ کو مادہ، مطلقہ، کو مطلقہ، جائزہ کو جائزہ اور طائر کو طائر لکھا ہے۔ لفظ قائل اور مائل کو پہلے قائل اور مائل لکھا تھا اس کے تیرون بعد قائل اور مائل لکھا، (۳) وہی حال عربی لکھی ان جہوں کا ہے، جو فو اعلیٰ وزن پر آتی ہیں، مثلاً حقائق و قائق۔ میرزا صاحب نے انہیں بھی خفایق، رقائیق، طہایق وغیرہ لکھا ہے جو عجیبوں کی پیروی ہے۔

(۴) مولانا ابوالولانا کی کتابت میں میرزا صاحب کے یہاں دورنگی

پائی جاتی ہے۔ ایک مکتوب میں انھوں نے ”مولانا“ لکھا ہے۔ مگر اس کے
نولہ دن بعد مولانا اور اولنا لکھا ہے (۱)

(۵) لفظ ”موئے“ اور ”رؤسا“ کو بے ہمزہ کے ”موید“ اور ”رؤسا“ لکھا ہے
یہ بھی عجیب نتیجہ ہے۔

املا کی غلطیاں

میرزا صاحب سے بعض الفاظ کے املا میں بھول چوک بھی ہوئی ہے۔
جو عربی، فارسی، اردو اور انگریزی ہر زبان کے لفظوں میں پائی جاتی ہے
(۱) اردو کا لفظ سوچنا ہے۔ اس کے مشتق ”سوچ“ کو انھوں نے ”سونخ“
اور ”سونچا“ لکھ دیا ہے (۲) اسی طرح ”پہنچنا“ کے مشتق ”پہنچا“ کو ایک جگہ ”پونچھا“
لکھ گئے ہیں (۳) ”گھٹائیں“ ان کے قلم سے ”گٹھائیں“ بن گئی ہیں (۴) ”اکھاڑ ڈالنا“
کی جگہ ”اکھاڑ ڈالنا“ اور فرمایئے ”کی جگہ“ فرمایئے ”تشدید ہے (۵)

(۶) عربی کے معرف باللام اسموں سے پہلے حرف جر ”ب“ ہو، تو اسے
لفظ کے ساتھ ملا کر لکھتے ہیں۔ میرزا صاحب نے بالکل، بالفعل، بالشر کو
بالکل، بالفعل، اور بالشر تحریر کر دیا ہے (۷)

(۸) فارسی کے جن لفظوں میں الف کے بعد ”ی“ آتی ہے، جیسے گنجائش
آئندہ وغیرہ، ان کا صحیح املا ”ی“ کے ساتھ ہے، اور اسی طرح میرزا
صاحب نے لکھا ہے، مگر پائندہ اور فزائندہ کو ”پائندہ“ اور فزائندہ ”لکھ دیا“
خرام کو خورم بوا لکھ دیا ہے، حالانکہ اسی کے مرکبہ ”خرمی“ کو بغیر واد
لکھا ہے (۹)

فارسی کے وہ لفظ جن کے آخر میں ”بد“ آتا ہے، جیسے موبد، اسپہبد،
ہ بفتح با صحیح ہیں۔ میرزا صاحب نے اسپہبد، کو اسپہبد بضم با لکھ دیا ہے (۱۰)
انگریزی الفاظ اپنے زمانے کے تلفظ کے مطابق لکھے ہیں۔ جہاں ”لارڈ“ کو

نیب: ۵۴، ۲ (۱۲) ایضاً: ۳۰، ۴۴ (۳) ایضاً: ۴۱، ۴۲ (۴) ایضاً: ۴۱، ۴۲ (۵) ایضاً: ۴۱، ۴۲ (۶) ایضاً: ۴۱، ۴۲ (۷) ایضاً: ۴۱، ۴۲ (۸) ایضاً: ۴۱، ۴۲ (۹) ایضاً: ۴۱، ۴۲ (۱۰) ایضاً: ۴۱، ۴۲

”لارڈ“ بورڈ، کو بورڈ، ریو نو، سارٹیفکٹ، کو سارٹیفکٹ، پنشن کو پنشن، کلکٹر کو کلکٹر، ہارڈنگ اور ڈیوڑی کو ہارڈنگ اور دھوسی اور سٹیشن کو اسٹیشن لکھا گیا ہے۔

علامت اوقات

میرزا صاحب کی تحریروں میں پرانی علامات اوقات کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔ وہ پیراگراف کے آخر میں اکثر یہ علامت (ط) لکھتے ہیں۔ جو لفظ فقط کی طغرائی شکل ہے، کبھی بارہ کا ہندسہ (۱۲) بھی اس مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں، جو لفظ ”سد“ کے عدد ہیں۔ اس ہندسے کے بارے میں لطیفے کے طور پر مہر کو لکھتے ہیں:

”صاحب، بندہ اثنا عشری ہوں، ہر مطلب کے خاتمے پر بارہ کا ہندسہ لکھا (۱) چند خطوں میں یہ علامت (سغط) پیراگراف کے آخر میں لکھی ہے، جو لفظ بیاض کا مخفف ہے۔ یہ علامت بادشاہوں کے فرامین کے آخر میں بھی پائی جاتی ہے، جس سے غرض یہ تھی کہ آگے کوئی لفظ نہیں لکھا جاسکے، اور اگر کوئی لکھ دے، تو جعلی متصور ہو (۲) رفتہ رفتہ نہ صرف کسی تحریر کے آخر میں بلکہ ایک پیراگراف کے ختم پر بھی بطور علامت خاتمہ لکھنے لگے۔

کبھی نئے جملے کے پہلے لفظ کے اوپر یہ شکل (س) بڑاتے ہیں، جو عربی کے لفظ ثابت، بمعنی قطع کی شکل ہے۔ کچھ خطوں میں نے پیراگراف کے آغاز میں بھی یہ علامت نہائی ہے۔

ایک دو خطوں میں میرزا صاحب نے پیراگراف کو دوسری سطر سے شروع کیا ہے، جو اس کی دلیل ہے کہ وہ انگریزی طریق کتابت سے آگاہ تھے۔ ایک خط میں صفحہ ختم ہو جانے کے باعث کچھ عبارت حاشیہ پر

لکھنا پڑی تھی۔ اس کے ریڑ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے انھوں نے
(۱۵) کا ہندسہ متن کے آخر اور حاشیہ کے شروع میں لکھا ہے !

شعر یا مصرع کے پہلے یہ علامت (۱۵) ضرور لکھتے تھے، جو لفظ
”بیت“ کی محقق شکل ہے۔ ایک ہار نام و تاریخ لکھ دینے کے بعد کوئی
بات یاد آئی، تو اسے ”۱۵“ لکھ کر تحریر کیا ہے۔ عربی کا یہ فقرہ عموماً
جموعہ ہای اشعار میں استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے معنی ہیں
”اس کا“ اس لیے کسی ایک شاعر کے متفرق شعر لکھتے وقت ہر نئے
شعر سے پہلے ”۱۵“ لکھ دیتے ہیں، تاکہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے
کہ یہ شعر بھی اسی شاعر کا ہے، جس کا شعر ابھی گزر چکا ہے۔ میرزا صاحب نے
اسے نثر میں بھی استعمال کیا ہے۔

حسابی رقوم

میرزا صاحب نے رپیوں کی تعداد ظاہر کرنے کے لیے حسابی رقوم
بھی لکھی ہیں، جو بسا اوقات تعداد ظاہر کرنے والے الفاظ کے اوپر بھی
لگتی ہے، لیکن چند خطوں میں عبارت کے بجائے رقوموں پر اور کچھ میں
رقموں کی جگہ عبارت پر بھی اکثفا کی ہے۔

میرزا صاحب نے سوڑپے کی رقم کو اس طرح لکھا ہے (۱۵۵۵۵۵)
آج کل اسے ایک سو ایک پڑھا جائے گا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایک
کی رقم (۵۵۵۵۵) انگریزی کے لفظ یعنی صرف کی جگہ لکھی تھی ہے، تاکہ کوئی
شخص جھلسازی سے سو کی رقم کے آگے کچھ بڑھانہ سکے۔

.....

طباعت خطوط

میرزا صاحب کی ممانعت

مسبب سے پہلے منشی شیونرائین اور نقشبند کو میرزا صاحب کے خطوط کی طباعت کا خیال پیدا ہوا۔ ان دونوں نے علیحدہ علیحدہ میرزا صاحب کو اپنی تجویز سے مطلع کر کے اشاعت کی اجازت چاہی۔ اس عہد تک مراسلت میں انشا پردازی کے تمام اصول و ضوابط کا لحاظ ضروری شمار ہوتا تھا، اور میرزا صاحب کے خیال میں زبان اردو کے پہلے اس بارگہ اس کا تحمل دشوار تھا۔ چنانچہ ہنری اسٹوارٹ سٹارڈ صاحب کی فرمائش اردو کے جواب میں انھوں نے یہ لکھی پٹھا کہ اس زبان میں زور قلم نہ دینا کر کے معافی نازک پیدا کرنا اور اس طرح اپنا کمال انشا علیہ کرنا مشکل ہے۔ اس میں گنجائش عبارت آسانی کہاں، جو کوشش کی جائے! لہذا مجھے اس خدمت سے معاف رکھا جائے! علاوہ انہیں انھوں نے اردو مسرت کاوش پڑھتی سے بچنے کے لیے شروع کی تھی، اور اس وجہ سے کبھی قلم نہ بٹھال کر اور دل لگا کر کوئی خط نہ لکھا تھا۔ ان باران باصفا کی تجویز منظور کر لینے میں خطرہ ہوا کہ کہیں کمال انشائی فارسی کے مداح اردو نثر دیکھ کر شکوہ ستھوری پر حکمت چینی نہ کرنے لگیں، اور اردو کا یہ پھیکا پھکان فارسی کی ادنیٰ دوکان کی شہرت پر وہ ہبہ نہ لگا دے۔ اس لیے ۱۸ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء کو منشی شیونرائین کو جواباً لکھا:

اردو کے خطوط جو آپ بھیجا پڑھتے ہیں، یہ بھی زائد بات ہے بکثرت قلم

(۱) اردو کی علی، ص ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶ پر وہ خطوط ملاحظہ ہوں جن میں میرزا صاحب اردو نثر لکھنے سے انکار کیا ہے، اور ساتھ ہی اس انکار کے وجوہ بھی بتائے ہیں۔

ایسا ہو گا کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا لکھا ہو گا، ورنہ صرف
تخریر سرسری ہے۔ اس کی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی
ہے۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات
اور دل پر ظاہر ہوں، خلاصہ یہ کہ ان رجعت کا چھاپا میرے

خلاف طبع ہے۔

اسی اثنا میں تفتہ کا پرنس درنیا ز نامہ آیا۔ اسے پڑھ کر ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء
کو ادھر منشی شیو نرائن کو لکھا:

رجعتوں کے چھاپے کے باب میں ممانعت لکھ چکا ہوں، البتہ اس

باب میں میری رائے پر تم کو ادھر مرزا تفتہ کو علی کرنا ضرور ہے۔

اور اس طرف تفتہ کی ہٹ کے جواب میں مشفقانہ تخریر لکھا:

رجعتوں کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے۔ لڑکوں کی سی

صند نہ کرو۔ اور اگر تمہاری اسی میں خوشی ہے، تو صاحب مجھ سے نہ

پوچھو۔ تم کو اختیار ہے۔ یہ امر میرے خلاف رائے ہے۔

اس کے بعد ان دونوں نے طباعت مکاتیب کے سلسلے میں کچھ نہیں لکھا
جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ارادہ طباعت نسخ کر دیا گیا تھا۔

غالب کے خطوط کا پہلا مجموعہ: ہر غالب

اس واقعہ کے دو سال بعد سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) میں سرور اور
منشی ممتاز علی خاں رئیس میرٹھ نے میرزا صاحب کی اجازت حاصل
کیے بغیر ان خطوط کی طباعت کا تہیہ کیا، جو سرور کے نام میرزا صاحب
نے لکھے تھے۔ ترتیب کا کام سرور کے سپرد ہوا اور طباعت کا ذمہ ممتاز علی
خاں نے لیا۔ سرور نے کتاب کا نام ہر غالب رکھ کر اس کے

دیباچے میں لکھا ہے:

در ادبایہ علوم کو معلوم ہو کہ میں تاسار ظہور، عبدالغفور متخلص بہ سرور
مارہرورن بد و شہرہ سے ایل سخن و طالب اور صاحب کمال کا خواہاں
تھا۔ جب کلام بلاغت نظام رشک، اصائب فیض طالب، جناب
اسد لہر خاں غالب کا دیکھا، دل کو بھایا، بیکتا پایا۔ ترسیل مراسلات
میں قدم بڑھایا، ہر کتابت کا جواب ایسا جو نامہ کہ بنام
میرے عجائبات اور دستخط پر کیا، مکتوب سادہ روپوں سے دلربا تر،
اور ہر سطر اس کی سلسلہ نویوں سے تاب فرما رہا ہے۔ جس
آنکھ نے دیکھا، وہ بینا ہے، جس کان نے سنا، وہ شنوا ہے۔ پس تنہا
منکذ نہ ہونا اور آپ ہی آپ مزہ اٹھانا خلاف انصاف جانا۔
دل مائل تمام ہشتہ بنت عام ہوا اور سینو زیہ قصد ناتمام تھا کہ بحسن
اتفاق فیض زماں - اجید و رواں - جناب ممتاز علی خاں صاحب،
متوطن میرٹھ رونق افزائے مارہرہ ہوئے . . . ایکے دز
مصلح مدوع میں ذکر ہے۔ دانی و شہید بہائی جناب استاد ی و مخدومی
درمیان آیا۔ ارشاد کیا کہ کلام میرزا صاحب نسیم جانفزا اور شمیم دلکش ہے۔
فارسی کا کیا کہنا! اردو بھی بیکتا ہے۔ نظم و نثر فارسی تو محلی جلیبہ انطباع
ہوا، لیکن نثر اردو پر طبع سے عاری رہا۔ اگر وہ خطوط کہ بنام تمھارے
آئے اور تم نے سناے ہیں، جمع کر دو تو میں اس کے انطباع کا بیڑا
اٹھاتا ہوں۔ اس تقریر سے نسیم تاثیر نے غنجہ نو دل کھلایا بفتای

را اگرچہ سر در نے سنہ ۱۸۶۱ء میں میرزا صاحب کے خطوط مرتب کر لیے تھے، لیکن دیباچہ
لکھنے کی ذہن سنہ ۱۸۶۳ء میں آئی اس لیے کہ عود ہندی دس، میں میرزا صاحب کا ایک خط اس دیباچے کی
تقریر میں درج ہے، اور یہ سنہ ۱۸۶۳ء کا مکتوب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں میرزا صاحب نے
پہ کا حوالہ دیا ہے اور ماقبل کا خط کثرت شور و اورام کی داستان پر مشتمل ہے، جو سنہ ۱۸۶۳ء کا واقعہ ہے۔

خاطر ظہور میں آیا۔ وہ مکتوب کہ بنام میرے آئے تھے، ترتیب دیے۔
گو یا جو اہل بے بہا کاں قلمدان سے نکال کر کشمیری اور ان میں جمع کیے۔
چونکہ محبت جناب غالب میرے خال پر محبت غالب ہے، لہذا نام اس
انشا کا قلم غالب (بکسر میم) مناسب ہے، سالی ختم تالیف بھی اس نام

سے مطابق پایا^{۱۴}

یہ تجویز منظور ہو گئی اور منشی ممتاز علی خاں میرٹھ چلے آئے۔ ابھی طباعت شروع نہ
ہوئی تھی کہ مضمین خیال پیدا ہوا کہ میرزا صاحب کے مزید رقعات تلاش
کے کے اس مجرغے میں شامل کیے جائیں۔ اس خیال کی تکمیل میں قدر ستانے
امداد کی اور انہیں ایک اور مجرغے کا تپا چلا، جو میرزا صاحب
کے علم اور ان کی امداد سے مرتب کیا جا رہا تھا۔

غالب کے خطوط کا دوسرا مجموعہ

یہ مجموعہ پیچبر مرتب کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ارادے کی اطلاع میرزا
صاحب کو پہلے سے دیدی تھی اور خواہش کی تھی کہ ان تمام خطوں کی نقول
بھی جیا کر دیں، جو دوسرے اجاب اور شفا گزروں کے نام لکھے گئے۔ ہیں
میرزا صاحب نے اس التماس کو قبول کر لیا تھا۔ لیکن اس وقت تک
ان کا یہ خیال تھا کہ صرف وہ خط مرتب کیے جائیں، جن میں کوئی ادبی
خوبی ہو۔ روزمرہ کی نجی ضروریات پر مشتمل خطوں کو خارج کر دیا جائے
اس لیے پیچبر کو اب میں لکھا تھا:

”آپ کو معلوم رہے کہ منشی حبیب اللہ ڈکا اور نواب مصطفیٰ خاں حسرتی
کو کبھی اردو خط نہیں لکھا۔ ہاں ڈکا کو غزل اصلاح کے ہر شعر کے
تحت میں نشانہ اصلاح سے آگئی دی جاتی ہے، نواب صاحب کو یوں
لکھا جاتا ہے، ”کہا ر آیا۔ خط لایا۔ آم پیچہ۔ کچھ بانٹے۔ کچھ کھائے۔“

در بچوں کو دعا۔ بچوں کی ہندگی۔ مولوی الطاف حسین صاحب کو سلام۔
 یہ تحریر اس ہفتے میں گئی ہے۔ غرض کہ عامیانہ لکھنا اختیار کیا ہے۔ اب
 یہ عبارت جو نظم کو لکھ رہا ہوں یہ لائق تنقوی مجموعہ نثر اردو کیا ہے؟
 یقین جانتا ہوں کہ اسی نثروں کو آپ خود نہ درج کریں گے؟
 اسی زمانے میں نساخ کو ایک خط لکھا تھا۔ اس کی نقل پیچر کو روانہ کرتے
 ہوئے تنہیداً تحریر کرتے ہیں:

در پیر و مرشد، کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں سکتے ہیں مولوی عبدالغفور خان
 ان کا نام اور نساخ ان کا تخلص ہے۔ میری ان کی ملاقات نہیں انھوں
 نے اپنا دیوان چھاپے کا موسوم بہ دفتر بے مثال مجھ کو بھیجا اس کی
 رسید مینا یہ خط میں نے ان کو لکھا۔ چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کے
 لائق ہے۔ آپ کے پاس ارسال کرتا ہوں ۲۴

مجموعہ خطوط میں ان نجی خطوں کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ پیچر نے ان کے
 اس مشورے کو نہ مانا، اور ہر قسم کے خط شامل مجموعہ کر لیے۔

مقام طباعت

میرزا صاحب کا خیال تھا کہ پیچر اس مجموعے کو الہ آباد میں چھاپا
 وہ مقیم تھے، طبع کراہیں گے، اس لیے ایک انگریز کے استفسار کے سلسلے
 میں پیچر کو لکھا:

در جناب کمیس صاحب بہادر انٹرمدیاٹس غرب و شمال کا باوجود عدم تلائم
 خط مجھ کو آیا۔ کچھ اردو زبان کے ظہور کا حال پوچھا تھا۔ اس کا
 جواب لکھ بھیجا۔ نظم و نثر اردو طلب کی تھی۔ مجموعہ نظم بھیج دیا۔ نثر کے
 باب میں تمہارا نام نہیں لکھا اگر یہ لکھا کہ الہ آباد میں وہ مجموعہ چھاپا جاتا
 ہے۔ بعد از طباعت و حصول اطلاع وہاں سے منگا کر بھیج دیا گا ۲۵

مگر بیخبر نے اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے لکھا کہ منشی ممتاز علی خاں رئیس میرٹھ نے اپنے مطبع میں طباعت کا اہتمام کیا ہے۔ میرزا صاحب ان بزرگ سے واقف تھے، اس لیے بیخبر کی اس خبر پر اطمینان ظاہر کیا، اور جب بیخبر نے دوبارہ ان کا ذکر کیا، تو تخریب فرمایا:

بر حضرت پیر و مرشد، اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علی خاں صاحب سے میری ملاقات ہے، اور وہ میرے دوست ہیں ۱۱

طباعت میں تاخیر

بیخبر نے مکاتیب کی جمع و ترتیب کا کام سنہ ۶۱ء میں شروع کیا۔ میرزا صاحب کے مکتوب الیہوں میں سے جو بزرگ خود ان کے دوست تھے، ان سے براہ راست، اور جن کی خدمت میں خود نیاز حاصل نہ تھا، ان سے بتوسط غالب خطوط کی نقلیں مہیا کیں اور سنہ ۶۵ء میں یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ لیکن میرزا صاحب نے، جو سنہ ۶۳ء کے بعد سے طباعت کا انتظار کرنے لگے تھے، آخر کار مجبور ہو کر تقاضا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک خط کے آخر میں بیخبر کو لکھا ہے:

”اور ہاں حضرت، وہ مجموعہ چھپ گا بالغت، یا چھپے گا بالغت۔ چھپ چکا ہو تو حق الثمن کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علی خاں صاحب کی ہمت اقتضا کرے، فقیر کو بھیجے ۲۵“

احباب کے تقاضے

اس مجموعے کی ترتیب میں مختلف اصحاب کے پاس سے خطوط کی نقلیں منگائی گئیں تھیں، اس لیے ملک میں اس کی شہرت ہو چکی تھی۔ حسب اشاعت میں زیادہ تاخیر ہو گئی، تو میرزا صاحب کے پاس تقاضے کے

خطوط آنے لگے۔ ان تقاضوں سے پریشان ہو کر میرزا صاحب نے
، مارچ سنہ ۱۸۶۲ء کو بیخبر کے نام حسب ذیل خط لکھا،
”ہاں! حضرت، کہئے، منشی ممتاز علی خاں کی سہمی بھی مشکور ہوگی و وہ
مجموعہ اردو نسخہ نگار، یا چھاپہ ریسے گا؟ احباب اس کے طالب ہیں،
بلکہ بعض نے طلب کو سرحد تقاضا پہنچا دیا ہے“
پنجاب احاطے کی نالگ

ان تقاضا کرنے والے احباب میں سب سے زیادہ حصہ زمرہ دلا رن
پنجاب نے لیا تھا۔ ان سے مجبور ہو کر میرزا صاحب نے منشی ممتاز علی خاں کو
مزم ٹھہراتے ہوئے بیخبر کو تحریر کیا:

”اے میرزا صاحب! منشی ممتاز علی خاں کیا کر رہے ہیں؟ رقبے جمع کیے اور
نہ چھپوا رہے۔ فی الحال پنجاب احاطے میں اس کی بڑی خواہش ہے۔
جانتا ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ ان سے کہیں۔
مگر یہ تو حضرت کے اختیار میں ہے کہ جتنے میرزا خطوط آپ کو پہنچ
ہیں، وہ سب یا ان سب کی نقل بطریق پارسل محمد کو بھیج دیں۔ جی
یوں چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب ادھی پارسل ہو“

میرزا صاحب کا دیباچہ

غالباً اس کے جواب میں بیخبر نے میرزا صاحب کو لکھا کہ آپ مجموعہ
نثر اردو کے لیے دیباچہ لکھ کر روانہ فرمائیں، تو قراب مطبع کو بھیجی
جائے۔ اس سلسلے میں میرزا صاحب نے تحریر فرمایا:

”میں صاحب فرمائش ہوں، اٹھنا بیٹھنا ناممکن ہے۔ خط طے طے لیتے

لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں؟“

بیخبر نے اس کے بعد بھی دیباچہ لکھنے کی درخواست کی تو انھیں طریقہ

انداز میں لکھا:

”بندہ پرور! اگر ایک بندہ قدیم، کہ عمر سحر فرمان پذیر رہا ہو، بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لائے، تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجبوراً نثار درد کا اظہار اگر میرے لکھے ہوئے دیباچے پر موقوف ہے، تو اس مجبورے کا چھوٹا بالفتح میں نہیں چاہتا بلکہ عجیب مانا بالغم چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

رسم است کہ مالکانِ تحریر آزاد کنند بندہ پیر
آپ بھی اسی گروہ، یعنی مالکانِ تحریر، میں سے ہیں، پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے؟

مود ہندی

بیخبر نے میرزا صاحب کا عذر تسلیم کر کے اپنے جمع کردہ خطوط افشی متنازعہ خاں کے پاس بھیج دیے۔ افشی صاحب نے سرور اور بیخبر کے مجموعہ ہای مکاتیب کو یکجا کرنے کے مود ہندی نام رکھا، اور خود دیباچہ لکھ جمع و ترتیب میں سعی کرنے والے اصحاب کی محنت کی اس طرح

داد دی:

... بنجم الدولہ اسد اللہ خاں بہادر غالب جن کی ذات با کمالات محتاج تعریف نہیں..... سارا ہند انھیں جانتا ہے۔ ایوان ملک ان کی جادو بیانی کا چرچہ ہے۔ مجھے مدت سے اس کا خیال تھا کہ فارسی کی تصنیفیں قرآن کی بہت مرتب ہوئیں اور چھاپی گئیں.... مگر کلام اردو نے سوائے ایک دیوان کے ترتیب نہ پائی۔ یہ دولت اور باب شوق کے ہاتھ نہ آئی۔ حالانکہ نثار درد ان کی اور ولی کی

(۱) مود بہ اسبہاں یہ امر واضح کر دیتا ہے: غلط فہمی ہو گا کہ تحریر کے معنی غلام آزاد کرنے کے ہیں، اور مالکِ تحریر وہ شخص کہ مالک ہے جس کے پاس غلام ہو، میرزا صاحب نے ازراہ لطیفہ تحریر سے عام بول چال کے مطابق، لکھا مراد یہاں مالکِ تحریر کو افشی اور یکایک معنی قرار دے کر تحریر سے غمازش کی کہ جیسا کہ مالکِ تحریر مراد ہے، لکھنے والے کیلئے بہترین دیکھا کہ کام کیلئے۔

فارسی سے ہزار درجہ بہتر ہے، یہ سلاستِ بیان، پستلگی، زبان و روزمرہ کی مصافی، اداؤں کی شوخی، کسی کو کب میسر ہے؟ اسے بھی ترتیب دیجیے۔ قدر دانوں پر احسان کیجیے۔ میرے عنایت فرما اور میرزا صاحب کے شاگرد کیونچہ دھری عبدالغفور صاحب سرور تخلص سے یہ ذکر آیا، تو انہوں نے جتنے خطوط میرزا صاحب کے ان کے نام آئے تھے، سب کو ایک جاکر کے اور اسپر ایک دیباچہ لکھ کے، وہ مجموعہ عنایت کیا۔ عرصے تک سرگرم تلاش رہا۔ جا بجا سے اور تحریریں میرزا صاحب کی ہم پہنچا میں۔ بڑی محنت اٹھائی، تب تمنا برآئی، اور مجموعہ مرتب ہوا۔ آج پورا اپنا مطلب ہوا۔

خواجہ غلام غوث خاں صاحب بہادر بیچر، جو نواب علی القاب لغت نگار گورہ بہادر ممالک مغربی و شمالی کے میر فشی اور میرے مخدوم خاص اور حضرت غالب مدد صاحب کے مخلص بااختصاص ہیں، اس تلاش میں میرے سین اور مددگار رہے۔ بہت کچھ ذخیرہ ان کی بدولت پہنچا۔

اس کتاب کی دو فصل اور ایک خاتمہ ہے۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کے مرتب کیے ہوئے خطوط اور ان کا لکھ ہوا دیباچہ، دوسری فصل میں میرے جمع کیے ہوئے رقعات اور خاتے میں چند نثریں ہیں، جو جناب غالب نے اوروں کی کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں۔ عود ہندی اس کتاب کا نام ہے۔ ۱۱۱

عود ہندی کا سال طہامت

عود ہندی کا یہ ایڈیشن فشی ممتاز علی خاں نے اپنے مطبع مجتبائی واقعہ شہر میرٹھ میں طبع کیا۔ کتاب ۱۸۸۱ صفحات پر تمام ہوئی خاتمہ تلق

میرٹھی نے لکھا۔ آخر میں جانتا رہی قطعے اضافہ کیے گئے۔ ان میں ایک قلعہ کا، ایک اُن کے شاگرد محو میرٹھی کا اور بقیہ دو غالباً خود میرٹھی ممتاز علی خاں کے ہیں۔

ان قطعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۸۵ ہجری میں طباعت پایہ تکمیل کو پہنچی۔ آخری صفحے کے نیچے گوشے میں ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ ہجری ۱۶۷۸ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ء درج ہے، جس سے تاریخ ۱۵ مئی ۱۸۶۸ء ہجرت ہوتی ہے۔

میور صاحب کی نذر

آخری قطعے کے مطالعے سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ میرٹھی ممتاز علی خاں نے میور صاحب دسر ولیم میور گورنر مالک مغربی و شمالی کی خدمت میں خود کا مطبوعہ نسخہ نذر گزارا تھا۔ سر ولیم میور علوم مشرقیہ کے عالم تھے، بیچنے والے، جو خود ہندی کی جمع و ترتیب میں براہم کے شریک تھے، طابع کو مشورہ دیا ہو گا کہ مطبوعہ نسخہ صوبے کے اعلیٰ حاکم کے نام مننون کر کے نشر و اشاعت کی تکمیل پر مہر توثیق ثبت کریں۔ اس زمانے میں اردو زمان میں ایسی نادر کتابیں محدودے چند شائع ہوتی تھیں۔ گورنمنٹ بعض سیاسی مصالح کے ماتحت نئی مفید کتابوں کی اشاعت میں اتمام کے نام سے یا امداد طبع کہہ کر اخراجات کا بار اٹھایا کرتی تھی، البتہ نہیں کہ میرٹھی صاحب کو بھی کچھ روپیہ مل گیا ہو۔

میرزا صاحب کا حق تصنیف

ایک بار میرزا صاحب نے کتاب کی فوری اشاعت کا تقاضا کرتے ہوئے بیچنے کو لکھا تھا،

”اور ہاں، حضرت، وہ محمد و محبوب چکا ہو تو حق انصاف کی جتنی حد میں میرٹھی ممتاز علی خاں صاحب کی ہمت اقتضا کرے، فقیر کو بھیجے گا“

عمود ہندی میرزا صاحب کے انتقال سے کئی ماہ پہلے شائع ہو چکی تھی۔ لیکن ان کے مکاتیب میں اس کی طباعت یا حق تصنیف کے نسخوں کی وصولیابی کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

عمود کے رقعات کی تعداد

عمود ہندی کے کل رقعات کی تعداد ۱۶۲ ہے۔ ان میں ۲۵ سرور کے نام، ۲ صاحب عالم مارہروی کے نام، ۲ شاہ عالم مارہروی کے نام، ۱۰ شفق کے نام، ۴ عزیز کے نام، ۳۱ مجسروح کے نام، ۱ امیر سرفراز حسین کے نام، ۱ عثمانی کے نام، ۱ افسقہ کے نام، ۱۸ تہر کے نام، ۲۵ بیختر کے نام، ۱ الساج کے نام، ۱ اظہیر الدین خاں کی طرف سے ان کے چچا کے نام، ۱ شیفتہ کے نام، ۱ ارغنا مراد آبادی کے نام، ۱ سرزار حیم بیگ کے نام، ۱۰ شاکر کے نام، ۱۵ جنون بریلوی کے نام، ۱ مولوی عزیز الدین کے نام، ۱ سید محمد عباس صاحب کے نام اور اٹھنی غلام بسم اللہ صاحب کے نام ہیں۔

ان خطوط کے علاوہ دو تقریظیں، قہر کی مثنوی کی تقریظ اور سرور کی گلزار سرور کی تقریظ، اور تین دیباچے، حدائق الانظار کا دیباچہ قواعد نذیر، تانیث کا دیباچہ، اور مرزا کلب حسین خاں بہادر کے مجموعہ قصائد کا دیباچہ بھی کتاب میں شامل ہیں۔ ایک خط بیختر کا بھی درج کیا گیا ہے۔ جو میرزا صاحب کے خط کا جواب اور اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے مرتبہ کی نظر میں شامل مجموعہ ہونے کے قابل تھا۔

غالب کے خطوں کا تیسرا مجموعہ

ابھی عمود ہندی طبع ہونے نہ پائی تھی کہ اطراف ہند سے میرزا صاحب کے مجموعہ خطوط کی مانگ شروع ہو گئی۔ میرزا صاحب نے بیختر کو ان کے مرتب کردہ مجموعے کی طباعت کے متعلق بار بار لکھا، اور جب سال پڑا

گزرنے لگا اور کسی طرح کتاب نہ چھپی، تو انہیں اس کی طباعت کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ اجاب دہلی نے میرٹھ کے کارپہ دازوں کا سوال دیکھ کر اس شرف کو خود حاصل کرنے کا تہیہ کیا، اور مالک اکل المطابع دہلی کو اخراجات طباعت برداشت کرنے پر آمادہ کیا۔ اب خطوط کی فراہمی کا مسئلہ باقی رہتا تھا۔ وہ اس طرح حل ہو گیا کہ خود میرزا صاحب جو اپنی انشا کی حقیقی قدر و قیمت اور بازاری مانگ سے باخبر ہو چکے تھے، اس میں ہاتھ بٹانے کے لیے تیار ہو گئے۔ چاروں طرف اہل خط طریا ان کے نقول کی طلب میں خطوط لکھ گئے، اور رفتہ رفتہ کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا۔ اس سلسلے میں خود میرزا صاحب نے جن اجاب کو لکھا ان میں سے بچر اور ملائی کے متعلق دستاویزی ثبوت موجود ہے۔ بقیہ صاحب نے میرزا صاحب کے تعارفی خطوط کی نقلیں نہیں بھیجیں، اس لیے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون بزرگ تھے، جنہیں خود میرزا صاحب نے ارسال نقول کے لیے لکھا تھا۔ بچر کے نام کا خط پنجاب احاطے کی مانگ کے تحت درج ہو چکا ہے، علاقائی کو سب سے پہلا مکتوب ان کے دوبارہ سپینچے کے بعد لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

”مقصود ان سطور کی تحریر سے یہ ہے کہ مطبع اکل المطابع میں چند اجاب میرے مسودات اردو جمع کرنے پر اور اس کے چھپوانے پر آمادہ ہوئے ہیں، مجھ سے مسودات مانگے ہیں، اور اطراف و جوارب سے بھی فراہم کیے ہیں۔ میں مسودہ نہیں رکھتا۔ جو لکھا وہ جہاں بھیجنا ہو، وہاں بھیج دیا۔ یقین ہے کہ خط میرے تمھارے پاس بہت ہوئے۔ اگر ان کا ایک پارسل بنا کر بسیل ڈاک بھیج دو گے، یا آج کل میں کوئی ادھر آئیو والا ہو، اس کو دیدو گے، تو موجب میری خوشی کا ہو گا۔ اور میں ایسا جانتا ہوں کہ اس کے چھاپے

جاتے سے تم بھی خوش ہو گے ۱۷
 اس خواہش کی تکمیل میں ملائی تے پس وجہ یہ کیا۔ میرزا صاحب نے سمجھا
 کہ غالباً نواب صاحب نجی معاملات کی اشاعت کے خیال سے گریز کر
 رہے ہیں۔ اگرچہ کچھ عرصہ قبل خود میرزا صاحب نے قفقہ کو یہ کہہ کر اشاعت
 خطوط سے روکا تھا کہ نجی واقعات کو منظر عام پر لانا کیا ضرور ہے،
 لیکن اب انکا ادبی عقیدہ بدل چکا تھا، اس لیے نواب صاحب
 کے اس خیال کی تردید میں تحریر کیا:

میر نے خطوط اردو کے ارسال کے باب میں جو کچھ نے تم نے لکھا، تمہارے
 منطبع پر تم سے بہت تھا، میں سخت بے مزہ ہوا۔ اگر بے مزگی کے
 وجہ لکھوں، تو شاید ایک شتہ کا غز سیاہ کو نا پڑے۔ اب ایک
 اتنا موجز و مختصر لکھتا ہوں۔ سو بھائی، اگر ان خطوط کا تم کو اخفا
 منظر ہو، اور شہرت تمہارے منافی طبع ہے، تو ہرگز نہ بھیجو۔ قصہ
 تمام ہوا۔ ادران کے تحت ہونے کا اندیشہ ہے، تو میرے دستخطی
 خطوط اپنے پاس رہنے دو، اور کسی مقصدی سے نقل اتروا کر بچاؤ
 کسی کے ہاتھ چاہو۔ بسبیل پارسل ارسال کرو، لیکن جلد۔ خدا کے
 واسطے کہیں فیس میں آکر نہ عطائی تو بھائی تو، کہہ کر اصل خطوط
 نہ بھیج دینا، کہ یہ امر میرے مخالفین مفقود ہے ۱۸

معلوم ہو تا ہے کہ اس خط کے بعد بھی ملائی نے ارسال نقول میں توقف
 کیا تھا، مگر میرزا صاحب نے پھر اس کے متعلق کچھ نہ لکھا، اور جب انہوں
 نے اصل خطوط بھیج کر میرزا صاحب کے ترک طلب کا سبب دریافت
 کیا، تو صبح شنبہ ۳ مئی سنہ ۱۸۶۳ء کو اذرا و معذرت لکھا:

لا موجود الا اللہ! اس خدا کی قسم، جس کو میں نے ایسا مانا ہے، اور

اس کے سوا کسی کو موجود نہیں جا سکتا، کہ خطوط کے ارسال کو مکرر نہ لکھنا ازراہ طمان نہ تعوار طالب کے ذوق کو کسست پا کر میں متوقع نہ ہو گیا۔ متوسط ایک جلیل القدر آدمی اور طالب کتب کا سوداگر ہے۔ اپنا نفع نقصان سوچے گا، لاگت پخت کو جانچے گا۔ میں متوسط کو ہمت نہ سمجھا تھا، اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھپوٹے گا۔ ہر رقعے ایک جگہ سے لیکر اس کو بھیجے۔ اس کی رسید میں تقریباً انھوں نے طلب رقعات بہ تکلیف سوداگر لکھی، اور اس سوداگر کو مفقود انجنر لکھا۔

ظاہر اکتا میں لیکر کہیں گیا ہو غلطیام کتاب میں لینے گیا ہو گاسیہ ۲۳ لغاتے اور ۳ خط بوسٹور میرے بجس میں موجود محفوظ رہیں گے اگر متوسط بتقاضا طلب کرنے گا، ان خطوط کی نقلیں اس کو اور اصل تم کو بھیج دوں گا، در نہ تمھارے بھیجے ہوئے کا فز تم کو پہنچ جائیں گے۔

غالب اس خط کی ردائی کے بعد ہی ہتم مطبع نے خطوط کی نقلیں حاصل کیں میرزا صاحب یکا شنبہ ۳۰ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۰ ۲۱ جون سنہ ۱۸۶۳ء کو اصل خطوط واپس کر کے لکھتے ہیں:

در میری جان! مرزا علی حسین خاں آئے اور مجھ سے ملے میں نے خطوط مرسلہ تمھارے یکا مشت ان کو دیے۔ اب تمھارے پاس بھیجے گا ان کا اختیار ہے، رسید کا البتہ مجھے انتظار ہے۔

اردو علی

خطوط کا یہ بنسرا مجموعہ اردو علی کے اسم سے موسوم ہوا۔ مجروح نے اس کا دیباچہ اور سالک نے اس کا خاتمہ لکھا۔ کتاب دھوئیں میں منقسم ہوئی۔ پہلے حصہ میں صافات صافات عبارت کے خط تحریر کیے

طالبہای مدرسہ فائدہ اٹھائیں، دوسرے حصے میں مطالب مسئلہ کی تحریر اور تقریظ و ترجمہ لکھی۔ غالباً پہلی بار صرف حصہ اول شائع ہو سکا، اس لیے کہ کتب خانہ مایہ را میور میں جو نسخہ موجود ہے، وہ مکمل ہوتے ہوئے صرف حصہ اول پر مشتمل ہے۔

اردو دی معلی کا سال طباعت۔

یظاہر یہ یقین کرنے کے تمام وجوہ موجود تھے کہ خطوط کا یہ مجموعہ جلد از جلد شائع ہو گا۔ لیکن قدر شانے اس ادبی انقلاب کی ادیت کا شرف میرٹھ ہی کو ودیعت کیا تھا۔ عود ہندی ۱۰ رجب سنہ ۱۲۸۵ھ کو شائع ہو گئی۔ اور اردو دی معلی میرزا صاحب کے انتقال کے ۱۹ دن بعد، ۲۱ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۵ھ ۲۱ مارچ سنہ ۱۸۶۹ء کو چھپ کر تیار ہوا۔ ۲۰ سال گتے سال طبع لکھا۔

لسب پونا لول کا از دھام ہوا
سبب رخ خال دھام ہوا
آج آن کا سخن تمام ہوا

کیا کہوں کچھ نہیں جاتا
صدمہ مرگ حضرت غالب
ہے یہی سال طبع و سال دنیا

مقام طباعت اور حق تصنیف

اردو دی معلی، دلی کے مطبع کل المطابع میں طبع ہوا، حکیم غلام رضا خاں اس کے مالک، میر فخر الدین مہتمم، اور لالہ بہاری لال منشی تھے۔ کتاب کے آخر میں ایک اعلان شائع ہوا کہ اس کا حق تصنیف میرزا صاحب نے حکیم غلام رضا خاں کو عطا کر دیا ہے، اور ایکسار قعہ بطور سند لکھ دیا ہے، لہذا کوئی صاحب حکیم صاحب کی بلا اجازت رقیات چھاپنے کا قصہ نہ کریں۔ اس کے بعد میرزا صاحب کے حسب ذیل تحریر چھپی:

”پیکرے روح درواں، فقیر اسد اللہ خاں غالب تخلص پیچیدہ لکھتا ہے“

اور لکھ رہا ہے کہ یہ چار دوی معنی تصنیف فقیر مطیع اکمل المطالع
دہلی میں چھاپا ہوا، سو میں نے اذراہ فرطِ محبت اپنا حق تالیف فوراً
اقبال نشان، حکیم غلام رضا خاں کو بخش دیا ہے اور اس حق کو خاص
حق کا حق کیا۔ اب اور کوئی صاحب اگر مالک اکمل المطالع حکیم غلام
رضا خاں کے بے اطلاع اردوی معنی کے چھاپے کا تعدد کریں گے، تو
مواخذے سے محفوظ نہ رہیں گے اور فوراً حسبِ قضاء قانونِ ستم
سنہ ۱۳۸۴ء اور سنہ ۱۳۸۵ء میں گے۔ دھرم پنجم الدولہ دیر الملک اسد اللہ
بہادر غلام جنگ ۱۳۸۴ء

اردوی معنی کا پہلا ایڈیشن

اردوی معنی حصہ اول کا پہلا ایڈیشن ۴۷۴ صفحات پر مشتمل ہے، جن
میں ۴ صفحے مجروح کے دیباچے کے ہیں۔ پانچویں صفحے کی پندرہویں سطر سے
خطوط متفرع ہو کر صفحہ ۵۸ کی تیرہویں سطر پر ختم ہوتے ہیں، اور باقی
چار سطریں خاتمۃ الطبع پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۵۹ء سے ۷۱ء کی ساتویں
سطر تک سالک کا خاتمہ ہے۔ اس کے بعد جوہر کی تاریخ طبع ۱۲ اور پھر
اسی صفحے کی گیارہویں سطر سے صفحہ ۷۴ کی تیرہویں سطر تک تصبیحِ افلاط
کا نقشہ ہے۔ بعد ازاں میرزا صاحب کا اعلان عطیہ حق تالیف ہے۔
کتاب خانہ رامپور کے نسخے کے شروع میں زرد رنگ کا سرورق
نما (۱) یہ میرزا صاحب کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔ اس لیے اس میں
مستحقینِ سرورق نہیں لکھا گیا ہے۔

رقعات کی تعداد

اردوی معنی کے اس ایڈیشن کے رقعات کی کل تعداد ۷۴۴ ہے
(۱) اردوی: ۷۴۴ (۲) ڈاکٹر صدیقی صاحب دالکباد کے پاس اس ایڈیشن کے نسخے میں آمد دولہا کی روح لکھے
سبز رنگ کے کاغذ کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کے لیے مختلف رنگوں کے کاغذ کا اہتمام کیا گیا تھا۔

ان میں ۱۰ نواب میر غلام بابا خاں بہادر کے نام، ۱۱ سیاح کے نام، ۱۰ ڈاکا کے نام، ۹ نقفہ کے نام، ۳ شاہزادہ بشیر الدین صاحب بہادر کے نام، ۵ سید بدر الدین المعروف بہ فقیر کے نام، ۱۶ سردار مارہروی کے نام، ۲ میر سرفراز حسین کے نام، ۳۰ مہر ورج کے نام، ۲ شاہ عالم صاحب کے نام، ۲ صاحب عالم نام کے نام، ۱۰ نسخ کے نام، اعزیز کے نام، ۱۱ قاضی عبد جمیل جنون بہلوی کے نام، ۲ رعتا مراد آبادی کے نام، ۲ شاگر کے نام، ۱ مولوی عزیز الدین کے نام، مفتی سید عباس کے نام، ۱۳ حکیم غلام نجف خاں کے نام، انجم الدین حیدر خاں کے نام، ۵ وفا کے نام، ۲ مولوی احمد حسن فتویٰ کے نام، ۱۱ حکیم سید احمد حسن مودودی کے نام، ۱۲ افضل حسین خاں کے نام، ۱۸ قہر کے نام، ۲ منشی بی بخش کے نام، ۱ منشی عبد اللطیف ابن منشی بی بخش کے نام، ۱۲ بیچر کے نام، ۱ فیروز کے نام، ۲ مرزا شہاب الدین احمد خاں کے نام، ۱۹ شفق کے نام، ۳ میران صاحب کے نام، ۲ سالک کے نام، ۲ رضوان کے نام، ۲ کاتل کے نام، ۳ حسین مرزا کے نام، ۱۲ یوسف مرزا کے نام، ۳۳ منشی سید نورین کے نام، ۲ بابہر گوہر بند سہائی کے نام، ۱۰ نواب امین الدین احمد خاں بہادر کے نام، ۵ علانی کے نام، ۱۰ فرخ مرزا کے نام، ۱ میکش کے نام، ۱ حکیم غلام مرگئی خاں کے نام، ۱ حکیم غلام رضا خاں کے نام، ۳ باسٹر بیابے لال کے نام، ۲ جوہر کے نام، ۱ منشی پیر سنگھ کے نام، ۱۰ در مشتاق کے نام ہیں۔

اردوئی معلیٰ حصہ دوم

غالباً میرزا صاحب کے یکایک انتقال کے مددے نے ہتھمیں اشاعت اردوئی معلیٰ کو حصہ دوم کی ترتیب و طباعت کی طرف سے بروقت نظر کر دیا، اور یہ حصہ دیباچے کے وعدے کے باوجود شائع نہ ہو سکا۔ سنہ ۱۸۹۹ء میں مولوی عبدالاحد مرحوم، مالک مطبع مجتہانی دہلی نے اردوئی معلیٰ کی اشاعت کا ارادہ کیا۔ خواجہ حاجی مرحوم نے حصہ دوم کے لیے

کچھ مواد عطا فرمایا، جو ہنرمند طباعت نے حصہ دوم کے نام سے آخر میں شامل کر دیا۔ خود عبدالاحد مرحوم کے الفاظ میں: ”اس حصے میں خاکبر وہ رقعات ہیں جن میں انھوں نے (میرزا صاحب نے) لوگوں کو اصلاحیں دی ہیں، یا شاعری کے متعلق کوئی ہدایت کی ہے، یا کوئی نکتہ بتایا ہے، اور بعض کتابوں کے دیباچے اور ریویو بھی ہیں۔“

چونکہ مجروح نے بھی تقریباً اسی قسم کے خطوط مرتب کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس لیے کچھ بعد نہیں ہے کہ مجروح کا ذخیرہ خواجہ صاحب کو مل گیا ہو اور ہنرمند مطبع نے اس حقیقت کا اظہار یکے بغیر کتاب چھاپا دی ہو۔

نقطہ بحثی کا حصہ دوم ۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں، سفروں کا ایک مختصر تقریبی فہرست ہے۔ اس کے بعد سراج المعرفۃ اور حدائق الانظار کے دیباچے ہیں۔ بعد ازاں شاہ ظفر کی ایک کتاب اور سردار کی گلزارِ سرور کی تقریبات ہیں۔ ان کے بعد دیوانِ اسکا، میرزا گلپا جین خاں نادر بنارس کی ایک کتاب، نیز ۲ سالہ تذکیر تائیس مضافہ صغیر بلگرامی کے دیباچے ہیں۔ یہ تمام دیباچے اور تقریبات صفحات ۱-۳۱ پر درج ہیں۔ ان کے بعد اسی صفحے سے اصلاحی خطوط شروع ہوتے ہیں، جن میں ۳ خطوط تفتہ کے، ۱۱ ماسٹر پیارے لال کے نام، ۵ ذکا کے نام، ۵ سیاح کے نام، ۲ شاہزادہ بشیر الدین کے نام، ۱ ہشیار کے نام، ۱ مولوی کرامت علی کے نام، ۱ امجد علی کے نام، ۱ منشی میرا سنگھ کے نام، اور ۲ مجروح کے نام ہیں۔

ضمیمہ اردو مسلی

سنہ ۱۲۲۹ء میں شیخ مبارک علی صاحب، تاجر کتب لاہور نے اردو مسلی کے حصہ اول و دوم کے ساتھ خوش کامرتب کیا ہوا ایک ضمیمہ

شائع کیا ہے۔ یہ ۲۳ خطوط پر مشتمل ہے، جن میں سے ۲۲ قدر بلگرامی کے نام، اور ایک شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام خطوط مولوی علی اصغر صاحب بلگرامی نے مولانا حسرت موہانی کے ماہانہ رسالے ”اردو معلیٰ“، علیگرہ، کے دسمبر سنہ ۱۰۰۷ء کے پہلے میں شائع کیے تھے۔ سرخوش نے اس پرچے کے حوالے بغیر خطوط نقل کر دیے ہیں۔

اس ضمیمے کے آغاز میں دو خط اور شامل کیے گئے ہیں، جو شیخ صاحب کو شفیق مکرم آغا محمد باقر، بمبرہ حضرت آزاد دہلوی، سے دستخط ہوئے تھے۔

میرزا صاحب کے خطوط کا آخری مجموعہ، مکاتیب غالب

مذکورہ بالا مجموعوں کی اشاعت سے ساٹھ سینسٹھ برس بعد یاسیت عالیہ راجپور کی طرف سے میرزا صاحب کے ان خطوط کا مجموعہ مکاتیب غالب کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے، جو موصوف نے نواب فردوس مکاں، نواب خلدیشیاں یا دابستان دربارہ کے منظم کیے تھے۔

سرکار راجپور سے میرزا صاحب کی مراسلت بارہ سال تک جاری رہی۔ اس عرصے میں اہل راجپور سے بھی ان کے غلصے تعلقات قائم ہو گئے تھے اور متعدد اصحاب سے خط کتابت بھی رہتی تھی۔ لیکن سوہ اتفاق سے اس کی مراسلت کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ اس مجموعے میں صرف وہ خط مرتب کیے گئے ہیں، جو دارالانشاء میں محفوظ تھے۔

مکاتیب کی تعداد

مجموعہ ہذا کے مکاتیب کی تعداد ۱۲۹ ہے ان میں سے ۳۴ خط نواب فردوس مکاں کے اور ۹۵ نواب خلدیشیاں کے حضور میں

پہلے ہوئے تھے، بقیہ میں سے ۲ صاحبزادہ سید زین العابدین خاں بہادر کے نام، ۲ صاحبزادہ سید عباس علی خاں بہادر بنیاب کے نام، ۲ ششی سچند میر معنی کے نام، ۱ خلیفہ احمد علی احمد راہپوری کے نام، ۱ اور ۱ مولوی محمد حسین خاں، مدیر و مدیر سکھری، کے نام ہے۔

نواب فردوس مکاں کے نام کے خطوط میں، ۱۴ فارسی زبان کے اور بقیہ ۹۳ اردو کے ہیں۔ اور چونکہ مجموعے میں ایک فارسی قصیدہ مستقل نمبر کے تحت درج ہوا ہے، بنا بریں ان کے نام کے خطوط کی تعداد ۱۴۴ اور کل مکتوبات کا شمار ۱۳۰ ہو گیا ہے۔

کے شوہ خطوط کی تعداد

نواب فردوس مکاں اور نواب غلام شہیاں کے فرامین کے مسودوں میں مرزا صاحب کے زیر نظر مکاتیب میں تقریباً ۱۳۵ ایسے خطوط کے حوالے ملتے ہیں جو شلوں میں موجود نہیں ہیں۔ یہ سب خط بھی محفوظ ہوتے، تو مکاتیب غالب کی تعداد ۴۶۳ ہوتی، جو اور بڑھ جاتی، اگر ان کی اولیٰ شہر سے خط کتبہ بھی دستیاب ہو سکتی۔ لیکن در دست دیگر فہرست سفید سپاہ ما



مسکایہ فیہ السبب
متن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 ”بحضورِ نواب صاحبِ والا مناقبِ عالی شان، قلمِ فیض و عمان
 ان، جنابِ نواب محمد یوسف علی خان بہادر، دامِ اقبالہ مقبول باد“
 [نواب سید یوسف علی خان بہادر، فردوسِ مکاں، طاب ثراؤ، نوابیہ]

محمد سعید خان بہادر، ابنِ نواب سید غلام محمد خان بہادر، ابنِ نواب
 سید فیض اللہ خان بہادر، ابنِ نواب سید علی محمد خان بہادر، مائی ریاستِ روضہ
 کے فرزندِ اکبر تھے۔ آپ جنابِ عالیہ فتح النساء بیگم صاحبہ، بنتِ محمد نور خان بڑیچ،
 ہمیشہ زادہ نواب سید فیض اللہ خان بہادر، کے بطن سے دو شنبہ ۵ ربیع الثانی
 ۱۲۵۰ ہجری (۵ مارچ ۱۸۳۴ء) کو متولد ہوئے، اور دو شنبہ ۳۰ ربیع الثانی ۱۲۵۱ ہجری
 (یکم اپریل ۱۸۳۵ء) کو مسندِ حکمرانی پر قدم رکھا۔ جلوس کے دو سال دو ماہ بعد، ۱۲۵۲
 ۱۲۵۳ء (۹ مئی ۱۸۳۷ء) کو مشہور واقعہ غدر رونما ہوا۔ آپ نے اس فتنے کے
 فرو کرنے میں حکومتِ ہند کی اعانت کر کے، سلسلہٴ اعترافِ خدمات میں ہزار روپے کا
 خلعت، ایک لاکھ فیفٹی ہزار روپے سالانہ آمدنی کا جدید علاقہ، اور ”فرزندِ دلیر“
 دولتِ انگلشیہ کا خطاب حاصل کیا، سلامی گیا رہ ضرب توپ کے بجائے تیرہ مرتبہ
 نقر کی گئی، اور مراسلت میں انقاب و آدابِ نواب صاحبِ مشفق بسا۔
 مہربان کرم فرمای، مخلصانِ سلامت، بعد از شوقِ ملاقاتِ مسرتِ آیات
 مشہودِ خاطر الطافِ ذخائرِ مہربانہ ”سے پایا۔ آپ نے خود اس عیلے کی

حسب ذیل تاریخ ارشاد فرمائی ہے۔

جب گورنمنٹ سے ہوا حاصل ملک مجھ کو بعینہ انعام
ناظم، از روی ہمت عالی سال بخشش ہے بخشش حکام

۱۲۷۶

آپ نے عربی و فارسی کی باقاعدہ تعلیم پائی تھی۔ فارسی میں غلیظ غیاث الدین
عزت رامپوری، مصنف غیاث اللغات، اور میرزا غالب سے، اور علومِ عربیہ
و حکیمین مفتی صدر الدین خاں آزدہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی سے ملے
مقابلہ تحت نشینی کے بعد شروع سخن کا مشغلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ ناظم تخلص
فرماتے تھے، اور میرزا غالب سے منورہ سخن تھا۔ مکمل رس ذہن و لہجہ
شوخ طبعیت، اور عجوبہ روزگار استاد نے ان کو زبان اردو کا ایک
بلند پایہ شاعر بنا دیا ہے۔ موسن و غالب کے بعد ان کی نظیر "الاشفاقا" کا
کالم رکھتی ہے۔ دیوان دوبار شائع ہو چکا ہے۔

آپ فنونِ سپہگری میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے جسم
مضبوط اور چہرہ نہایت خوش قطع تھا۔ دائرہ صاف اور بونھیں
باریک رکھتے اور اس زمانے کے رواج کے مطابق اکثر رنگین درتیا
لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

آپ نے دس سال چاکریت کر کے بچے کے دن ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۸۴
(۲۱ اپریل ۱۸۶۷ء) کو اس دیر فانی سے رحلت کی، اور قلعہ معلی کے اندر
امام باپ سے میں اپنے والد ماجد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

(۱)

بخصوص سرسریہ و جناب مستطاب، نواب ہمایوں القاب، جہانیاں
کام بخش جہان چمن کامیاب، و ام بقاء کا قبول القبال، سجدہ نشانی
قلم با پوزش گستری عریضہ نگار توام افتادہ۔ ہانا آن درگاہ اسکند

ددارا گزرگاه پیوسته در نظر است که هم اندر دور در زمره نزدیکان بنگی بجا
می آورد. سپاس این معنی خود از اندازد افزون تواند بود، که بعنوان روشناسی زود
بهر آشنائی قطره با بحر، گدارا بشاه بیگانگی در میان نیست. در آن روزگار
لیکن نرا ز نو بهار که به فر فرزندگی وجود مسعود، و ساراه با سپهر ساده دم اند
برابری زد، نگاشتن و دروان داشتن قطعه تاریخ بعد از آن که توانائی آن دانائی
دروان آسانی آن شناسائی صورت پذیرفت. (التون که لیتی خدای قلمرو
دانش، آن به فر تابو نواب نظر با بر حبس جلیس در آن به فر زود فرزندش علی
با عقل فعال جمال، امیر الدوله مولوی حافظ محمد فضل حق خان بهادر به بنده
زمان پذیر فرمان فرستادند که غالب به پستش گری کردند و در مشاطگی شاهان
انکار حسن خدمت حاضرند و به اندیشه مهر بنیاد رنگ یرقافت و هم امر و نه که فرمای
درد و نوازش نامه مولانا است، این نامه که بخوبی بندگی ماناست، روان داشته آمد
چشم داشت آنست که دور می راه تفرقه در میان نیندازد پس در حاضران آن حضرت
و دعا گوین دولت بشا را یم زیاد و هدیه بکجاست نزل آرد و در روز افزونی دولت بدین پادشاه
عرضداشت هواخواه اسرار الله نگاشته و دروان داشته چارشنبه ۲۸ جوزی
شاه [مهر: نجم الدوله ویر الملک اسرار الله خان بهادر نظام جنگ، ۱۲۷۰] (۳۱)

(۳)

همانا اگر گوهر حسان فرستم	به نواب یوسف علی خان فرستم
ز نامش، نشانی بعلوان طرازم	ز مدحش، طرازی بدیوان فرستم
ز وخلص، حسابی به معدن نویسم	ز ذلش، صلواتی بعبان فرستم
ز لطفش که عام است در کائنات	ز دیدی به گهر و مسلمان فرستم
ز لطفش که خاص است در ملک گیری	مثالی بشیران و شردان فرستم
ز هر شهسواری که گرد دستندش	پئی سرمه چشم حنا قان فرستم
ز دسام چون بهر یکبار سوش	عزانه سوی زریان فرستم

ویش را بود پایه در خیال
 کلیم، از عصا ارمنانم فرستد
 و جودش بود فخر اجرام و ارکان
 ز جودش بود عدد باز یردستان
 ز مویش، شبی به چشمتار سامنم
 هم از شرقی اشراقی دئی آفتابی
 هم از روی نیکوی دئی، ماهتابی
 اگر بگذرد تیرش از سینه من
 و گر سر ازین راه دزد و جبین را
 مرشت از خزانست به خواه اودا
 هم از آتش دوزخ آرم تویش
 و گر تا بهاران بسختی نه میرد
 سپه چون کشت، گر نه از ناتوانی
 درین انزوا، از نفس های گیر
 بتوقع فعل حق، آن عین معنی
 گزشت اندر اندیشه که خامه رخی
 بدل گفتم، البته کاریست مشکل
 سگالش چنین رفت در کار سازی
 فرستادم، اما نیامد چوایی
 ندانم که شور غسان گدار
 بدل گفتم، آرمی، فرستاده باشم
 و گر جاده ره نمایان نه گردد
 بدان تار دانی دهم کار خود را

نگه مویش از دو پنهان فرستم
 من این ارمنان بر دربان فرستم
 تحیت با جرام و ارکان فرستم
 بشارت به رحمت دیوان فرستم
 ز کولیش، نسیمی بر ضوان فرستم
 با ختر شناسان یونان فرستم
 به شب زنده داران کغان فرستم
 دل از سینم همرا و پیکان فرستم
 چو گویش درین ره بچوگان فرستم
 سه فصلی دگر هم بدینان فرستم
 هم از مهریرین زمستان فرستم
 در آردی بهشتش زندان فرستم
 ترا نم که خود را بمیدان فرستم
 به رایات، آیات قرآن فرستم
 که "آیاد" بروی فزوان فرستم
 بدان قلزم فیض و احسان فرستم
 نباید که این نامه آسان فرستم
 که فرخ بود، چون بفرمان فرستم
 که تا هر چه فرمان رسد آن فرستم
 چنان باز تا گوش سلطان فرستم
 گر از راه چاک گریبان فرستم
 هم از حبیب چاک بدانان فرستم
 ز خوانه موجی بزرگان فرستم

دمم در تن فی دهم آتشین را
 بر فستار ناز اندر آرم قلم را
 سخن کوتاه، آن به که از نظم خردی
 فرستم ولیکن خود چون پسند
 گرفتم که رنگین خیالم به گیتی
 گرفتم که بحسب روانم به معنی
 گرفتم که روشن روانم بدانش
 درین پرده خوانم که از مسکین
 نبشتم که خدمت گزارت غالب
 بشب بستم این نقش در بند آرم
 بقا، بهر داور، زدا دار خواهم

فرو زنده شمع با یوان فرستم
 تدروی بصیر گستان فرستم
 بدیوان آن صدر گیاهان فرستم
 که برگ گیاهی بهستان فرستم
 شقائق به بنگاه لغمان فرستم
 گهر جاسپ ابر نیسان فرستم
 چراغی به مهر درخشان فرستم
 سلامی بسوی سلیمان فرستم
 پئی دعوی خویش بران فرستم
 که حریدعای دادان فرستم
 به آیین خروش از فرشان فرستم

(۳)

بمضمون مجرطور، حضرت نواب معلی القاب، جادوان کامیاب، دلی
 نعمت، آیه رحمت، دایم اقباله، سپاس بجای آورد و پوزش همی گسترده
 آن بارگاه سپهر کارگاه را قبله حاجات میداند، و بنجار سرگزشت حکایتی بعرض
 میرساند. سه شنبه ۲۷ جنوری نامه مؤلفه با فضل آذلنا (۲۲) بمن رسید. چهارشنبه
 ۲۸ جنوری عرضداشت روان داشتم. چون دو هفته گزشت و سر رشته ڈاک
 درین بند و بست جدید استوار ننماید، گفتیم "مگر نرسیده باشد" وی که چهارشنبه
 یازدهم فروری ۱۸۵۷ بود، چاشنگاه قصیده (۲۳) بقصد اظهار فرمان پریری فرستاد.
 شامگاه سرتنگ یا منشور عطف است آورد. بر رویک دیده سودم، و خرده حبان
 نثار کردم. تا نور داز هم کشودم، و ورق از فیه گنجینه اسرار، یعنی ادراک
 اشعار گریار و سفتی (۲۴) دو عدد و پنجاه روپی در آن نور و یافتیم. دفتر شعر سجل اعتبار
 من شد، و زیر آن سفتی بعرض وصول آمد. کرم در بنده پروری بهانه میجوید، و در این

افتتاح بشیرینی نیازداشت۔ کریمان بندہ با یہ نمک ہی پروردند؛ ولی نعمت را
بندہ بشکر پروردن آئین است شکر این شکر بعدہ جان شیرین فروگزاشتم؛ و این
نامہ بہر آنکہ رسیدن عطیہ حالی گردد، بدین زدوسی نگاشتم۔ اشعار خود بہنگام خویش
خواہد رسید و این سررشتہ ہرچگاہ از ہم خواہد گشت۔ زیادہ حدادب۔
نیردولت و اقبال سرخشمہ فروغ بی زوال باد!

غالب

پنجشنبہ ۱۲ فروری ۱۸۵۴

(۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
آداب بجا لاتا ہوں۔ غزلوں کے مسودات کو صاف کر کے^(۱) حضور میں
بھیجتا ہوں۔ مسودات اپنے پاس رہنے دیے ہیں اس نظر سے کہ اگر
اجلاناؤک میں لغاتہ تلفت ہو جائے، تو میں پھر اس^(۲) کو صاف کر کے
بھیج دوں؛ ورنہ موقع حکمت و اصلاح مجھے کیا یاد رہے گا^(۳) فقط
میں نہیں چاہتا کہ آپ کا اسم سامی اور نام نامی تخلص میرے۔ ناظم، عالی
انور، شوکت، بنیان، ان میں سے جو پسند آئے، وہ رہنے دیجئے مگر نہیں
کہ خواہی خواہی آپ ایسا ہی کریں۔ اگر وہی تخلص منظور ہو، تو بہت مبارک۔ زیادہ حدادب۔
تم سلامت رہو قیامت تک

عنایت کا طالب غالب۔ روز یکشنبہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۵۴^(۴)

[میرزا صاحب نے ۸ مارچ ۱۸۵۴ء کو ایک عربیہ ارسال کیا تھا، جو ۱۱ مارچ
ذکوہ کو راجپور پہنچا۔ مثل میں اس کا صرف لغاتہ شامل ہے، اور اس کی پشت پر
تحریر ہے: "عرضی حب الحکم چاک نمودہ شد۔ ۱۶ رجب ۱۲۷۴ھ"

میرزا صاحب نے یکم اپریل سنہ ۱۸۵۴ء کو ایک ارسال عربیہ ارسال کیا تھا،
جو ۳۔ اپریل کو راجپور پہنچا۔ مثل میں اس کا بھی صرف لغاتہ شامل ہے اور اس کی

پسٹ پر تحریر ہے: "عرضی از دست مبارک چاک شد و بند غزلیات"

مرسلہ در حضور ماند ۹ شعبان سنہ ۱۲۴۳ھ

(۵)

جناب عالی، کچھ کم مینا ہوا کہ میں نے حضور کی غزلوں کو دیکھ کر خدمت میں روانہ کیا ہے، اور اُس کے پہنچنے سے اطلاع نہیں پائی۔ اب ڈاک میں خط "لغت بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اس واسطے میں مترد ہوں، اور مدعا اس تحریر سے یہ ہے کہ اگر وہ لغافہ نہ پہنچا ہو، تو میں اُس مسودے کو پھر صاف کر کے روانہ کروں۔ زیادہ حیدادب۔ از غالب۔ نگاشتہ صبح پنجشنبہ ۲ شعبان سنہ ۱۲۴۳ ہجری کل

(۶)

جناب عالی، آداب بجا لاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ آجورہ دارینجا۔ مگر لٹا ہوا، اور بھیکا ہوا، اور بھاگتا ہوا۔ گوجروں نے اُسے کوٹ لیا۔ روپیہ نکال، سب لے لیا۔ خط اُس داروگیر میں گر پڑا، بھیک گیا۔ لغافہ مجھ تک نہ پہنچا، خط مع ہنڈوی کے پہنچا۔ خط میں سے القاب بہ تکلف پڑھا، اور یہ جملہ "سفینہ مبلغ دوصد و پچاہ روپیہ پڑھا گیا، اور باقی خیر و عافیت" مکرر آئے۔ اس کے بعد جو کچھ لکھا تھا، اُس میں سے "مولوی" یہ لفظ، اور بعد ایک لفظ کے "خانصاحب" یہ پڑھا گیا، اور کچھ نہیں۔ مجھ کو "غم" یہ ہے کہ غزلہا ہی اصلاح اور دیوان آورد کی رسید میں نے نہ پائی۔ (۵) فقط

ہنڈوی کا بعینہ وہ حال جو میرے خط کا تھا، کچھ پڑھا جاے، کچھ نہ پڑھا جاے۔ آپ کا نام اور ڈھائی سو روپیہ پڑھا گیا۔ چونکہ صاحب مجھ کو جانتا تھا، اُس نے اُس بھیکے ہوئے کاغذ کو اپنی جیب میں لپیٹ کر اُس صاحب کے پاس بھیجا ہے۔ جب وہ صبح کر کے بھیجے گا، تب وہ مجھ کو روپیہ دیگا۔ اُس کے صبح کرنے میں کیا تاخیر ہے؟ میں نے صرف بطریق اطلاع لکھا ہے۔ اور غزلوں کی اور دیوان کی رسید اور جو اس خط میں "مکرر آئے" کے بعد مطالب مندرج تھے وہ پھر لے

ہی اریک کاغذ پر لکھ کر اس "ساہوکار" دیکھے گا، اور اس کو تاکید کیجے گا کہ اس کو بھیج دے۔ یہاں کے ساہوکار نے میری خاطر سے اس ہفتے کو اپنی (۲) چٹھی میں روانہ کیا ہے۔ غالب۔ پیچم ڈی الحجہ (۳) ع۔

(۷)

بوالاخذ دست رفعت در جنت، جناب نواب صاحب الامتاق ایشا قلام فیض و میط احسان، عز کفرہ و دوام ملکہ، آداب و نیا نہ بجای آورد، و نیاز مندانه عرضہ می دارم۔ در زمان چہرہ دستی کو رنگین سپاہ و سیاہ سرشتہ یام از ہم گست۔ ناچار بفرستادن نامہ بر، رساندن نامہ و پیام صورت بہت درین روزگار کہ فرمان داودان دادگر روائی و سلسلہ آمد شد نامہ رسائی یافت نامہ در یام روان داشتہ شد، و نارسیدن پاریخ آن را چنان پنداشتہ شد کہ مگر آن نیایش نامہ نرسیدہ باشد، یا قریط احتیاط مانع تحریر جواب گردیدہ باشد۔ ہر آئینہ در دل چنان گزشت کہ درین باریدہ انسان سخن سرای توان گشت کہ سرگزشت من از دلی نعمت نہان و محابی در میان نہاند۔

حالی راسی جان آراسی یاد کہ دیر سیہ نمکخواہ سرکارہ انگریز کم و اندہ سر آغاز سالیکہ و ہشت صد و شش کہ دران گاہ شمار سنین عمر من اندہ نگزشتہ بود، بعوض جاگیر عمر حقیقی نسبی خود، نصراشد بیگ خان بہادر (۱) کہ باجمعیّت رسالہ چہار صد سوار معیت جرنیل لاٹڈ (۲) لیک بہادر در فتح ہندوستان کوششہای نمایان کردہ، و پرگنہ "سونک سونا" کے بقیرہ میں حیات جاگیر یافتہ، و ہمدران عبد بزرگ ناگاہ از جهان رفتہ بود، بفرمان جرنیل لاٹڈ لیک بہادر و منظور می گورمنٹ، مٹیت در میثال جاگیر عمر سببی من، نواب احمد بخش خان بہادر، در وجہ معاش من منجملہ ذراستراشی سرکاری کہ بذمتہ نواب احمد بخش خان بہر دوام واجب الادا بود، قرار یافت چون جانشین احمد بخش خان کیفر کردار یافت، و جاگیر سرکار باز یافت شد، رسیدن آن وجہ مقررہ از خزائن کلکتری (۳) ادہلی صورت پذیرفت، چنانکہ تا انجم

اپریل سنہ ۱۸۵۷ء از کلکتر سی دہلی یافتہ ام، و از مئی خود آشکارا است کہ حال صحت پیوند تعلق با بہادر شاہ مجز آن نبود کہ از ہفت ہشت سال ہجری تاریخ سلاطین تیموریہ و از دوسہ سال بہ اصلاح اشعار شہر یار می پرداختم. درین ہنگامہ خود را بیکار کشیدم و بدین اندیشہ کہ مبادا اگر یک قلم ترک آن میرش کنم، خاندن من بتاریخ رود و جان در معرض تلف افتد، بباطن بیگانہ و بظاہر آشنا ماندم. ہر گاہ شہر بدست سپاہ انگریز فتح شد، ہمہ جاگیرداران و پنداران از شہر بدر رفتند، چنانکہ تا امروز آن ادارہ دشت و کوہ اند، من از جانہ جبیدم و ہم چنان گوشہ گیر ماندم. درین بند و بست کہ خاصہ از بہر سیاست مجرمانست و تحقیقات جرم از روی دفتر قلعہ و اظہار مجبران می کنند، سچ گوئہ آلائیش دامن من پدید نیامد و دار و گیر و باز پرس روندہ داد و بودن من در شہر از حکام تنہا نیست. اما چون پرستی در میان نیست، لاجرم معفوظ مانده ام. می بایست کہ خود سلسلہ جنبان گشتی و با حکام پیوستی. درین بارہ سخن آنست کہ درین فرماندانان بایش کس سابقہ معرفتی ندارم، و متعذرا ہنوز موقع و محل آن نمی نگرم کہ نامہ نویسم و خواہش ملاقات بمیان آورم. راستی اینکہ درین فتنہ و آشوب خدمتی بجا نیامدہ ام. لیکن مقام شکر است کہ بتقدیم تر سیدن خدمت از راہ بیدستگاہی است، و ذریعہ اخلاص و خلوص بہان بیگناہی است.

حال خود را، اگر چہ پرسش از جانب آن دالامناقب نبود، گفتم، و خون بخورم کہ صحت و عافیت ذات ہمایون اقدس کہ یارب، جادوان سلامت باد! چگونہ دریابم. ہمدین گنج کہ مسکن منست شنیدہ ام کہ والا شان زین العابدین خان بہادر بشہر آمدہ اند. نیاز مند می من با مرحومی نواب عبداللہ خان بہادر و مروری من با اصغر علی خان مرحوم و محبت و الفت من با نواب عبدالکریم خان بہادر مغفور کجا دیدہ اند و آن مدارج کی در نظر دارند، کہ ایشان را در ضمیر میگرشت کہ گدای گوشہ نشین را باید دید؟ من خود پائی کہ رفتار داشتہ باشم ندانم

واز نادیدہ بردن آمدن توانم۔ بہ نگاشتن این نامہ رحمت اوقات ملازمان
از آن رود و داشته ام کہ اگر فرستادن نامہ محض از روی احتیاط است،
ہویدا گردد کہ در عنایت تفریط و در رعایت افراط است۔ چشم دارم کہ بمشاہدہ
سواد نواز شناسا فروریخ نظر اندوزم۔ شغل شعر و سخن ہر آئینہ نقین دارم کہ درین
چنین فتنہ و آشوب دل بدان کار چگونہ گراید؟ دولت پایندہ و نصرت طرب
فزائندہ باد! از اسد اللہ غالب نگاشتہ دروان داشتہ پچشنبہ ۱۴ جنوری ۱۳۵۷

۱۱

دیران خاص، بر عنوان نامہ ہائی پشین، نشان کتبہ این درویش دلریش
عقب مسجد جامع نبشتہ اند، من از ہفت ہفت سال در محلہ بلی ماران می
مانم۔ سپس نشان این محلہ نگاشتہ شود۔ فقط

(۸)

حضرت دلی نعمت آید رحمت سلامت!

منشور عفو کے دیکھنے سے زندگی کی صورت نظر آتی محسوس اور
غزلوں کے پہنچنے کی اطلاع پائی۔

یہ بھی ایک بخشش کا بہانہ پیدا کرنا ہے، ورنہ حضور کے کلام کو اصلاح
کی احتیاج کیا ہے؟ میری کیا سخنوری اور سخن سراپی ہے! آپ کی قدرانی
بلکہ قدر افزائی ہے۔ تکلف ہے، اگر کہوں کہ تا قیامت رہو۔ بے تکلف
و عایہ ہے کہ خدا کرے ایک سو بیس برس تک سلامت رہو!

اس قرینے سے کہ بسبب کم فرصتی کے اُن کا ملاحظہ نہ کرنا مرقوم ہوا،
ریختے کے دیوان اور اس کتاب کا پہنچنا معلوم ہوا۔ دیوان کے دیکھنے نہ
دیکھنے میں آپ کو اختیار ہے۔ گریہ چار مجز و کار سالہ جواب بھیجا ہے، اس کا
دیکھنا ضرور درکار ہے۔ فارسی قدیم اور پھر حسن معنی اور صنعت الفاظ،
یا این ہمہ ہر امر کی احتیاط اور ہر بات کا لحاظ۔

جناب عالی، طرہ معاملہ ہے۔ خدا کا شکر ہے اور اپنی قسمت کا گلہ ہے۔
خدا کا شکر یہ کہ باوجود تعلق قلمہ کسی طرح کے جرم کا نہ ہوا۔ میرے احتمال
بھی نہیں! قسمت کا گلہ یہ کہ عطایٰ شین قدیم کا حکام کو خیال بھی نہیں۔ یہ نومبر
سنہ ۱۸۵۸ء میواں ہینا ہے۔ گویا بن کماے جینا ہے۔ کہتے ہیں کہ جنوری شروع
سال میں ہندوؤں کو روپیہ ملے گا۔ دیکھیے کیا نیا گل کھلے گا! پہلی نومبر کو
یہاں اشتہار عام ہو گیا ہے، کہ اب قلم و ہندوستان میں علیٰ ملکہ معظمہ
عالی مقام ہو گیا ہے۔ میں پہلے سے تداخول میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں، اور
وزرا کی ملکہ دارادربان کے دوسار تہی فلکٹ پاچکا ہوں۔ اگر اس احوال کو
بہ تفصیل معلوم کیا چاہیے، تو اسی کتاب موسوم بہ دستنبو میں دیکھا چاہیے۔
خوشنودی کا طالب، غالب۔ یکمشتہ روز یکشنبہ ہفتم نومبر سنہ ۱۸۵۸ء

(۹)

خداوند نعت سلامت!

جو آپ بن مانگے دیں، اس کے لینے میں مجھے انکار نہیں، اور جب
مجھ کو حاجت آپڑے، تو آپ سے مانگنے میں عار نہیں۔
بارگراں غم سے لپست ہو گیا ہوں۔ آج تنگدست تھا، اب بختی
دست ہو گیا ہوں۔ جلد میری خبر لیجے، اور کچھ بھجوا دیجے۔ غایت کا طالب غالب
پارشنیہ یازدہم ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۵ ہجری و ۱ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء

(۱۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد آداب بجالانے کے عرض کرتا ہوں کہ نشو و نما لکھا ہوا
۲۵ نومبر کا جمعے کے دن تیسری دسمبر کو اس دعا گوئی دولت کے پاس پہنچا۔
ڈھائی سو روپیہ کی ہنڈ دتی معتمد کے حوالے کی گئی۔ آج یا کل روپیہ
آجائے گا۔ شاہ طر عا طر اقدس جمع رہے۔

میرے حاضر ہونے کو حار شاد ہوتا ہے، میں وہاں نہ آؤں گا، تو اور کہاں جاؤں گا؟ پن کے وصول کا زمانہ قریب آیا ہے۔ اس کو ملتوی چھوڑ کر کیونکر چلا آؤں؟ سنا جاتا ہے، اور یقین بھی آتا ہے کہ جنوری آغاز سال ۹۵ عیسوی میں یہ قصہ انجام پائے۔ جس کو روپیہ ملنا ہے اس کو روپیہ، جس کو جواب ملنا ہے اس کو جواب مل جائے۔

حضور نے یہ کیا تحریر فرمایا ہے کہ ان بارہ غزلوں کی اصلاح میں کلام خوش مطلوب ہے، اگلی غزلوں کی طرح سنوں؟ مگر اگلی غزلوں کی اصلاح پسند نہ آئی، اور ان اشعار میں کلام خوش نہ تھا، حضرت کا تو ان غزلوں میں بھی وہ کلام ہے کہ شاید اوروں کے دیوان میں ویسا ایک شعر بھی نہ ملے گا۔ میں بعقد راپنی فہم و استعداد کے کبھی اصلاح میں قصور نہیں کرتا۔ زیادہ قد ادب۔ عرضداشت غالب۔ معروضہ جمعہ

۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۵ و ۳ دسمبر ۱۸۷۵ ع

(۱۱)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت !

میں اس دولت ابد مدت کا ازراہ مودت خیر خواہ ہوں۔ امرطال انگیز اندوہ آؤں میں آرایش گفتار گوارا نہیں کر سکتا۔ نواب مرزا نے دلی آکر پہلے نویدِ بزم آرائی سنائی۔ چاہتا تھا کہ اس کی تہنیت لکھوں، کل اس نے از روی خط آؤں را پور حضرت جناب عالیہ کے انتقال کی خبر سنائی۔ کیا کہوں، کیا غم داندوہ کا ہجوم ہوا، حضرت کے غمگین ہونے کا تصور کر کر اور زیادہ مغموم ہوا۔ بیدار نہیں ہوں کہ ایسے مقام میں بطریق انشا پر دازی عبارت آئی کروں، نادان نہیں ہوں کہ آپ جیسے دانا دل دیدہ و رکتلقین صبر و غلبینائی کروں۔

از دست گلابی بی نوا ناید بیچ جز آن کہ بصدق دل فانی بکند

حق تعالیٰ ذات ستودہ صفات کو دانتھا اور ابد جاہ و جلال و
دولت و اقبال کے ساتھ سلامت باکرامت رکھے !
عریضہ نگار، اسد اللہ المتخلص بہ غالب
مرقومہ یکشنبہ ۲۱ شعبان ۱۳۷۲ مارچ سال حال ۱۳۷۲

(۱۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

ایک خط مشعل اپنے حال پر اور ایک خط جناب بیگم صاحبہ و قبیلہ
مغفورہ کی تحریریت میں روانہ کر چکا ہوں۔ اب ایک قطعہ تاریخ بھیجتا
ہوں۔ اگرچہ ایک کا تعبیہ ہے، لیکن تعبیہ کتنا خوب اور بے تکلف ہے !
عرضداشت اسد اللہ - معروضہ ۱۳ رمضان ۱۳۷۲ اپریل سال حال ۱۳۷۲
جناب عالیہ از بخشش حق یہ فردوس برین چون کرد آہم
سخن پرداز غالب سال حلیت "خلود و غلہ" نعمت از روی الہام
(۲۱/۷/۷۲)

(۱۳)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں۔ آج دو شنبہ کا دن ۱۴ رمضان المبارک
کی اور ۱۸ مارچ اپریل کی صبح کے وقت ڈاک کا ہرکارہ آیا، اور فوٹو عطا فرماتے
لایا۔ میں نے سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا۔ تعجب ہے کہ میرے دو خطوں
کی رسید اس عنایت نامے میں مرقوم نہیں۔ آیا نہ پہنچے، یا پہنچے اور نہ پڑھے
گئے، کچھ معلوم نہیں۔

پہلے خط میں یہ عرض کیا ہے کہ مجموعہ پسنداروں کی مثل مرتب ہے
اور ہنوز صدر کو ردائے شہین ہوئی۔ نواب گورنر جنرل لارڈ گک بہادر نے کلکتے
سے میرے پسین کے کو اغذ طلب کیے، اور وہ کاغذ فرست میں سے الگ
ہو کر لارڈ گورنر بہادر پنجاب کی خدمت میں ارسال ہوئے وہاں سے کلکتے کو

بھیجے جائیں گے۔ پھر وہاں سے حکم منظور می پنجاب ہوتا ہوا یہاں آئے گا، اور یہاں مجھ کو روپیہ مل جائے گا۔ آج روپیہ ملا، کل میں نے آپ سے سواری اور بار برداری مانگی۔ آج سواری اور بار برداری پہنچی، اور کل میں نے رامپور کی راہ لی۔ بلکہ اسی نیاز نامے میں کچھ حُسن طلب بھی تھا۔ افسوس کہ ایسا خط ضروری نہ پہنچے!

دوسرا خط جناب عالیہ مغفورہ کی تعزیت میں تھا۔ اُس کا بھی ذکر اس عنایت نامے میں نہ تھا۔ ناچار پہلے خط کا مضمون اس ورق میں مکرر لکھ دیا، اور دوسرے خط کے صرف ذکر پر اکتفا کیا۔ حق تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، اور صبر و ثبات و دولت و اقبال و عمر و جاہ و جمال بطریق دوام عنایت کرے! دو غزلیں منجملہ بارہ غزلیں کے بعد اصلاح ارسال کر چکا ہوں۔ خدا کرے، پہنچ گئی ہوں! پرسوں ایک قطعہ جناب سلیم صاحب وقیلہ کی تاریخ وفات کا بھیجا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچے گا۔ از راہ احتیاط وہ قطعہ اس ورق میں پھر لکھتا ہوں، اور نیز از راہ احتیاط یہ خط بیرنگ روانہ کرتا ہوں۔ زیادہ حد ادب۔ عریضہ اسد اللہ خاں، معروضہ دوشنبہ چار دہم رمضان سنہ ۱۲۷۵ء مطابق شہر دہم اپریل سنہ ۱۸۵۹ء ع۔ قطعہ

بفردوس برین چون کرد آواز
"خُلُو دُخْلُہ" گفت از روی الہام
(۱۲۷۵ھ)

جناب عالیہ از بخشش حق
سخن پرداز غالب سال حلت

(۱۳۷)

حضرت ولی نعمت امیر رحمۃ سلامت! نواز شامے کے درود مسعود کی اطلاع دیتا ہوں، اور ہندوئی کے پہنچنے کا شکر بجا لاتا ہوں ستمبر سنہ ۱۸۵۹ء کے مہینے کے سور و پیہ پہنچے۔ غلط اقدس جمع رہے۔

غرم ولایت کا حال معلوم ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو ہر جگہ منظر و منصور
و کامیاب رکھے! خدمت گزار ہوں، اور دعا و ثنا میرا کام ہے۔ بڑھاپے
نے کھودیا۔ جزئی فتنے چید مجھ میں کچھ باقی نہیں۔ زیادہ حد ادب۔

عرضداشت غالب۔ معروضہ یکم اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء

(۱۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تقدیم تسلیم گزارش کرتا ہوں۔ پرسوں ایک نیاز نامہ بھیجا ہے۔
یقین ہے کہ پہنچے گا اور اس کا جواب جلد عنایت ہوگا۔ کل نواز شناسہ
جس میں سور و سپیہ کی ہنڈ دی بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء تھی، شرف
درود دلایا۔ زہمندرجہ ہنڈ دی معرض وصول میں آیا۔ خاطر اقدس جمع ہے۔
(دشنہ ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء)

(۱۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد بجالانے آداب نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ یہ میرا درود دل ہے۔
نامہ تہنیت میں اس کا اندراج مناسب نہیں جانا۔ میں انگریزی سرکار
میں علاقہ ریاست دودمانی کا رکھتا ہوں۔ معاش اگرچہ قلیل ہے، مگر
عزت زیادہ پاتا ہوں۔ گورنمنٹ کے دربار میں داسنی صفت میں دسواں
لمبر اور سات پارپے اور بیغہ، سر بیچ، مالای مروارید، خلعت مقرر ہے
لاڈلہ رنگ صاحبہ کے عہد تک پابا۔ لاڈلہ دلوئی یہاں آئے ہیں۔
اب یہ نواب علی القاب آتے ہیں۔ زمانے کا رنگ اور۔ کوئی حاکم،
کوئی سکرتر میرا آتش نہیں۔ بڑے میرے مربی قدردان، جناب اڈیشنل
صاحب وہ بھی چیف سکرتر ہے، لفٹنٹ گورنر ہو گئے۔ وہ سکرتر رہتے
تو مجھے کچھ غم نہ تھا۔ اب تک میں اپنے کو یہ بھی نہیں سمجھا کہ بے گناہ ہوں

یا گناہگار، مقبول ہوں، یا مردود۔ مانا کہ کوئی خیر خواہی نہیں کی، جوئے
انعام کا مستحق ہوں؛ لیکن کوئی بیوفائی بھی سرزد نہیں ہوئی، جو دستور
قدیم کو برہم مارے۔ بہر حال اس تثبیت میں ہوں۔ راہ چارہ مسدود،
اور دُکھ موجود۔ غرضیٰ خوب کہتا ہے ۷

مرا زمانہ طناز دست بستہ دیتے زند بفرقم دگدگہ "ہاں" مری بھار
فقط - مرقومہ صبح یکشنبہ، نومبر سنہ ۱۸۵۹ء ۸

(۱۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد بجالانے آدابِ نیاز کے عرض کرتا ہوں۔ فتورِ عفوقت پہنچا۔
نواب عالی جناب کی ملازمت کا حال بسبیلِ اجمال مندرج تھا۔ میں از روی
اخبارِ تفصیل دریافت کر چکا ہوں۔ ہندوستان میں کسی رئیس کے واسطے
یہ بات کاہے کو ہوئی ہے! مسندِ تکیہ کسی کو کب ملا ہے! یہ کمالِ عز و شان اور
استحکامِ بنائے ریاست کا نشان ہے۔ لطف یہ ہے کہ اب صاحبانِ کورٹ آف
ڈرکٹر شامل نہیں رہے۔ نواب گورنر جنرل بہادر نائبِ سلطنت ہیں۔ اس
صورت میں جو کچھ انھوں نے دیا ہے، وہ عطیہ حضرت فلکِ رفعت ملکہ معظمہ کا
ہے۔ ایسے شاہنشاہ کی سرکار سے وسادہ سرور می کا عطا ہونا، بہت ہی
نوازش اور مزاوارِ صد گونہ نوازش ہے۔ یہ چار بالیش امارت اور کاشی پور کا
خمیشہ ملکِ موردِ وثی ہونا، پہلے آپ کو اور پھر ولیعہد بہادر کو اور پھر آپ کے
اولاد و اخوان و انصار کو اور سب کے بعد غالب و دعا گوئی گوشہ

نشین کو مبارک ہو! زیادہ حدِ ادب

مرقومہ صبح یکشنبہ، ۲۷ نومبر ۱۸۵۹ء

(۱۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

آداب نیاز بجا لا کر عرض کرتا ہوں کہ سو روپیے کی ہنڈوی بابت مصارف ماہ نومبر ۸۵۹ اپنی اور روپیہ وصول میں آیا اور صرف ہو گیا اور میں بدستور بھوکا اور تنگ رہا۔ تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں؟ اس مشاہیر مقررہ سے علاوہ دوسروں پر اگر مجھ کو اور بیچ دیجئے گا، تو جھلا لیجے گا؛ لیکن اس شرط سے کہ اس عطیہ مقررہ میں محسب نہ ہو، اور بہت جلد حرکت ہو، زیادہ حد آداب عرضداشت غالب۔ معروضہ صبح پنجشنبہ ہشتم دسمبر سنہ ۸۵۹ ہجری و دیوانیت نامہ مرقومہ ماہ حال ۳۔

(۱۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

آداب نیاز بجا لاتا ہوں، اور مزاج اقدس کی خبر پوچھتا ہوں، اور بجمال ناچاری، بعد گوشت شرمساری، عرض کرتا ہوں کہ آج سہ شنبہ، فروری کی ہے، جو لوگ کہ میرے ساتھ ہیں، گوشت برآواز ہیں، اور جو ظیفہ خوار دلی میں ہیں، وہ چشم براہ ہوں گے۔ زیادہ حد آداب؟ خوشنودی کا طالب، غالب

صبح سہ شنبہ، فروری سنہ ۱۲۶۰ ھ

(۲۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

تقدیم مرا سیم تسلیم مقدمہ اس گزارش کا ہے کہ عالم دہ میں: ایک عالم شہادت، ایک عالم غیب، جس طرح عالم شہادت میں آپ میری دستگیری کر رہے ہیں، عالم غیب میں آپ کا اقبال مجھ کو مدد پہنچا رہا ہے، فیصلہ اس حال کی یہ کہ وہ نقشا پنداروں کا، جو یہاں سے صدر کو گیا تھا، وہ آپ صدر سے بعد صدر حکم آگیا۔ حکم بہ نسبت ہر واحد کے محتاج ہے، تقلیل بہت سہی، سو روپیہ جینے واسطہ کہ کچھ تر بھی ہیں اور کچھ بھی ہیں، اور دس بھی ہیں

اب فرمائیے میرے واسطے کیا احتمال گزرتا ہے۔ یاس گلی ہے، لیکن واقع یہ ہوا ہے کہ سب سے پہلے میرا نام اور پورے پنن کی واگزا اشت کا حکم۔ طرفہ یہ کہ میرے نام کے ساتھ ایک انگریزی تحریر ہے کہ جس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کا حکم منظوری اس تحریر پر متفرع ہے۔ حکام کے عمل میں اور دکن اور اہل شہر میں یہ مشہور ہے کہ وہ تحریر ولایت سے آئی ہے۔ بہر حال دو امر ہنوز مبہم ہیں: ایک اس انگریزی تحریر کا حال، اور دوسرے میرے بھائی کے پنن کی حقیقت۔ سو یہ دونوں امر چند روز میں معلوم ہو جائیں گے، اور جو معلوم ہوگا، وہ عرض کیا جائے گا۔ غالب۔ ۲۲ اپریل ۱۸۶۰ء

۶۵۵ نکلا کسوس

(۲۱)

حضور،

سنہ ۱۸۵۸ء میں، یہ قصیدہ کہ گویا نامہ علوم ہے، میں نے حضور میں بھیجا تھا اور بریلی کا ملک ملنے کی تنہیت دی تھی۔ بعد اُس کے حضور کو دامنہ کوہ کی حال، یعنی کاشی پور ملا۔ گویا یہ میری تحریر غلط ہو گئی۔ احمد شہد انجام کار جو میں نے قصیدے میں قصہ کیا تھا، وہی ہوا۔ اب ارشاد ہو کہ میں لسان الغیب ہوں یا نہیں؟ فقط

چون عیت مرا شربت آبی ز تو حاصل	داغ کہ تو دریائی
در بادیه بر گورِ غریبان، ز چہ سوز د؟	آن شمع فروزان کہ بود
زان خسروِ خوبان چہ قدر چشم و قابود؟	صدحیف، کہ شد نقشِ زخمِ ہمد ہل
افسانہ غم گر بسرایم، نبود عیب	بادوست کہ پیوستہ کی یہ دغم اندل
میگویم و ہمدم زدم طعنے کہ تن زن	چون می ندید داد، ز فریاد چہ حاصل؟
از طعنے شدم خستہ دل و از روہ تیمار	دل گفت کہ ہاں شیوہ عشاقِ فردل
تا کس نبرد ظن کہ بشاہد بودم روی	حاشا، کہ حکایت کنم از بیلی و محل
شاہد بود آن دست کہ اندر غزل اورا	خواند شنگارہ و خوشوارہ و قاتل

شایان بودش، گویم اگر خسرو عادل
 او قلزم و عیان بود و من خشن ساحل
 ما نیم و یقینی که یوحدت شده کامل
 امید گم بود بهر وادی و منسترل
 بر بسته بودیم در راه سال رسائل
 مشتاق جمال تو، چه دیوانه، چه عاقل
 شد نام نظیر تو و همنام تو داخل
 مانند ز تو دشواره در سیدن بتو مشکل
 زینان که فردقه مرا پای درین گل
 از حسیت که هرگز ندی دایه یسائل
 حرفی غلط از صفحه هستی شده زائل
 تا نزد تو آرند یکی طائر بیسل
 چون قبله نما، سوی تو ام ساخته نائل
 دانی که دیان شبیه نیم عامی و جاهل
 این آیه خاصست که بر من شده بازل
 می بین در گنج ارچه کثودن شده مشکل
 غم نیست اگر آبادی دلی شده زائل
 اعجاز زد دلی بود و حسر ز بایل
 دیگر نبرد ذوق ز آدایه عنادل
 بستم بفره مندی خویش از کرم دل
 حاشا که پریرم عمل شنه و عامل
 در حبیب گدا ریزه قلیلی ز مداخل
 که بهر مین گشته در اقطاع تو شامل

من نالم ازان دوست که در عالم الصفا
 او خسرو و خیال بود و بنده گدایش
 گر خواجه بهمانست و گر دوست بهمانست
 خود هر چه سرودم همه با دوست کزین پیش
 یار سپا با چه شاکه که نگیرد خیر از من
 از یوسف ثانی در همه عالم
 گر نام تو در بحر مکنجید، زینان نیست
 تا نزد تو چون آیم و دور از تو چه سازم
 ای کاش بکوی تو چنین روی نمودی
 چو نیست که گاهی کنی روی بدین سوی
 گر جان دهم از غصه تو دانی که به گیتی
 خواهی که مرا بنگری از دور، بفرمای
 از صنعت استاد ازل دان که زهر سوی
 غالب لیخن نام من آمد ازل آورد
 در فن سخن دم مزن از عرفی و طالب
 من گنجم و گردون به گل اندوده ورم را
 خود در خود ویرانه بود گنج گران مند
 هاروت، فوین نفس گرم چه داند؟
 آن را که صریح قللم هوشش رباید
 تو قیغ بریلی بتو فرخنده! که من نیز
 حاشا که ستام رقم دستاخی و مفتی
 بفرست خرد مند کسان را بجو کست
 هر سال ازان شهر بمن دایه روان دارد

اُمید کہ لب تشنگی من نہ پستی و ان مرثعہ کہ بر صفہ فشانِ زاتِ اعلیٰ
 اُمید کہ پزیری و بر من مکنی قہر بنزیرم اگر معذرتِ فرطِ مشاغل
 اُمید کہ آن شیوہِ نورِ زری کہ نگویم کز دردِ دلم فارغ و از من شد غافل
 اسی را می تو در روشنی از مهرِ فزون ترا ای روی تو در حسن و و چند از یکا ل
 تا مہر یک سال کنند دائرہ را دور تا ماہ بیک ماہ کست قطعِ منازل
 باشی بسہر شرفِ آن ماہ کہ باشد در نور بہ خورشیدِ جہانتابِ مقابل

(۲۲)

حضرت ولیّ نعمت آیہ رحمت سلامت !
 شکر بندہ پروری بجا لا کر عرض کرتا ہوں کہ کل ۱۲ جولائی کو نوازشنامہ
 مع سورہ پے کی ہنڈ دی کے پہنچا، اور روپیہ معروض وصول میں آیا، متوقع
 ہوں کہ یہ عطیہ چوتھی پانچویں انگریزی کو جیسا کہ ہمیشہ پہنچتا تھا، پہنچا کرے۔ دوسویں
 بار میں نہ ہوا کرے۔ تم سلامت رہو قیامت تک
 خوشنودی کا طالب، غالب

صبح جمعہ ۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۲۶۶

مطابق ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۶۰ ع

(۲۳)

ولیّ نعمت آیہ رحمت سلامت !
 بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامے کے درود سے میں نے برکت
 پائی۔ سورہ پے کی ہنڈ دی بابت مصارفِ ماہِ حج سنہ ۱۸۶۱ کے پہنچی۔ زیرِ مندرجہ
 معروض وصول میں آیا۔ خاطرِ اقدس قرینِ جمعیت رہے۔ کلیاتِ فارسی کے
 پہنچنے سے اور اس نذر کے مقبول ہونے سے مجھ کو بہت خوشی حاصل ہوئی ہے
 تم سلامت رہو قیامت تک ! عنایت کا طالب، غالب
 صبح یکشنبہ ۱۰ اپریل سنہ ۱۸۶۱ ع

(۲۴)

دلی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم تورے اور خلعت کے عطیے کا آداب بجالاتا ہوں۔ خدا آپ کے
سلامت رکھے، اور اپنی اولاد کی اولاد کی شادیاں کرنی اور ان شادیوں
میں تورے اور خلعت کی تقسیم نصیب ہو۔
یہ تحریر نہیں، مکالمہ ہے، گستاخی، معاف کروا کے ادب آپ سے اجازت
لے کے بطریق انبساط عرض کرتا ہوں کہ یہ سوا سو روپیے، جو تورہ و خلعت کے
نام سے مرحمت ہوئے ہیں، میں کال کا مارا اگر یہ سب روپیہ کھا جاؤں گا، اور
اس میں لباس نہ بناؤں گا، تو میرا خلعت حضور پر باقی رہے گا یا نہیں؟
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
داد کا طالب غالب۔ دو شبہ بھساب لغزیداراں پانچویں، اور از روی
دوج ۶ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۸ ھ

(۲۵)

دلی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ آٹھ سال برس سے مصدیر خدمت اور شریک
دولت ہوں۔ لازم کر لیا ہے کہ بیودہ گزارش نہ کروں اور کبھی کسی کی سپارش
نہ کروں۔ بھائی حسن علی خاں کے بیٹوں کے باب میں جو علی بخش خاں صاحب
کو لکھا، اس کو میں سپارش نہ سمجھتا تھا۔ خبر بنا، اور آپ کے اہل کاروں کو اس
بات کی خبر دی کہ جس کا تارک صاحبان ملک و حاکمان عہد پر لازم ہے
سو مقتضای نصفت و عدالت وہ مقدمہ فیصل ہو گیا۔ میر سرفراز حسین
اور میرن صاحب کو واللہ ہنس، اگر میں نے بھیجا ہو! نوکری کی جستجو کو نکلے
تھے۔ میر سرفراز حسین نوکری پیشہ، اور میرن مرثیہ خواں اور
یہاں کے مرثیہ خوانوں میں ممتاز۔ خانساں صاحب کو چوبیس نے لکھا کہ

یہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں، غرض اس سے یہ تھی کہ محرم میں جہاں دس پانچ مرثیہ خواں اور مقرر ہوتے ہیں، میرن بھی مقرر ہو جائیں، آخر جا بجا تھا نندار کو تو الٹا ہیلا دار نوکر ہیں۔ میرسر فراز حسین ہوشیار اور کار گزار آدمی ہیں۔ کسی علاقے پر یہ بھی مقرر ہو جائیں۔ یہ دونوں امریا ان دونوں میں سے ایک ہو جاتا، بہتر تھا، نہوا بہتر۔ درحقیقت سپارش نہ تھی، صرف معرفت ہوتا تھا۔ سپارش کرنا، تو کیا میں آپ کو نہ لکھ سکنا تھا؟ میری طرف سے خاطر خاطر جمع ہے۔ زسینہ تا بلیم سا لہا نیبا بد راہ ہر آن نفس کہ رضای تو اندر آن نبود داد کا طالب، غالب۔ دو شنبہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱ء۔

(۲۶)

ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم کے عرض کرتا ہوں، اور طلوع ستارہ اقبال کی مبارک باد دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ اس سفر فیض اثر میں "ریل گاڑی" کی سواری کی بھی سیر دیکھ لی ہوگی۔ یہ اس سہولت و شکوہ و شوکت سے علاوہ ایک تماشا بنا دیکھا۔ حق تعالیٰ حضرت کو سلامت باکرامت رکھے!

دعا گو ایک مہینا بھر سے بیمار ہے۔ ابتدا ہی قویخ دوری۔ بسبب استعمال ادویہ حارہ کہ اس مرض میں اس سے گریز نہیں، تب نے آگھیرا۔ کئی بار بھگتیں۔ اب دوبارہ بیمار ہو گیا ہے، لیکن طاقت بالکل سلب ہو گئی ہے، اور ضعف دماغ نے قریب بہ ہلاکت پہنچا دیا ہے۔ بالفعل آب سبب کا استعمال ہے۔

طریقہ دعا گوئی و شناختی انکی رعایت ہے۔ بہ نوبت بسبیل شنوی، کہ جس میں حصول عطیہ سلطانی کی بھری و عیسوی تاریخ ہے، ہر حال لکھ لی ہیں۔ کل درود عنایت نامہ سے معزز ہو کر آج وہ اشعار پڑھ کر رہے ہیں۔ زیادہ حد ادب سے تم سلامت رہو قیامت تک! شفقت کا طالب غالب

رہنہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۶۱ ع

(۲۷)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت! بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک شعر طور ہی مغفور کا اور ایک شعر غالب مرحوم کا ایک ورق پر لکھ کر، صبح کو ڈاک میں بھجوا دیا۔ شام کو توفیق قیچ پر کارڈاک نے لادیا۔ اگست سنہ ۱۸۶۱ کی پرورش کی ہندوی پہنچی اور سو روپیہ وصول ہو گئے۔

فقیر کا شیوہ صدق و سداد کا ہے۔ چند روز سے تفقہ و التفات قدیم میں، خدا نخواستہ باشد، کچھ کمی پاتا ہوں۔ اگر غلط ہے میرا گمان، تو بشرط اطلاع مشرف فرما بیٹے! اور اگر میرا ولی دیوانہ بیچ سمجھا ہے، تو متوقع ہوں کہ کتاب کے سبب سے آگئی پاؤں۔ زیادہ حیداد بے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دل پچاس ہزار! معروضہ صبح دو شنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ [مہر: غالب ۱۲۷۸] ع۔ یہ عرضداشت جدا ہے، البتہ اس کے جواب کا امیدوار ہوں اور رسید معمولی جدا ہے۔

(۲۸)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت! بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شہ نامہ کی روپیہ کی ہندوی کے پہنچا۔ اگست سنہ ۱۸۶۱ کے بیٹے کی پرورش سا روپیہ وصول ہوا۔ تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دل پچاس ہزار! [مہر: غالب ۱۲۷۸] دو شنبہ ۱۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۲ ع۔

(۲۹)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شامہ مع ہندو پی کے شرف
ورود لایا۔ سوروپہ مصارفِ شہر سنہ ۱۸۶۲ کا معروض وصول میں آیا۔
تم سلامت رہو ہزار یکس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
معروضہ دہم اکتوبر سنہ ۱۸۶۲۔
خوشنودنی مزاج کا طالبِ غالب

(۳۰)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شامہ رپو بیت طراد، مورخہ ۱۱ مارچ
سنہ ۱۸۶۳ء ۱۲ مارچ کو رکوبیں نے پایا۔ دو سوروپہ کی ہندو پی کا شکر بجا
لایا۔ کہا تک شکر بجا لاؤں گا کس کس عنایت کا سپاس ادا کروں گا!
”شکرِ نعمتِ مئی تو چندا کہ نعمتِ ہای تو“

اب سنیے اپنے دعا گو کی داستانِ ینگل ۳ مارچ کو جناب لغٹ گورنر
بہادر نے خلعت عطا کیا، اور فرمایا کہ ”ہم تمہیں خردہ دیتے ہیں کہ نواب
گورنر جنرل بہادر نے اپنے دفتر میں تمہارے دربار اور خلعت کے بدستور
بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا“ میں نے عرض کیا کہ ”میں انبالے جاؤں؟“ فرمایا:
”البتہ انبالے جانا ہوگا“

بعد جناب نواب صاحب کے جانے کے شہر میں شہرت ہوئی کہ دلی
کے لوگ انبالے جانے سے منوع ہیں۔ گھبرایا اور صاحب کشز کے پاس گیا آپ
خط اپنا دے آیا۔ زبانی پرسش کا جواب زبانی پایا۔ پھر خط کے جواب میں
خط محررہ ۱۱ مارچ آیا۔ چنانچہ لغافہ بلجائے گرائی وزن رہنے دیتا ہوں اور
خط بحسن حضرت کو بھیجتا ہوں۔

کل سے ایک اور خبر اڑی ہے کہ نصیب اعدا لارڈ صاحب کی
طبیعت ناساز ہو گئی ہے؛ انبالے میں دوبارہ نہ کریں گے، اور شملے کو چلے

جائیں نے۔ اب میں دو وجہ سے بَيْنَ السَّفَرِ وَالشُّكُونِ مترود ہوں: پہلی وجہ خاص، دوسری وجہ عام۔

دو سو میں سے سو لے کر ساز و سامان درست کیا ہے، اور سو مہاجن کے ہاں ڈاک اور خرچ راہ کے واسطے رہتے دیے ہیں۔ تار برقی میں جناب نواب صاحب سے حکم منگوادوں گا۔ جو حکم آئے گا، آپ سے عرض کر کے اُس کی تعمیل کروں گا۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار! معروضہ ۱۶ مایچ سنہ ۱۸۶۳- (مہر: غالب ۸-۱۲) ۴

(میرزا صاحب نے ایک پیڑ ضروری عریضہ سہ شنبہ ۲۸ م لائی سنہ ۱۸۶۳ء)

کو لکھا تھا۔ مثل میں اُس کا صرف لغافہ موجود ہے، اور اُس پر میرنشی صاحب دارالانشاء نے تحریر کیا ہے: ”عرضی در حضور ماند“

(۳۱)

حضرت ولی نعمت امیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ جب انہاں نے میرا جاننا نہ ہوا، تو میں نے قصیدہ مدح، جو دربار کی نذر کے واسطے لکھا تھا، بطریق ڈاک جناب چیف سکریٹر بہادر کو اس مراد سے بھیجا کہ آپ اس کو جناب نواب معلی القاب کی نظر سے گزرائیں۔ اور یہ دستور قدیم تھا کہ جب میں قصیدہ مدحیہ بھیجتا تو صاحب سکریٹر بہادر کا خط بے واسطہ حکام ماتحت مجھ کو آجاتا۔ اب جو میں نے موافق معمول قصیدہ بھیجا، یقین ہے کہ مارچ یا اپریل کے مہینے میں وہ لغافہ یہاں سے لشکر کو گیا۔ صدائی برخواست۔ ناامید ہو کر بیٹھ رہا، بلکہ یہ خیال گزرا کہ جب رسم تحریر خطوط نہ رہی، تو دربار اور خلعت کہاں؟ ناگاہک شام کو صاحب سکریٹر بہادر کا خط ڈاک میں آیا۔ وہی افشانی کاغذ، وہی القاب۔ جی چاہتا تھا کہ اصل خط مع سرنامہ بھیج دوں، تاکہ حضور ملاحظہ فرمائیں؛ مگر

برسات کا اندیشہ مانع آیا۔ نقل سرتاسے اور خط کی بھیجتا ہوں! ۵
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
حضور کی خوشنودی کا طالب، غالب
صبح سہ شنبہ ۲۷ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۳

(۳۲)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم کے معروض ہے۔ نوازشنامہ اور اس کے ساتھ دو ہنگیلا
دوسو آموں کی پہنچیں! ۵ شکر نعمتہا می تو چند انکے نعمتہا می تو! زیادہ
حدیاد ب۔

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
نجات کا طالب، غالب
۶ شنبہ پنجم جولائی سنہ ۶۴

(۳۳)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ منشور عطفوت مع قطعہ ہندوی شریف و ردود
لایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہ جولائی سنہ ۱۸۶۳ کی معرض وصول میں آیا فقط
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس اکے ہوں دن پچاس ہزار!
ترخم کا طالب، غالب
۱۱ اگست سنہ ۱۸۶۳

(۳۴)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازشنامہ مع ہندوی عز و رد لایا۔ سو روپیہ
بابت تنخواہ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۳ معرض وصول میں آیا۔ زیادہ حدیاد ب

۵

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
نجات کا طالب، غالب
جمعہ نہم ستمبر سنہ ۱۸۶۴

(۳۵)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ صدور والا نامہ سے میں نے عزت پائی۔ بعد
ہندوئی سوروپیہ بابت تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ وصول ہوئے۔ زیادہ حد
ادب۔
ترجمہ کا مستحق اور تفقہ کا طالب، غالب
(۳۶) دو شنبہ دہم اکتوبر ۱۸۶۴ عیسوی

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم و نیاز معروض ہے۔ جیب سے حضرت کی ناسازمی مزاج
مبارک کا حال خارج سے مسموع ہوا ہے، عالم الغیب گواہ ہے کہ مجھ پر
اور میری بی بی پر اور میرے فرزند حسین علی خاں پر کیا گزر رہی ہے۔
ایک دن رات میرے گھر میں روٹی نہیں پکی، ہم سب نے فاقہ کیا۔ بارے
وہ خبر وحشت اثر غلط نکلی، حواس ٹھکانے ہوئے۔ بالکل اطمینان جب ہوگا
کہ آپ کے غسل صحت کی نوید سنوں گا، اور قطعہ تار پینچ غسل صحت لکھ کر
بھیجوں گا۔ فی الحال اتنا چاہتا ہوں کہ اس خط کا جواب پاؤں۔ اور حقیقت
مرض سے آگہی حاصل ہو۔ زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
مقاری سلامتی کا طالب، غالب

۸ نومبر سنہ ۱۸۶۴

(۳۷)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!
 بعد تسلیم معروض ہے۔ ابتدا ہی یکم نومبر سے ۱۱ تک، عرض نہیں
 کر سکتا کہ لیل و نهار مجھ پر کیسے گزرے ہیں۔ راہ دور، ہیں رنجور، سہذا
 ہیقدور۔ اگر دلی سے رامپور تک شکرم کی ڈاک جاتی ہوتی، تو میں بیان
 ایک دم نہ ٹھرتا اور خدمت میں حاضر ہوتا۔ تار برقی بھی نہیں، جو صحت و
 عافیت کی خبر حلد حاصل ہو۔ ناچار از راہ اضطراب ۸ ماہ حالی، یعنی نومبر کو
 عریضہ روانہ کیا۔ خدا کی عنایت اور مرشد کامل، یعنی حضرت کی ہدایت
 نے اُس خط کے جواب آنے کی مدت سے پہلے مجھے گرداب اضطراب
 سے نکالا۔ کل ۱۲ نومبر کو نوار شنامہ آگیا۔ گویا میری جان بچ گئی، بلکہ ایک
 اور نئی جان میرے بدن میں آگئی۔ اب استدعا یہ ہے کہ حال ناسازی مزاج
 اقدس مفصل معلوم ہو۔ زیادہ حذر ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن بچا پس ہزار!
 عافیت کا طالب، [مہرہ غالب ۱۲۷۸]

یکشنبہ ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴

(۳۸)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!
 بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ مع ہینڈ وی شرف و رد دلایا۔
 سورہ پیہ بابت اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا۔ زیادہ حذر ادب۔
 تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روبرو خرد!
 عافیت کا طالب، غالب
 ۱۳ نومبر سنہ ۱۸۶۴

(۳۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !
 بعد تسلیم معروض ہے۔ کس زبان سے کہوں، اور کس قلم سے لکھوں
 کہ یہ ہفتہ عشرہ کس تردد و تشویش سے بسر ہوا ہے! ہر روز شام تک جانب
 درنگراں رہتا کہ ڈاک کا ہر کارہ آئے، اور حضرت کا نوازش نامہ لائے
 بارے، خدا کی مہربانی ہوئی، از سر نو میری زندگی گانی ہوئی کہ کل چار گھڑی
 رات گئے ڈاک کے ہر کارے نے وہ عطاقت نامہ عالی دیا، جس کو پڑھ کر
 روح تازہ رگ و پے میں دوڑ گئی۔ نیند کس کی، سوتا کس کا! روشنی کے
 سامنے بیٹھا اور اشعارِ تمثیل لکھنے لگا۔ سات شریع مادہ حصولِ صحت
 حیب لکھیے، تب سویا۔ اب اس وقت وہ مسودہ صاف کر کے ارسال کرتا ہوں
 تم سلامت رہو ہزار برس ! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
 خیر و عافیت کا طالب، غالب

۲۴ نومبر سنہ ۱۸۶۴

(۴۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !
 بعد تسلیم معروض ہے۔ نوازش نامہ عرّو و رد لایا۔ از روی ہندوی
 سور و پیہ بابت تنخواہ ماہ نومبر سنہ ۱۸۶۴ معرض وصول میں آیا۔ زیادہ حد آؤ
 تم سلامت رہو ہزار برس ! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار !
 مختاری سلامتی کا طالب، غالب

۱۳ رجب و دسمبر سنہ ۱۸۶۴

(۴۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !
 بعد تسلیم معروض ہے۔ حضرت کے قدموں کی قسم! چوب چینی کے

ارسال کا حکم ڈاک سے میں نے نہیں پایا۔ ۲۳ دسمبر کو ہرکارہ آیا۔ نواز شہ
نامہ شرف افزا لایا۔ دلی اب شہ نہیں، چھاؤنی ہے، کنپ ہے۔ نہ قلعہ
نہ شہر کے امراء نہ اطراف شہر کے رڈ سا۔ بہر حال تین چار دن میں ہر ایک جگہ
سے منگوا کر رنگین و سنگین دیے گرہ بیا کم گرہ خود چن کر، پانچ سیر قطعات چوہ
چینی ایک ٹھلیا میں رکھ کر، آٹے سے منہ بند کیا، پھر کپڑا لپیٹا، ڈوری سے
خوب مضبوط باندھ کر، دو جگہ اپنی مہر کی اور وہ ٹھلیا کنارہ کو سوچی سے
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!

روزِ دو شنبہ ۲۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء، وقت صبح حوالہ کیا سرکار۔ [مہر]

غالب - ۱۲۷۸

(۲۲)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شہ کے درود سے عزت اور ادراک
صحت و عافیت مزاج اقدس سے مسرت حاصل ہوئی۔ پرچہ ہندوئی اس
توقع میں ملفوف پایا۔ سو روپیہ بابت تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ معروض
وصول میں آیا۔ زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!

حضور کی سلامتی کا طالب، غالب

۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۵ عیسوی

(۲۳)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ مشورہ مکرمت ظہور کے درود مسعود نے میری
عزت بڑھائی، اور اس میں تنخواہ فروری سنہ ۱۸۶۵ کی ہندوئی پائی۔ زیر
مندرجہ ہندوئی معروض وصول میں آیا۔ سو روپیہ حضرت کا تصدق پایا

اگہی، وہ دن جلد ہو کہ جو میں سُنوں کہ حضرت نے غسلِ صحت فرمایا!

نمِ سلامت رہو قیامت تک!

دولت و عزّت جاہ روز افزوں!

نجات کا طالب، غالب

۱۱ مارچ سنہ ۱۸۶۵ء

(۴۴)

بحضرتِ فلکِ رفعت، نوابِ معلی القاب، انجم گردو، آفتاب شکوہ
بخشمش و بختاشش بنویان را تو انگر کن و ناتوان را تو انا ساز، در غرّو
جاہ باتا جداران مہسود در ملک و سپاہ با شہر یاران انباز، کہ بھر زانگی
حلقہ در گوش انگنندہ دانش گستران، و بگردانگی غاشیہ پردوش خندہ و لاوان
ہر چہ از نیایش و ستایش بتقدیم ہی رسد، سر ز بازوی مہبت است، تا بدین
نیرد در سخن دلیری تواند کرد۔

ہمانا از راز سپہر و ستارہ سخن ہمی رود و خجستگی و فرخندگی تا چند گفتہ می شود
این تافِ ہفتہ کہ راستان در باستان این را "بہرام روز" می گفتند و اکنون
"سہ شنبہ" نام دارد، روزِ بیست و نوزد، دیرِ درین سالی قرنِ قال کہ
دویمین روز است از فروردین، در روزِ بیست و یکم از مارچ، در روزِ بیست
و دوم از شوال۔ باری، شخصست بر آن سرورِ شاہ نشان کہ امروزِ ششمین
اندام آبرومی گرما بہ افزود، مبارک، و سپس بر غالبِ سخندان کہ عافیت
جوی ددعا گوی این درگاہ ست، ہیلون!

ہما تا درین روزگار، خسر و ستارگان کہ مہرِ منیرش دانی، در تہہ، داند
سوی فرازِ نخستین سیارگان کہ ز حلقِ خوانی، در ترازو، سعد اکبر بہ تونس و
سعد اصغر بہ تور، آن دو نیز بہ بیت الشرف خوشنود و شاد، و این دو اختر
بکاشانہ ہای خوشنیت آباد۔ گمان ندارم کہ از خسرانِ پارس و سلاطینِ عرب

بیچ کس را چنین طالعی بهر جلوس اتفاقی افتاده باشد که حضرت ولی نعمت را برای غسل صحت دست بهم داده است. خرد تا گفتار مرا شنود، چشک زد و به پیاره سرود که "ای در درختانی! انجم آفتاب، چون کودکان در بال افتانی که کهای شب تاب، نگران! از حلقه اختر شماران بدر آیی، و بدستان حکمای روحانی رمزی از حکمت ایمانی بشنو، تا بدانی که بدین امیر مسند سریر، سلطان نظیر، عمر جاودانی ددوام لذتهای روحانی بخشیده اند." گفت: "تا بران نباشد" کالبدر سخن را جان نباشد. مرا بے خیر میندازد اگر محبتی داری، بیار." گفت: "بر بانی ازین ارجمند تر و محبتی ازین خرد پسند تر چه خواهد بود که چون آفریدگان را در آن جان عمرو دوباره دهند، دیگر بیم مرگ بر خیزد و بویه بانگ صور از خواب فنا بستگان در آن گیتی جاوید پائید. مگر صحت خداوند ازین رنجوری هولناک پدان نماید که پنداری عمرو دوباره یافت؟ پس اقتضای دوباره زمیتن نظیر چرا نپرد؟ و چون هستی یافتگان آن جهان در آن جهان جاودان زنده مانند، آنکه درین گیتی حیات ثانی پذیرفته باشد، هم درین گیتی همیشه زندگانی چون نکند؟ این عمر عزیز که بخدایگان داده اند، عمر خضر و الیاس نباشد که یکی را بشمر دین ریگ صحرا، و دیگری را به پیودن آب دریا گزرد. انشاء الله العظیم، جناب عالی، تا همانست، پرویز بزم، تهنت بزم دشمن گداز، دوست نواز، بلب در سخن اختر نشان، و بلف در کرم گوهر نشان خواهند زیست.

قطعه تاریخ غسل صحت، و قصیده تهنیت که پیش ازین فرستاده ام، نظم است شاعرانه، و این نگارش تشریفات فارفانه، قانون حکمت و تشریفات را جامع، هم از روی نقل حق، و هم از روی عقل راست بقای خداوند بمر تازده جاودانی، و نشاط بی اندازه پیشکار این حیات

ثانی باد! چارشنبہ ۲۳ شوال سنہ ۱۲۸۱ھ و ۲۲ مارچ سنہ ۱۸۶۵ء -
(مہر غالب ۱۲۷۸ء)

—:«(*)»:—

”بھنور نواب صاحب والا مناقبِ عالی شان، قلم فیض و عمان احسان، امیر المسلمین نواب کلب علی خاں بہادر دامِ اقبال، مقبول باد

[نواب سید محمد کلب علی خاں بہادر غلہ آشتیاں، نواب فردوس مہکاں کے فرزند، اکبر تھے۔ آپ جناب عالیہ فیروز النساء بیگم صاحبہ، لفظ بہ نواب بہو بیگم، دختر سید عبد العلی خاں بہادر، خلع نواب سید غلام محمد خاں بہادر کے بطن سے ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۰ھ (۱۹ اپریل سنہ ۱۸۳۵ء) کو انوار کے دن صبح کے وقت متولد ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۴ء میں گورنر جنرل کی منظوری سے ولیعہد ریاست سوات ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ (۲۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء) کو جمے کے دن ۳۰ سال کی عمر میں سند نشین ہوئے۔ ۱۵ محرم سنہ ۱۲۸۲ھ (۱۰ جون سنہ ۱۸۶۵ء) کو مسٹر جان انگلس، ایجنٹ ریاست وکٹریز و ہیلکھنڈے راجپور آگرہ ضابطہ ریم منسٹر ادا کی۔ ماہِ رجب سنہ ۱۲۸۲ھ (دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء) میں ملکہ مغفہ کی جانب سے خلعت آیا، اور اسی جبینے میں جن جنابوں سے ملایا گیا۔ آپ بڑے حاتم دل، پابندِ شہر، بامروت اور خلیق تھے۔ باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے، اور غیر شرعی آمدنی سے خزانے کی دولت کو پاک رکھتے تھے۔ خود صاحبِ علم تھے، فارسی، خلیفہ غیاث الدین عزت، صاحبِ غیاث اللغات سے حاصل کی، اور علومِ حکمیہ مولوی فضل حق فیروزی، اور مولوی عبدالحق فیروزی بادی سے پڑھے۔ ان کا دربار اہل کمال سے بھرا رہتا تھا۔ مشرقی علوم و صنائع کا شاید ہی کوئی ایسا ماہر ہو جو ان کے خزانہ جو در کرم کی زلزلہ رانی نہ کرتا ہو۔ ان میں علما، شعرا، ادباء، خطاط، صحافت، طبخ، اور دیگر تمام ہندوں کے ماہرین شامل تھے، علمی مباحثوں کا بہت شوق تھا۔ روزانہ دربار میں کسی نہ کسی علمی یا ادبی مسئلے پر اہل دربار بیع آزمائی کیا کرتے تھے۔ آپ خود برابر کا حصہ لیتے، اور اس طرح اپنے معلومات کے دائرے کو وسیع سے وسیع تر بناتے

رہتے تھے۔ کتابیں جمع کرنے اور انھیں پڑھنے کا بھی بے حد شوق تھا۔
 اُس عہد میں جس قدر نایاب اور نادر کتابیں میثیا کی گئی ہیں، وہ اپنی قیمت
 اور قیمت کے لحاظ سے مستقل کتاب خانے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فارسی
 ادبیات سے زیادہ دلچسپی تھی۔ جب کوئی نئی فارسی کتاب خرید
 فرماتے، اُس کے سرورق پر اپنے قلم سے تاریخ آمد وغیرہ لکھتے۔ اردو
 فارسی، دونوں زبانوں میں شعر لکھتے، اور نواب تخلص فرماتے تھے۔
 فارسی کلام مرزا محمد تقی خاں بہتر، مولف تاسخ التواریخ، کی نظر سے
 گزرا تھا۔ اردو کلام امیر مینائی لکھنوی دیکھا کرتے تھے۔ ایک فارسی
 نثر مرزا غالب کو بھی اصلاح کے واسطے بھیجی تھی، مرزا صاحب ان کی طرز
 نگارش کے سجدہ راج تھے۔ تصنیفات میں چار اردو کے دیوان، دیوان
 فارسی، تاریخ شاہان سلف، انتخابِ بوستان خیال اور متعدد
 نثریں ہیں۔ اخبار مینی کا بھی شوق تھا۔ دیدہ سکندری، جو رامپور کا
 پہلا اخبار ہے، انھیں کے ایسا سے ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۸۳، ہجری
 (۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء) سے ہفتہ وار شائع ہونا شروع ہوا۔
 آپ نے ۲۲ سال، ۷ ماہ کی حکومت کے بعد ۵۳ سال ۷ ماہ ۷ روز کی
 عمر میں مجدھ کے دن ۳ بجے کے وقت ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۰۴ م
 (۲۳ مارچ سنہ ۱۸۸۷ء) کو انتقال کیا۔ امیر مینائی نے ”خواجگاہ
 حامی اسلام امیر المؤمنین“ سے تاریخ وفات نکالی ہے۔

(۴۵)

حضرت ولی نعمت آء رحمت سلامت
 بعد تسلیم معروض باد۔ نوازش نامہ مع ہنڈوی صدر و پیہ عز و در دلایا
 اپریل سنہ ۱۸۶۵ء کی تنخواہ کا روپیہ معصرین وصول میں آیا۔
 زیادہ حد ادب سے

تم سلامت رہو ہزار برس ! ہر برس کے ہوں دن سچاں ہزار

عنایت کا طالب، غالب

۶ مئی سنہ ۱۸۶۵ عیسوی

(رباعی)

سرتاسر دہرِ عشرتستان تو یاد ! صدرنگ گلِ طرب بدامان تو یاد !

عید است وہبِ رخسار می ہا دارد جان من و صد چمن، بفرمان تو یاد !

عنایت کا طالب، غالب، شنبہ صبح روزِ عیدِ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۱ ہجری نبوی

(۲۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعدِ تسلیم معروض ہے تنہیت نامہ ارسال کر چکا ہوں، جواب پا چکا

ہوں۔ قصیدے کا لغتہ ارسال کیا ہے۔ یقین ہے کہ پہنچ گیا ہوگا۔

حضرت فردوسِ مکانِ سپہرِ آستان کا معمول تھا کہ محرم سے دینِ مینے

پہلے سلام پانچ سات لکھتے تھے، اور فردا فردا میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔

جب وہ فراہم ہو چکے، تو محرم سے دو چار دن پہلے میں اصلاح دیکر بھیج دیا

کرتا تھا اب کے برس ایک ہی سلام بھیجنے پائے بس۔ آج وہ سلام

اس مراد سے حضور میں بھیجتا ہوں کہ حضور کے حکم سے حضرت کے

دیوان میں شامل ہو جائے۔ زیادہ حدِ ادب ۵

تم سلامت رہو ہزار برس ! دولتِ مغرور جاہ روز افزوں !

عنایت کا طالب، غالب

۶ شنبہ یکم محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲

(۲۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ حق تعالیٰ، جَلَّ جَلَالُہُ، دَعَمَ کَوَائِدَہُ، جس گروہ پر

مہربان ہوتا ہے، وہاں حاکم عادل رحیم بھیجتا ہے، کہ وہ بقوتِ عادلہ کفر و بدعت کی جڑ اکھاڑ ڈالے، اور بصفیتِ رحم رعایا کو پالے۔ مصداق اس کا ذاتِ قدسی صفاتِ جنابِ عالی ہے، کہ قمار خانے کی بنیاد ڈالی ہے۔ نہ ہے قانونِ سیاست اسفلے کا محصول معاف کر دیا ہے، روپیہ عیت پر نثار کیا ہے۔ نہ ہے آئینِ ریاست !

رباعی

نواب کہ شد ز شوکتِ اقباش بخشیدن باج غلہ از اقباش
فایغ شد ہر کسی و روداد فراغ ہم قایغ دہم فراغ باشدش
پیر و مرشد، حضرت فردوسِ مکاں کا دستور تھا کہ حباب میں قصیدہ بھیجتا، اُس کی رسید میں خطِ تحسین و آفرین کا، شرم آتی ہے کہتے ہوئے مگر کے بغیر بنتی نہیں، ملاحظہ کی ہندوی اُس خط میں ملفوف عطا ہوا کرتی تھی۔ دو قصیدے مدحیہ، میرے دیوانِ فارسی میں مرقوم، اور وہ دیوانِ حضرت کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ خطوں کی تصدیق از روی دفتر ہو سکتی ہے یہ رسم بڑی نہیں ہے۔ اگر جاری رہے، تو بہتر ہے۔ زیادہ حدِ ادب۔

التفات کا طالب، غالب، پینچٹنہ ۱۹ محرم سنہ ۱۲۸۱

۶۷۷
۱۳

(۶۸)

حضرت ولی نعمت امیرِ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ شامہ مع سُرور پیے کی ہندوی کے عز و رد
لالہ میمنی سنہ ۱۸۶۵ کا مشاہیر و صول میں آیا۔ زیادہ حدِ ادب۔
تم سلامت رہو ہزار، کس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
التفات کا طالب، غالب

۱۵ جون سنہ ۱۸۶۵ عیسوی

(۴۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم معروض ہے۔ روز پچشنبہ ۱۵ جون کو ایک عرضداشت روانہ کر چکا ہوں۔ یقین ہے کہ وہ آج پہنچے گی۔ کل ۱۷ جون کو فرح بخش درج افزا نواز شامہ بیچا۔ قصیدے کا پہنچنا اور اس کا مقبول و منظور ہونا دریافت کر کے اپنی بخت قسمت پر میں نازاں ہوا۔ اب عرض یہ ہے کہ حسب احکم حضور کے یہ قصیدہ میرے دیوان فارسی میں، جو کتاب خانے میں موجود ہے، درج کیا جا اور سلام حضرت فردوس مکاں کا اُن کے دیوان اردو میں لکھ دیا جائے۔

حضرت کی خدمت میں نہ آؤں گا، تو اور کہاں جاؤں گا؟ وہ آگ پر رہی ہے کہ طہور کے پر حل رہے ہیں۔ بعد آگ کے پانی پر سے گا۔ سفر خصوصاً پورے رنجور آدمی کو دونوں صورت میں متغیر۔ آفتاب میزان میں آیا، اور ہنگامہ آتش و آب رفع ہوا، اور میں نے احرام بیت المعمور پر اسپور باندھا،

اِنشَاء اللہ العلیٰ العظیم۔

پیر و مرشد، ازراہ خیر خواہی ایک امر عرض کرتا ہوں۔ محمد علی خاں ابن وزیر محمد خاں رئیس ٹونک نے بعد مسند نشینی گورنمنٹ کو "بین الدولہ" اور دوجیزو "ملک و جنگ" لکھ کر دیے، اور وہاں سے وہ اُن کو عطا ہوئے۔ حضور کے اجداد اُمجاد نے سلاطین بابر یہ کا خطاب نہ قبول کیا۔ مگر حضرت کے جد امجد کو احمد شاہ درانی نے مخاطب بہ "مخلص الدولہ" فرمایا۔ حضرت اگر مناسب جانیں، تو اس خطاب کو مع دوجیزو "شمس الملک و بہرام جنگ" جناب ملکہ معظمہ سے بذریعہ گورنمنٹ اپنے واسطے لیں؟

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں! ترقی دولت کا طالب، غالب۔ یکشنبہ ۱۸ جون سنہ ۱۲۶۵ ع

(۵۰)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے منشور عطفیت کے ورود نے معزز فرمایا۔
جون سنہ ۱۸۶۵ء کی تنخواہ کا سو روپیہ اردو سی ہندو سی معرین وصول
میں آیا۔ زیادہ حد ادب سے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
عنایت کا طالب، غالب
معرضہ دہم جولائی سنہ ۱۸۶۵

(۵۱)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ میری عرضداشت کا جواب آچکا ہے،
بندہ ہندو سی کی رسید بھیجا چکا ہے۔ یہاں خلق کو مینہ درکار ہے اور
ہوا شرارہ بار ہے۔ دھوپ کی تیزی سے آدمی کے تیور، اور پہاڑ کے
پتھر جلے جاتے ہیں۔ پانی جگر گداز، ہوا جانستاں، امراض مختلفہ کا
ہجوم جہاں نہاں۔ جڑا عضای انسان کے، کہ وہ پسینے میں تر ہیں،
طراوت و رطوبت کا کہیں پتا نہیں۔ یا ٹو جلتی ہے۔ یا مطلق ہوا نہیں
ان سطور کی تحریر سے مدعا یہ ہے کہ مجھے ہر وقت یہی خیال رہتا ہے کہ
حضرت کا مزاج کیسا ہے۔ اس خط کا جواب جس قدر جلد عطا ہوگا، دعاگو
پراحسان آپ کا ہوگا۔ زیادہ حد ادب سے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
آپ کی سلامت ذات اور اپنی نجات کا طالب، غالب

۲۳ جولائی سنہ ۱۸۶۵

✓ ع

(۵۲)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض آں کہ منشور عفو و غرور و دلایا۔ تنخواہ جولائی سنہ ۱۸۶۵
حال کا ماسعہ روپیہ ازرومی ہندوئی ملفوفہ معروض وصول میں آیا۔ فقط
اگرچہ یہاں مینہ اس قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصل
فصل ربیع سے ہاتھ دھولیں، مگر چونکہ بفرمان ازلی میرے رزق کی برات
آپ پر ہے، اور آپ کے ملک میں بارش خوب ہوئی ہے، ابر رحمت کے
شکرے میں ایک قطعہ ملفوف اس عرضی کے بھیجتا ہوں، بنظر اصلاح نظم
اصلاح حال ملاحظہ ہو۔ زیادہ حد ادب
تم سلامت رہو ہزار ہیرس! ہیرس کے ہوں دن پچاس ہزار!

نجات کا طالب، غالب

جمعہ ۱۱ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع

مقام شکر ہے، اے ساکنان خطہ ہماک
رہا ہے زور سے ابرستارہ بار بار برس
کہاں ہے ساتی ہوش؟ کہاں ہے ابربطیر
بیابان لامی گلنارگوں؟ ببار، ہیرس
خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہر افشانی
در حضور پر، اے ابر، بار بار برس
ہر ایک قطرے کے ساتھ آئے جو ملک و کھ
"امیر کلید علی خاں جبین ہزار ہیرس"
فقط ہزار ہیرس پر کچھ انحصار نہیں
کئی ہزار برس، بلکہ بے شمار برس
جناب قبلہ حاجات، اس یلاکش نے

بڑے مذاہب سے کائے ہیں پانچ ہزار برس
شفا ہو آپ کو، غالب کو بندِ غم سے نجات
خدا کرے کہ یہ ایسا ہو سازگار برس!

(۵۳)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروضہ ہے۔ کل بروز در نواب مرزا خاں داغ کی تحریر سے
معاوم ہوا کہ حضرت کا مزاج اقدس ناساز نہ ہو گیا تھا، اب خدا کے فضل و کرم
سے افاقہ ہے۔ نواب مرزا نے مجھ پرستم کیا، کہ پہلے سے یہ حال نہ رقم
کیا۔ جو دعا جب کرتا، اب بھی وردِ شب و روز ہے۔ مگر یہ خیالی کہ حضور کو
خیال گزرے گا کہ غالب رسم عیادت بجا نہ لایا، سخت جگر سوز ہے۔ اب
اس خط کے جواب میں نوید عافیت کا امیدوار اور یہ سوچ کر کہ کتنے کے
آنکھوں میں دن جواب آئے گا، بیقرار ہوں۔

ایک عبارت کا ایکس جزو بطریق خط ایک انصاف دشمن کو لکھ کر چھپوا
دیا ہے۔ پارسل اس کا نواب مرزا کو ارسال کیا ہے۔ پانچ رسالے وہ
میری طرف سے نذر گزرا نہیں گئے۔ حضرت قبولِ نذر کو میرا عز و
شرف جانیں گے۔

تم سلامت رہو ہزار برس! دولت و عز و جاہ روز افزوں!

دہاکو، غالب۔ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع

(۵۴)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروضہ ہے۔ داستانِ حمزہ قصہ موضوعی ہے۔ شاہ عباس
ثانی کے عہد میں ایران کے صاحبِ طبعوں نے اس کو تالیف کیا ہے۔
ہندوستان میں امیر حمزہ کی داستان اس کو کہتے ہیں اور ایران میں رموز

حرفہ "اس کا نام ہے۔ دو سو کشتی برس اس کی تالیف کو ہوئے۔ اب تک مشہور ہے، اور ہمیشہ مشہور رہے گا۔

آپ کے اس تکیہ دار، روزینہ خوار فقیر نے آپ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے تمثیل اس التزام پر کہ شیب کی آیات اور مدح کے اشعار میں حرفہ دال و لام تکرار و زمر و شاہ وغیرہ یا ان کے معاملات و حالات کا ذکر درمیان آئے۔ سورہ قصیدہ آج اس خط کے ساتھ ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ حضرت اس کو پڑھ کر محظوظ ہوں۔ خدا آپ کو قیامت تک سلامت رکھے! مگر جب تک امیر حمزہ کا قصہ مشہور رہے گا، یہ قصیدہ بھی شہرت پزیر رہے گا۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
نجات کا طالب غالب۔ ۲۱ ماہ اگست ۱۸۶۵ء
یا د باب!

ترہی دو چشم تو دگر سر من سبہ کاری
ترہی ترو در بدیع الزمان کشتی گیر
ترہی خیال تو آدم ربا، چونک دیو
ترہی تو چگویم کہ آن بود ز عمر
اگر تو نیستی از ساحران انتربا
بدین چال کہ داری عجیب مدار، اگر
بہر روی تو گردیدم آفتاب پرست
سین ہند ہست تو رنج کہ بودہ ماہ پرست
نورانی یعنی اصلی بود نور الدھر
چکہ ز زلف تو خون دلم بدانگو نہ
فغان ز بارجم دہر، کان بسنجیدن

چو بختیارک و خجنگا، بمر دم آزاری
کہ کوہسار چو ناریج تر بیشاری
دماغ اہل نظر قاف اوست پنداری
دلیر و حبیب و ہنرمند تر بقیاری
چرا، بلہو، ہی آتش از ہوا باری
کند حکیدہ قدرت ترا پرستاری
نہ ایرجم کہ عشت تن و ہم بدین خواری
ترا پرستم ازین رو کہ ماہ رخساری
ہمیں بنام کہ معنی نداشت پنداری
کہ ریزد از لب زنگی در آدمی خواری
عود و خسر و ہندا است در گریہاری

به پیش چرخ مشغول، پیر و شیر و مسیت
 ز روی ریش تراشد همی به بهیوشی
 خصوصتی بمن اقتاده ز آل دنیا را
 بجیش عشق منم سر برهنه قیشتی
 تنبیب فتنه با آنچه بکشش گز می ماند
 شد دست لاغری من کلیم غیبی من
 منم که فکر من اندر زمین شمر و سخن
 چه افتاده به که یارب، کنون چو از نما
 چنان بخور و غم عادی که چون عادی
 نهاده همنفان نام من ملک قاسم
 رسیده بخل بکرم از عمر میراث
 دروغ گفته ام، آن فکر نیز بیل است
 چو حمزه را بجهان، بعد مرگ مهرنگار
 نماد در نظر دزد و کهنه اسلوبی
 دل است حمزه و لب در فونگری هرست
 شد آن که بود کلام طلسم گوهر بار
 چو حمزه، کش یعقوبین در کشیه فلک
 نقاست قرص و منم حمزه در بهر منند
 چو ساحران همه را شغل آتش افشانی
 ز زهر مهره اش در بهر حمزه به آن به
 مگر افشانی وی آیم بر دوان ز بند بلا
 امیر کبیر علی بن ابی طالب، آن که بود
 در پیش تو از پیش شب بسل سگداری داد

که این بریده، همچون غمخوار
 در فرق تاج ربابید همی بهشتی
 که دم غیبه بود در قون مکانی
 که موی سر بر سر کرده است ستاری
 که بود هر کله شش را چراغیت کاردی
 که با شمع و توام اند جانوران ته اگر می
 همین گزشت ز اشقریه تیر و قناری
 بنجاک و خون قندم تن همی بهشتی
 نبوده هیچگی سیریم ته چرخ خاری
 ز خون دیده بود بیکه جامه گنارای
 که هیچکند زده در سخن مرایاری
 که گم شود ز غم در دم گزشتاری
 ز تیغ و تاج دنگین روحی دایره افشانی
 جز آن که باز کشاید و گان عطاری
 بد آنی که ز دل نبوده شد دگاری
 بهار و بهار با گم بهار چاروی
 به دام دام نفس میگشتم بهشتی
 چهل خلیفه و تقاضایان بازاری
 چو از دایره راه و آردم ادباری
 که نوشداروی بهشتی آن چنگلی
 چنانکه حمزه به نیردنی پیر خاری
 عدیل حمزه در اسپندی و سالاری
 خنجر لبندنی آرداره جهاندارای

بود پلا رکب افرا سیامیش در گفت
 چگویم از منط شکر ظفر سپیکر !
 همه مقابل مستقبل ، به نادک اندازی
 بیا ، به بین که در اردوی این امیر کبیر
 چون قدر آن که جلو دار حمزه بود آنیک
 سرور که فخر بر اقبال خود کند کندور
 پیرس بر درش از هستی زمره شاه
 شنیده که خداوند با خضر چون بود
 گزشت آن که "چه تقدیر کرده ام" گفت
 کنون بعجز "چه تفصیر کرده ام" گوید
 رموز حمزه فردی را ، خوش نشین غالب
 ز دست رونق گیتی به دلش آرائی
 قصیده تو ، هلی ، کاسه گدائی تست
 غمین مباش که از گنج خانه نواب
 بوقت گدی ، گداراد عارست دست که دیز
 چراغ دوده سردر ، علی محمد خان
 زردی کلب علیجان همیشه روشن باد

(۵۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !

بعد تسلیم عرض یہ ہے فقیر تکیہ دار ، روزینہ خوار ، غالب خاکسار حیران
 ہے کہ شکر بجالاے آپ کی عنایت کا ، یاد کرے آپ کی کرامت اور لایت
 کا ۔ آپ یے شہر رونق سند علم و یقین ہیں ! تکلف بر طرف ، امیر المسالین
 ہیں یہ نہ فقط از روی ارادت ہے ، بلکہ یہاں شاید خرق عادت ہے

ان دنوں میں متفرقات کے قرضدار اسے گم تقاضا، بلکہ آمادہ شور و غوغا تھے۔ دو سو روپے کی ہندو سی صراحی آبِ حیات ہو گئی، دامِ مرگ سے نجات ہو گئی، لطف یہ کہ آج بروزِ دو شنبہ ۲۱ اگست کو نو بجے اڈل روز ایک قصبہ کے کالغہ بھیجا گیا۔ اسی دن بارہ پرتین بجے یہ کرشمہ کرامت دیکھا گیا۔ قصبہ کے لفظ میں ایک عرضداشت ہے۔ اُس سے قصبہ کے حقیقت اور خود اُس نظم سے طرزِ نگارش کی جدت ظاہر ہو جائے گی۔ حضرت کے انبساطِ خاطر کے واسطے یہ ایجاد ہے مجھے ہر طرح کی نظم و نثر سے آپ کی خوشی اور خوشنودی مراد ہے۔ انجامِ قصبہ میں جو قرض کے گھے پائے جائیں اُن مجموع میں سے اہل بازار سنہائی کئے جائیں، کو بھی دالے ساہوکار چل خلیفہ گئے جائیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
ترقی عمر و دولتِ خداوند کا طالب، طالب
لگاتار دو شنبہ ۲۱ اور رداں داشتہ
سہ شنبہ ۲۲ اگست سنہ ۱۸۶۵ ع

(۵۶)
۱۲

حضرت ولیؑ نسبتاً آیتِ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے میں طیب نہیں، مگر تجربہ کار ہوں۔ ستر برس کا آدمی ہوشیار ہوں۔ اور سے یہ کہا نہیں جاتا۔ حضرت پر بغیر ظاہر کئے رہا نہیں جاتا۔ خدا جانے، اور طیب کیا سمجھ ہوں گے کہ کیا تھا۔ میرے نزدیک بہ اشتراکِ معدہ و قلب یہ مرض طاری ہوا تھا۔ اب آپ کو حفظِ صحت کے واسطے گاہ گاہ نارجل دریا فی وجد دار کا استعمال ضرور ہے۔ اور حجونِ طلانی غنبری تقویتِ قلب میں مجوزہ حکیم بر علی خان مغفور ہے: ورقِ طلا، غنبر شیب عرقِ کیوڑہ، قند، کثرتِ اجزا اس ترکیبِ خاص میں ناپسند۔ کثیر الاجزا اور

معجونیں ہیں: مفرح، یو علی سینا، خمیرہ مردار، خمیرہ گاؤں زبان، خمیری ماء اللحم،
غیر مخفی، جن میں طیور کے گوشت اور ادویہ مفرح و مفقوی حرارت و سردی
میں معتدل، گاہ گاہ سکجنین و گلاب پی لیا کیجئے۔ غذا میں گوشت، طیور اکثر،
بیضہ نیم پرشت اکثر، لیکن یہ خیال رہے کہ بیضہ مرغ و کچھ طیور ایک طبع میں ناول
نفرطیہ، بکری کے گوشت کے ساتھ بیضہ مرغ جائز اور لذیذ اور مرغوب۔ پودے
کا عرق، چھوٹی الائچی کا عرق ہمیشہ دوا خانے میں موجود رہے۔ عطریات کے
استعمال میں مبالغہ، بعد غذا مباشرت سے پرہیز، شوربای پانچہ گو سفد مائدہ
خاص پر موجود رہے۔ بحسب رغبت طبیعت نوش جان فرماتے رہیے۔

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!

(۵۷) (۱۳) صبح و روزانہ شنبہ

حضرت! نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ شرف افزا عطا عفو نامہ عز و رد د لایا اگست
۱۸۶۵ کی تنخواہ کا سو روپیہ از روی ہندوی لافوقہ معرض وصول میں آیا
زیادہ حد ادب سے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!

نجات کا طالب، غالب

دوشنبہ ۱۱ ستمبر سنہ ۱۸۶۵

(۵۸) (۱۳)

حضرت! نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ چاہتا ہوں کہ کچھ لکھوں، مگر نہیں جانتا کہ کیا
لکھوں۔ لازم تھا کہ تعزیت نامہ بزبان فارسی و عبارت بلیغ لکھوں۔ آپ کے
قدموں کی قسم! دل نے قبول نہ کیا۔ آرا میں گفتار، نظماً و نثر، واسطہ تعزیت کے
ہے کہ دل کثرت تشاؤ سے گل کی طرح کھل رہا ہے، طبیعت راہ دیتی ہے

الفاظ ڈھونڈنے سے جانتے ہیں، معنی پیدا کیے جاتے ہیں۔ اب میں نیم مردہ، دل پڑ مردہ، خاطر افسردہ، جس باب میں لفظ ومعنی فراہم کیا جا ہوں، وہ سرسبز طبع کے خلاف جس بات کا تصور ناگوار ہو، اُس کے تذکرے ہی کیوں نہ بھزار ہو؟ یہ میری قیمت کی خوبی ہے کہ ہنوز نہینت اور مدح کا حق ادا نہ ہوا تھا کہ مرثیہ لکھنا پڑا۔ اگر ایک بات میرے خیال میں نہ آئی ہوتی، تو مجھے زندگی و شہر قحطی۔ یعنی حضور کو ابتدائی جلوس میں وہ بچ پہنچا کہ اُس سے زیادہ تصور میں نہیں آتا۔ پس وہ سادہ نشیبی کی ہدایت اور غلبہ کی نہایت یہ چاہتی ہے کہ اب مدۃ العمر، ابد المؤمنین، حضرت کو کوئی غم نہ ہو۔ ہمیشہ بہاندار و جہانستان و شاد و شادماں رہیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچا پس ہزار!

آپ کے قدموں کا طالب، غالب - ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۵ ع
در لیا ا کہ ماندہنی نصیر دولت
چو رہتیار رودنہ، بود سال فوش
نہ خاقان نامی سکندر زمانی
سپس اہم دی باد جنت مگانی!

(۵۹/۱۵)

حضرت ولی نعمت امیرہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ ہر چند آیدار خانے کے ساتھ ہونے سے پانی کی طرف سے خاطر جمع ہے، کہ حضور جو پانی ہمیشہ پیتے تھے، وہی پیتے ہوں گے، مگر ہرج سفر اور اختلاف ہوا کا خیال ہے۔ توقع رکھتا ہوں کہ نوید صحت و اعتدال مزاج اقدس سے عزا اطلاع پاؤں۔ بعد اگرچہ بہت نہیں لیکن طبع پر گراں ہے چشم مشوق درد و موکب عالی کی نگراں ہے۔ بقول شاعر
بہ تفسیر لفظ سے جو تم پھر آؤ، تو حضرت پھر میں ہمارے دن۔ زیادہ
حد ادب۔

تم سلامت ہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
دوام بقای حضور کا طالب فقیر غالب
چار شنبہ ۸ نومبر سنہ ۱۸۶۵ء

(۶۰)

حضرت دلی نعت امیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ مراد آبا و ہینہا، بعد پاکلی کے مآثر آنے کے میل
کا ٹوٹ جانا، گاڑی اسباب، یہاں تک کہ رخت خراب کا مع آدمیوں کے
اسی زہریر کے میدان میں رہنا، بغیر جاڑے کے کچھ نہ کھانا، خیر حوان پر
گزری، وہ جانیں، میں مراد آباد کی سرا میں ایک جھوٹی سی حویلی میں ٹھہرا
بھوکا، پیاسا، مکمل اوڑھ کر پڑ رہا۔ یہ شعر اپنا پڑھ پڑھ کر صبح کی
گریم فریاد رکھا شکل بہنالی نے مجھے
تب اماں ہسر میں دی بردیالی مجھے

صبح کو خستہ ورنجور اٹھا۔ صاحبزادہ ممتاز علی خاں بہادر کے بھیجے ہوئے دفتر
آئے۔ امٹھا کر سعید الدین خاں صاحب کے ہاں لے گئے۔ صاحبزادہ صاحب
نے وہ نفیسم و تکریم اور سعید الدین خاں صاحب لے وہ تکریم و نفیسم کی کہ
میری ارنش سے زیادہ تھی۔ ناگاہ مولوی محمد حسن خاں بہادر صدر الصدور
آئے، اور مجھے اپنے گھر لے گئے۔ پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مظفر خاں
بہادر وہیں مجھ سے آکر ملے دو دوسرے دن وہ رہگرای دارالسرور راپور
اور میں جادہ نور دستم آباد دہلی ہوا۔ دو شنبہ ۲ شعبان ۱۲۸۶ء جنوری ۱۸۶۶ء
درغملکہ پہنچا حضور کے اقبال کی تائید تھی، ورنہ میں اور جیتا دلی ہوتا!

۵

مغلوب علیہ غم دل، غالب خرم
”کاندانش ز ضعف“ تو ان گفت ”بان نبو“

ازدہ پور زندہ بدلی رسیدہ است
 ”مارا بدین گجیاہ ضعیف این گمان نہو“

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزون!

نجات کا طالب، غالب

✓ ع ۴ شنبہ ۲۲ شعبان ۱۰۱۰ خجوری سال
 جشن حضور

(۶۱/۱۲)

حضرت ولی نعمت امیر رحمۃ سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ والا کے مشاہدے نے مجھ کو میری جیہ
 پر یقین عنایت کیا۔ اس سفر کا حال کیا عرض کروں؟ ولی سے رامپور تک
 ذوق قدمبوس میں جو اتانہ گیا۔ اختلافات آپ و ہوا و تفرقہ اوقات غذا
 کو ہرگز نہ مانا، اور رنج راہ کو ہرگز خیال میں نہ لایا۔ وقت معاودت اندوہ
 فراق نے وہ فشار دیا، کہ جو ہر روح گداز پا کر ہر بن موسے ٹپک گیا۔
 اگر آپ کے اقبال کی تائید نہوتی، تو ولی تک میرا زندہ پہنچنا محال تھا۔
 جاڑا، مینہ، قبض و انقباض، فقدان جو ع، قافہ ہامی متواز، منزل ہامی
 ناما لوس، ہا پور تک آفتاب کا نظر نہ آتا، شب و روز ہوا سی زہری کا جانگزا
 رہنےا، بارے ہا پور سے چل کر نیر اعظم کی صورت دکھائی دی۔ دھوپ کھاتا
 ہوا دلی پہنچا۔ ایک ہفتہ کوفتہ و رنجور رہا۔ اب ویسا پیر و ناتوان ہوں، جیسا کہ
 (اس سفر سے پہلے تھا۔ خدا وہ دن کرے کہ پھر اس در پر پہنچوں!)

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

نجات کا طالب، غالب

۲۱ جنوری سنہ ۱۰۱۰ ✓ ع

(۹۲/۱۸)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع و قیغ مع سو روپیہ کی ہنڈوی کے
عز و رد دلایا۔ جنوری سنہ ۱۸۶۶ کی تنخواہ کا روپیہ معروض وصول میں آیا آپ
کے غلام نوخیز نے اپنی تنخواہ کا حال پوچھا۔ میں نے حضور کا خط اُسے
دکھا دیا۔ ناامیدانہ چپ ہو رہا۔ اب اس درویش دلمیش کا حال سنیے۔ سامیہ
مدت سے کھوٹ چٹیا۔ اب آنکھوں کو بھی روٹھ گیا۔ دور سے صرف قد و قامت آدمی
کا دیکھا جاتا ہے۔ چہرہ اچھی طرح نظر نہیں آتا ہے۔ نقد این طاقت، سقوط اشتہار، ضعف
بصر، ضعف بخت، میرا حال یقیناً میرے اس شعر کے موافق ہے۔
درکشش ضعف، نگسدر روان زن، اینکہ من نمی میرم، ہم زنا تو اینہاست
زیادہ جدا دے

تم سلامت رہو ہزار پرکس! ہر برس کے ہوں دل بچاس ہزار
نجات کا طالب، غالب

ع ۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۶

(۹۳/۱۹)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع و قیغ کے ورد نے میری آبرو بڑھائی
اُس میں سے میں نے سو روپیہ کی ہنڈوی پائی۔ زیر معدر بہ ہنڈوی معروض
وصول میں آیا۔ فروری سنہ ۱۸۶۶ کی تنخواہ کا روپیہ میں نے پایا۔
زیادہ جدا دے

تم سلامت رہو قیامت تک!

دولت و عز و جاہ روز افزوں! فقط

۱۵ مارچ سنہ ۱۸۶۶ عنایت کا طالب، غالب

(۶۴)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ اپنا حال اس سے زیادہ کیا لکھوں کہ آگے
ناتوان تھا، اور اب بیجان ہوں۔ برخوردار نواب مرزا خاں اپنے مشاہدے
کے مطابق جو میری حقیقت عرص کرے، وہ مسموع و مقبول ہو۔
حضور اس مطلع کے لفظ و معنی کی حدت و حیرت کی داد پادشاہی
ہم در قیام زندہ نیم، کر پرامی خویش آں وقت لای نافیہ ام از دو پای پیش
ایک شزل نمی طرز کی، تنی بھر پور عرص کر تا ہوں۔ یہ جشن حال کی
نذر ہے۔ خدا کرے، مقبول ہو یا نہ زیادہ حیرت ادب
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
نجات کا طالب، غالب

۲۹ ماہ ص ۱۸۶۶

بھرنج ہشتن سالم
فیضان فیضان فیضان

ایں خداداد بحر دمتد و حیان داد بردانا!
وہی بہ شیر و خرد، برہمہ کردار توانا!
ایں یرقار و بدیدار، بزبانی و خوبی!
سحر و جادو، مہ ناکا سستہ مانا!
پہ اد پاپیہ، ترایا، بنطس سر عتدہ کشایا!
بکر م ابر عطایا، بقضیب برق سستانا!
بہ نگہ خستہ تو ازاء، بسخن یدلہ طسرازا!
قلم قالیب سہ سایا، بہ نفس عطسہ قشانا!
شہ نشان، کلب علیجان کہ توئی یوسسہ ثانی

نہود ثانی و ہمتی تو دور و ہر ہما نا!
 و انم، از حال و کالم خبری داشتہ باشی
 سر نوشت از لی، گرچہ نذر و خط خوانا!
 دشمن چرخ و تو بینی و سنو زی بعتابش
 بہ عدو صاعقہ ریزا، بہ محب فیض رسانا!
 جانین تو کسند نام ترا زندہ بگیتی
 یاد فردوس برین جای تو، فردوس مکانا!
 غالب، از غم چہ خروشی؟ بتوزیاست خوشی
 با کریم ہمہ دان مسیح گو، پیچ ما نا!
 (۶۵)
 ۲۱

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے منشور مکرمت بطور مع ہندوی عز و رود لایا
 سور و پیہ تنخواہ اپریل سنہ ۱۸۶۶ کا معروض وصول میں آیا۔ زیادہ حذر ادباً۔
 تم سلامت رہو ہزار برکس! ہر برس سکے ہول دن پچاس ہزار!
 عنایت کا طالب، غالب
 ۱۳ مئی سنہ ۱۸۶۶ عیسوی

(۶۶)
 ۲۲

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ جب بادشاہ دہلی نے مجھ کو نوکر رکھا، اور
 خطاب دیا، اور خدمت تاریخ نگاری سلطنت پوریہ مجھ کو تفویض کی تو
 میں نے ایک غزل طرز تازہ پر لکھی۔ مطلع اس کا یہ ہے۔
 غالب، ولایت خواہ ہو، دوستاہ کو دعا!
 وہ دن گئے جو کہتے تھے: "نوکر نہیں ہیں"

اب مطلع کی صورت بدل کر حضور کی نذر کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ حضرت کے پسند آئے! زیادہ عداوت باہ

تم سلامت رہو سزا برس!
ہر برس کے ہوں دن بچاں ہزارا
عرضداشت اسدا اللہ بیدستگاہ

۹ جون سنہ ۶۶

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں
کیوں گردن بدام سے گمراہ جانے دل
یارِ زمانہ مجھ کو میٹا تا ہے کس لیے
حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے
کس واسطے عزیز نہیں جاسکتے مجھے؟
رکتے ہو تم قدم مری آنکھوں کیوں دینے
کرتے ہو مجھ کو منع قدموں کس لیے

خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں
انسان ہوں پیالہ دساغ نہیں ہوں میں
لوحِ جہاں پہ حرفت مکر نہیں ہوں میں
آخر گناہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں
لعل و زمرود و زرد گوہر نہیں ہوں میں
رستے میں مرد ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں

قطعہ

در پر امیرِ کلب علیچاں کے ہوں مقیم
بوڑھا ہوا ہوں قابلِ خدمت نہیں اسدا
شاید گدا ئی ہر در نہیں ہوں میں
خیرات خواہم ہوں نوکر نہیں ہوں میں

(۶۶/۳۳)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمۃ اللہ علیہ سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ایک عرضداشت مع ایک غزل کے
ڈاک میں بھیجی گئی۔ شام کو منشورِ عفو سے مع ہنڈوئی متخواہ میٹھی سنہ ۱۸۶۲ ع
درود لایا۔ سوز و پیہ معروض وصول میں آیا۔ آج صبح دم وقت تقریباً عرضی
سے حضرت فردوس مکان کا دیوان پیش نظر تھا۔ اس میں یہ شعر نظر پڑا۔
اُس کے مضمون حکیمانہ و عارفانہ نے بڑا مزاد دیا۔ یقین ہے کہ اُس کو

پڑہ کر حضرت بھی خطا ٹھائیں گے ۵

وہ جلّٰلہ سے ہے چاہے اُس طرح پلے

کسی کا کچھ نہیں پڑوے دگار پر لپٹا

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچاں ہزار

عرضہ اسد اللہ ترقی خواہ

معدوۃ دہم جون سنہ ۱۸۶۶ ع

(۶۸/۲۲)

حضرت دہلی نعمت آئیہ رحمت سلامتی!

بعد تسلیم معدوۃ ہے۔ توفیق و قیام عزم و ود لایا غزل کے پستہ نے

نے میری حضور کی کار تہ پڑھایا۔ فلک نہیں چاہتا کہ میرا کلام مقبولی طہارث

اہل کمال ہو۔ حضرت کو خالق اکبر نے وہ قوت اور طاقت عطا کی ہے کہ

آپ علی الرغم فلک کام کر سکتے ہیں ۵

قسمت بڑی سی، یہ طبیعت بڑی نہیں

ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

فلک نے مجھ پر بڑے بڑے اچھا و غم و فکر کے ڈالے، مگر میری طبیعت

بدل نہ سکا میں نے بھنا بھاری بہت نصرت و دلدادگی، مگر اپنی قسمت

بدل نہ سکا۔ زیادہ حد ادب ۵

تم سلامت رہو قیامت تک! دو لکھ دو لکھ روپے روزانہ

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچاں ہزار

عرضہ اسد اللہ ترقی خواہ ۲۸ جون سنہ ۱۸۶۶ ع

[میرزا دارا شہباز شاہ آغا مراد علی اچھا صاحب مودیر برہان، کراچیاں

میں ایک قلعہ کو کرطیع اکل و مصلح دہلی میں ایک راجا چھوڑا تھا، اور

دس چھپی ہوئی کاپیاں ذاب عدد و سنہاں کو دفاتر پر بند کر کے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روزِ آخروں!
نجات کا طالب، غالب فقط

(۷۰)
(۲۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
بعدِ تسلیم معروض ہے۔ پہلے اپنا حال عرض کر لوں، تب کچھ اور مدعا
لکھوں۔ غم نے لکھولی بڑھاپے کے بہت مضمحل کر دیا ہے۔ حضرت کے قدموں
کی قسم! نہ جو اس درست، نہ راہی صحیح۔ پرسوں سے مکروہات میں مبتلا رہتا
رہتا اب طاقت تحمل کی نہ رہی۔ خدا جانے، کیا ہوتا ہے، کیا سمجھتا ہوں
کیا کرتا چاہیے، کیا کرتا ہوں۔

کل آخر روز میر منشی حضور کا خط آیا۔ جون کی تنخواہ کی رسید کے
نہ پہنچنے کی اطلاع پائی۔ تہیدستی و قرض کے بچ میں خستہ و آزرده بیٹھا تھا۔
اُسی وقت عرضی لکھی۔ اگرچہ ڈاک کا وقت نہ تھا، مگر بھیج دی۔ آج آخر روز
توقعِ دقیق مع جولائی کی تنخواہ کی ہینڈوسی کے پہنچا۔ ہینڈوسی مختار کار کو
دی، اور یہ عرضی لکھنے بیٹھا۔ لکھ کر لفافہ کر رکھتا ہوں کل صبح دم ڈاک
میں بھیج دوں گا۔

اگر عرضی سابق میں کوئی بات گستاخی و دیوانگی و بدحواسی کی ہو، توفیق کی خطا تھا
ہو۔ میر منشی صاحب کے اگر مخالفین طبع کوئی لفظ ہوا تو وہ بھی درگزر کریں۔
جون کی تنخواہ کی رسید کا لفافہ ڈاک میں گم ہو گیا ہو گا۔ اگر میں بھی
بھول گیا ہوں، تو بعید نہیں؛ بلکہ اغلب ہے کہ غالب کو سہو ہوا ہو، ملازما
در دولت پر ظاہر ہو کہ جون کی تنخواہ جولائی میں، اور جولائی کی گسٹ میں
میں نے پائی۔ آئندہ ہر انگریزی مہینے کی دوسری تیسری کو روانگی ہینڈوسی
کا متوقع ہوں۔ زیادہ عذر ادباً سے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۶ ع/ک عفو درہم کا طالب، غالب

(۷۱/۲۷)

حضرت دہلی نعمت آئیہ رحمتُ مَنَظُّہُ العالی!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ توفیقِ دقیق مع دیا چہ شرحِ اشارِ بدرِ چاچی
عزّ درود لایا۔ کیا عرصنِ کردں کہ کیا عالم نظر آیا! واقعی افتتاحِ کلام بطرِ میرزا
طاہر و حمید اور پھر نگارشِ مطالب بشیوہ میرزا جلالی طباطبائی ہے۔
لیکن دونوں صورتوں میں دیا چہ اعجازِ خسروئی کا رنگِ جلوہ گر ہے
پس نافذِ بصیر کے نزدیک یہ نگارش، طاہر و حمید اور جلالی کی عبارت
سے بہتر ہے۔ یہ عرضداشت جلد بھجیتا ہوں، تاکہ حضرت پر پہنچاؤں دیا چہ
یا تقریب کا ظاہر ہو جائے۔

برسات ایسی ہوئی ہے کہ میں باؤن، تریپن برس سے یہاں رہتا
ہوں، عرشِ آرا مگاہ اکبر شاہ کے عہد میں ایک بار ایسی برسات دیکھی تھی، یا
امسال نظر آئی ہے۔ اوراقِ مرسلہ حضورِ مومین جاے میں لپیٹ کر سبیل
پارسل ارسال کروں گا، یا پرسوں دو شنبے کو، یا سہ شنبے کو

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب، غالب

۱۸۶۶ سنہ یکم ستمبر ع/ک

(۷۲/۲۸)

حضرت دہلی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعدِ تسلیم معروض ہے۔ منشورِ مکرمت ظہورِ عزّ درود لایا۔ سورہ
بابت تنخواہ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۶ معرضِ وصول میں آیا۔

نثرِ نثرہ نثار کے اوراق ۳ ستمبر ماہِ حال، کو ارسال ہوئے ہیں
نظرِ فور سے گزرے ہوں گے۔ فقط

اردو کا دیوان ایک شخص کو دیا ہے۔ فارسی دیوان کا شیرازہ کھول کر چند شخصوں کے حوالے کیا ہے۔ بعد اتمام تحریر نذر کیا جاوے گا۔
بھائی ضیاء الدین خاں کا مجموعہ نثر و نظم فارسی دُرد و سراسر دیکھا ہوا میرا، جو اُن کے کتاب خانے میں تھا، غدر میں لُٹ گیا۔ بعد غدر ذوقِ شعر باطل اور دل افسردہ ہو گیا۔ دو تین غزلیں، فارسی، ہندی، چھ لکھی ہیں، اُن کا انتخاب بھی پہنچے گا۔

تم سلامت رہو ہزارِ یرس! ہر یرس کے ہوں دن پچاس ہزارا
اسد اللہ سید ستگا

س ۷۷ دوشنبہ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۸۶۶

(۷۳/۲۹)

حضرت دلی نعت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معدن ہے۔ خاطرِ اقدس میں نہ گزرے کہ غالب تعمیل احکام میں کاہل ہے۔ بصارت میں فتور، ہاتھ میں رعشہ، حواس مختل، تاجا کاتب کی تلاش کی۔ شہر سراسر دیران ہے، کاتب کہاں! بارے ایک دوست نے کاتب کا نشان دیا۔ اردو کا دیوان، اشعار پر صاد کر کے، اُس کو حوالے کیا۔ کل وہ اجزای منقولہ آئے۔ آج بطریقِ پارسل معہا عرضی کے ارسال کیے۔

خط کاتب کا مجھ کو پسند نہیں آیا۔ حضرت کو کیونکر پسند آئے گا! اعلا اتنے تھے کہ مجھ کو تحریر کے برابر محنت پڑی۔

فارسی کے کلیات کا شیرازہ کھول کر، اجزائے اُس کے احباب پر تقسیم کر دیے ہیں۔ جا بجا اشعار پر صاد کر دیے ہیں۔ وہ بھی میرے انتخاب کے مطابق نقل ہو رہے ہیں۔ بعد اتمام وہ بھی پیشکش کر دوں گا زیادہ حیرت ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

ترجم کا طالب، غالب

سہ شنبہ ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۶

ع/

[میرزا صاحب نے تقریظ شرح بدر چاچی کی اصلاح کے سلسلے میں چار
 شنبہ ۱۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء کو ایک عربیہ ردائہ کیا تھا۔ مثل میں اس کا صرف
 لفظ موجود ہے۔ اس کی پشت پر میرمنشی صاحب لکھتے ہیں: اصل خط
 در حضور پرنور، کہ بمقدمہ تقریظ شرح بدر چاچی بود، ماند۔ ۳۳ ستمبر
 سنہ ۱۸۶۶ء]۱

(۷۴/۳۰)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معدن ہے۔ اردو دیوان کا انتخاب بھیج چکا ہوں یقین
 ہے کہ حضرت کی نظر انور سے گزر گیا ہو۔ آج فارسی دیوان کا انتخاب بطریق
 پارسل اس عرصی کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ اور بھائی ضیاء الدین خاں بہادر
 نے جو اوراق میرے پاس بھیجے ہیں، وہ بھی اسی پارسل میں رکھ دیے
 ہیں۔ حضرت اس غریب کا مجموعہ نظم و نثر عذر میں لٹ گیا۔ بعد عذر جو کچھ
 کہا ہے، وہ یہی ہے جو پہنچتا ہے۔

اس درویش نے صرف غزلوں اور رباعیوں کا انتخاب بھیجا ہے۔
 قصائد و قطعات و مثنویات کا انتخاب ابھی نہیں بھیجا۔ اگر حکم ہو، تو وہ بھی
 بھیجوں۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

عنایت کا طالب، غالب

۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۶

ع/

(۷۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت !
بعد تسلیم معروض ہے۔ منشور مکرست طور عز و ود لایا۔ سوردیہ
بابت تنخواہ ماہ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ معروض وصول میں آیا۔ اشعار فارسی و
اردو پہنچے۔ خدا کرے، پسند آئیں ! افسوس کہ پر خردار نواب مرزا خاں نے میرا
حال سامعہ اقدس پر عرض نہ کیا ! حضور ملک و مال جس کو جس قدر چاہیہ
عطا کر سکتے ہیں۔ میں آپ سے صرف راحت مانگتا ہوں، اور راحت منحصر
اس میں ہے کہ قرض باقی ماندہ ادا ہو جائے، اور آئندہ قرض لینے کی
حاجت نہ پڑے فقط

تم سلامت رہو قیامت تک ! دولت و عز و جاہ روز افزوں !
اسد اللہ بیدستگاہ ہشتم اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ ع

(۷۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت ! بعد تسلیم معروض :-
اس عنایت نامے میں ایک فقرہ نظر پڑا کہ جس سے میں کانپ اٹھا، م
اذ آن مشفق واسطہ تلمذ یودہ است۔ یہ ذلیل کو عزت دینی اور دکا
بے رونق کی خریداری کرنی ہے۔ میں تو حضرت کو اپنا استاد اور اپنا
اور اپنا آقا جانتا ہوں۔

بد و فطرت سے میری طبیعت کو زبان فارسی سے ایک لگاؤ تھا
چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھ کو ملے۔ بایں مراد برائی
اکابر پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا، اور اکبر آباد میں
کے مکان پر دو برس رہا، اور میں نے اس سے حقائق و وقایع زمانہ
پارسی کے معلوم کیے۔ اب مجھے اس امر خاص میں نصیحت حاصل :-
مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے، بحث کا طریق یاد نہیں۔

میاں اسخو، جامع فرہنگ جہانگیر می، شیخ رشید، راقم فرہنگ شیرازی
عظمیٰ عجم میں سے نہیں۔ ہند ان کا مولد، ماخذ ان کا اشتعارِ قدما ہادی
ان کا ان کا قیاس ٹیک چند اور سیا لکھوئی مل ان کے پیر و سبحان اللہ!
ہندی بھی اور ہند دھمی۔ نور علی نور!

فقیر اشتعارِ قدما کا معقد، ان لوگوں کے کلام کا عاشق۔ مگر جو لغات
ان کے کلام میں ہیں، ان کے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس سے نکالے
ہیں۔ میں ان کے قیاس پر کیونکر تکیہ کر دوں؟ اب جو پیر و مرشد نے لکھا کہ
”ارتنگ وارث رنگ مستد المعنی اور آشاں سناختن و سبتن و چین گھو نسلا
بنانے کے معنی پر ہے، تو میں نے بے تکلف مان لیا، لیکن نہ ان صاحبوں
کے قیاس کے یو حب، بلکہ اپنے خداوندِ نعمت (کے) حکم کے مطابق
تم سلامت رہو ہزار یرکس! دولت و عز و جاہ روز افزوں!

انصاف کا طالب غالب۔ ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء

(۷۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروف من ہے۔ آج سہ شنبہ ۱۶ اکتوبر کی، دن کو بارہ بجے
کھانا کھا کر بیٹھا تھا کہ توفیق دینے آیا۔ پڑھتے ہی کانپ اٹھا، اور عالم
نظر میں تیرہ و تار ہو گیا۔ اگر حضور کے ارشادات کو بحث تعبیر کیا ہو تو مجھے
جناب اکئی اور حضرت رسالت پناہی کی قسم! اگرچہ فاسق و فاجر ہوں
مگر وحدانیت خدا اور نبوت خاتم الانبیاء کا بدل معتقد اور بزبان معرفت
ہوں۔ خدا و رسول کی قسم جھوٹی نہ کھاؤں گا۔ انکارِ بحث سے مراد یہی تھی کہ
شعرا ہی ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں، یا ہندی فرہنگ لکھنے
والوں کے بیان میں جو نادرستی، اور باہم جو ان کی عقول میں اختلاف
ہیں، ان میں کلام نہیں کرتا۔ اپنی تحقیق کو مانے ہوئے ہوں، اور دوسرے

مجھے بحث نہیں۔ یا ہمہ صنعت ما ذلہ یاد ہے کہ آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ ان دونوں باتوں کو میں نے مانا، لیکن نہ فرہنگ لکھنے والوں کی رائے کے بموجب، بلکہ اپنے خداداد کے حکم کے مطابق۔ یہ کلمہ موجب عتاب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کو گناہ سمجھا جائے تو آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں گناہ معاف کیجئے، اور نوید عفو سے مجھ کو تقویت دیجئے۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

(۶۸)

سرخ عضو کا طالب غالب

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معدن ہے۔ حضور کے لشکر نصرت اثر کا سپہ سالار شری نوادہ معالی القاب، جناب ہمدی علی خاں بہادر اکبر آباد پنچا، اور خیام فلک احتشام کا وہاں نصب ہونا، اور رامپور سے اکبر آباد تک گھوڑوں کی ڈاک کا بیٹھنا اور حضرت کا سنبھل تک سبیل ڈاک تشریف لے جانا اور وہاں مزاج اقدس کا ناساز ہونا اور دارالسلطنت کو معاودت فرمانا، یوٹا فوگامسوع ہوا۔ غرض اس عرضداشت کی تحریک سے یہ ہے کہ حصول جواب سے آبرو اور خیریت و عافیت مزاج مبارک سے عذر و اطلاع پاؤں۔ فقط اخبار میں سطور اور شہر میں مشہور ہے کہ حضرت اجلاس کونسل کے واسطے حسب الحکم گورنمنٹ کلکتہ کو تشریف لے جائیں گے۔ نہک خواہاں کوئی مدد گسٹری میں بہانہ طلب رہتا ہے۔ اس تقریب کا ایک قطعہ تاریخ نہ ۱۸۶۶ عیسوی رقم کیا ہے۔ عرض کرتا ہوں۔ اگر لپد آئے، تو اجازت ملجائے کہ اس کو کسی اخبار میں چھپا دوں۔ فقط

قطعہ

چونواب از بہر اجلاس کونسل یہ کلکتہ از رامپور آدر در رخ

عدو را بگیرد و پیش زد و دوی را بخو سال اجلاس از بخت فرخ
چو گویند کز گشتن دمی چه خواهی یگو: حذف اعداؤ دمی اینست یا سخا
”دایت“ لغت پارسی ہے، مراد فتحِ خنی دزہی، اور قتل کا مشارالیه
لفظ ”دسی“ ہے، جس کے ۱۶ عدد ہیں، ”ادہ“ دبی ”کا مشارالیه“ عدد ہے
”بخت فرخ“ کے ۱۸۸۲ جب اس میں سے ۱۶ کم کیے، تو ۱۸۶۶ رہے
زیادہ حداثہ۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دنِ پچاس ہزار
(۱۸ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء)

(۷۹)

حضرت ولیؑ نعمتِ آبیہ رحمتِ سلامت!

بعدِ تسلیم معدن ہے۔ توفیقِ دقیع مع ہندوئی تنخواہ نومبر ۱۸۶۶ء
عیسوی عذروں دلا یا۔ سورڈ پیہ معروضِ وصول میں آیا۔
قطعہ تاریخ کے باب میں التماس یہ ہے کہ اب قوتِ ناظمہ پر تصرف
اور معنی آخری کا زور مطلق یا قی نہیں۔ مگر ازراہ فرطِ ارادت و محبت ثناؤ
دعا کے واسطے تقریب ڈھونڈھتا ہوں۔ جب موقع پاتا ہوں کچھ عرض
کرتا ہوں۔ خیر خیر لطیف ہاتھ آگیا۔ اُسی پر دعا کی بنا رکھی۔

پیر و مرشد! اگر غازی آباد سے حضور ریل پر سوار ہوں، تو فقیر کو
تاریخِ دروِ غازی آباد سے آگہی ہو جائے، تاکہ میں وہاں حاضر ہو کر
قدیموسی کی سعادت حاصل کروں۔ زیادہ حداثہ۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دنِ پچاس ہزار
عرضہ نگار اسد اللہ

۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶ء عیسوی

۸۔ ستمبر ۱۸۶۶ء عیسوی

(۸۰/۳۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ ایک عرضداشت بھیج چکا ہوں۔ اس کا جواب نہیں پایا۔ اسید وار ہوں کہ اس عرضداشت کے جواب سے محروم نہ ہوں۔^{فقط} کل دن کو دس بجے سنا کہ عالی جناب نواب مہدی علی خاں بہادر سیواری ریل آئے، اور اہلی کے محلے میں ٹھہرے ہیں۔ کھانا کھا کر فوراً سوار ہوا۔ وہاں جا کے سنا کہ نواب صاحب ریل کے اسٹیشن پر گئے ہیں۔ گھنٹا بھر بیٹھا رہا کہ حضرت آئے۔ آگے غازی آباد کے اسٹیشن پر سے سواری ہوتی تھی۔ اب ولی محمد سوداگر کی کوٹھی کے پاس سے، جو بگیم کے باغ کے عقب ہے، نیا اسٹیشن قرار پایا ہے۔ سو صاحبزادہ صاحب نے آپ کے حضور میں اطلاع کی ہے۔ دیکھیے حضرت غازی آباد سے سوار ہوتے ہیں یا شہر میں؟ واسطے خدا کے! مجھ کو اپنے روزِ درود و وقتِ درود سے اطلاع بخشی اور اس عرضی کا جواب ایسا جلد عنایت ہو کہ فقیر بے سرو سامان اپنا سامان درست کر سکے؟

حضرت کی توجہ باطنی، جو ہمیشہ میری مصلح حال اور افزائشِ عز و وقار کی کفیل ہے، بعد ادا سے شکر آتی اس کا پاس بجا لاتا ہوں۔

پیش از غدر گورمنٹ کے دربار میں پارسے، اور جغیہ، سرسبز، مالامال و مردار بدترین رقبہں جو اہر کی مجھ کو ملتی تھیں۔ بعد غدر اگر چینن اور دربارِ بجال رہا، لیکن خلعت موقوف ہو گیا۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب کا کل ۱۲ پر چار بجے دربار تھا۔ حکم سب دربارداروں کو پہنچ گیا تھا۔ میں نواب مہدی علی خاں صاحب کو رخصت کر کے گھر آیا۔ دو گھنٹے کے بعد دربار میں گیا۔ خیال یہی کہ ملاقات ہوگی، ایک رباعی کا غز نہ تہب پر لکھی ہوئی نذر کردں گا، کلمات عنایت سن کر چلا آؤں گا۔ نہ مجھے کچھ احتمال نہ صاحبِ نثر

بہادر شہر کو علم۔ ہارسے بروقت ملاقات، تعظیم معمولی اور مصافحہ کر کے لاٹو صاحب نے کھڑے کھڑے جینے، سترینج میری ٹوپی پر باندھا، اور فرمایا کہ ”یہ ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا“ مالای مردارید میرمنشی نے گلے میں ڈال دی۔ یہ پارچے سات مرحمت ہوئے۔

دو شالا، کھواب کا تھان، پٹارسی تھان سنہری پوسٹے، پٹارسی سیلا، الوان کی چادر کنارہ کلابتون، گنڈاڈیز کا تھان، الوان کی چادر بے کنارہ۔

میں اس عطیے کو آپ کی بخشش معنوی سمجھتا ہوں، اور دوسری بخشش، یعنی اس خط کے جواب کے جلد حاصل ہونے کا متوقع ہوں۔ زیادہ جلد آپ تم سلامت رہو مسند زار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس تہارا! عرضداشت کے جواب کا طالب غالب

دو ذی سہ شنبہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۶۶

✓

(۸۱/۳۷)

حضرت دہلی نعمت آید رحمت سلامت! بعد تسلیم معروض ہے۔ نواز شہناہ مع ہنڈوئی صدر و پیہ غرورد لایا۔ دسمبر ۱۸۶۶ کی تنخواہ کار و پیہ معروض وصول میں آیا۔ اللہ اللہ! یہ فرط عنایت، یہ ظہور کرمست کہ حضرت ڈاک میں سوار ہونے کو ہیں اور میرے نام خط کا حکم ہو، اور وہ خط و تخط سے مزین ہو، دسمبر کی تنخواہ دسمبر ہی میں جاری ہو، اور جنوری کی قیمری تاریخ میرے پاس پہنچ جائے! ظہور آتھایہ ربوبیت یوحیا احسن و اکمل۔

(۸۲/۳۸)

حضرت دہلی نعمت آید رحمت سلامت! بعد تسلیم معروض ہے۔ حضرت کار و نق افزاے کلکتہ ہونا از روئی مبارک

رقنار ریل یقینی ہے۔ مگر وہاں کی آب و ہوا کا موافق آنا، اور جناب لارڈ صاحب بہادر سے ملاقات کا ہونا، اور اجلاس کو نسل کا وقوع میں آنا، یہ جنوز تک حضرت رقم نہ فرمائیں گے، دعا گو کے خیال میں کیوں کر آئیں گے؟ ناپا حیرات ہم پہنچا کر اس عرضداشت کے جواب میں ان حالات کے باختلاف کا اسید وار ہوں۔ فقط

پیر و مرشد، حضرت کے تصدق سے قرض ادا ہو گیا۔ تنخواہ نے قسط سے اور میں نے رنج سے رہائی پاتی۔ ہم بدل دہم بزبان ثنا خوانِ جود و نوال و دعا گوئی دوامِ دولت و اقبال ہوں۔ آدھا قرض عطیہ سابق میں، اور آدھا قرض عطیہ حال میں ادا ہو گیا۔ کہ نہیں سکتا، اور بن کسے بنتی نہیں اگر دونوں لڑکوں کا پچاس روپیہ مہینہ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء یعنی ماہِ حال و سالِ حال سے جاری ہو جائے گا، اور ماہِ ماہِ فقیر کے روزینے کے ساتھ پہنچا کرے گا، تو آپ کا نکسا خوار پھر کبھی قرضدار نہ ہو گا۔ زیادہ عذر ادب۔ تم سلامت رہو ہزار بکس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

فیض کا طالب، غالب

معروضہ ۸ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء

(۸۳/۳۹)

حضرت دینی نعمت آید رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ بہت دن تک متردد رہا کہ حضور کلکتے ہیں یا رامپور۔ چنانچہ ایک عرضداشت اسی تردد میں بھیجی بھی ہے۔ ہنوز جواب کے آنے کی مدت منقضی نہیں ہوئی۔ خیر، اس کے جواب پر کیا موقوف ہے؟ یہ تو جان لیا کہ حضرت رونق افزا می رامپور ہیں، مگر یہ کیونکر جانوں کہ اب یہ خجستگی و فرخندگی میں رونق افزا رہیں گے، یا پھر کلکتے تشریف لے جائیں گے؟ خیر اس بجلی کی سہل سمجھ لیا کہ چرکچہ ہو گا، معلوم ہو جائے گا، مگر یہ کیونکر جانوں کہ

فراج اقدس کیا ہے، اور جب تک یہ نہ جانوں تو آرام کیونکر آئے؟ یہاں سے رامپور تک ہر اتار برقی بھی نہیں، جو خیر منگو اڈاں۔ آج ۱۴ فروری کی ہے۔ یہ خط بھیجتا ہوں۔ اگر جواب آئے، تو ۹ دن میں۔ مجھ کو ان دن صبر کیونکر آئے گا؟ الٹی، آج یا کل کوئی فواز سنا، یہ خداوند کا آجائے! نہ یادہ حذاب۔

تم سلامت رہو ہزار پرس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار! خیر کا طالب، غالب

۱۴ فروری ۱۸۶۷ ع

(۸۴/۳۰)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو میں نے خط ڈاک میں بھیجا دیا۔ دو امروں کے تردد کے رفع کی التماس تھی۔ ایک یہ کہ پھر کلکتے کو نشرین لے جائیے گا یا نہیں، دوسرے یہ کہ فراج اقدس کیا ہے۔ حسن اتفاق یہ کہ کل ہی دوپہر کو اخبار میں دیکھا کہ حضور نے بوجہ ناسازئی آپ و ہوا سی کلکتہ شمول کو نسل سے انکار کیا۔ بارے اس سے خاطر جمع ہوئی، رہی فراج مبارک کی حقیقت، اس سے بھی فی الجملہ طمانیت ہو گئی۔ یعنی عنایت نامے میں خیر خواہ کے خلاف مدعا کوئی بات مندرج نہ تھی۔ اسی عرضی میں یہ بھی عرض کر دیتا ہوں کہ سو روپیے بابت تنخواہ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء حال میں نے پاسے اور شکر و ریش پروری بجا لایا ہے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزون! فقط عنایت کا طالب، غالب

۱۵ فروری ۱۸۶۷ ع

(۸۵/۴۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
 بعد تسلیم معروض ہے۔ توفیق عطا فرمادے (سورہ پینہ تنخواہ)
 فروری سنہ ۱۸۶۷ء حال کامعروض وصول میں آیا۔
 اس درویش کا حال اب قابل گزارش نہیں۔ امراض قدیم بڑھ گئے
 دوران سزا اور عیشہ اور صنعت بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں۔ قلم
 نہیں بنا سکتا، لڑکوں سے بڑا لیتا ہوں۔ برسوں کی بات نہیں رہی۔ ہفتوں
 کی یا مہینوں کی زندگی رہ گئی ہے
 تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
 زیادہ حد ادب۔

سجائت کا طالب غالب

۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۷ء

(۸۶/۴۲)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
 بعد تسلیم معروض ہے۔ کل صبح کو دو گھنٹہ کی دن چڑھے نوروز ہے۔
 آج یہ قطعہ ہاتھ بخام کر لکھ کر حضور کی نذر بھیجتا ہوں
 نوروز و عید از دو جانب امسال خوبست ز رومی ضح و نیکست لیل
 امید کہ این سہ عید نذر نواب آرد دوام عمر و عز و اقبال
 تم سلامت رہو قیامت تک!
 دولت و عز و جاہ روز افزوں!

سجائت کا طالب غالب

چهارشنبہ ۲۰ مارچ سنہ ۱۸۶۷ء

(۸۴)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعدِ تسلیم و تقطیع معروض ہے۔ ہینڈ وٹی ملغونہ نواز شامہ کے ذریعے
سے سو روپے مارچ کی تنخواہ کے وصول ہوئے۔
ایک رباعی بھیجتا ہوں، اور یہ چاہتا ہوں کہ دیدیہ سکندری کے
آغاز میں اس کے چھاپنے کا التزام رہے۔
آن کبیت کہ جسم ملک راجان باشد؛ آن کبیت کہ ہمیر سلیمان باشد؛
آن کبیت کہ انجمنش بفرمان باشد؛ کس نیت، مگر کلب علی خاں باشد
تم سلامت رہو ہزار برس!
ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار
نجات کا طالب، غالب

۱۶ اپریل سنہ ۱۸۶۷ء

۲۰۳۰
درجہ اول

(۸۴)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!
بعدِ تسلیم معروض ہے۔ منائش گاہ سراسر سوہراپور کا ذکر اخبار میں
دیکھتا ہوں، اور خونِ جگر کھاتا ہوں کہ بائے میں وہاں نہیں! بالا خانے پر
رہتا ہوں، اتر نہیں سکتا۔ مانا کہ آدمیوں نے گود میں لے کر اتارا اور
پالکی میں بٹھا دیا۔ کہا رہ چلے۔ راہ میں نہ مرا، اور راہپور پہنچ گیا۔ کہا روں
نے جا کر بنیظیر میں میری پالکی رکھ دی۔ پالکی قفس، اور میں طائرِ اسیر وہ بھی
بے پروا۔ نہ چل سکوں، نہ پھر سکوں۔ جو کچھ اوپر لکھ آیا ہوں، یہ سب
بطریقِ فرض محال ہے؛ ورنہ ان امور کے وقوع کی کہاں مجال ہے؟ بار
تین بیت کا قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں۔ اگر پسند آئے، تو میں خوشنودھی مزاج
مبارک سے اطلاع پاؤں۔

نہایت لگی درخویر شان خویش بر آراستہ اسدِ عالی جناب
 بہ بین، چون طرب را نہایت نماید یو و سال آن بخشش بحیاب
 خدا یا پسند خداوندگار کہ از طبع غالب رود بیچ و تاب
 ”بخشش بحیاب“ کے بارہ سو پچاسی ہوتے ہیں ”طرب“ کی نہایت
 باسی موحده ہے۔ جب وہ نہری، تو دو عدد گھٹے، اور ۱۲۸۳ رہ گئے، فہو المقصود۔
 اگر حضرت کی مرضی ہو، تو بدلتہ سکندری میں یہ تاریخ چھاپی جائے
 تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!
 داد کا طالب، غالب

سع ۱۴ ماہ اپریل سنہ ۱۸۶۷ عیسوی

(۸۹/۲۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
 بعد تسلیم معروض ہے۔ توقیع دقیق عر و رد لایا۔ اپریل سنہ ۱۸۶۷ کی
 تنخواہ کا سور و پیہ معرین وصول میں آیا۔ زیادہ حد ادب
 تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جہ روز افزون!
 نجات کا طالب، غالب
 (۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷)

(۹۰/۲۶)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!
 بعد ادا اسی مدارج تسلیم سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں۔ ہے، ہے! میں
 کیوں جتیار ہا، جو صاحبزادہ محمد حسن خان کے مرنے کی خبر سنوں، اور
 خدا و مدد نعمت کو تفریت کے کلمات لکھوں؟ میں نیم جاں نہ مردوں اور
 وہ نوجوان مر جائے۔

سر و چین سروری اقتاد زیا، ہا ہی!

حضرت کے رنج و اندوہ کا تصور اور مارے ڈالتا ہے۔ دوسری محرم کو علی بخش خاں خانسماں مرے، تیسری کو یہ واقعہ ہو شر باپش آیا۔ یہ تو آپ کا فرزندِ دلبند تھا۔ جو اس کا غم ہوا وہ بجا ہے۔ پر فقیر جانتا ہے کہ علی بخش خاں کے مرے کا بھی حضرت کو بڑا رنج ہوا ہو گا۔ ایسے کارگر اور دیانتدار ہوشمند مزاج داں کہاں پیدا ہوتے ہیں؟ بہر حال "رضینا برضاء اللہ" حضرت کے سامنے صبر و ثبات و تسلیم در صفا میں کلام کرنا اور میں کو حکمت پڑھانی اور خضر گوراء بتانی ہے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
غالب ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷ ع

(۹۱/۴۷)

حضرت ولیؑ نعمت آیہ رحمت سلامت! بعد تسلیم معروض ہے۔ درودِ توقیع و قیغ سے فیض پایا۔ سورہ پیمہ سنی سنہ ۱۸۶۷ کی تنخواہ کا معروض وصول میں آیا۔ فقط
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
اسد اللہ سید سنگھ

۱۱ جون سنہ ۱۸۶۷

(۹۲/۴۸)

حضرت ولیؑ نعمت آیہ رحمت سلامت! بعد تسلیم معروض ہے کہ توقیع و قیغ عز و درود لایا۔ اُس کی ملفوفہ ہندوی سے تنخواہ جون سنہ ۱۸۶۷ کا سورہ پیمہ میں نے پایا۔ فقط
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
ہوا خواہ اسد اللہ

۱۵ جولائی سنہ ۱۸۶۷

(۹۳)
۲۹

حضرت ولی نعمت آپ رحمۃ سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ بموجب تحریر مرزا رحیم الدین بہادر جیائے
فاضل شطرنج باڑا کو خرچ دے کر روانہ کیا ہے
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!
۱۸۶۷ ع اسد الشہید سنگاہ ۲۲ جولائی سنہ ۱۸۶۷

(۹۴)
۵۰

حضرت ولی نعمت آپ رحمۃ سلامت!
بعد تقدیم مدارج تسلیم نواز شناسے کے درود کا شکر اور جولائی
مہینے کے سوروپے کے وصول کا پاس بجاتا ہوں
تم سلامت رہو قیامت تک!
دولت و عزت و جاہ روز افزوں! فقط
نجات کا طالب، غالب
۱۳ اگست سنہ ۱۸۶۷

(۹۵)
۵۱

حضرت ولی نعمت آپ رحمۃ سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ آپ کے غلام زر خرید، یعنی حسین علی خاں
کی منگنی ہو گئی، اور اپنے کنبے میں ہوئی، یعنی نواب احمد بخش خاں مرحوم
کے حقیقی بھائی کی پوتی سے، اور رجب کا مہینہ قرار پایا۔ اب میرے
بڑھاپے اور میری مفلسی کی شرم آپ کے ہاتھ ہے
نکھوں آپ سے تو کس سے کہوں؟ دعا ہی ضروری الاطہا
تم سلامت رہو ہزار پرکس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
نجات کا طالب، غالب

۱۹ اگست سنہ ۱۸۶۷ء ع ۶

(۹۶/۵۲)

آن کیست کہ جسم ملک را جان باشد؟ آن کیست کہ ہمسر سلیمان باشد؟
آن کیست کہ انجش لبس زمان باشد؟ کس نیست، مگر کلب علی خان باشد
حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ عر و رود لایا۔ اُس میں یہ حکم
مندرج پایا کہ حسین علی خاں کی شادی کے باب میں خلاصہ مکنون خاطر
عرض کروں۔ حکم بجا لاتا ہوں، اور عرض کرتا ہوں۔ مجھایہ کہ میں در دولت
کا گدای خاک نشیں، اور وہ آپ کا غلام۔ تفصیل یہ کہ میرے پاس نقد
جنس، اسباب، املاک اور میرے گھر میں نہ پورہ زرینہ و سہینہ کا نام و نشان
نہیں۔ بہت اُدھار فرض کوئی دیتا نہیں۔ آپ روپیہ عنایت فرمائیں،
تا یہ کام سرانجام پائے، اور بد رٹھے فقیر کی بیداری میں شرم رہ جائے۔
دوسری بات یہ کہ سو روپیے آپ کی سرکار سے بطریق خیرات اور
مہینا انگریزی سرکار سے بوض جاگیر پاتا ہوں۔ عالم الغیب جانتا ہے کہ
اس میں میرا بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے۔ ہو کو کہاں سے کھلاؤں گا؟
حسین علی خاں کی کچھ تنخواہ مقرر ہو جائے۔ لیکن توفیق تنخواہ اُس کے نام
جاری نہ ہو، بلکہ اُس کی زوجہ حسن جہاں بیگم بنت اکبر علی خاں، جسے نام
وہ تنخواہ مقرر ہو، اور اُس کی ہری رسید سے ملا کرے۔ زیر مصرف شادی
کی مقدار اور تنخواہ کی مقدار، جو خداوند کی ہمت اور اس کنگال اپاہج کی
قسمت۔ زیادہ حد ادب سے

تم سلامت رہو خیرا رہو بس! ہر برس کے ہوں دن بچا پس ہزار!

نجات کا طالب، غالب، غالب ۵ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء

ع ۶

(۹۷)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ غرور و دلایا۔ اللہ اکبر! حضرت نے غنیمت معروض و درویش نوازی کو اس پایے پر پہنچا یا کہ شاہانِ عجم میں سلطانِ سحرانے اور شاہانِ ہند میں شاہجہاں نے ملازموں کی اتنی پُرسش اور نوازش کی ہوگی۔ باقر علی خاں کی شادی ثواب ضیاء الدین خاں کے ہاں ہوئی۔ اُنھوں نے کھانے جوڑے کے دو ہزار روپیے دیے اور میری زوجہ نے پانچ سو روپیے کا زیور لگا کر بچیں سو روپیے صرف کیے۔ حسین علی خاں کا سسر، یعنی اکبر علی خاں، اپنے خاندان کا ہے، لیکن امیر نہیں، نوکری پیشہ ہے۔ اب یہ میں کیونکر عرض کروں کہ مجھے کیا دو؟ سائل ہوں۔ یہ رسم نہیں کہ سائل مقدار سوال عرض کرے۔ حال مصارف شادی خاندان لکھ دیا ہے۔ دو دھائی ہزار میں شادی اچھی ہو جائے گی لیکن یہ بھی سائل عرض کرتا ہوں کہ میرا حق خدمت اتنا نہیں کہ اس قدر مانگ سکوں۔ جو کچھ دو گے، اُس میں شادی کر دوں گا۔ زیادہ حیدرآباد سے

تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
نجات کا طالب، غالب۔ معروضہ ۲ جمادی الاول سنہ ۱۲۴۸، مطابق ۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۴، فردای وروہا یوں منشور۔

(۹۸)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ فرمانِ دالامع ہندوئی تنخواہ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ عز و دلایا۔ سو روپیہ معروض وصول میں آیا۔ زیادہ حیدرآباد سے تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عز و جاہ روز افزوں!
ترجمہ کا طالب، غالب
۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۶۴

(۹۹/۵۵)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ دیدہ سکندری میں حضرت کے مزاج کی ناسازی کا ذکر دیکھ کر جو مجھ پر گزری، میرا خدا جانتا ہے۔ مگر یہ بڑی بات ہے کہ اسی ذکر کے ساتھ افاقت و رفع مرض کی بھی نوید سندرج تھی۔ توقع ہے کہ حضرت مفصل حال مرض کے پیدا ہونے کا اور فی الحال مزاج اقدس کیسا ہے، میرمنشی کو حکم ہو جائے کہ حضور کی زبانی خط میں مجھے لکھ بھیجیں۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

غالب

۱۸ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ء

(۱۰۰/۵۶)

حضرت ولی نعمت آیتہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ ایک قطعہ ۱۵ شعر کا بھیجتا ہوں۔ حضور ملاحظہ فرمائیں۔ مضامین کی طرز نشی، مدح کا انداز نیا، دعا کا اسلوب نیا۔ زیادہ حدِ ادب ہے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

نجات کا طالب، غالب

۵ رجب سنہ ۱۲۸۴ ہجری ۱۸۶۷ء

ہند میں اہل تشن کی ہیں دو سلطنتیں
حیدر آباد دکن، رشک گلستانِ ارم
رامپور، اہل نظر کی ہے نظریں وہ شہر
کہ جہاں بہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم
حیدر آباد بیتِ دور ہے، اس ملک کے لوگ

۱۲ مئی ۱۸۶۷ء
مرزا مظہر

اُس طرف کو نہیں جاتے ہیں، جو جاتے ہیں تو کم
 رامپور، آج ہے وہ قلعہ معز، کہ ہے
 مرجع و مجمع اشراف نژادِ آدم،
 رامپور، ایک پڑا باغ ہے از روی مثال
 دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و غورم
 جس طرح باغ میں سادون کی گھٹائیں ہیں
 ہے اسی طور پہ بھیاں و جہلہ فشاں دستِ کرم
 ابر دستِ کرم کلبِ علی خاں سے مدام
 دُشمنوار ہیں، جو گرتے ہیں قطرے بہم
 صبحدم باغ میں آجائے، جسے ہو نہ نفیس
 سبزہ و برگ گل دلالہ چہ دیکھے شبہم
 حبذا باغ ہمایونِ تقدس ۳ شمار !
 کہ جہاں چرنے کو آتے ہیں غزالانِ حرم
 مسلکِ شرع کے ہیں راہِ رو و راہِ شناس
 خضر بھی بھیاں اگر آجائے، تو لے ان کے قدم
 مدح کے بعد دعا چاہیے، اور اہل سخن
 اس کو کرتے ہیں بہت بڑھ کے بہ اعراق رقم
 حق سے کیا مانگیے؟ ان کے لیے جب ہو موجود
 ملک و گنجیہ و خیل و سپہ و کوس و علم
 ہم نہ تبلیغ کے مائل، نہ غلو کے متائل
 و دو مائیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
 یا خدا، غالبِ عاصی کے خداوند کو دے
 دو وہ چیزیں کہ طلبِ کار سے جن سے عالم

اولاً عمر طبعی بہ دوام اقبال
ثانیاً دولت دیدار شہنشاہ اُمم

(۱۰۱)
(۵۷)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

آج بروز جمعہ ۱۷ رجب ۱۳۸۴ اور ۱۵ نومبر ۱۸۶۷ء والا نامہ مع
ہندوئی تنخواہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ء آیا۔ سورہ پیسے کل آئیں گے۔ سہ شاگرد
پیشہ اور سہ قرص متفرقہ میں جا کر لے رو پیسے بھیجیں گے۔ اللہ اللہ
پیر و مرشد

رجب کا مہینا چلا۔ حسین علی خاں کی سسرال سے شادی کا تقاضا
ہے۔ ادھر سے جز سکوت جواب نہیں۔

کئی دن ہوئے کہ ۱۵ شعر کا قطعہ ارسال ہوا ہے۔ اس کی رسید
اس خط میں مندرج نہ تھی۔ خاتمے کے تین شعر دعا بیہ یہاں لکھتا ہوں۔
دعا کا نیا طور ہے۔

ہم نہ تبلیغ کے مائل نہ غلو کے قائل
یا خدا غالبِ عاصی کے خداوند کو دک
اولاً عمر طبعی بہ دوام اقبال
دو دعا تیں ہیں کہ وہ دیتے ہیں نواب کو ہم
دو وہ چیزیں کہ طلبگار ہے جن کا عالم
ثانیاً دولت دیدار شہنشاہ اُمم
نجات کا طالب غالب

(۱۰۲)
(۵۸)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل ۱۶ دسمبر کو نومبر کی تنخواہ کی ہندوئی پہنچی
وہ بھی سعادت مند منشی سلیمچند کے خط میں ملوث۔ دیر میں ہندوئی کا پہنچنا ایک طرف

حضرت کے توقع دقیق کے مشاہدے سے آنکھوں کا روشن نہ ہونا میری
سیاہ بختی کی دلیل ہے۔ زیادہ حد ادب۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
نجات کا طالب، غالب

۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۷

(۱۸۳۰/۵۹)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج روزِ شنبہ، یکم ماہِ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴
ہے، یہ اتفاقِ حسابِ دوح و نگارینِ جنتری سے

روزِ روزہ است روزِ ناپید است غلظتِ ابر و شدتِ سرماست
چونکہ دھوپ تو نظر ہی نہیں آتی، ناچار دن رات آگ تاپتا ہوں، اور ہر
دقت کا پنتا ہوں۔

ماہِ صیام میں سلاطین و امرا خیرات کرتے ہیں۔ اگر حسین علی خاں یتیم کی
شادی اسی جیسے میں ہو جائے، اور اس بوڑھے اپانچ فقیر کو روپیہ مل جائے
تو اس مہینے میں تیاری ہو رہے، اور شوال میں رسمِ نکاح عمل میں آئے۔ اور
چونکہ اس ماہِ مبارک میں دینِ بائز، اور سالی انگریزی کا بھی آغاز ہے، وہ
پچیس روپیہ مہینا جو زبانِ مبارک سے نکلا ہے، جنوری سنہ ۱۸۶۸ سے
بنام حسین علی خان مذکور جاری ہو جائے، تو مجھے گویا دونوں جہان مل گئے
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
لکھا ہوا یکم رمضان اور بھیجا ہوا دوم رمضان کا عطا کا طالب، غالب،

(۱۸۳۰/۶۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ منثورِ رفتِ عز و رود لایا۔ ہندوئی ملفونہ سے

سورہ پیم بابت تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۷ء معرض وصول میں آیا۔

تم سلامت رہو ہزار بیکس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
نوجہ کا طالب، غالب

۱۴ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء عیسوی ۱۲۶۷ھ

(۱۰۵/۶۱)

داد و پیش تو روز افزون بادا! برد و لبت تو زمانہ مفتون بادا!
ابن عید و دودھ ہزار عید و بکر! بردات تو فرخ و ہایون بادا!
نجات کا طالب، غالب

جمعہ ۲۸ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۴ ہجری

(۱۰۶/۶۲)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے مفتو عطف و غور و درود لایا، اور اس کی مفتونہ
ہندوی سے جنوری سنہ ۱۸۶۸ء حال کا سورہ پیم معرض وصول میں آیا۔ فقط
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!

نجات کا طالب، غالب

۱۳ فروری سنہ ۱۸۶۸ء (۱۰۷/۶۳)

حضرت دلی نعمت آیہ رحمت سلامت!

عرض مدارج عجز و نیاز کے بعد نواز شامے کے پہنچنے کا اور تنخواہ فردری
سنہ ۱۸۶۸ء کے پانے کا شکریہ بجالاتا ہوں سبحان اللہ! کیا برکت ہے اس سو
روپیے میں کہ سو آدمی روٹی کھاتے ہیں، اور اس فقیر کے بھی سو کام نکل جاتے ہیں۔
مرزا حسین علی خاں کی شادی رجب کے مہینے میں قرار پائی تھی، عطیہ
حضور کے نہ پہنچنے کے سبب ملتوی رہی۔ آج جو ذیقعدہ کی ۱۵ ہے، ۱۵ دن
یہ اور مہینہ ذی الحجہ کا۔ اگر اسی ذیقعدہ کے مہینے میں کچھ حضرت عطا فرمائیں گے، تو

آخِ ذی الحجہ تک نکاح ہو جائے گا۔ خدا کرے، خداوند کے ضمیر میں یہ بھی گزرے گا کہ غالب جب ہو بیاض لائے گا، تو اس کو روٹی کہاں سے کھلائے گا! غرض اس سے یہ کہ حسین علی خاں کی تنخواہ جاری ہو جائے۔ حضرت کوئی ایسا نہیں کہ جو میرے مطالب حضور میں عرض کرتا رہے، اور مجھے بار بار لکھتے ہوئے شرم آتی ہے ۵

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

نجات کا طالب، غالب

۹ مارچ سنہ ۱۸۶۸

(۱۰۸/۶۴)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ منشور عفو و غفران و درود لایا۔ سورہ پیم کا کاغذ خط کے لفافے میں سے پایا۔ اپریل سنہ ۱۸۶۸ کی تنخواہ کار و پیمہ عرضِ صل میں لکھی۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

✓ (دوشنبہ ۱۱ ماہِ مسیٰ سنہ ۱۸۶۸)

۱۱ اپریل (۱۲۷۱ھ بمطابق)

(۱۰۹/۶۵)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ شوقِ قدسِ بوس نے تنگ کیا۔ جب بیکھا کسی طرح جانیں سکنا، ناچار اپنا نقشہ اُتر دیا، اور خدمتِ عالی میں روانہ کیا۔ جب کہ میں رہتا ہوں، تب تک اس صبرت سے حائر رہوں گا۔ زیادہ حد ادب سے

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

عنایت کا طالب، غالب

۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۸

(۱۱۰)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ آج چوتھا دن ہے کہ توقیع و قیوع عذر در دلایا ہے۔ ہنڈوئی ملفوفہ کی رو سے نتخواہ مئی سنہ ۱۸۶۸ کا سورویہ معروض موصول میں آیا ہے۔ جواب کے جلد نہ لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں گرمی کی شدت کے سبب سے اور اذنباس ہوا سے کہ جولائیتہ موسم برسات ہے، بیکام محض ہو گیا ہوں۔ مطابق کچھ لکھ نہیں سکتا، اور کوئی ایسا شخص کہ جس سے کچھ لکھواؤں، اس چار روز میں میرے پاس نہیں آیا۔ آج اس وقت ایک صاحب آگئے۔ ان سے میں نے یہ عریضہ لکھوا لیا۔

پرو مشد، سابق کے عریضے کے ساتھ میں نے اپنی تصویر حضور میں بھیجی ہے۔ اس کی رسید اس نواز شتابے میں مرقوم نہ تھی۔ مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لغافہ ڈاک میں تلف نہ ہو گیا ہو۔ اگر اس کی رسید سے شرف اطلاع پاؤں، تو دیکھی ہو جائے۔

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچاس ہزار!
۱۵ جون سنہ ۱۸۶۸ء، نجات کا طالب، غالباً جا ✓

(۱۱۱)

حضرت ولی نعمت آیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل منشور عطا وقت عذر صدور لایا۔ جولائی سنہ ۱۸۶۸ کا سورڈ پیہ بذریعہ ہنڈوئی وصول پایا۔

نہیں التماس سابق پیش ہوئی تھیں۔ سواب پہلے برخوردار نواب مرزا خاں کی تحریر سے، اور پھر جناب مظفر حسین خاں بہادر کے خط سے ان خواہشوں کے منظور و مقبول ہونے کی نوید پائی۔ انشاء اللہ الکریم حسب ارشاد حضور اسی برس ۶۸ میں آذربستان یعنی نومبر و دسمبر میں میرا قرض بھی داہو جائے گا، اور سین علی خاں

کی شادی بھی ہو جائے گی، اور اُس کے واسطے اُس کی زندگی تک تنخواہ
جداگانہ مقرر ہو جائے گی۔

باکریان کار ہا دشوار نیست! فقط
عرضداشت ہوا خواہ، اسد اللہ۔ معروضہ ۱۳ ماہ اگست سنہ ۱۸۶۸ء
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!
(۱۱۲/۶۸)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!
بعد تقدیم مدارج تسلیم معروض ہے۔ توقع رافت عزت و دولایا ہے
ہندوئی ملفوفہ کے ذریعے سے بابت تنخواہ اگست ۱۸۶۸ء سوریہ وصول پایا
نکوں آپ سے تو کس سے کہوں! مدعا می ضروری الاطہار
پیر و مرشد حسین علی خاں کے سسرال والوں کا بڑا اتفاقا ہے۔ زندگی
مشکل ہو گئی ہے۔ بطریق "شیئاً اللہ" سوال مختصر یہ ہے کہ جو حضرت کے فراج
میں آوے وہ عطا کیجئے، اور حسین علی خاں کے نام جداگانہ تنخواہ مقرر
کر دیجئے، لیکن یہ دونوں امر جلد صورت پکڑ جائیں گے
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچا پس ہزار
زیادہ حد ادب۔ عرضداشت ہوا خواہ، اسد اللہ

ح معروضہ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء
(۱۱۳/۶۹)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!
بعد تسلیم معروض ہے۔ خدایت نامہ مع سوریہ پیسے کی ہندوئی کے
عزت و دولایا۔ تنخواہ ستمبر ۱۸۶۸ء کا سوریہ میں نے پایا
تم سلامت رہو قیامت تک! دولت و عزت و جاہ روز افزوں!
مشتاقی مرگ ناگاہ، اسد اللہ
۱۳ ماہ اکتوبر ۱۸۶۸ء

(۱۱۴)

حضرت ولی نعمت آسیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ توفیقِ رافتِ شریف و رود لایا۔ مامعمر و دیہ
بابت تنخواہ اکتوبر سنہ ۱۸۶۸ از روی ہندوئی موقوفہ خط معروض وصول میں آیا
خدا حضرت کو سلامت رکھے! مجھ سے اپنا بیج تکمیل کو بیوض خدمت تنخواہ دینے ہو
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار!

عزیز شہید اسد اللہ، معروضہ ۱۱ نومبر سنہ ۱۸۶۸

(۱۱۵)

حضرت ولی نعمت آسیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ کل عریفہ مشغور سید تنخواہ نومبر سنہ ۱۸۶۸ حال
ارسال کر چکا ہوں۔ آج ناچار از روی اضطرار و اقکار پھر یہ عرض لکھتا ہوں۔
حال میرا تباہ ہوتے ہوئے اب یہ نوبت پہنچی کہ اب کئے تنخواہ میں سے لوصہ
رو پیے بچے۔ دس رو پیے کا چٹھا ماہوار کا۔ سو دس ماہ دینا۔ مجملہ آٹھ سو
رو پیے ہوں، تو میری آمد بچتی ہے۔ ناچار حسین علی خاں کی شادی اور اس
کے نام کی تنخواہ سے قطع نظر کی۔ اب اس باب میں عرض کروں کیا مجال؟ کبھی نہ کہو گ
آٹھ سو رو پیے مجھ کو اور دیکھ۔ شادی کیسی؟ میری آمد بچ جائے تو غنیمت ہے
برخوردار نواب مرزا خاں کے خط میں یہ حال مفصل لکھا ہے۔ وہ عرض کرے گا
منقر یہ کہ اب میری جان اور آمد آپ کے ہاتھ ہے۔ مگر حضور، جو عطا
فرمانا ہے، جلد ارشاد ہو۔ زیادہ حد ادب

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار
عزیز شہید گڑی یک در اسد اللہ مضطر

۱۶ نومبر سنہ ۱۸۶۸ ع ۶

(۱۱۶)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ بہت دن ہوئے کہ برخوردار ثواب مرزا خاں
نے مجھ کو مبارکباد لکھی تھی کہ حضور نے تیرے قرض کے ادا کرنے کی نوید دی ہے
اور مقدار قرض پوچھی ہے۔ سو میں نے اُن کو لکھ بھیجا تھا کہ آٹھ سو روپے میں
میرا قرض تمام ادا ہو جائے گا۔ اس تحریر سے یاد وہی منظور ہے۔ زیادہ خبر کو
تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچا ہزار

آرام کا طالب، غالب

صیح پنجشنبہ ۱۷ دسمبر سنہ ۱۸۶۸

(۱۱۷)

حضرت ولی نعمت آئیہ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے۔ عنایت نامہ اور اُس میں تنخواہ دسمبر سنہ ۱۸۶۸
کی ہندوسی مکتوب پہنچی۔ جلد یاد آوری کا شکر بجالایا۔
حضور قرضخوا ہوں نے بہت عاجز کر رکھا ہے۔ بس میرا یہی کام ہے کہ
یاد دلا دوں۔ آگے حشرت مالک ہیں۔ فقط

تم سلامت رہو ہزار برس! ہر برس کے ہوں دن بچا ہزار

عرضداشت غالب گدیہ خواہ مرقومہ روز یکشنبہ

۱۰ آخر تابیع رمضان المقدس سنہ ۱۲۸۵

”بخدمتِ نواب صاحبِ مشفق و مکرّم، منظرِ لطف و کرم، نواب
 زین العابدین خاں صاحب بہادر عرف کلن میاں، سلمہ اللہ
 تعالیٰ، مقبول باد“

(صاحبزادہ سید زین العابدین خاں بہادر عرف کلن میاں ولد صاحبزادہ
 سید منغر علی خاں بہادر ولد نواب سید عبداللہ خاں بہادر بن نواب بیگلار محمد
 بہادر نواب فردوس مکان کے مجدد اور رشتے میں حقیقی چچا زاد بھائی کے بیٹے تھے
 تقریباً ۱۸۳۷ء میں دلی میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ اپنے دادا
 نواب سید عبداللہ خاں بہادر کی صدر الصدور شی میرٹھ کے زمانے میں ان کے
 ساتھ رہے۔ نواب فردوس مکان کے عہد میں رامپور آئے۔ ان کے بڑے
 بھائی صاحبزادہ سید محمد رضا خاں بہادر کو نواب فردوس مکان کی صاحبزادی
 منوب فقہیں۔ سوء اتفاق سے ان کا انتقال ہو گیا۔ صاحبزادہ کلن میاں نے
 سرکار کی اجازت کے بغیر ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء میں بھادرج سے عقد کر لیا اور رامپور
 سے ترک وطن کر کے شیپور چلے گئے اور وہیں توطن اختیار کر لیا۔ میرٹھ میں
 نے نکھا ہے :

”عابد۔ صاحبزادہ محمد زین العابدین خاں عرف کلن خاں ولد صاحبزادہ
 محمد منغر علی خاں اصغر۔۔۔ بیالیں برس کا من ہے۔ تلمذ کسی سے نہیں
 بطور خود کہتے ہیں۔ یہ ان کا کلام ہے :

تھا جو اور نہ ہی ہوش کو میرے پوی گیسوے عنبرین ہوتا
 تھا نہ کھلنا جو عقدہ دل کو کاش، ایردلی تیرے چیں ہوتا
 ان کے دادا میرزا صاحب کے مخلص دوست تھے، اس لیے یہ میرزا صاحب کے

اپنا بزرگ اور وہ انھیں اپنا فرزند خیال کرتے تھے لیکن نواب فردوس شاہ
ان سے ناخوش ہوا گئے، تو میرزا صاحب نے ان کے کلام پر صلاح دیتے
انکار کر دیا۔ صاحبزادہ سید زین العابدین خاں بہادر نے جیورس دسمیر شہ
میں انتقال کیا۔ انتخاب یادگار: ۲۱۲؛ محض تسلیم: ۹۶؛ مخزنہ جاوید: ۲۹۹

(۱۱۸)

بندہ پرور! مہربانی نامہ پہنچا۔ میں تو سمجھا تھا، آپ مجھ کو بھول گئے۔ بارے
یاد کیا۔ جناب نواب صاحب میرے محسن اور میرے قدردان اور میرے
امید گاہ ہیں۔ میں اگر رامپور نہ آؤں گا، تو کہاں جاؤں گا۔ یہ جو آپ کہتے
ہیں کہ حقہ کو آنے میں تردد کیا ہے، تردد کچھ نہیں، توقف ہے۔ وجہ توقف کی
یہ کہ میں نے اپنے پنشن کے باب میں چیف کمشنر بہادر کو درخواست دی تھی۔ وہاں
سے صاحب کمشنر شہ کے وہ درخواست خواست ہوئی۔ صاحب کمشنر دہلی نے صاحب
کلکٹر شہ سے کیفیت طلب کی ہے۔ پس اگر وہ کیفیت پنشن کی ہے، تو یہاں کی کلکٹر
کا دفتر اگر ہمیں رہنا نہ رہے، ریپوٹر ڈسے دفتر، اور لفٹنٹ گورنری آگرہ، اور نواب
گورنر جنرل کلکتہ کے دفتر اس پنشن کی کیفیت سے خالی نہیں ہیں۔ اور اگر میری
مطلوب ہے، تو میرا بے جرم اور بری اور الگ ہوتا فساد سے از روی دفتر
قلعہ و اظہار مجربین ظاہر ہے۔ بہر حال صاحب کمشنر شہ، کیفیت صاحب کلکٹر
طلب کر کر، چیف کمشنر کے ساتھ پنجاب کو گئے ہیں۔ دیکھیے کب آویں، اور
بعد ملاحظہ کیفیت کیا حکم دیں، مگر تا صدیہ حکم میں یہاں سے کہیں جانیں
سکتا۔ ہاں، بعد ملنے حکم کے، خواہی دلخواہ ہو خواہی مخالفت مدعا، دونوں صورت
میں رامپور آؤں گا۔ مگر حیران ہوں کہ جب تک یہاں رہوں، کھاؤں کیا،
اور جب چلنے کا قصد ہو، تو رامپور کس طرح پہنچوں! کیا خوب ہو کہ تم یہ
رقعہ اپنے نام کا حضور کو، یعنی حضرت نواب صاحب کو، پڑھوا کر اس
مدعا ہی خاص کا جواب جو وہ فرمائیں، مجھ کو لکھ بھیجو! لیکن تم سے یہ توقع

کیونکر پڑے؟ کس واسطے کہ تم نے اُردو دیوان کے پہنچنے نہ پہنچنے کا حال جناب عالی سے دریافت کر کرکب لکھا ہے، جو اس بات کا جواب لکھو گے زیادہ اس سے کیا لکھوں۔ از غالب نگاشتہ و رواں داشتہ پنجشنبہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸ء - ضروری جواب طلب!

(۱۱۹)

نواب صاحب، والا قدرِ عظیم الشان، تسلمکم اللہ تعالیٰ! بعدِ سلام مشہور و خاطرِ عاطر ہو۔ سابق آپ کا خط متضمن اُردو کے استفتائی روزمرہ کا آیا تھا۔ اُس کا جواب جو مجھے معلوم تھا لکھ بھیجا۔ اب جو دوسرا خط آیا، اُس میں آپ نے اپنے اشعار بتوقع اصلاح بھیجے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں خاص خدمتِ اصلاح اشعار پر جناب نواب صاحب قبلہ کا نوکر ہوں، اور آپ حضور کے عزیزوں میں اور فرزندان میں ہیں پس میں بے حکم حضور کے آپ کی خدمت بجا نہیں لاسکتا۔ ناچار کاغذِ اشعار مسترد بھیجتا ہوں۔ یہ امر یقین ہے کہ موجبِ ملامتِ اقدس نہ ہوگا۔ بندگی بیچارگی۔ زیادہ اس سے کیا لکھوں، کہ مدعا ضروری الاظہار اسی قدر تھا۔ والسلام۔

راقم اسد اللہ خاں غالب ۱۴ مارچ سنہ ۱۲۶۵ھ

بنام صاحبزادہ سید محمد عباس علی خان صاحب بہادر

[صاحبزادہ سید محمد عباس علی خان بہادر ابن سید محمد عبدالعلی خان بہادر، ابن نواب سید غلام محمد خان بہادر، نواب فردوس مہکاں کے حقیقی چچا زاد بھائی اور نواب خلد آشیان کے حقیقی ماموں تھے۔ تقریباً ۱۷۲۲ء (۶) میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۷ء تک دہلی میں قیام رہا۔ نہایت پاکیزہ سرشت، خوش مقال اور کلاں ظاہری دماغی سے پیراستہ تھے۔ موسیٰ خان صاحب دہلوی کے شاگردوں میں ممتاز، اور ہمتیوں میں خوش فکری کی بدولت سرفرار تھے۔ عاشقانہ اور معاشی کے شغوف کتے تھے۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں میرزا صاحب کے شاگرد ہوئے اور بہرہ ریزی مرسلت اصلاح ملتے رہے۔ عذر سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد حاکم صدر بنائے گئے اور فروری ۱۸۸۳ء تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ محکمہ صدر میں ملتی خط و کتابت اور کاروبار ریاست انجام پاتا تھا۔ انھیں اس زمرے کے کام کا بڑا تجربہ حاصل ہو گیا تھا۔

بتیاب ۲۹ رجب سنہ ۱۳۰۰ھ (۶ جون سنہ ۱۸۸۳ء) کو دہلی کے وقت فوت ہوئے۔ دیوان گذشتہ تاریخ جناب کے نام سے شعبان ۱۳۰۱ھ میں چھپ چکا ہے۔ کتاب خانے میں متعدد نقلی نسخے بھی محفوظ ہیں۔ انھیں میں وہ نسخہ بھی ہے جس پر میرزا غالب کے قلم کی اصلاحیں ثبت ہیں۔ انتخاب یادگار: ۷۶، اخبار الصنادید: ۱۷۳، خم خانہ]

(۱۳۰)

قبیلہ جس شعر پر صا د ہے، وہ بہت خوب ہے، اور جس کو کاٹ دیا، وہ میوہ ہے، اور جس پر صا د نہیں، وہ بے عیب اور ہموار، اور جس کے معنی میں مجھے تامل ہے، اس پر نظر، علامت اس کی نظم۔ باقی جا بجا منشاء اصلاح اور حقیقت الفاظ لکھ دی ہے۔ متن جزد، جس میں سات ورق سادے ہیں، پہنچتے ہیں۔ اور اجزا بھی پر تیکے۔

مے دل کی زرا سی پچانتس کیا ہو رو برو کیسے اُکھاڑا ایکسری ملے میں ہو جس نے خبر کا

ہو ایوں وہیں اصحاب سول استکشافیے کہ نکلے چوک میں سے جس طرح بازار چوسر کا

ہو ادین نبی اصحاب سے دنیا میں یوں شائع میں تو اُس کے پیویدہ بکنے پہ ہر دھنڈاؤ

آپ مے گرمی تپ عشق کہ جل کر نکلا رنگ سے جب سوختہ جاں کے ترے خنجر نکلا

یہ بخت کی ادا دے، یا یاد کی تاثیر؟ بھوے سے بھی داں ذکر ہمارا نہیں ہوتا

پھر مجھ کو کچھ خبر نہیں، آگاہ ہے خدا پی لی تھی ایک بار جو ہاں جان کر شراب

نہیں آتا ہے شرارت کا گماں بھی اُن پر دیکھنے میں تو ہے اس طرح کی بھولی صورت

شکر کی جا ہے نہ اک خلق کو تارے ڈالو کیا قیامت ہوئی، اگر ہو گئی اچھی صورت

ہر صبح تک خیم گردوں میں لٹ گیا ساتی نے کس قدر مٹی گلوں پلائی رات

باقی رہی نہ بوند صبحی کے واسطے بخود ہیں اور وہ جو خیال رقیب تھے

میں جو دا قاتل بنا ہے تیری ہی تلوار کے لیے مٹی ورنہ عاشقوں کو نہ کچھ سر کی احتیاج

قاتل گار کھا ہے تری تیغ قطع بیتاب کو اگرچہ نہ مٹی برہم جو ہے رقیب سے بھی یاد کا مزاج

دریاں نے تیرے گور میں پہنچا دیا مجھے! اب چارہ گز پتا میں کروں کیا تر علاج
 عادل ہے تو، شک نہیں مجھ میں اپنا ڈالی ہے کس مراد پہ تو نے بنا ہے چرخ
 آپ چل کر کہو احوالِ دل آستے بیتاب کس کی داد و دستِ قلم کیسی کہیں کا کاغذ؟
 اُس سے یہو فی ہے جو غلق پر لب لباب نہیں ہو جائے گی کیا قلم، کیسی دوا ت اور کہاں کا کاغذ؟
 دشمنوں کا اور فلک کا بھی میں اب نگہوں خوش اگر ہوتا ہے وہ ظالم مرے آزار پہ
 آتشِ فرقت سے اک شعلہ ہو وہ دل نہیں ہاتھ رکھتا اب مرے سینے پہ، دلیر، دیکھ کر
 لکھ دیا کہتے تو، لیکن پھر جو کچھ رحم آگیا رد دیا اللہ نے میرا مقدر دیکھ کر وہ
 طبعِ رسا نے اپنی دو بالاکہا اُسے آپ سے پہلے میری سرِ نوشت پر بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ غالب
 بیتاب کو کسی نے جو پوچھا تو بولے: ہاں خاک پر پڑا تو ہے اک خستہ تن ہون
 سخت جانی ہے اللہ کی مارا او ظالم پھر گیا، زندہ مجھے کیجھ کے دلیر باؤں
 خدا کرے! تیرے پیکارِ تیر کو تو، صمیم پسند آئے دلِ بیقرار کی آغوش
 سپہِ مرے دوست بھی دشمن جاں وہ ظالم ہیں نے اس لے دشمن سے نکالا غلام

دوست یعنی معشوق - دشمن یعنی رقیب - رقیب معشوق کا عاشق ہوتا ہے دشمن
جان نہیں ہوتا - مانا کہ وہ رقیب معشوق کا درپردہ دشمن ہے - پھر اس طرح
اپنے معشوق کے عدو سے اخلاص کیوں نکالا؟ خدا جانے اس شعر کی فکر کے
وقت حضرت کا خیال کدھر تھا - غالب

دوستی اپنی، خدا کے لیے کہہ کر رکھیے نہیں بھاتا ہے مجھے ناصح اتنا اخلاص
تھا صد کی تائب کیا ہو؟ کہہ کر کی کیا مجال؟
یہ گستاخی بے مزہ ہے
وہے ما و دل، و گرنہ یہ دونوں ہی بڑا
ہاں اس میں شک ہے
دیوانہ ہے وہ کون، جو دن کو جلے شمع
اُس سر دیش
پروانہ ساں نہ کیجئے، مجھے شرم آتی ہے
پروانہ مجھ کو کہتے، مگر کہ جہاں نہیں؟
دیکھو یہ پھیر، ہم سے وہ غیر کس کرنے
کہ
درماں کرے گا، دیکھ تو، کس کس کا، چارہ
میں خیم تاجے بھی تو دل پر سوائے غم
ہے غم اور آہ
وہ بھی تو بھاگ نکلیے، یقین ہی مجھے، اگر
اُٹی وہ
اب پوچھتے ہیں آپ کہ یہ تھپسی کیا تعلق؟
جب قابلِ بیان نہ اپنا رہا تعلق
چھو کہ
اتنا کسی سے وصل میں ہو گا نہ عیش بھی
جتنا کہ تیرے ہجر میں ہم نے سہا تعلق

آفتیں تو وصل کا گنہگار بھی ہزار برس
 ہزار سال کو ہم ایک دم بچتے ہیں
 ہرگز تک نہیں تیرے مرہم میں چارہ گر
 ہے ایک دم ہزار برس
 ہوا شوقِ حلاوتِ جانناں کو وہ بھی
 کیا گر ماہ نے پکڑے کتال کو
 مسجائی نہ دیکھی ہو تو میرے
 جاناں پہ آؤ دل رہا کو
 بھاگیا اپنے ز بس قتل کا ایما ہم کو
 بعدِ مردن بھی تھی مرنے کی تساہم کو
 عشق نے دم ہی پر بیتاب بنا دیا
 کسی صورت سے بھی کافر نے نہ چھوڑا ہم کو
 تنگ عریانی ہو کیوں قطع نظر سوکھنے
 جبکہ اللہ نے پیدا کیا عریاں مجھ کو
 مقتضائے بشری صبر بھی تھا اللہ
 یہ بھی دینا تھا، بنایا تھا اجناساں مجھ کو
 مقتضیاتِ بشری سے نہ تھا صبر، مگر
 م دیکھا جس بیت کو لگے پڑھنے اسی کا کلام
 ہزار صبر کرو، لاکھ بے قرار ہو
 بڑے ادب سے جسے قہر نے کیا سیر
 ہمارے ہیں تو دوریا ہائیں چشمِ تر دو
 "دو لون" میں نون ضرور ہونا چاہئے
 فغان و نالہ میں تو ہوں مگر نہیں اندر دو
 اس غزل کو زون کی رویت میں گھس دو

کیونکہ منہ رکھے وہ میرے سینہ پر داغ پڑے
بے گل سے خاطر نازک پہن کی بار

بھی

حق تو یہ ہے خوب ہی دی غیر کو فزنی مگر
یاد فاکو نگر بناتے اُس کو تم لاچار ہو

لاچار غلط محض ہے۔ ناچار بہ فون سمجھ ہے۔

نکلی دل و جگر کو گر آہ توڑ کے
سینہ سے شب جدا ہو ہواخوں میں بھر پاتو

ہیں

آواز اُس گلہ جُن کے شب وصل گئے
گوریا ہماری موت مٹی مرغ سحر کے ساتھ

کی

خانہ آئینہ میں ہوتی ہے کیسی چاندنی
دیکھ رکھ دیتا ہے جب وہ مہ شامل آئینہ

کر رکھتا

بوسہ ملا، تو اب یہ ہوس ہے کہ نظر بھر
پونچھیا ملائے رکھے دہن کو دہن کے ساتھ

پونچھ

محبوبے کا سا عطر ہے اُس کا شینہ ہار
برائی بدن ملی ہے جو بوی بدن کے ساتھ

کے گلے کا

جاں کنی ہی ہو جو ہے، ایتنگاں تو فونی نہیں
حشر ہیں ہووگی اُس کے ایک بہت بڑی

پڑ

گریہ و زاری کو جو روکا، تو سودا ہو گیا
ہو گئے ہم ضبط کرنے سے قضاوت اور بھی

میں نے اس شعر کو تاق کاٹا جو روکا یہ لفظ مکروہ خفا۔ جو کی جگہ حبیب

کھدیجک۔ شعر مانتا اور بے عیب ہو جاتا تھا۔ غالب

گریہ و زاری کو جب روکا، تو سودا ہو گیا
ہو گئے ہم ضبط کرنے سے قضاوت اور بھی

قتل میں اپنے انداء اب کونشی تاخیر ہے
خم پیاں گردن، نظم و ہاں ماتھ میں تیرے

کس یے

ہے غزنواں مثل بلبل کتنے ہیں وہ برگ گل
پر ہاں سے سالتے تو غنچہ تصور پر ہے نغمہ

باغ میں ہو، فضل گل، زنداں میں بیگ کھلا ہے گریباں ہاتھ میں اور پانچویں زنجیر ہے

اک ذرا سی اور بھی تاخیر کرنا، اسے حل
نستے ہیں کچھ وہاں اپنے قتل کی تدبیر ہے
ہمارے

م قتل کرتے ہیں گمان داد خواہی پر ہیں
دیکھ تو تفصیر سے پہلے یہاں تعذیر ہے
ہمتیں

گزری اپنی عمر تو کس مہین سے، شکر خدا
دیکھیے، بنیاب، اب کیا خواہش تقدیر ہے
گزری انک عمر اپنی

(۱۲۱)

قبلہ، قصائد و غزلیات در باعیاں کو بقدر اپنی فہم و فراست کے دست
کر کے خدمت میں گزارتا ہوں۔ چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اکبر آباد نہیں گئے،
اس نفاذ کے کو آپ کے پاس رامپور کے پتے سے بھیجتا ہوں۔ توقع یہ کہ مجھ کو
اپنا خادم سمجھیے اور جو خدمت میرے لائق ہو، بے تکلف ارشاد کیجئے۔ راقم
اسد اللہ خاں - مرتبہ ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء

فرماتے ہیں بایں یہ وہ بیمار کی اپنے
”کیا دروہے؟ کیوں اس کا دوا نہیں کرتے“
اکر

ہیں کرنا تھا جو وہ کر بیٹھے
اصطلاح سے گھٹاؤ گھر بیٹھے

اپنے ہاتھوں سے کر کے کام تمام
آپ باتیں بنائیں
نوحے کرنے کو چارہ گر بیٹھے

حال بنیاب کا نہ پوچھو کچھ،
ہم تو اب آستے صبر کر بیٹھے
اُس سے

وفا دار ناصح، مبارک ہو تم کو
ہیں تو وہی بے وفا چاہیے

مقابل میں تیرے تو اے پندہ خدا
تجھی سا کوئی بے وفا چاہیے

خدا نے دیا ہے عجب دل یہ ہم کو
اب ایسا ہی اک در با چاہیے

تصور تری زلف کا کیوں نہ ہو
شبِ غم ز دل بلا چاہیے
بجا ہیں تمھارے سب ارشاد لیکن
نرا اور کی بھی سنا چاہیے

دباں پر نام اُس کا و سیدم نامع لواتا ہے
خدا کے اسطے چپے ہ کیجا منہ کو اتا ہے

نیاز و ناز میں ہی زبیطہ گر منہ ہی تو ظاہر ہیں
میں پڑھتا ہوں درودِ مسطورہ صلوٰۃ میں آتا ہے
درد اُس پر پڑھوں میں، اور

م غموشی سے میری دلہا کیا صورتِ دل میں
کہہ جا، نامع ناداں، مجھے یہ ذکر بھاتا ہے
شفق

مطلع غیبت ہے کہ نام اُس کا زباں پر تیری آتا ہے

کسے یا، نامع مشفق! مجھے یہ ذکر بھاتا ہے
کشتادہ زلف کا دستِ عدسے و سیم آفت ہے
غش آیا عجب ہوا سے کسبِ مشکِ تنہا آئی
بکھڑا

نستی بخش ہوگی سادگی حوروں کی اور عظم
ہیں جب یاد یہ آ ایشِ رومی نگار آئی
سیما ہو

س گئے خاک میں، راتے ہی ترے
بن گئی جی پہ بگڑتے ہی ترے
ہم نے

خدا کو تو پاتے ہیں عشقِ بناں سے
میں وصلِ صنم مانگتا ہوں خدا سے
یہ میں ہوں کہ صفت

اگر چشم بدستے تو کچھ زلف کم ہے؟ یہ سچ ہے بچائے خدا ہر بلا سے
 پاس رکھنے کا جو بتیاب وہ وعدہ کر ^{کیا} صحبت غیر بھی واسطہ گوارا ہو جائے
 کیا کہہ جاتے ہو کچھ وصل کی تدبیر تباد ^{کریں وہ وعدہ} کچھ تم عقلمی میں تو تامل ہے کام آنے سے
 کیوں کیا جاں سے تنگ انگوڑا کی ^{آپ} بنو، منت ہی کروا ئی خدا کی
 ڈرا نا تھا کہ اُس کا دل دکھانا، ^{کریں} رگ کی آخر
 گئے وہ تو ہوا ہم کو بتا سکے خوشامد ہے یہاں کیا کیا سب کی
 عیادت سے بڑھی خواہش مرض کی ہمارے درد کی اچھی دوا کی
 نہ ہنسیہ قیاس کی ویوانگی پر ^{مرن کا ہو گیا شوق} خبر تو یلج اپنے مستلا کی
 نہ دو پہلے کو تم محبوں کا طعنہ خود پریشاں ہوئے ہم اس کو پریشاں کر کے
 زلف بکھری جو رخ یار پہ میل ل بکھرا ^{چہ دیکھو صورت اپنے مبتلا کی}
 زلف خود بخود بکھرتی ہے۔ ہم نے کب پریشان کیا، جواب کہیں
 اضطرابِ دل بتیاب، بُرا ہو تیرا بد دماغ اُس کو کیا مالہ و افغاں کر کے
 آہ، جس طرح موے سب عاشق ^پ وہی اپنی بھی حقیقت ہوگی
 جس طرح آہ۔ طرخ اور ہے اور طرخ اور ہے۔ فقیر "طرخ" بہ حرکت
 کے معنی میں طرح لیکن نہیں کھنڈا۔

دیکھ ایمان سے کمدے و اعظ ایسی ہی خوروں کی صورت ہوگی
 (اس غزل میں مقطع سے پہلے یہ شعرا اضافہ کیا ہے)
 بوسہ لیتے ہی پھر آجائے گی جان کیا بوسے کی قیمت ہوگی
 بیقرار ہی سے موائے ہے، کوئی اللہ مانگ لاسٹے ایک زرا سا صبر بچے نام سے
 حضرت ایوب گر جیتے ہوں، تو اسے ہمدرد
 خشر میں اللہ کے آگے یونہی لے جاؤں گا کام لینا ہے مجھے اپنے دل ناکام سے
 مجھ سے یہ مصرع پڑھا نہیں گیا
 تو دیے جاگایاں، دے لیں گے ہم بھی کچھ جواب
 ہوش میں آئے کبھی گر لذت و شتام سے
 آجائیں گے جب
 تھنا زلیں شوق طعیدین، پر ادب مانع ہو ا
 بت بچ گئے ہم ذبح کے بھی وقت اس الزام سے
 دیر دیکھا، میکدہ دیکھا، حرم بھی دیکھ لیں
 آج آنکھیں ہیں یہاں بھی گردشیں ایام سے
 م
 ذکر اُسی کا ہے کچھ بھی فرمائے کاش، ناصح ہی دل کو بلاتے
 پھر بلا میں پھنسا دیا کس نے دی صداغش پر کہ وہ آنے
 خواب خوش سے جگا دیا
 جلب ان کا ہوا گلہ اُٹا کر کے شکوہ بھی ان سے پچھتا
 اور
 طرہ سے خدا کہ چھوڑے، پر ایمان کی توبہ ہے

الغسٹ بتوں سے اپنے تنہیں لاکلام ہے

”کوہ کی جگہ“ تئیں نہ لکھا کرد

جبروتیہ نہیں ہے، نہ لاہوت نہ اہا

یہ عشق ہے، کچھ اور ہی اس کا مقام ہے

لاہوت ہے نہ یہ جبروت ۱۲ خدا پرست: اجردت بھرکت مودہ اور ملکوت

بھرکت لام صحیح ہے

پاکر نجات نزع سے آرام کرتے ہیں

سوئے ہیں بے خبر

ہم رہو فنا ہیں، یہ غربت کی شام ہے

م معور ہے خدا کی عنایت سے میکدہ ۲

م ساقی اگر نہیں تو ہنو، م سے کام ہے؟

م بیتاب، پی، خدا نے دیے ہیں تجھے بھی ہاتھ ۳

۴ یہ خم ہے، یہ سیو ہے، یہ شیشہ، یہ جام ہے؟

(ان دونوں شرروں کے ہر مصرع پر صا د بنا کے دائیں گوشے میں

لکھا ہے) واللہ! کیا ذوق انگیز قطعہ ہے۔ غالب (پھر بائیں گوشے

میں لکھتے ہیں) خم سے بھر سبو میں، سیو سے شیشے میں، شیشے سے

جام میں، اس تقدیم و تاخیر کا مزہ میں ہی جاتا ہوں۔ غالب۔

ہر روز اگر وہ ستم ایجاد کریں گے

آزاد تو دینے کو کبھی یاد کریں گے

ہر روز کئی بار مجھے

آزاد نہ خاطر تیری صیاد کریں گے

ہم خاطر

اللہ سے ہاں، شکوہ جلا د کریں گے

پرداز کی ہے گرجہ پس دل میں گرجم

طاقت ابھی موجود ہو لیکن

آسانی سے کیوں قتل کیا؟ حشر کو یہ تو

اس طرح مرینگے کہ ہو ہر ایک کو عبرت معدوم ہم الفت ہی کی بنیاد کریں گے
دکھ سے

ستم کی حشر میں بھی باز پرس کیا ہوگی؟ کسے مجال سخن اُسے، ایخدا، ہوگی
اُس سے

خدا کے آگے ہیں پونچھ ہائیں گے پہلے میری ذوقِ ضلالت ہی رہنا ہوگی
”پونچھنا“ اور ہے۔ پرسیدن کا ترجمہ پونچھنا ہے فون ہے۔ یہ آگہی کے
واسطے لکھا ہے۔ شعر غلطیِ املا کے واسطے نہیں لکھا، بلکہ ناقص تھا۔

فلک بلیک آنکھوں کی راہ اُس کو بھی جو خونِ دل ترے غم میں میری غذا ہوگی
خون مذکور غذا البتہ موافق ہے۔ مگر زرا غور کیجئے، خون غذا ہوگا
یا خون غذا ہوگی۔

نہیں ٹھہرا ہے اتنا عرشِ اعظم دعا کی تھی یہ کس نے بلیلا کے
ہے

۲۔ اُس کے خونِ جگر ہم سہیں، یہ ہے، ساقی!
خدا کرے، تیرے ساغر میں بھلی لہو ہو جائے!

کہ جام
(اس شعر پر صاڈ بنا کے حاشیے پر لکھا ہے) شرا جھا، مگر بھی کا لفظ بے موقع
اور بے محل ہے۔

ہوے ہیں گر چہ تائب، پر ہوا سوا برد باراں میں
ی

رہے ہے، ساقیا، مینا نے میں تیار تھوڑی سی
میں سب سچے ہوئے ہوں، بات کا جو ڈھب تھارا ہے
نہ چاہوں، ناصحا، میں اُس کو، یہ طلب تھارا ہے
ناصحی

کہاں ہیں قلیں اور فرہاد اب یہ عہد ہے اپنا

دور

کہاں ہیں بلی و شیریں، زمانہ اب مختار ہے
شراک کا تیری صید نہ کس طرح سے ہو دل
ہو کس طرح سے

اس تیر کے لیے یہی نچسیر چاہیے
نیکوں کے بھی مجھکے رہیں سر کچھ تو، دیر کی
یہ مصرع مجھ سے پڑھا نہیں گیا!

مسجد کی چوب و خشت سے تعمیر چاہیے
بلا میں آپ پڑتا ہے تو ناصح
تو

خدا کیونکر ملائے دل رہا ہے؟
نہ کہنے دو کہ یہ قدرت نہیں ہے
معاذ اللہ مگر

یہی کہہ کے ٹالو حق شناس
کرے جو چاہے، پر عادت نہیں ہے
بہلاتا ہوں دل کو

نرا بیتاب کو باہر تو دیکھو
تھارے آگے کو غیرت نہیں ہے

عزت

آج پیغامبر نہ کچھ کہتا
ہیں بہت ہم پہ وہ حقانیٹھے

”وہ ہم پر بہت“ جہاں پورا لفظ آکے، یعنی پر، وہاں ادھورا لفظ
کیوں لکھیے۔ البتہ جہاں گنجائش نہ ہو، وہاں قاعدے کے موافق جائز
ہے۔ اور اس قاعدے کا نام تخفیف ہے۔

یہ بھی قدرت خدا کی، اے بیتاب
تجھ میں اسباب بن کے پارسا بیٹھے
اس آپ

تیغ کھینچے ہوئے جس وقت وہ قاتل کئے کوئی ہے میرے سوا، جو کہ مقابل آئے
 کون
 کیوں ایک بیکہ زمانے کا نقشہ بدل گیا یہ رنگ تو ہوا تھا نہ دنیا میں آشکار
 ناگاہ کیوں
 تڑپیں کچھ آج کل ہے وہ اس خاکدان کی خلدیں بھی رد ہو رہے ہیں جس کے شمار
 یہ مصرع مجھ سے پڑھا نہیں گیا
 گل نے کیا ہے شلخ کے ہر جز سے سر پہ اب کونسی جگہ ہے کہ نکمے جہاں خاں
 جزو ظہور
 بیٹھے ہیں مٹھن سبھی نرم نشاط میں ہاں اک صبا تو پھرتی ہے گلشن میں بقرار
 نسیم
 کثرت سے لبکہ جمع ہوئے شاہان گل کس کس فرے سے ہوئے آپس میں ہمکنار
 ہوتے ہیں
 دن عید ہے زمانے میں اور رات شبِ برتا ہر سمت راگ و رنگ ہے قانونِ ادب
 شب
 وہ دن ہو آج جس پہ کردں جان نکشاد ہے جن غسلِ صحتِ نوابِ نادار
 فدا۔ اگر یہ مطلع ہے تو چاہیے اس سے پہلے ایک شعر میں اطلاع دیجائے
 بیشک طمانچہ ملک الموت گرز ہے ہے تیغ اُس کی قبر خدا وقتِ کارزار
 تپانچہ
 ممکن نہیں جو کر سکے ممدوح کی صفت بنیاب، ابد عاری پیر ہے اختصار
 شتا
 عالم کے حق میں آئینِ رحمت بنا دیا رکھے سلامت اُس کو زمانے میں کردگار
 آئینہ
 بات یہ ہے وقت پر خوب سچا ہو مجھے فکر رسا کا بڑا محلہ یہ میر احسان ہوا
 شتا

دھوم ہے سرکار میں جشن کا سامان ہوا
عرش سے لے فرش تک عیش کا طعناں ہوا
ہے آج

رنگ محل کا سا ہونہیں سکتا بیاں
جس کی نظر پڑ گئی شہنشاہِ رو حیراں ہوا
والہ

کثرتِ مقیش سے مثلِ جبینِ عروس
روی زمین پر عجب طرح کا افشاں ہوا
طرز

یزم منور ہوئی معتمدِ تو آب سے
جب کسوہِ روتق فرا جوں بہ کنگاں ہوا
دہ جب سے کہ

جوں معنی مثلِ دامنِ اب متردک ہے، اور چوں لفظِ فارسی الاصل
تو آگے بھی متردک رہا ہے۔

دور میں اُس کے بجز ابر نہ رو یا کوئی
اور جوں کے سوا کوئی نہ نالاں ہوا
بجز رعد کے

مسندِ اقبال پر یوں وہ نمایاں ہوا
صفحہ گردوں پہ جوں مہر درخشاں ہوا
(میرزا صاحب نے اسے قلم زد کر کے یہ مطلع کھا تھا)

دودھ چنگیز میں جیسا کہ قا آں ہوا
ویسا ہی اس قوم میں کلبِ علیاں ہوا
(اس پر بیتاب نے لکھ دیا ہے "قصیدہ ہذا در شانِ یرسعت علی خان

بہادر مرقوم بود، ازین سبب شعر ہذا نوشتنی نیست)

ہو رہی ہے عجب آراستگی کہ نہ سر
سب فرشتے اسی خدمت پہ ہوسم ہیں مامور
دنیا کی

تھکے کرتے ہیں سجادۂ طاعت جبریل
ایک طرف باغِ میں لکھتے ہیں سرانیل بھی صو
سے

فیضِ ارواح سے معذور ہو غرا ئیل
موت کا غم ہی کسی کو نہیں سبب ہیں مسرور
کی فکر

زینب زینتِ کاب اس دہر میں کیا کہنا ہے
 صانعِ گل کی بھر تعلیم، ملائک کا شور
 کی
 چاندنی رات کا تو ذکر ہی کیا اصل علی
 بیلا الفدر پہ فائق ہے شبِ تار کا نور
 کیا ذکر ہے! اللہ اللہ!
 کو کو بڑھو نہ دھتے پھرتے ہیں کہ دیں کس زکا
 تھے جو محتاج جہاں میں ہم ہی ہیں ہی تقدیر
 وہ ایسے ہوئے
 کوئی دعوت سے ماسر بھی نہ محروم رہا
 بادشاہوں کے جہاں بھی تو نہ تھا یہ دستور
 ہاں جہاں کا بھی
 اس قدر کھانے کی افراط ہے اور پانی کا قحط
 دیکھو جس چاہ کو، شربت سے ہو منہ تنگ
 ہے قدر سے
 کس سیلف سے ہے آراستگی ہر لہرشی کی
 ہستم بزم کے آج اپنا دکھانے شہر
 نقابِ طبلوں کی سبجی ہے فلک پر پیہم
 لہر ساز نگینوں کے سن کے ملک ہیں مگر
 ے
 حشر تک کان سے نکلے گی نہ نغمے کی صدا
 یہ فیال آپ کا اک تان ہے شورِ شور
 ۲
 نقابِ طبلوں پہ پڑی آئے پر پو کے جھگٹ
 شادیاں کی صدا سنی فلک سے بھی دور
 پر یوں کے آئے جھگٹ
 گھونگروں کے وہ جھماکے وہ صدائے کی
 اہل محفل کو کیا عشوہ گردن نے مسور
 گھونگروں
 چلی اس طرح سواری کہ نہ دیکھی نہ سنی
 رشک کھانے لگے مرتد میں امیرِ طبر
 یہ لفظ "طوی" سے نہیں، "تے" سے ہے۔ اور پھر تیمور بوزنِ طبر
 نہیں، اصل، "تر" بوزنِ سہ دُر ہے۔ لکھتے ہیں تیمور اور پڑھتے ہیں
 "تر" اور قمر ترک میں فولا کو کہتے ہیں۔

شتری و فیلی دوائے ہیں بغیر و لو بہت
 دفت نے تاشہ دہل جھانج، ترم ہے طنبور
 لنگیں تاش تمامی کی ہیں باندھے سقے
 ہیں ہزارے چڑھے اور عطریے مشکیں مہمور
 لنگیاں

کہہ دایں فخر قصائد چو رستم خامہ من
 وجد کہہ دند چہ خاتانی و عرفی در گو ر

خانہ قصیدہ ہندی بشر فارسی، خصوصاً وقتے کہ لفظ کور قافیہ باشد
 مناسب نیست

لہذا محمد کہ اب چرخ ہو اینک خصال
 ترک اس نے کئے وہ چہ پنے قدیمی افعال
 پلے دہ

راہ میں ٹھوکریں کھاتے ہیں پڑے لعل گہر
 خدوئے سنگ سے بے قدر ہیں دینار و ریاں
 خدوئے معنی ٹھیکری کے لغت فارسی اور املا اسکی ز سے ہے۔

باج گانے ہی کی ہر سمت سے آتی ہے صدا
 مستثنیٰ بادہی اب برج ہے اگر کیہ خیال

ہے کسی جا پہ بھگت، ریس کہیں ساگ کہیں
 کہیں کہیں کہیں کتک ہیں کہیں ہیں توں
 بھی

کوئی باعث بھی تو ایسا ہی قوی ہے ورنہ
 اس کی عادت سے تو یہ بات تھی بس بحال
 دوسر

سپنے اسرار سے واقف ہے توئی کے پرفن
 بھید تیرے کوئی پہچانے یسے کس کی حال
 البتہ

بن چڑے صالح قدرت سے بکھووا لیکے نشہ
 کھینچتا اور بھی کچھ سکتیں گراہی انبھال
 ۱۴۰

دیکھ کر اس کی عباد کو ظہور کی ہے دنگ
 لکھے ایسا نہیں یا قوت رقم خاں کی بجا
 پچی نقتہ

اور شجاعت کا یہ عالم ہے کہ زہر ہوا آب دیکھ لیں حضورِ رستم اگر اس کی تمثال
 ہو بہ جبروت بھی ہیں تھا کہ زمیں پر لٹا لے رستم دستان
 وعدہ کیا تھا وہاں ایک جزو لایق کسے عہد کا نقض ہوا عہد میں اس کے ہے حال
 جزو لایق فلط۔ جزو لایق تک صبح۔

بھوکے پیاسوں کے خور و نوش کے کیوں تے نہ دن
 یہ مسلم ہے کہ بعد رمضان ہے شوال ۱

فلک پر کوئی اڑ جائے، پسند ہی از
 نصیبوں میں سواد دگر زمیں ہے
 یہ سچ، نخبین کے قابل ہیں معشوق پر آخر
 مگر عشاق پر بھی آفریں ہے
 جنابِ فائز دو دلی کا بیتاب
 خلوصِ طبع سے اب خوشہ چیں ہے
 دل پر مٹی جھوٹی تھی اجل کے نہ تے سے کلامِ حضرت، غالب دراز لفظ نا مانوس ہے
 اے دل تو اس کو دیکھ کے ایسا پھسل گیا
 حیراں ہوں میں کہ پہلو سے کیوں نکل گیا
 دل پر مٹی جھوٹی تھی اجل کے نہ تے سے سینے
 کبسا مزاد کھاتے ہیں ہم بھی، تو ٹھہر جا
 اب جاں پہ آئی تو ذرا دل سنبھل گیا
 تقریریں کر کے روزیہ ناصح، تو ہل گیا جو
 بچا ہلے دہ نیزاب کا، کیوں بھونے ہو رہے ہم
 ہم نے دل پر داغ پہ رکھا ہے جو مر ہم

وہ بات کر دیجئے نہوں نالہ و آغاں
بچپن ادھر رہتے ہوتے اور ادھر ہم
جس سے

کہوں کیا یوں بتانے کی نہیں ہے
رقیبوں کے سنانے کی نہیں ہے
وہ بات ایسی چھپنے
نہیں سچ باور دینے کی نہیں ہے
پہر افست بھی دکھانے کی نہیں ہے
نہ کہ مجھ سے کہ سیری بلا ہیں
وہاں رقیبوں سے گرم صحبت یہاں ابد وفای وعدہ
مری

ہے ایک طعنے ہی یہ تماشا، تم اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش
یہ طرہ تر

محبت تری، اسکی نفرت بڑھی
یہ کیسا پڑا اب دل زاریج

مسرور ہوں افیاء، خدا کی قدرت؛
اُن سے ہو تر اپیار، خدا کی قدرت
اور بیٹھے رامیں بزم میں نیزی ظلم
ہم تھک گئے گار، خدا کی قدرت
خافل نہ کر اپنی وسوسگی کو تو خراب
چکے
دینا کایہ کارخانہ ہے مثل سراب
زندگانی

یا الہی، یوہنی وہ برسر بید اور ہے
مرچکے ہم تو، نہ غیروں کی بھی بنیاد ہے
گو یونہی ٹھہری کہ گلزار نہ آباد ہے
مٹ گئے
غیلو، کوچ کر میں، باغ میں صیاد ہے
بیلیں

ضعف میں رگ تو کہاں، ہاتھ نہیں ہٹایا
کیوں تری فد سے حیرت میں نہ نکلا ہے
نقد
نقاد

اسکی مطلوب میں پہ رحم آئے نہ کیونکر بیتاب
قتل کے بعد بھی خوش بھٹو نہ جلا در ہے

جس

کے مقتولوں

نہیں تلو الہ کے نے کی بھی اب کچھ حاجت
نیرے ابرو کے اشارہ نے مارا قاتل
سے ہٹا

دیکھنے کو جو ہم عشاق کی محفل آئے
سب پکار اٹھے کہ لومرشد کامل آئے
ہم بول دیکھتے "جو ہم عشاق" میں میں تیلیو ہے گرجانا ہے۔

ہوں وہ میکش جو کہیں ہوش بہاؤ غم کرو
میکدہ لینے کو میرے کئی منزل آئے
کبھی

بد نصیبوں کی خواہ وصل کی خوبی دیکھو
کہ وہ آئے بھی تو اغیا کے شامل آئے

یہی نیرے سوا کتے وہ فریاد کرے
جب کہ بیتاب پہ مولا، کوئی مشکل آئے
شب
کرتے

”بمطالعہ منشی صاحب سعادہ و قبائل نشان منشی سلیمند صاحب“

مابہر منشی مملکتہ اللہ تعالیٰ مفتوحہ

[منشی سلیمند راجہ کنور سین کی اولاد میں کنور سین قوم کے کابیتھ اور نواب سید علی محمد خاں بہادر فاتح رودھیلکھنڈ کے معتمد سردار تھے قلعہ سرہند کی فتح میں اپنے دلی نعمت کے ہر کاب خدمات شایستہ انجام دے کر بادشاہ دہلی کے دربار سے راجہ کا خطاب حاصل کیا۔ رودھیلکھ سلطنت کے ٹکڑے ہوئے اور نواب بیڑنقیس الدرخاں بہادر ریاست راہپور کے والی بنکر اس خطے میں تشریف لائے تو ان کے ہر کاب تمام وفادار سرداران رودھیلکھ کے ساتھ منشی صاحب کا خاندان بھی تھا۔ منشی سلیمند کی تاریخ ولادت اور جائے پیدائش کا صحیح حال معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ء کو ان کی عمر اکیس سال کی تھی۔ اس حساب سے سال ولادت

۱۸۱۳ء قرار پاتا ہے۔ ان کا ابتدائی تقرر نواب سید احمد علی خاں بہادر کے عہد حکومت میں بعدہ ناظر نظامت ہوا بعد ازاں عامل تحصیلدار مقرر ہوئے ۱۸۴۸ء میں ان کے والد نے وفات پائی، تو ان کی اسائی پر کچھ دارالانشاء میں بدل دیئے گئے۔ بعد سنہ ۱۸۵۷ء میں ریاست کی طرف سے خبر رسانی و فراہمی و دیگر کام انجام دیا، اور نواب گورنر جنرل بہادر سے بعد خدمات دربار فتح گڑھ میں دو سالہ انجام میں پایا۔ نواب فردوس سکھانے بھی ان کی خدمات کی تعریف میں رو بہ کار جاری فرمایا اور تلوار عطا کی نواب صاحب کی وفات کے بعد خلدہ آشتیاں اور نواب عرش آشتیاں نے بھی ان کی بہت قدر و منزلت فرمائی۔ بالآخر پانچ والیان ریاست کی خدمت کر کے ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۹۴ء کو ان کی عمر میں راہپور میں انتقال کیا۔

منشی سلیمند کو فارسی میں دستگاہ کامل حاصل تھی اور ملا غیاث الدین راہپوری مولف غیاث اللغات سے شرف تلمذ تھا۔ شعر بھی کہتے اور منشی تخلص کرتے تھے۔

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان منشی سیلچند صاحب میر منشی، سلمہ اللہ تعالیٰ
بعد دعای دوام حیات و ترقی درجات معلوم فرمایں۔ اگرچہ از روی خط و
حضور صحت و عافیت حضور معلوم ہوئی ہے، لیکن یہ کہیں سے نہیں سنا کہ
غسل صحت کیا، یا کس دن کریں گے، آپ سے یہ فقیر کا سوال ہے کہ کچھ کو لکھے
کہ حضرت غسل کدن فرمائیں گے۔ اور اگر موافق میری آرزو کے نہ پا سکے ہوں،
تو غسل کی تاریخ سے اطلاع دیجئے۔

خیر و عافیت کا طالب، غالب، ۲۵ دسمبر ۱۸۶۲ء

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، منشی سیلچند صاحب میر منشی کو خدا
سلامت رکھے !

ادۃ تاریخ غسل صحت کو تم نے فور نہیں کیا ۱۸۶۲ء عدد ہوتے ہیں پھر کیا
حضور سال آئندہ غسل صحت فرمائیں گے؟ یہ تو جنوری سال ۱۸۶۵ء ہیں۔ اس
تاریخ کا قطعہ کیونکر لکھوں؟

یہ جو میں نے قصیدہ تہنیت لکھ کر بھیجا ہے، منشا اس کا یہ ہے کہ شاہ کبیرؒ
صاحب راہپور سے آئے، اور انہوں نے کہا کہ اب صاحب جمعے کے دن
ساتویں تاریخ شعبان کو نہا جائیں گے۔ اب تمہاری تحریر سے معلوم ہوا
کہ ماہ آہندہ یعنی رجب، میں نہاؤں گے۔ خیر، وہ کاغذ تو حضور کی نظر سے
گزر رہے گا۔ اگر موقع پاؤ، تو حضور میں یہ ماجرا عرض کر دینا کہ میں نے بموجب
روایت شاہ کبیر الدینؒ کے اس کے ارسال میں جلدی کی ہے۔ غالب

۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء

منش صاحب، عجب اتفاق ہے کہ حضور اپنے خط میں اپنے مزاج مبارک کا

حال کچھ نہیں لکھتے، اور میرا دھیان لگا ہوا ہے خدا کے واسطے، تم مفصل حال لکھو کہ کیا عارضہ باقی ہے، اور صورت کیا ہے؟ دربار بدستور ہوتا ہے یا نہیں؟ سوار ہوتے ہیں یا نہیں؟

زمین العابدین خاں نے جیپور سے اپنے اشعار اصلاح کے واسطے میرے پاس بھیجے۔ میں نے اصلاح دینے سے انکار کیا، اور اشعار سن کر دیئے ان کا خط اور اس کی پشت پر اس کے جواب کا مسودہ اس خط میں لپیٹ کر تم کو بھیجتا ہوں۔ پڑھ لو، بلکہ اگر موقع اور محل پاؤ، تو حضور کو بھی پڑھاؤ، والد اسد اللہ خاں غالب ۱۲۔ مارچ سنہ ۱۸۶۵

۱۲۵

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، منشی سیلچند صاحب میر منشی کو مختصر غالب کی دعا پیچی۔ یہ خط میں نے ایک سنہار دز کی فکر میں حضور کو لکھا ہے مگر مسودہ جو سر بار کچھ کا کچھ ہوتا رہا، اس سبب سے میرے پاس نہیں رہا اور خدا کی قسم، کہ میں اب بہت ناتواں ہو گیا ہوں، بیخبط بیخبط صاف کیا ہے اور اس تحریر کو مجموعہ نثر میں رکھا چاہتا ہوں۔ آپ اسکی نقل کر کے مقرر مجھ کو بھیج دیجئے گا۔ بڑا احسان مجھ پہ ہو گا۔ اسد اللہ فقط

۱۲۶

منشی صاحب سعادت و اقبال نشان، منشی سیلچند صاحب، طال عمر! تین صاحبوں نے اطراف و جوانب سے تین قفیدے میرے پاس بھیجے ہیں حیران ہوں کہ کیا کروں! اگر حضور میں نہ گزرانوں اور ان کو لکھوں کہ میں نے گزران دیے، تو جھوٹ بولنا ہوتا ہے اور میں جھوٹ سے بیزار ہوں۔ گزرانے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، ادب رخصت نہیں دیتا۔ ناچار وہ تینوں قفیدے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ یہی ان صاحبوں کو لکھوں گا کہ میں نے میر منشی کو حوالے کر دیے۔ فقط

سید فرزند احمد بلگرامی صفیر تخلص۔ یہ سید نور الحسن خاں بلگرامی کا پوتا اور صاحب عالم، پیرزادہ، ماڑ پڑہ، کانوا سا ہے۔
حالی تخلص، مولوی الطاف حسین، سن پت کے رئیس، عالم، شاعر نواب مصطفیٰ خاں کے رفیق۔ قصیدہ عربی ۲
تیسرے قصیدے کے خاتمے پر شاعر کا نام دفنان مرتوم ۳

۱۲۶

منشی صاحب سعادت و اقبال نشاں، عزیز تر از جان، منشی سیلچند کو فقیر غالب کی دعا پہنچے کیوں صاحب، ہم تو تم کو اپنا فرزند سمجھیں، اور تمہارا یہ حال کہ مراسم فرزند بجا نہیں لاتے، خط لکھنا تم نے یکم قلم موقوف کر دیا۔ اور بھائی بے تکلف لکھنا ہوں کہ مجھ میں اب دم نہیں ہے، نہ طاقت باقی ہے، نہ حواس درست ہیں۔ آج کے نواب صاحب کے خط میں دو جگہ غلطیاں ہوئیں مجھ سے لکھنا کچھ چاہتا ہوں لکھ کچھ جاتا ہوں۔ بس اب تو یہ نوبت پہنچی ہے کہ آج بچا کل مرا، کل بچا پر سولہ مرا۔

اس خط کا جواب، مجھ کو جلد لکھو، اور اس میں یہ لکھو کہ احسان حسین خاں اور ان کے بھائی مظفر حسین خاں جو لکھنؤ سے آئے ہیں ۲۔ نواب صاحب کی سرکار سے ان کا کیا دربابہ مقرر ہوا ہے، اور تعظیم و توثیر کا کیا رنگ ہے، دربار میں جوتے ہیں، تو بیٹھے کہاں ہیں؟ اس خط کے جواب کا طالب غالب۔ ۱۱ جون

۱۲۸

برخوردار، نور چشم، منشی سیلچند میر منشی کو بعد دعا کے یہ معلوم ہو کہ اگلے مہینے یعنی اگست سنہ ۱۸۶۸ء کی، تنخواہ کی ہنڈوی جو تم نے بھیجی تھی، اس کا رد پیہ اب تک نہیں پٹا۔ میں بوجس دن ہنڈوی آتی ہے،

اسی دن یاد دوسرے دن اپنے مختار کار کے ہاتھ، کہ وہ بھی صاحب ہے، بیچ ڈالتا ہوں۔ مگر اُس مختار کار کو، جس کے ہاں ہنڈوسی آئی ہے، اُس نے روپیہ اب تک نہیں دیا۔ ۸ ستمبر کو وہ ہنڈوسی بیچ کر روپیہ میں لے لیا تھا، اور آج ۱۸ ہے۔ مختار کار کو روپیہ اُس نے اب تک نہیں دیا۔ جس سے تم نے ہنڈوسی لکھوائی ہے، اُس کو تم تاکید کرو کہ یہاں کے صاحب کو روپیہ دینے کی تاکید کئے، تاکہ مختار کار روپیہ پٹ جادے۔

(مہر: غالب ۱۲۷۸ء)

بنام خلیفہ احمد علی صاحب احمد رامپوری

[خلیفہ شیخ احمد علی صاحب احمد تخلص ولد شیخ نادر علی، تقریباً سنہ ۱۲۱۹ھ
(۱۸۰۵ء) میں پیدا ہوئے۔ فارسی کتابوں میں مولوی عبید اللہ شاہ خاں عبید اللہ
کبیر خاں تسلیم سے پڑھیں اور عربی علوم و فنون دیگر علما سے شہر سے
مائل کیے۔ ادبیات فارسی کے ذوق نے خلیفہ صاحب کو عربی علوم
کے لطائف کی طرف متوجہ بنوئے دیا، اور ان کی ہماری عمر شیراز و تروند
ہی کے مرغزاروں کی بسیر میں گزر گئی۔ رامپور کے اکثر فارسی ادب کے علما کا
سلسلہ ان تک منتہی ہوتا ہے۔ نواب خلدت شاہ اور نواب عرش آشاہ، طالب ثلث
کی اُستادی کا بھی شرف حاصل تھا۔ خلیفہ صاحب نے جمعرات کے دن ۲۹ رمضان
۱۳۰۹ ہجری (۲۸ اپریل سنہ ۱۸۹۲ء) کو ۹۰ سال کی عمر میں اپنے مکان واقع
محله ننگہ آزاد خاں (رامپور) میں انتقال کیا۔ ان کی فارسی نظم و نثر کا ایک چھوٹا سا
مجموعہ کتاب خانہ عالیہ رامپور میں محفوظ ہے۔

مرزا صاحب رامپور تشریف لائے، اور خلیفہ صاحب سے ملاقات
ہوئی، تو مؤخر الذکر نے اثنائے گفتگو میں عربی کے کلام پر نکتہ چینی کی اور مثلاً
یہ دو شعر پیش کیے:

ساکتُم، این نغمہ تا در نیم شب ہر مرغِ سحر خوان می زخم
شاہری کو کہ یک نفس گوستی بدلِ درو پرورد اندازد

میرزا صاحب نے عربی کی حمایت کی۔ لیکن اس وقت بحث ناتمام رہی
اور یہ طے پایا کہ خلیفہ صاحب شب کو اگر گفتگو کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے
کہ یہ اس رات کو تشریف نہ لیا سکے، اس لیے میرزا صاحب نے اپنے دل کا
لکھ کر ان کی خدمت میں بھیج دیے۔

تذکرہ کمالان رامپور (ص ۲۲) میں اختلافی شعر یہ لکھا ہے:

من کہ باشم عقل کل را نادک اندازد و ب مرغ تو صیغہ توا را و ج بیان انداختہ
مگر میرزا صاحب کی آئندہ تحریر کی روشنی میں اس کی صرف یہ تاویل کی
جاسکتی ہے کہ مذکورہ بالا دو شعروں کے ساتھ یہ بھی معرض بحث میں آیا
ہوگا، ورنہ میرزا صاحب خط میں اسی کا ذکر کرتے [

(۱۲۹)

جناب مولوی صاحب مخدوم احمد علی صاحب کی خدمت میں بعد سلام
سلوٹ الاسلام عرض یہ ہے کہ فقیر شب کو آپ کا قنطرہا، آپ تشریف نہ لائے،
ناچار تقریر کو تحریر کا پیرایہ دے کر آپ کی جناب میں بھیجتا ہوں۔ سنہین فارسیہ کا
حال سبیل اجمال ایک دو ورقے پر مندرج ہے۔ بنظر اصلاح مشاہدہ ہو۔
بعد اُس کے عرض ہے کہ ہر جہد "سحر" اور "صبح" مراد ف بائین
ہیں، اور وہ انجام لیل اور آغاز نہماز ہے، مگر بخلاف صبح، "دسحر" بطریق مجاز
بعد نطف شب سے صبح تک مستعمل ہے۔ طعام آخر شب کو "سحری" اور "سحر گئی"
کہتے ہیں، اور مرغان خوش آواز، کہ بلبل بھی اُن میں ہے، اکثر پیر سو اہرات
بولتے ہیں۔ نصف شب کو مرغ سحر خواں کا ہم آواز ہونا عمل اعتراض نہیں ہے
"گوش" کا استعمال "انداختن" کے ساتھ، اگر شعرا ہی ہند کے کلام میں آیا ہو۔
تو ہم اُس کی سند اہل زبان کے کلام سے ڈھونڈتے۔ جب وہ خود عرفی نے لکھا
ہے، تو ہم سند اور کہاں سے لائیں؟ قواعد زبان فارسی کا ماخذ تو ان
حضرات کا کلام ہے۔ جب ہم انھیں کے قول پر اعتراض کریں گے، تو اُس
اعتراض کے واسطے قاعدہ کہاں سے لائیں گے؟ ان سب باتوں کو جاننے کے
اس کو ملاحظہ کیجئے کہ عرفی اکبر شاہ کے عہد میں تھا اور اُس عہد میں قطع نظر
اور اہل کمال سے ابوالفضل، اور فیضیہ یہ دونوں شخص کیسے فاضل تھے۔
اور پھر عرفی کا مدد و حکیم ابوالفتح اس کا وہ پایہ علم میں تھا کہ فیضی اور
ابوالفضل کو بھی خیال میں نہ آتا تھا۔ اگر یہ دونوں شعرا عرفی کے غلط ہوتے، تو

یہ تینوں آدمی اُس کی دُعاؤں کی وجہ سے، حالِ آہِ نفعی و ابوالفضل
 اُس کے دشمن تھے۔ پس جب ان دونوں نے باوجود عداوتِ اعتراض
 نہ کیا، تو اب عرق پر کون اعتراض کر سکتا ہے؟ عرق کی زبان سے جو کلمہ
 جائے، وہ سند ہے۔ ہمارے واسطے وہ ایکس قاعدہ محکم ہے۔ وہ مطاع
 ہے، اور ہم اُس کے مقلد اور مطیع ہیں۔ غالب

بنام مولوی محمد حسین خاں مالک مطبع

[مولوی محمد حسین خاں، ابن مولوی محمد حسن خاں، ابن شاہ محمد خاں سید انجان
 راسپور کے ایک شریف و باعزت خاندان کے فرد تھے۔ ان کے پردادا، نواب
 سید محمد فیض اللہ خاں بہادر کے ہمراہ افغانستان سے تشریف لائے اور پھر
 میں بعدہ جمعہ داری مقرر ہوئے۔ مولوی محمد حسن خاں نے تیغ نیاگاں کو قلم سے
 تبدیل کر لیا، اور اس زمانے کی مروج تعلیم حاصل کر کے نواب فردوس گان کے
 حسب ایمانہ ۱۸۵۶ء میں مطبعہ حسن قائم کیا۔ بعد ازاں نواب خلدیشاں کے
 حسب حکم ۱۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۸۳ (۱۵ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء) کو اخبار
 دبہ سکندری کا پہلا پرچہ شائع کیا۔ مولوی محمد حسین خاں نے مولوی محمد حسین خاں کو
 اپنی زندگی ہی میں مطبعہ کا مہتمم اور اخبار دبہ سکندری کا مدیر بنا دیا
 تھا۔ منگل کے دن ۲۹ شعبان ۱۲۸۳ء کو ان کا انتقال ہو گیا، تو چند سال تک
 ان کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ فاروق حسن خاں صاحب جاہری، رحمہ اللہ نے
 اپنے مشاغل طریقت کے ساتھ دبہ سکندری کو بھی مرتب کیا کچھ مدت بعد
 سے فرائض ادارت ان کے فرزند اکبر مولانا فضل حسن خاں صاحبی انجام
 دے رہے ہیں۔ مؤرخ الذکر بزرگ نے اپنے گرامی نامہ موسومہ "عرشی میں
 تحریر فرمایا ہے: "اخبار دبہ سکندری کی ہندوستان بھر کے اخبارات
 میں یہ نمایاں خصوصیت ہے کہ ۴۷ سال کی مدت مدید میں برٹش
 گورنمنٹ اور لوکل گورنمنٹ نے کبھی اس کے ایک حرف پر نہ کوئی
 اعتراض کیا، نہ اس سے کبھی ضمانت طلب ہوئی، نہ اس پر کسی نے
 آج تک کوئی مقدمہ چلایا۔" دبہ سکندری، ج ۴۰، نمبر ۳، ۱۳،
 مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۰۴ء]

(۱۳۰)

مشفق اور مکرمی محمد حسین خاں صاحب کو غالب آرزو وہ دل کا سلام پہنچے
 آج بھی آپ کا ایک خط آیا۔ کئی اخبار آپ کے پھرے، کئی خط آپ کے پھرے
 اور آپ اخبار بھیجے جاتے ہیں۔ آئی! آپ کا خط خط تھا، یا کوئی جھوٹ کی
 پوٹ، بیشتر مجذوبوں کی سی بڑ، اور جو کچھ سمجھ میں آیا، وہ غلط اور دروغ
 اور جھوٹ۔ یہ غلط محض ہے کہ مطیع حضور کا ہے اور تم مہتمم ہو حضور کی طرف
 سے۔ اللہ! دیکھیے سنگھ (۳) کی تعریف میں کہیں سارا ایک صفحہ کہیں سارا ایک
 ورق سیاہ کرتے ہو، اور اپنے والی ملک اور اپنے پادشاہ یعنی امیر المسلمین
 نواب کلب علی خاں بہادر کے نام رکے (۳) آگے یا نام سے پہلے کوئی دو تین لفظ
 تعظیم کے لکھتے ہو بس، اور اس قباحت کو نہیں سمجھتے کہ اگر یہ اخبار حضور کی طرف
 سے ہے، تو گویا دیکھیے سنگھ (۳) کی تعریف بھی حضور کی طرف سے ہو گی پسندوستانی
 عملداری میں وہ ایک زمیندار اور مالگذار تھا۔ اب گورنمنٹ ہند نے اسے جاگیردار
 مستقل کر دیا۔ اور نواب محمد علی خاں، رئیس ٹونک کا ہر اخبار میں ایک مرثیہ
 لکھتے ہو (۵) اس سے معلوم ہوا کہ تم طرح طرح سے اطراف و جوانب کو ریشیوں
 سے بھیک مانگتے ہو۔ بھائی، ”یک درگیر و حکم گیر“ اگر حضور کے نوکر بھی نہیں
 تم، تو آخر رعیت تو ہو۔ یہ کیا ہے کہ اپنے پادشاہ کا ذکر سب سے پیچھے لکھتے ہو
 کبھی صفحہ پر کبھی حاشیے پر؟ ہم نے ان باتوں سے بیزار ہو کر تمہارا اخبار موقوف
 کیا ہے، اور اب پھر تمہیں لکھتے ہیں کہ دوبائی خدا کی، میں یکم جنوری ۱۸۶۸ء
 سے وید پٹ سکندری کا خریدار نہیں ہوں! نہ بھیجا کرو، واسطے خدا کے نہ بھیجا
 کرو! اس سے زیادہ کیا لکھوں!

(مہر: غالب، ۱۲، ۸) (۳) (۲۵ فروری سنہ ۱۸۶۸ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم واللہ اعلم بالآخر

حواشی

صفحہ ۳۸

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عرفین کے لفظوں پر لکھا کرتے تھے۔

صفحہ ۳۹

(۱) میرزا صاحب کے اس قطبہ تاریخ کا پتا نہیں چلا۔

(۲) مولانا فضیل حق، مولانا فضیل امام صاحب کے صاحبزادے اور تیسرا آباد کے رہنے والے تھے

سنہ ۱۲۱۲ھ (۱۸۹۷ء) میں پیدا ہوئے اور ۲ صفر ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۶ء) کو انڈمان میں وفات پائی۔ موصوف نے علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد ماجد سے اور حدیث مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی سے پڑھی تھی۔ امیر دینا پٹی لکھتے ہیں:

”نیز حکیم میں مرتبہ اجتہاد، بڑے ادیب، بڑے منطقی، نہایت ذہین، نہایت ذکی، خلیق و ذلیل، انتہا کے صاحب تدقیق و تحقیق،... جس شہر میں آپ مدنی افروز ہوئے صد با آدمی برہ اندوز ہوئے۔ شاہجہاں آباد میں اگرچہ عدالتیں کے سر نشین تھے، مگر بڑے ذی اقتدار و صاحب اختیار تھے۔ ججہ میں مشاہیرہ جلیلہ پر نوکر نہ تھے۔ انورا و سہارنپور اور ٹونک سب جگہ مقررہ و مقرر رہے۔ لکھنؤ میں صدر الصدور تھے، اور اس دارالریاست (رامپور) میں پہلے محکمہ نظامت اور پھر مرفوعہ عدالتیں پر مامور تھے۔ جناب نظامت نواب فردوس مرکان کو بھی آپ سے نلذ رہا ہے، اور بندگان حضور (نواب خلدو بیگ) نے بھی کچھ پڑھا ہے۔ آٹھ برس بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ رہے۔ پھر بیانی سے تشریف لے گئے۔“ (انتخاب یادگار: ۲۹۱)

مولانا کی تصانیف یہ ہیں: (۱) مجموعہ قصائد عربی (۲) رسالہ غدر یہ (۳) رسالہ انتاع النظر (۴) یہ سعید۔ آخری کتاب نواب سید محمد سعید خاں بہادر کے نام پر نواب فردوس کے لیے لکھی گئی تھی۔ میرزا غالب ان کے مخلص دوست اور معتقد خاص تھے۔ مولانا نے سر رشتہ داری عدالت دہلی سے استفادہ کیا اور نواب فیض محمد خاں کی دعوت پر پھر تشریف لے جانے لگے، تو اہل دہلی کو حیدر خاں ہوا۔ میرزا صاحب مولوی سراج الدین احمد کے نام خط میں مولانا کی علمی منزلت کے متعلق تحریر کرتے ہیں: ”سفینہ مباد کہ پہلے تیسری و قد شامی حکام رنگ آں و یحییٰ کہ فاضل بے نظیر دالمی یگانہ، مولوی حافظ محمد فضل حق، از سر رشتہ داری

عدالت دلی استعفا کردہ خود را از تنگ و عار دار ہاند۔ حقا کہ اگر پایہ علم و فضل و دانش و کثرت مولوی فضل حق آن مایہ بجا ہند کہ از صد یک نوا مانند و باز آن پایہ را بسرشتہ داری عدالت دیوانی سنجند، ہنوز این عہدہ دین مرتبہ دی خواہد بود۔ (کلیات شریعت: ۱۴۷)

(۳) اس عریضے میں میرزا صاحب نے جس سابق تعلق کی طرف اشارہ کیا ہے وہ شہنشاہی تھا۔ نواب فردوس مکن، اپنے والد ماجد کی تخت نشینی سے پہلے دہلی میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ ان کے چچا نواب سید عبداللہ خاں بہادر، صدر الصدور میرٹھ، اور نواب سید عبدالرحمن خاں بہادر میرزا صاحب کے محب خاص تھے۔ غالباً انہیں دونوں کے حسب تجویز، نواب صاحب نے میرزا صاحب سے فارسی کی تعلیم پائی۔

اس عریضے کے جواب میں نواب صاحب نے فروری سنہ ۱۱۷۵ کو درخاست فرمایا: "بیتہ ایضہ بلاغت آگین مشعر سید خط مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد فضل حق صاحب باو مکرر محبت اشتقاق عبارت دیکھیں دو تین در عین انتظار سر سر کش عیون وصول نشاط منقول گردیدہ باطلان خیریت ہمارے سرور نا محصور افزودہ، از مزید شفقت و ایثار غلبی تصور شد۔ متفقا ہر چند کہ کتاب رائے اتفاقی سوز و نیست یک مصرعہ ہم نشدہ بود، لیکن محض محبت سماع کلام سہی رہائی مولوی صاحب صدراوصف دلم خواست کہ طریقہ رسل رسائی جاری شود۔ چوں سہلی با زین نظر ترسید، لہذا چند بیانات و امیانت سوز دن نمودہ، تیر صد اصلاح پیش آن بگذاشتہ اتفاق رسل شد۔ چشمہ ۱۱۷۵ متفقا کہ بعد اصلاح، غزل ہمای مذکور مع کلام طرح جدید لطف فرمودہ شوند۔ از اسجا کہ اخلاص شیرینی ہم درین خصوص از دستور است، لہذا ہندوی مبلغ دو صد پنجاہ روپیہ تقریباً فی وقت رقیۃ الوداد تھا میرسد۔ بمقتضای اطاعت منظور فرمودہ از رسیدن مطلع فرمایند۔ و مخلص را بیل و زہار مستی، اخبار اخبار تصور فرمودہ، اکثر با مصالح نائق انا تفتخیریت و تائق عبارت سلیس، کہ در خواندنش تاملی بد قورع نیاید، سرور و مکن مبغر مودہ باشند۔"

(۱) اس قصیدے کے لغافے پر میرمنشی صاحب لکھتے ہیں: "قصیدہ ہانا اگہ گوہر جان فرم بتاریخ ۱۹ شعبان سنہ ۱۱۷۴ ہجری میرزا شہ صاحب پھمور پر نور گذرہ پیدہ شد۔ اس کے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے قیام رامپور کے زمانے میں نواب صاحب نے قصیدہ دارالانشاء سے منگا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ چونکہ اس کا شغل مشغول ہونا تحقیق تھا۔ اس لئے کلیات فارسی (ص ۳۲۵) سے یہاں نقل کر دیا گیا ہے۔ قصیدے کے متعلق نواب صاحب کی رائے جو تھے عریضے کے حاشیے میں درج ہوگی۔ پتے کے نیچے میرزا صاحب نے لکھ ہے: "روانگی قصیدہ کی بھی تاوانج تیسرے عریضے میں بھی مذکور ہے۔"

(۲) مولانا فضل حق خیر آبادی مراد ہیں۔

(۳) ڈاک خانے کے اس نئے بندوبست سے میرزا صاحب کا مطلب وہ نیا انتظام ہے جو لارڈ ڈلہوزی کے عہد میں عمل میں آیا تھا۔ سر نئے انتظام کے وقت کچھ دشواریاں ضرور پیدا ہوتی ہیں، بعد میں یہی کہ اس نظم سے کئی لوگوں کو شروع شروع میں پرستش و وقت اٹھانا پڑی ہو۔

(۵) سقچہ ہندی کو کہتے ہیں۔ اصل میں یہ فارسی کالفاظ سقہ ہے جس کے آخر میں تصغیر کے لئے یہ بڑھائی گئی ہے۔ عربی میں سقہ کو سقح کہتے ہیں۔

صفحة ٢

(۱) یہ پیر انامی دورہ غدیر نوا صاحب کے صرف چند خطوں میں نظر آتا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان کی زندگی اسی میں فضا سے دہلی اس سے بچنے لگے تھے۔

(۲) یہاں پر ”اس“ کی جگہ ان ”ہونا چاہیے“ اس لئے کہ اوپر مسودہ دل کا ذکر ہے۔ غالباً میرزا صاحب کے ذہن میں لفظ ”اگیا جس کا بھی ذکر ہوا ہے اس کے خیال سے جم کی جگہ واحد ضمیر استعمال کر گئے۔

(۳) لفظ کی طغائی شکل ہے۔ اکثر پیرگرافت کے خاتمے یا پورے مضمون کے خاتمے پر جنائی جاتی ہے۔
میرزا صاحب بھی جگہ جگہ اسے استعمال کیا ہے۔ میں نے سہولیت قرأت کے خیال سے ہر جگہ نقد لکھ دیا۔

(۴) نیسے اور جتھے وغیرہ کے جواب میں نواب فردوس مکاں نے سہ سب ۱۲ بجہ صری ویکہا پے سناؤ غلام

کوشش فرمایا: "..... و وقتاً صحیفه مشایخ یکی شعر ترسیل قصیده و مضمون و اشعار
 دهم در جواب رقیه الوداد و سید اشعار و سنیقه مرسله اینجا، و ثانیاً سخا را مذکور بعد نظیر
 اصلاح و تخریج الفاظ جهت تمکین علم با پیامی پس از آنجمله بمضامین برجسته و عبارات
 دلپسند متواتر بسبیل ذاک گلگون آرای چهره و صولت فرحت شکر گردیده و مطالعه قصیده
 نادره نصاحت قنصین که اگر هر شعر تغزیش را گنجینه معانی و سعدی لای سخن دانی خوانند بجا و
 یا گلدره برجسته چمنستان علوم و کمال نامند و بیا، غرض شکر و بجز خای استعارات و نکات

متین منقش مستغنی گردایه نارسائی، و او بام عقلای زمان بدریافت خوبی و بلاغت آن خزینه اسرار
معترف به کوتاهی، تعصبات عری و خا قانی، بمقابلۀ مناسبت و برحسب مضامین نزهت است. انجمن
پنج، و معانی فیض قرین در الفاظ نادرش چون زلف ماهر و یای پنج و ریح، الوداد اقاده
و انشراح بی اندازه بر روی دل صفا منزلت کند و در نگار کشا نشانی طبی از جمل خواطر مستفیضان
زدوده. و عزایات که بنظر اصلاح، آهین که بیارس آشفته شود. بی الفور بصورت طلا شد. فائز
گشته لطف شدند، مخلص مجسم مشکور الطاف و بذل توجه است. مینایات آن مستغنی الصفات
گردید. العظمت الله التقریر و تدبیر الفاظ نادره در انتخاب مذکور چون نقش بر نگین زینبینه تازه گرفت
و طلای صیقل خام بر یک فیض عام جلوه پذیرفت و سجد الفاف مخلص لفظ "عالم" مطبوع
طبع نیاز گفتند

(۵) اس عریضے کے جواب میں نواب صاحب نے ۲۵ (جب سنہ ۱۲۵۴ھ مارچ سنہ ۱۸۶۷ء) کو تحریر فرمایا: صحیفہ مسرت آگئیں... منظورید رقیۃ الوداد دیکھو محالفت شرالعہ عبارت اردو بعد ملاحظہ چاک شدہ باشند۔۔۔۔۔ دسویں نشانہ شمول گردیدہ... مستحقا حسب الارقام سالی صحیفہ موصوفہ بعد استفادہ مضموئنش چاک نمودہ شد۔ دسندہ ہم دربارہ ہجو مکاتیب تبیل ایرائی سالی ملحوظ خواہاند؟ اس سے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ میرزا صاحب کی یہ خط و کتابت بصیغہ راز تھی اور نہ ۱۵ فروری سنہ ۱۸۶۷ء کا خط بھی اردو ہی میں تھا۔ اس کے

پاک کرنے کی ہدایت کیوں نہ کی اور کی تھی تو یہاں تعبیل کیوں نہ ہوئی اور اہم

صفحہ

(۱) یہاں بھی "اس کی جگہ ان" سونا یا ہے، کیونکہ غزلوں کے پیچھے کا ذکر ہو رہا ہے، غزل کا نہیں۔ شاید لکھنے وقت میرزا صاحب کے خیال میں غزلوں کی جگہ خطا آ گیا تھا۔

(۲) نواب فردوس محل نے اس غریبے کے جواب میں ہر رمضان سنہ ۱۲۵۳ھ (مئی سنہ ۱۸۵۷ء) کو تحریر فرمایا: "..... مشتقا: ایں مرثیہ کہ توقف در تسطیر ربیعۃ الاصل بظہر آرد" باعیشاں علم فرستی تصور توان فرمود۔ سلاک فرصت دست داد: یہ ترقیم ہائی الفیہ اتفاق افتادہ

(۳) اصل میں یہو بیچا ہے لیکن بہرہ تو نام معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اسی سطر میں یہ لفظ میرزا صاحب نے درست لکھا ہے۔

(۴) میرزا صاحب لطیفہ کے ابتداء میں "مجھ کو" بحدت ہائی مخلوط لکھا کرتے ہیں۔ ان کے دیوان اردو کے اس نسخے میں بھی جو نواب فخر الدین خاں مرحوم کا نویشن ہے، "مجھ کو" اور مجھے سحریر ہے۔ مگر میں نے صحیح لے کر ترجیح دیتے ہوئے ہر جگہ مجھ کو بنادیا ہے۔

(۵) میرزا صاحب کے دیوان اردو کا یہ نسخہ کتاب خانے میں موجود ہے ناپ ۱۱ ۱/۲ ۱۱ ۱/۲، اور انی ۳،

اور انی صفحہ ۵۱ سطر میں ہیں۔ خط صاف اور۔ وثن نستعلیق اور ابتدائی دو صفحے طلا کا ہیں۔ ہر غزل کے خانہ پر زمین پیل لپٹے اور تمام صفحات کی جدولیں رنگ آمیز ہیں۔ آخر میں تیرکی رقم بیٹھا ہے۔ اس نسخہ۔ دیوان کے متعلق میرزا صاحب نے مثنیٰ شیوہ زائیں کو لکھا ہے: اب

تم سنو۔ دیوان بیعتہ اتم داکل کہاں تھا، مگر مل، میں نے غور سے پہلے لکھو اگر نواب یوسف علی خاں بہادر کو راہپور بھیجا تھا، اب جو میں دلی سے راہپور جانے لگا تو کھائی ضیاء الدین

خاں صاحب نے مجھ کو تاکید کر دی تھی کہ تم نواب صاحب کی سرکار سے دیوان اردو لیکر کسی کتاب سے لکھو اگر کچھ کو بھیج دینا۔ میں نے راہپور میں کتاب سے لکھو اگر تعبیل ڈاک ضیاء الدین خاں کو

دلی بھیج دیا تھا۔ (اردو ۱۱، ۳۸۱) بعد ازاں ۳ جولائی سنہ ۱۲۵۰ء کو اس کے مکمل ہونے کے بارے میں لکھا ہے: "میلال تہاری باتوں پر مٹی آئی ہے۔ یہ دیوان جو میں نے تم کو بھیجا ہے اتم داکل ہے وہ اردو کوئی دو چار غزلیں ہیں جو میرزا یوسف علی خاں عزیز کے پاس ہیں، اور اس

دیوان میں نہیں، اس طرح سے اپنی خاطر نشیر رکھیں کہ کوئی مہرے میرا اس دیوان سے باہر نہیں ہے۔ معذرتاً ان سے بھی کہوں گا، اور وہ غزلیں ان سے منگا کر دیکھوں گا"

دلیقا: ۱۳۸۵ اس نقل سے مثنیٰ شیوہ زائیں نے اپنے مطبع داغ شہر آگرہ میں دیوان کی طبعاعت کا انتظام کیا تو اس کے متعلق میرزا صاحب نے علانی کو لکھا: "اور دو کا دیوان راہپور سے لایا ہوں اور وہ آگرہ گیا ہے۔ وہاں مطبع ہوگا۔ ایک نسخہ تمہارے پاس بھی پہنچا گا"

دلیقا: ۱۲۵۴ لیکن شیوہ زائیں نے طبعاعت میں تاخیر کی تو میرزا صاحب نے آغاز سنہ ۱۲۵۵ء میں

دیوانی ۱۸۶۱ میں شہر کے نسخے سے مطبع احمدی، دہلی میں دیوان طبع کرایا۔ بعد ازاں آخر

سنہ مذکور (۱۸۶۲ء) میں، جد اشعار کے اضافے کے ساتھ اس کی صحیح نقل مطبع لطیفی

کاہنور میں چھپو اگر شائع کی بشیر زائیں کا نسخہ سرورق کی تاریخ کے مطابق سنہ ۱۲۵۴ء میں لکھا جانا شروع ہوا، اور غالباً اسی سال میں چھپ بھی گیا، اگر وہ دیر نہ کرے، تو نسخہ راہپور کو

دیوان غالب مطبوعہ کی اصل بننے کا شرف حاصل ہوتا۔ تاہم دیوان غالب کے جس قدر ریڈیشن شائع ہو چکے ہیں، وہ سب کے سب اپنی تکمیل میں نظر راہپور کے رہیں۔ نتیجہ یہاں معنی لفظ رکھے، ساکت معلوم ہوتا تھا، اس لئے اضافہ کر دیا گیا ہے۔

صفحہ ۸

(۱) میرزا صاحب نے اس کی جگہ اس لکھا ہے۔ چونکہ اسی جیل کے بعد راہپوری ماہوکار کے لئے اشارہ بچید استعمال کیا ہے، اس سے یقین ہوتا ہے کہ اس جگہ ازراہ سہو ادس کی بجائے اس لکھ دیا ہے۔

(۲) یہاں سے آگے کے الفاظ حاشیہ پر ہیں، اور حوالے کے لئے (۱۵) کا نمبر سہ متن کی عبارت کے خاتمے اور حاشیہ کی عبارت کے آغاز میں لکھا ہے۔

(۳) فردوس اشعار کے حوالہ بالا فرمان کی نقل متن میں شامل ہے۔ اس میں سے قابل مطالعہ حصہ یہ ہے: "مکروآن کہ خط مولوی و جید الزماں خاں صاحب مقتدرین سرکار ہنم مثنوی شہاب الدین کہ ہجرا ہی ہر بی در آنچہ رفتہ اند، ملفوف پیرسد۔ براہ نوازش نود مکتوب البیہ فرستادہ جلب طلب فرمودہ بدست قاصد روانہ راہپور بایدر فرمود کو قاصد مذکور ابرست از سرکار خواہد یافت و چون دریں ایام شورش سیل ترسیل مبالغہ بجز منڈوی یہ بچی مشکوک بہت و احتیال در ویش نیز متجمل؛ لہذا در صورت وصول و عدم وصول زورش مطلع بایدر فرمود"۔ میرزا صاحب کے اس خط کے جواب میں سرکار نے ۱۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۴۳ھ کو ہندوی کا پتہ ادیبہ خط کی نقل روانہ فرمادی تھی۔

(۴) نصر اللہ بیگ خاں کے لئے دیباچہ خاندان سہی ملاحظہ ہو۔

(۵) میرزا صاحب نے اس لفظ کا اطلاق ہر جگہ لاڈ لکھا ہے، حالانکہ صحیح تلفظ لارڈ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دلی واسلے اس لفظ کو ڈ اور کے ساتھ ہوتے تھے۔

(۶) لارڈ لیگ سنہ ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے سنہ ۱۸۵۸ء میں پیرل فوج میں نام لکھا یا، اور خدمت عہدوں پر فائز رہ کر سنہ ۱۸۶۲ء میں جنرل مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۷۱ء سے سنہ ۱۸۸۵ء تک ہندوستانی افواج کے کمانڈر انچیف اور کونسل کے سر رہے۔ انہوں نے سریشٹ سے جنگ کر کے ۱۸۶۳ء میں آگرہ اور ۱۸۷۵ء میں دہلی فتح کی۔ بعد فتح شاہ عالم تمانی کے حضور میں بار بار ہوئے تو بادشاہ نے مصفاۃ الدوا شیخ الملک خاندان نالابہادر فتح جنگ خطاب عطا کیا۔ و تاریخ ہندوستان: ج ۳ ص ۲۱۷، ایک نے انگلستان واپس جا کر ہر فردی سنہ ۱۸۸۵ء کو انتقال کیا۔

(۷) گز بیڑ آت اند با وج ۱۳: ۱۶۱ میں سوچھ نام کے ایک قصیدہ کا ذکر ہے جو شہر قلعہ سے ۱۶ میل دور پھیر جانے والی شریک بردار تھی اور شخصیں و ضلع منٹھرا میں شامل ہے سنہ ۱۸۸۱ء میں ان کی آبادی ۲۶۱۴ نفوس پر مشتمل تھی باشندے کھاتے پیچھے اور صاحب حیثیت تھے، چیمتہ بازار اور چیمہ کی روکاروں کے سکانات جگہ جگہ نظر آتے تھے پیرادر منگل کو بازار بھی لگن تھا۔ اور ڈاکخانہ دو فوف قصبہ کے اندر تھے۔

اگر یہ دہی سو تک ہے جس کا میرزا صاحب نے ذکر کیا ہے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ سو ف نامی

کوئی برابر کا کاؤں تھا جو اس زمانے میں سونکھ کے نام کے ساتھ بولا جاتا تھا۔

(۸) نواب احمد بخش خاں کے لئے دیباچہ، خاندان سبھی ملاحظہ ہو۔

(۹) احمد بخش خاں کے جانشین سے نواب شمس الدین احمد خاں بہادر دلی فیروز پور مراد ہیں۔ دیگر۔

اہل خاندان کی طرح میرزا غالب بھی ان سے ناراض تھے، اکیلے ان کا نام نہیں لیا ہے محمد علاؤ الدین حلیب فرحت تخلص ساکن بمبئی کی ایک فلمی بیاض جامع مسجد بمبئی کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ: ”بیکے از نو اہاں دہلی کشنر دلی رکننت“

در عوض آن نواب را پھانسی دادند۔ کسی شاعر در تاریخ آدھفتہ است۔ خوب گفت در صنعت منقلب: کیا چرخ نے لابی سہراب کو اٹھا؟ ”نوابی سہراب“ را منقلب کنند ہارے ہاں“

می شنوند، میں نے کشنر دہلی کے قاتل نواب سے، میرزا شمس الدین احمد خاں بہادر کی طرت اشارہ خیال کیا تھا۔ مگر اس صورت میں ایک عدد کی پیشی ہوتی ہے، پس لئے۔

کہ نواب صاحب کو بھرات کے دن ۸ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو پھانسی دی گئی تھی، جو ۱۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۵۱ھ کے مطابق ہے۔ میرے والد کے تخلص دوست اور بچپن کے رفیق، پروفیسر فدائی خاں ایم اے مرحوم نے اپنی قواعد اردو (نسخہ خطی، مصنف، صلا، میں اپنے دادا

محمد مظفر خاں گرم رامپوری شاگرد دوستی (متوفی ۲۸۷ھ = ۱۸۸۷ء) کے متعلق لکھا ہے کہ

سنہ ۱۲۵۲ھ میں مصافات دہلی کے ردھامی سے نواب سہراب جنگ نامی ایک رئیس

کو بھرم بھنات پھانسی دی گئی تھی۔ اس سانحہ ردھامی فرسا کی تاریخ ذیل کے قطع میں

جودیت جیسے بالکل جدید پیرائے میں یوں رقم کی ہے۔

یہ دست درازی ستم کرنے بیاں ہو بے جرم و گنہ مسند نواب کو اٹا

تدخمسے میں نئی طرز سے لکھو، گرم کیا چرخ نے نوابی سہراب کو اٹا

میں نے تاریخ کی کتابوں میں مصافات دہلی کے کسی اور نواب کی بغاوت اور سزائے متعلق

تلاش کی مگر نام نہاں رہا۔ اس صورت میں یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ گرم مرحوم نے حسب عادت

شعر اس بے نظیر تاریخ میں ایک عدد کی پیشی گوارا کر لی اور پروفیسر صاحب نے نوابی سہراب

سے۔ نواب سہراب جنگ نام سمجھ کر بجائے نواب شمس الدین خاں کے ان سے قطع کو

متعلق کر دیا

یہ بات اور ظاہر کرنے کی ہے کہ ہجری تاریخ کا تقیم انڈیا فز کی ایک بیاض سے ہوتا ہے،

جس میں نواب شمس الدین احمد خاں کی پھانسی کے متعلق لکھا ہے: در بتاریخ ۱۳ یوم

پنجشنبہ ۱۲۵۱ھ جمادی الثانی نواب شمس الدین احمد خاں بہادر دلی فیروز پور مراد

انگیز آن را سولی دادند کہ برادر کشیدند یا (مکتوب جناب مختار الدین احمد صاحب آرزو

بنام عرضی) اس اقتباس سے آرزو صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نواب صاحب کے معاملہ میں

ایسے لوگ بھی تھے، جو انہیں بے گناہ اور بے قصور جانتے تھے

چونکہ مٹ فارسی میں نہیں ہے ۱۰ اور میرزا صاحب نے اس انگریزی لفظ کو

مصافات کیا تھا، اس لئے قواعد مصافات کی غلطی سے بچنے کی خاطر اسے فرس

کر لیا ہے۔

صفحہ ۹

(۱) بہادر شاہ، ہندوستان کے مثل فرماؤں کے آخری چشم چراغ تھے۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں لال قلعہ کے بادشاہ بنے سنہ ۱۸۵۷ء میں قوم پرستوں نے پوری دلی کا بادشاہ بنایا۔ بعد فتح دہلی الزام بغداد میں رنگوں کو جلا وطن کئے گئے۔ اور وہیں، نومبر سنہ ۱۸۶۲ء کو فوت ہوئے۔ میرزا صاحب نے ایک خط میں محمد راج کو لکھا ہے: "نومبر ۱۸۶۲ء جمادی الاول سال حال صے کے دن۔ ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ فہید فرنگ و قید جسم سے رہا ہے۔"

داروری: ۲۱۶۳

(۲) میرزا صاحب کے عہد میں دلی واسطے اسی طرح کہتے تھے۔ اس مجمع تلفظ پیش رواج پا گیا ہے (۳) حکیم غلام بخت خاں کو در شہنہ جمادی الاول سنہ ۱۲۷۷ھ کو لکھتے ہیں: "میاں" خلیفہ خاں اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اس تک جیتا ہوں۔ بھاگ نہیں گیا، نکالا نہیں گیا، لٹا نہیں، کسی جگہ میں بھی تک بلایا نہیں گیا، معرین باز پرس میں نہیں آیا۔ آئندہ دیکھ کر کیا ہوتا ہے۔

داروری: طبع لاہور: ۱۶۲

نقذہ کو تحریر کیا ہے: "میں حکیم محمد حسن خاں مرحوم کے مکان میں تو دس برس سے کرائے کو رہتا ہوں، اور یہاں قریب کیا دیوار بد دیوار ہیں گھر حکیموں کے، اور نوکر ہیں راجہ نند راجہ بہادر دوا پٹیا لکے راجہ صاحب نے صاحبان عالی شان سے عہد لیا تھا کہ بروقت فارغ ہو کر یہ لوگ بچ رہیں۔ چنانچہ بعد فتح راجہ کے سپاہی یہاں آ بیٹھے اور یہ کو جہ محفوظ رہا۔ وہ نہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں۔ مبالغہ نہ جاننا، امیر غریب سب نکل گئے جو وہ گئے تھے، وہ نکلے گئے۔ جاگیر دار، پنشن دار، دولت مند، اہل حرفہ کوئی بھی نہیں ہے۔ مفصل حالات کہتے ہوئے ڈرتا ہوں، ملازماں قلعہ پر شدت ہے، اور باز پرس اور وارڈ گیر میں مبتلا ہیں۔

مگر وہ نوکر جو اس ہنگام میں نوکر ہو گئے ہیں اور ہنگامے میں متحرک رہے ہیں۔ میں غریب شاعر دس برس سے تاریخ لکھنے اور شعر کی اصلاح دینے پر متعین ہوا ہوں خواہی اس کو نوکری سمجھو خواہی مزدوری جاؤ۔ اس نقذہ و آشوب میں کسی مصلحت سے میل نہ دخل نہیں دیا۔ حرف اشعار کی خدمت بجا لانا رہا اور نظر اپنی بیگناہی پر شہر سے نکل نہیں گیا۔ میرا شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میرے طرف بادشاہی دفتر میں سے باعجزوں کے بیان سے کوئی بات نہیں پائی گئی، لہذا طلہی نہیں ہوئی، ورنہ جہاں بڑے بڑے جاگیر دار بکے ہوئے یا پھڑے ہوئے آئے ہیں۔ میری کیا حقیقت تھی: غرض کہ اپنے مکان میں بیٹھا ہوں۔ دروازے سے باہر نہیں نکل سکتا۔ سوار ہونا اور کہیں جانا تو بہت بڑی بات ہے۔ وہاں کہ کوئی پاس آئے، شہر میں ہے کون۔ گھر کے گھر سے چراغ پڑے ہیں۔ مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں۔ جرنیلی بندوبست یا زوہم سئی سے آج تک یعنی شہنہ جمادی الاول سنہ ۱۸۵۷ء تک بدستور ہے۔ کچھ نیک و بد کا حال مجھ کو نہیں معلوم۔ بلکہ مہنور لیے امور کی طرف حکام کو تو جھکی نہیں۔

دیکھئے انجام کار کیا ہوتا ہے (۵۹: ایضاً)

شہنہ جمادی الاول ۱۸۵۸ء کو لکھا ہے: "بھائی میز حال یہ ہے کہ دفتر شاہی میں میرا نام مندرج نہیں نکلا۔ کسی جبر نے یہ نسبت میرے کوئی خبر بد خواہی کی نہیں دی۔ حکام دقت میرا شہر میں

ہونا جانتے ہیں۔ فاری نہیں ہوں۔ روپوش ہوں۔ بلایا نہیں گیا؛ داروگیر سے محفوظ ہوں کسی طرح کی باز پرس ہو تو بلایا جاؤں۔ مگر ہاں جیسا کہ بلایا نہیں گیا، خود بھی بردی کا نہیں آیا۔ کسی حاکم سے نہیں ملا اور خط کسی کو نہیں لکھا۔ کسی سے درخواست نہیں کی۔ مئی سے بیسن نہیں پایا۔ کہو یہ دس جیسے کیوں کر گزر رہے ہونگے۔ انجام کچھ نظر نہیں آتا کہ کیا ہوگا زندہ ہوں۔ مگر زندگی دباں ہے (۱۶۱ ایضاً: ۶۰)

جمعہ ۵ مارچ سنہ ۱۸۵۸ء کو لکھا ہے: "حاکم اکبر نے آکر کوئی تیلندہ رست باری نہیں کیا یہ صاحب میرے آشنائی قدیم ہیں۔ مگر میں مل نہیں سکتا۔ خط بھیج دیا ہے۔ ہنوز کچھ جواب نہیں آیا" (۱۶۲ ایضاً: ۶۲)

(۱) اپریل سنہ ۱۸۵۸ء میں حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں: "ہنس کی درخواست دے رکھی ہے، بشرط اجراء بھی میرا کیا گزر رہا ہے ہاں دوبار نہیں ایک نوید کہ میری صفائی اور بے گناہی کی دلیل ہے۔ دوسرے یہ کہ موافق قول غلام: چہ لے دلہن ہو گا" (خطوط: ۲۲۱) شنبہ ۵ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء کو حکیم حسن اللہ خاں کے اپنے مکان میں آجائے کا تذکرہ کر کے خود اپنے تعلق فقر کو لکھتے ہیں: "رہا میں غنوی کی وغیرہ، ترا کہ پیردہ۔ نہ جانا نہ سنا، نہ غریب نہ آفریں، نہ عدل نہ ظلم، نہ لطف نہ قہر" (اردو: طبع لاہور، ۱۰)

(۴) فقر کے نام کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مارچ ۱۸۵۸ء سے قبل میرزا صاحب نے تحریری راہ و رسم پیدا کرنے کی سعی شروع کر دی تھی (اردو: طبع لاہور، ۲۰)

(۵) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اردو: ۵

(۶) زمین الیادین خاں بہادر کے لئے وہ نوٹ ملاحظہ ہو، جو ان کے نام کے خطوط سے قبل مندرج ہے۔

(۷) نواب سید عبداللہ خاں بہادر ابن نواب سید غلام محمد خاں بہادر، نواب فردوس مکاں کے

چچا تھے۔ اپنے والد ماجد کی شکست پر راہپور چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ بچپن کھنڈ میں گزارا۔ جہان ہو کر گورنمنٹ کی ملازمت کی، اور اپنی لیاقت کی بدولت صدر الصدور کے عہدے تک پہنچے۔

مرشد زادہ آفاق میرزا محمد شاہرخت بہادر کی زوجہ ان کی قرابت دار تھیں اس وجہ سے لال

قلعے سے بھی تعلقات تھے۔ (بہادر شاہ کار و زنا مجید: ۸۲) عرصے تک میرٹھ کے صدر

الصدور رہے تھے۔ پیشن کے بعد وہیں تو من انقلیا کر لیا۔ سنہ ۱۸۷۳ء میں عمر میں بجا رفت

سنہ ۱۳۷۴ھ کو رحلت فرمائی، اور درگاہ چشتی پہلوان میں مدفون ہوئے۔ شعر و سخن بھی

دیکھی تھی، میرزا غالب، مفتی صدر الدین خاں آرزو اور حکیم مومن خاں وغیرہ جیسے ذی علم

اور صاحبانِ ذوق سے پر خوص تعلقات تھے، میرزا غالب کا ان کے نام جو خطیج آہنگ

میں چھپ چکا ہے، اس سے باہمی تعلقات پر عارضی روشنی پڑتی ہے۔ انتخاب یادگار (۱۳۱)

میں ان کا یہ شعر مندرج ہے۔

مختصر تجھ پر شفا دست ہے، بھلا جائیں کہاں: اسے شفیع عاصیاں، ہم نیز داناں چھو کر

(۸) سید اعظمی خاں مرحوم نواب سید عبداللہ خاں بہادر کے صاحبزادے اور نواب فردوس مکاں

کے چچا زاد بھائی تھے۔ انتخاب یادگار (ص ۲۵) میں لکھا ہے: "شاعر غرض مذاق ہیں

آفرینش مضامین عاشقانہ میں ملتا ہے۔ مومن خاں صاحب ہوی کے شاگرد و شاگرد کا لائق

قابل شہید۔ ۲۸ برس کی عمر پائی۔ بارہویں رجب کو بارہ سو تترہ ہجری تھے کہ عارضہ خناق میں مبتلا ہو کر میرٹھ میں رحلت پائی، وہاں سے جنازہ ان کا دہلی کو لایا گیا، اور درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ میں دفن ہوئے، ایسی سند خزانہ حادہ راج (ص ۳۲) میں مندرج ہے۔ لیکن ادارہ انشاد کی مراسلت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سنہ ۱۲۳۵ھ میں انتقال کیا تھا۔ ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔

(۹) نواب سید عبدالرحمن خاں بہادر، نواب سید غلام محمد خاں بہادر کے صاحبزادے اور نواب فردوس مکان کے چچا تھے۔ جنگ دوجوڑ کے بعد اپنے بھائیوں کے ساتھ یہ بھی رامپور چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور نواب سید محمد سعید خاں بہادر کی تخت نشینی تک دہلی اور میرٹھ وغیرہ مقامات پر رہے۔ بعد ازاں نواب صاحب کے ساتھ رامپور آئے اور قدیم تنخواہ میں مقبول اضافہ پا کر یہیں مقیم ہو گئے۔ ۱۱ اگست سنہ ۱۸۵۶ء کو نارنگی انتقال اور دفن رامپور ہوئے۔ ۱ پر داتاہ بنام جائی پر شاد ہو کر ۲۴ اگست ۱۸۵۶ء بمطابق ۱۱ اگست ۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۱ اگست ۱۲۷۵ھ

صفحہ ۱۰

(۱) میرزا صاحب نے "بلی ماہ" لکھ دیا ہے چونکہ خود انہوں نے متعدد خطوں میں اس محلے کا نام بلی مارا لکھا ہے اور آج تک چر دہلی وغیرہ ہوی نے اسے بلی مارا ہی کہا اور لکھا ہے اس لئے سہو قلم یقین کرتے ہوئے متن میں تصحیح کر دی گئی ہے۔
(۲) یہ عربی کا ایک مرکب ہے جس کے معنی ہیں "اس کا" کسی کی نظم و نثر کا کوئی نمونہ نقل کرینے کے بعد پھر اسی کی کچھ عبارت نقل کرتے ہیں تو اس کے شروع میں "وہ" لکھ دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ بھی سابق الذکر ہی سے تعلق رکھتی ہے۔

(۳) اگر میرزا صاحب کے تحقیق کو صحیح مانا جائے تو انھیں سنہ ۱۸۴۹ء یا ۱۸۵۰ء سے ملکہ ماران میں مقیم ہونا چاہیے۔ مجروح کے نام کے خط میں سنہ ۱۸۵۰ء کی تصریح موجود ہے اس لئے بظاہر یہ ہی سنہ درست معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں "..... لکھ" (مدالہ خاں پسند آمد ۱۸۵۰ء سے حکیم پٹیلے والے کے بھائی کی جو بلی میں رہتا ہے ۱۸۴۵ء اور ۱۸۴۶ء) لیکن آفتہ کو ۲ مارچ سنہ ۱۸۵۲ء کو لکھا ہے کہ اس کے صاحب کے مکان سے آٹھ آیا ہوں اور بلی ماران میں ایک بولی کر ایہ بریکر اس میں رہتا ہوں (غالب: ۳۳) آفتہ سے ان کی مراسلت برابر رہتی تھی۔ اس لئے انتقال مکان کے چند دن بعد ہی یہ اطلاع دینا چاہیے میرزا صاحب نے شاہ امیر الدین عورت کے صاحب کے سنہ ۱۲۶۸ھ میں انتقال کے بعد ان کا مکان چھوڑا تھا۔ (دبائع: ۱۰۱، الف) شاہ صاحب نے سنہ ۱۲۶۸ھ و دسمبر ۱۸۵۱ء مطابق ۱۵ صفر ۱۲۶۸ھ کو انتقال کیا ہے اور دواخبار شمارہ ۵۰ ج ۱۳ سورہ ۱۲ دسمبر ۲۰ صفر، لہذا میرزا صاحب کو ۹ دسمبر سنہ ۱۸۵۱ء اور ۲۲ رجب سنہ ۱۲۶۸ھ کے درمیان مذکور مکان کی سکونت ترک کرنا چاہیے۔

(۴) اس خط میں القاب کے ختم ہوتے ہی آٹھ سطریں مطالب شروع کر دیے ہیں۔
(۵) اس چار جزو کے رسالے سے "سنو" مراد ہے جیسا کہ عربیہ کے آخر میں اس کے نام کی تصریح سے ظاہر ہوتا ہے۔ کتاب خانے میں یہ نسخہ اب تک محفوظ ہے کہ اور اسی کتاب کا نوٹ

ہے جس نے دیوان اردو کا وہ خوش خط نسخہ نقل کیا ہے جو میرزا صاحب کی طرف سے ۱۲۵۸ء کی کسی ابتدائی تاریخ میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے حاشیوں پر میرزا صاحب نے اپنے قلم سے مشکل نغظوں کے معانی لکھے ہیں۔
کتاب خانے میں ایک مطبوعہ نسخہ بھی ہے جو سنہ ۱۰۶۵ء میں لٹری سوسائٹی بریلی مطبع میں چھپا تھا۔ اس کے صفحات ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ اور ۵۵ کے حواشی پر بھی میرزا صاحب کے قلم کے معانی درج ہیں۔

صفحہ ۱۱

- (۱) یہ شاعری اعلان واقعات دار الحکومت دہلی: ۱۳۸۱ء میں مندرجہ ہے۔
- (۲) درہل میرزا صاحب حکام انگریزی کی نظر میں شاہ ظفر کے سکے کے لئے شاعر کہہ رہے تھے۔ غلام میرزا صاحب کے متعدد خطوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ستر دربار ہر دی کو لکھے ہیں "سکے کا وار تو مجھ پر آیا چلا جیسے کوئی چھرا یا گراپ۔ کس سے کہوں، کس کو گواہ لاؤں؟..." ذوق نے یہ دیکھ کر گزرا نہ بادشاہ نے پسند کئے۔ مولوی محمد باقر... نے دلی اردو اخبار میں یہ دونوں کے چھاپے۔ اس سے علاوہ لوگ موجود ہیں، جنہوں نے اس زمانے میں مرشد آباد اور کلکتہ میں یہ سکے سنے ہیں اور ان کو یاد ہیں۔ اب یہ دونوں سرکار کے نزدیک میرے کے ہوئے۔ اور گزرا نہ ہوئے ثابت ہوئے۔ میں نے ہر چند ظفر ہند میں دلی اردو اخبار کا پرچہ دھونڈ لیا، کہیں ہاتھ نہ آیا۔ یہ دھبہ مجھ پر ہا۔ بیسن بھی گیا اور وہ ریاست کا نام دشتان خلعت و دربار بھی تھا! اردو: ۱۰۲ عود
- یوسف میرزا کو تحریر کیا ہے، "میں نے سکے نہیں کہا۔ اگر کہا، تو بڑی جان اور حرمت بچانے کو کہا۔ یہ گناہ نہیں ہے۔ اور اگر گناہ بھی ہے، تو کیا ایسا سنگین ہے کہ مجھے عظیم کا شہنشاہ بھی لے نہ مٹا سکے؟ سبحان اللہ! گولہ انداز کا بارود بنانا، اور توپیں لگانا اور بنک گھرا اور میگزین کا لوٹنا معاف ہو جائے اور شاعر کے دوسرے معاف نہ ہوں! اردو: ۱۰۲
- (۳) میرزا صاحب نے لفظ ساریٹیکٹ میں پہلی "ٹ" کو "ت" تحریر کیا ہے۔ یہ ملحوظ ہے کہ ساریٹیکٹ سے میرزا صاحب کی مراد وہ دو خط ہیں جو قصیدے اور عرض داشت کی رسید اور ان کی وفاداری کے اعتراف میں دو گورنر جنرلوں نے انھیں بھیجے تھے۔
- (۴) اصل میں المقاب کے بعد اسی سطر سے مطالب شروع کر دیئے گئے ہیں۔
- (۵) نواب فردوس سکال نے عراقی مودعہ، نومبر ۱۹۰۷ء نمبر کے جواب میں تحریر فرمایا: "ملاحظہ صحیفہ نلطفت طراز، اولیٰں حادثی حالات نہ ملنے زور لیکیں آپ کے، اور دوسرا مورخہ اٹھارویں ماہ نومبر سنہ حالی مشعر نوید خیریت مزاج دہاج کے، متواتر رنگ افزو ویر چہرہ وصول نشا نشوول کا ہوا۔ اور ادب مرثیہ مندرجہ کے سرور اور مطلع فرمایا۔ منتقیا، جو کہ غزل کو اشتیاق حصول معانقہ اور مکالمہ آپ کا بدرجہ کمال ہے، اور اب تشریف آوری آپ کی اس جگہ مناسب ہے، اس واسطے حوالہ خاتمہ بحث نگار کے ہوتا ہے کہ آپ دیلور ناقص الانوار لیتے سے تخلص کو سرور فرمائیے، اور نقطہ مزاحوی مبلغ دوسو بیس روپے کا واسطے مصالحت خدام آپ کے بلعت و قیمتہ الوداد و نزلہ کرل ہے۔ قبول فرمائیے۔ مگر آنکہ چند غزل نیز نسخہ اصلاح مرسل ہیں۔ بعد ملاحظہ کے آپس ہوں فقط

۱۰۔ اربعہ انتہائی سنہ ۱۲۷۵ھ بمطابق ۲۵ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء کو عربیہ نمبر ۱۱ ہندوی کی سید اور راجپور نہ آنے کے حذر پر مشتمل ہے۔

۱۱۔ اصل: روپیہ۔ میرزا صاحب سے یہ روپیہ اور جگہوں پر بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے جہاں کہیں مفرد کا قریہ نہیں پایا، وہاں ایسی جمع لکھ کر حواشی میں بار بار حوالہ دینا مناسب نہیں جہاں اہل تحقیق پہلے ایڈیشنوں سے مقابلہ کر کے ان تمام مقامات کا تعین کر سکتے ہیں۔

۱۲۔ یہاں میرزا صاحب نے ۱۲ کا ہندسہ لکھا ہے، جو لفظ کا عدد ہے اور فل اسٹاپ کی جگہ مستقل ٹھکانے کے استعمال کی جو توجہ انھوں نے کی ہے، وہ بحوث، اطلاق، علامات، اوقات، میں مدح ہے۔ آج کل مفرد کا ہونے کی وجہ سے یہاں اور دوسرے مقامات پر اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۲

۱۱۔ نواب فردوس مکاں کے مسودہ فرمان میں یہ مضمون تحریر نہیں۔ ممکن ہے کہ بیضی میں بنے قلم سے اضافہ کر دیا ہو یا کوئی اور تحریر اس کے علاوہ بھی لگی ہو۔

۱۲۔ نواب مرزا خاں داسع تخلص نواب شمس الدین اللہ خاں بہادر دلی فیروز پور جگہ مراد ہیں نواب فردوس مکاں کے عہد میں اپنی پھوپھی عہدہ خاتم کے توسط سے ابتداً راجپور و انعام دہلیا اور بعد ازاں ملازم سرکار ہونے۔ نواب غلام آغا خاں کے عہد میں سورہے ماہور پر بسطیل اور فراش غانے کے داروغہ بنائے گئے۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد رام پور کی بزم علم ادب منتشر ہوئی توجید آباد جا کر حضور نظام مرحوم کے استاد مقرر ہوئے اور وہیں سنہ ۱۳۳۳ھ و ۱۶۰۵ء میں انتقال کیا۔ مرزا داغ کو شہر و سخن سے فطری لگاؤ تھا۔ شیخ ابراہیم ذوق دہلوی سے کلام پر اصلاح لی تھی، اور راجپور میں شعرائے دہلی کے کامیابا نامندے شمار ہوتے تھے۔

۱۳۔ اس بزم آراء کی کمال معلوم نہ ہو سکا۔ بعید نہیں کہ آتش فتنہ وفادے کے سر دہڑ جانے کی خوشی منائی گئی ہو۔

۱۴۔ آمدہ کی جگہ آمد کا استعمال سب قلم معلوم ہوتا ہے۔

۱۵۔ جناب عالیہ، نواب فردوس مکاں کی والدہ محترمہ فتح النساء بیگم کا لقب تھا، جو نواب سید فیض اللہ خاں بہادر کے بھائی محمد نور خاں ولد محمد شاہ خاں بڑا بیچ کی صاحبزادی ہیں رگشن فتنہ قلمی، ذکر نواب فردوس مکاں، اخبار الصنادید، ۲۱، ۲۲، ۲۳

۱۶۔ دیکھو حاشیہ ۹ صفحہ ۹

صفحہ ۱۳

۱۱۔ عربیہ نمبر ۱۱ ہندوی سنہ ۱۸۵۹ء سے قبل لکھا گیا ہوگا، کیونکہ اس تاریخ کے زمان میں سرکار نے لکھا ہے: "تلفظہ صحیفہ آپ کا ہادی"۔ نہ ہونے حکم نسبت مقدمہ فشن کے پیش نگاہ حکام سے۔۔۔۔۔ عین انتظار میں سرکار کٹر عیون وصول فرحت شول کا ہوا۔

۱۲۔ یہاں میرزا صاحب نے روانا الف کے ساتھ لکھا ہے، چونکہ مکتوب نمبر ۹ وغیرہ میں انہوں نے روانہ لکھا ہے اور صحیح بھی یہی ہے، اس لیے ہر جگہ کے ساتھ لکھا دیا گیا ہے۔

(۳) لفافے پر، ۱ اپریل ۱۸۵۹ء تحریر ہے۔
(۴) نواب فردوس مکاں کا حوالہ بالا خط حسب ذیل ہے: ... حال تشریف آوری آپ کا اس طرف کو ابھی تک سامعہ نواز نہیں ہوا، اور ولی صفا منہرل مشتاق اور منتظر دریافت سرور ملاقات کہے۔ اس واسطے حوالہ خامہ اتحاد نگار کے ہوتا ہے کہ آپ براہ عنایت کے نوید تشریف فرما ہی اس وقت سے کہ کب تک ممکن الوقوع ہے، مطلع اور مطمئن فرمائیے۔

۹ رمضان سنہ ۱۲۷۵ھ، ۱۲ اپریل سنہ ۱۸۵۹ء
(۵) لارڈ کیننگ پہلے ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے گورنر جبرل اور سنہ ۱۸۵۸ء میں پہلے والٹر کے بنائے گئے۔ غدر انہیں کے عہد حکومت میں رونما ہوا۔ حکومت اودھ کی مکمل قبضگی بھی اسی عہد کا واقعہ ہے۔ مارچ سنہ ۱۸۷۶ء میں انگلستان واپس گئے، اور ۱ جون سنہ ۱۸۷۶ء کو وہیں فوت ہوئے۔ اپنے عزم استقلال، تدبیر اور خوبی انتظام کی بدولت انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔

صفحہ ۱۴

(۱) اس عربیہ کے جواب میں نواب فردوس مکاں نے تحریر فرمایا: سابق اس سے دو قطعہ تعلق معینہ ملانیت افزا آپ کے، اول مشعر مرانہ تعزیت رحلت جناب والدہ متا منظرہ کے اس جہان فانی سے، اور دوسرا بانتظار جواب اور قطعہ تاریخ رحلت جناب ہونے کے متوازدصول ہوئے۔ سبحان اللہ! کیا عمدہ تاریخ آپ نے تصنیف فرمائی ہے کہ الفاظ جامع مختصر ہیں اور تعبیر بطر نادر اور بے تکلف ہے۔

صفحہ ۱۵

(۱) فردوس مکاں کے ۲۹ صفر سنہ ۱۲۷۹ھ، ۸ ستمبر سنہ ۱۸۵۹ء کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے ان کے سفر انگلستان کے متعلق استفسار کیا تھا۔ نواب صاحب نے جواب میں لکھا: "مشفقاً، جو آپ نے نسبت عزیمت مخلص کے قسمت انگلستان استفسار فرمایا ہے، حال یہ ہے کہ فی الحقیقت ارادہ مخلص کا جانے انگلستان کو معصم ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی زمانہ جانے کا مقرر نہیں ہوا ہے۔ اس واسطے حوالہ خامہ اتحاد نگار کے ہوتا ہے کہ جس وقت زمانہ جانے والا بیت کا قرار پا دیگا، آپ کو پیشتر سے اس خصوص میں اطلاع دی جاوے گی۔ میرزا صاحب کا چودہواں عربیہ اسی فرمان کا جواب ہے۔ نواب صاحب کا یہ سفر ملکہ وکٹوریہ سے صلہ خدمات غدر پالے کے سلسلہ میں ہونے والا تھا، جو اس وجہ سے ملتوی ہو گیا کہ گورنمنٹ نے خود گورنر جبرل کے ہاتھوں خلعت وغیرہ دینا مناسب خیال کیا، چنانچہ فتح گڑھ میں یہ دہار منعقد ہوا، جس میں فردوس مکاں بھی شریک ہوئے۔ درباری تفصیل عربیہ بعد کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب کے اس عربیہ کا آخری حصہ بھٹ گیا ہے۔ اس نے لفافے سے تاریخ نقل کی جاتی ہے۔
(۳) لمبروی انگریزی لفظ غبر ہے۔ پرانے لوگ لون کی جگہ لام بولتے تھے۔ میرزا صاحب بھی انہیں میں کے ہیں، چنانچہ آپسے شاہزادہ بیدار بخت کے سہرے میں بھی لکھا ہے کہ: کچھ کوڈ رہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا۔

(۳۱) سات پارچوں کی تفصیل عربیہ نمبر ۹ میں ملاحظہ ہو۔ جیہہ، جو ترکی لفظ ہے، ایک مرصع زیور کا نام ہے جسے پگڑی پر باندھتے ہیں۔ یہ عمل کی پانچ لابی اور ۲ پانچ چوڑی پٹی ہوتی ہے اس پر زونہ کا بننایت عمدہ کام بننا ہوتا ہے اور سونے کی ایک پتھر جس پر جو اہر جڑے ہوتے ہیں اس پر بھی ہوتی ہے۔ سر پتھ (جسے سریش بھی کہتے ہیں) سونے، چاندی یا ہیرے موتی کا ایک زیور ہوتا ہے جسے پگڑی میں منہ کے رخ پر باندھتے ہیں بعض اوقات اس میں سونے کی چوکر پتھر چھتی ہیں، جو آپس میں بندھی ہوتی ہیں اور ہر ایک میں قیمتی پتھر جڑے ہوتے ہیں۔

(۳۵) لارڈ ہارڈنگ صاحب ہندوستان کے گورنر جنرل تھے سنہ ۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے جولائی سنہ ۱۸۴۲ء سے جنوری سنہ ۱۸۴۸ء تک گورنر جنرل اور سنہ ۱۸۵۲ء سے سنہ ۱۸۵۴ء تک کمانڈر انچیف رہ کر اسی سال کے ستمبر میں فوت ہو گئے۔ سکھوں کی لڑائی میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ انتظام مملکت میں مفید اصلاحات نافذ کیں۔ جگہ جگہ سکول قائم کئے۔ ریلوے لائنیں بنائی گئیں۔ اضافہ کیا، اور آوارگی عام تعطیل مقرر کی۔ اس کے جلں دربار میں میرزا صاحب سنے طلعت ہفت پارچہ اور یلڈن رئیس جو اہر کی پائی تھیں، وہ اس اخبار بھی امور غفر ۱۹ ذی الحجۃ ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۸۴۵ء شمارہ ۵۱ جلد ۲، اور بہادر شاہ کے ردنا بچہ اس ۳۸ کے مطابق ۱۹ دسمبر سنہ ۱۸۴۵ء کو دہلی میں منعقد ہوا تھا۔ ان دونوں حوالوں میں شہر کا کی نہرست بھی شائع ہوئی ہے اگر اس کے اعداد ترتیب کو ظاہر کرتے ہیں، تو میرزا صاحب کا نمبر پڑھو! ہونے کے سبب ان کا یہ بیان کلی نظر رہے گا کہ "دہلی صفت میں دسواں المیزان مقرر ہے۔"

(۳۶) لارڈ ڈیوڈی سنہ ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے سنہ ۱۸۴۴ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل مقرر کئے گئے، اور ۱۲ جنوری سنہ ۱۸۴۸ء کو اس عہدے کا حاتمہ لیا۔ انھوں نے سکھوں کو زیر کر کے سنہ ۱۸۴۹ء میں پنجاب کا الحاق کیا۔ ریل کے ٹکے میں سنے ضابطے نافذ کئے اور سولوں کے درمیان تار پتی کا سلسلہ قائم کیا۔ شاہی ڈاکخانے کا سطر بھی انھیں کا رہیں منسٹری محکمہ امور عامہ، جیل، جنگلات، پیمائش، اور محکمہ تعلیمات قائم کیا۔ مجلس قانون ساز کا از سر نو انتظام کر کے نئے وسعت دی برما پر حملہ کیا، اور خائن قلات اور امیر افغانستان سے معاہدے مرتب کئے۔ صوبہ ہزار فوجی مصارف کے لئے حاصل کیا۔ ان کے ماتھوں بہت سی دیسی ریاستوں کا خاتمہ ہوا ہے۔ حادثہ، ندی، ذمہ داری بھی انھیں کے کاندھوں پر رکھی جاتی ہے۔ ان کے سوانح کا خلاصہ "فتح، استحکام اور ترقی" ہے ڈیوڈی لندن داپس جا کر سنہ ۱۸۶۰ء میں امسے اور وہیں دفن ہوئے۔ میرزا اسانص کا یہ کہنا سہو پر مبنی ہے کہ لارڈ ڈیوڈی یہاں نہیں آئے وہ یہ ہے کہ اخبار فوائد ان نظریں دشمارہ ۲۲، ۱۸۶۱ء مورخہ ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۸۶۱ء میں پہلے یہ اطلاع شائع ہوئی کہ لارڈ ڈیوڈی ۱۲ دین نومبر کو دہلی آئیں گے۔ بعد ازاں ۲۳ نومبر کے پہلے ہیں جسکا شمارہ مسلسل ۱۱ اخبار دہلی کے ماتحت لکھا گیا کہ کل کے دن ۲۱ دین تاریخ ماہ نومبر کو گورنر جنرل لارڈ ڈیوڈی صاحب کو ام القیار، قریب ۱۱ بجے کے دہلی داخل ہوئے اور سلاپی ہوئی

اور کوٹلی سرطاس سنگت صاحب بہادر میں اتنے۔ خبر ہے کہ لارڈ صاحب موصوف
۲۲ دین تاریخ ماہ حال کو، یعنی آج وقت شام کے دہائے روانا ہوں گے، اس شہر
کے بعد صرف دہلی میں دربار کا انعقاد ریحٹ آسکتا ہے۔ بظاہر یہ واقعہ ہے کہ ڈپٹی
نے دہلی میں دربار نہیں کیا، تو ان کی آمد ایک معمولی واقعہ رہی جسے یاد رکھنے کی میرزا صاحب
کو کیا ضرورت تھی۔ اسی سبب انھیں یہ خیال گزرا کہ لارڈ ڈپٹی نے دہلی نہیں آئے۔

(۷) لارڈ کیننگ بہادر دائرہ کے مراد ہیں۔

(۸) سکرنز، انگریزی لفظ سکرٹری کا سورد ہے۔ آگے چل کر بول چال میں پہلی رد، "بھی" میں
تبدیل ہو گئی اور لوگ "سکتر" کہنے لگے۔

(۹) ایڈمنٹن صاحب ۱۸۱۲ء میں پیدا ہوئے سنہ ۱۸۳۱ء میں ضلع شمال و غرب میں تقرر
ہوا۔ سٹیج کی فتح کے بعد وہاں کی ریاستوں کے کسٹرن بنائے گئے سنہ ۱۸۵۳ء میں پنجاب کسٹرن مقرر
ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۶ء تک حکومت ہند کے نائن سکرٹری اور جنوری سنہ ۱۸۵۹ء سے فروری سنہ ۱۸۶۳ء
تک مالک مغربی و شمالی کے گورنر رہے جنھوں نے ۲۴ ستمبر سنہ ۱۸۶۴ء کو انتقال کیا۔

صفحہ ۱۶

(۱) یہ فارسی کے محاورہ "بہم زدن" کا ترجمہ ہے

(۲) عرقی کا نام جمال الدین تھو اور وطن شیراز ہے۔ ہندوستان آکر حکیم ابو الفتح شیرازی اور
عبدالرحیم خان خاناں سے وابستہ رہا۔ خانخاناں نے دربار اکبری میں اقرب کر کے شاہزادہ
سلیم کا اتالیق مقرر کرادیا۔ ۹۹۹ء میں خانخاناں کے ساتھ ہم سندھ پہرہ لاندہ ہوا تھا کہ
شوال میں بمقام لاہور ۳۹ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس کے کلام میں شوکت اور جوش بہت

(۳) نواب فردوس مکان نے جو "تحریر فرمایا،" مستحقاً بہ کام ملاقات کے اکثر بعض صاحبان
بہادر دیشان سے تذکار کا اوصاف ذاتی اور صفاتی آپ کا عمل میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
کے فضل اور قدر ذاتی سرکار دولتمدار سے یقیناً واقف ہے کہ جو مدارج شریف آپ کے
قدیم سے ہیں، چنگاہ گوشت بہادر سے بھی اسم کے مطابق ظہور میں آئے گا، کس واسطے
کہ ابالی سرکار ابد قرار قدر دان و قدر شناس ہیں۔

(۴) کورٹ آف ڈائنر کٹز مراد ہے سنہ ۱۷۰۸ء میں بمقام انگلینڈ ایک کچری مالکوں کی واسطے
نگرانی کاروبار ہندوستان کے مقرر ہوئی۔ لقب اس کا کورٹ آف پریزیڈنٹس مقرر ہوا
اس لئے کہ ہندی کچری کے کاروبار کے لئے اچھے شخص منتخب کریں اور ترکیب اور ترتیب
قدون کی کریں۔ دوسری ایک کچری اسی مقرر ہوئی جو ہند کے جملہ کاروبار کے واسطے رہنمائی
کرتی تھی۔ اس میں پہلا آدمی تھے ان کا لقب کورٹ آف ڈائنر کٹز ہوا۔ اس زمانے تک بادشاہ انگلستان
کو کاروبار ہند میں مداخلت نہ تھی۔ صاحبان کچری مطابق حکم اور حقوق مندرجہ فرمان بادشاہی کے
کام کرتے تھے۔ تاہم سلطنت انگلینڈ: ۵، مطبع خورشید ہند، مراد آباد ۱۸۶۷ء کچری کی جماعت
میں بہت لوگ ہیں۔ لیکن ان کی ۲۴ ناظم مناظم امورات ہیں۔ ان کی منظور کیے بدون کسی اصرار
کی تجویز قطعی نہیں ہوتی، اور انہیں کو کورٹ آف ڈائنر کٹز بولتے ہیں۔ یہ حکام انھیں کے

حضور سے مقرر ہوتے ہیں۔ مگر گورنر یعنی مدارالمہام اور کمانڈر انچیف یعنی سپہ سالار کے نصب کرنے میں سپنڈو منظوری تخت نشین سلطنت کی لازم ہے، تاہم سپنڈو سالار کے ۱۰۹ مطیع نورالابصار ۱۸۵۷ء یکم نومبر سنہ ۱۸۵۸ء کے ملکہ معظمہ و گورنر کے اعلان کے ذریعے گورنر جنرل کو دایرہ کے یعنی نائب سلطنت کے لقب سے موسوم کیا گیا۔ اور کینی سے عنایت حکومت کے گورنر براہ راست تاج برطانیہ سے ملکیت ہندوستان کا تعلق گردایا گیا یعنی لارڈ کیننگ ایسٹ انڈیا کمپنی کے آخر گورنر جنرل اور ملکہ کے اول دیس پر تھے (تاریخ سلطنت انگلشیہ ذکار الدراج ۱۲۱۱۲)

(۵) نواب سید محمد کلب علی خاں بہادر خلد استیاء مراد ہیں۔

(۶) میرزا صاحب نے اس عریضے میں جس دفعے کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اخبار الصنادید (۲) ۹۷-۱۱۰ کے مطابق حسب ذیل ہے۔

”لارڈ کیننگ صاحب بہادر گورنر جنرل نے ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۵۵ء مطابق ۲۳ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۶ھ کو مقام فتح گڑھ میں ایک عالی شان دربار منعقد فرمایا۔ اس دربار میں بہت سے دیہی و سادات و بہت سے یورپین معزز حکام خصوصاً کمانڈر انچیف صاحب شریک تھے۔ ۱۰۰۰ دربار عام میں گورنر جنرل نے نواب فردوس مکال سے مخاطب ہو کر کہا: ”محبو بڑی خوشی اس بات کی کہ آپ نے ان خدمات کے عوض جو آپ نے ملکہ معظمہ کی کس خدمت آپ کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملا۔ آپ اپنی ذات خاں سے زمانہ غدر میں نہایت مستند اور صادق رہے، اور آپ نے باوجود خوف جان و ریاست کے گرد و نواح میں نہایت شقت اور مسند کی سے حکومت برقرار رکھی اور ملکہ معظمہ کے افسروں کی بظہر امکان بخوبی کی سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے ایک مجمع کثیر جم قوم ملکہ معظمہ کی جانب سے بچاؤ میں۔ ان کو سب آفتوں سے محفوظ رکھا، اور ان کو ہر طرح کی آرائش دی، حالانکہ وہ زمانہ چاروں طرف خوف سے گھر ہوا تھا۔ میں بڑی خوشی سے یہ دیکھ رہا ہوں کہ سالانہ افواج ہند ملکہ معظمہ اور بہت سے معزز افسر اور حاکمان ملکی سے جو گرد و نواح اور دیگر مقامات ہندوستان میں عہدہ عالیہ جلیلہ پر منصوب ہیں۔ آپ کے خیر خدمات کا اقرار کرتا ہوں، یہ کہ یقین ہے کہ آپ کی کارگزاریوں کو لوگ ہرگز نہ بھولیں گے۔“

اس دربار میں گورنر جنرل نے نواب فردوس مکال کو بین ہزار روپے کی خلیت عطا کیا۔ امداد سلائی کے فریاد کے بجائے نیرہ مقرر ہوئے۔ علاوہ اس کے فرزند دہسیر

کا خطاب عنایت ہوا۔ القاب و آداب ان الفاظ کے ساتھ قرار پایا:

”نواب صاحب مشفق لبیا بہر بان کرم ذریای مخلصان سلامت“

بعد ازاں ۲۵ نومبر ۱۸۵۹ء کو گورنر جنرل بہادر کے سکریٹری نے گورنر جنرل ممالک مغربی و شمالی کے سکریٹری کے نام حسب ارشاد گورنر جنرل بہادر ایک خط لکھا اس خط کی دفعہ میں تحریر تھا: ”گورنر جنرل نے...“

نواب صاحب کو مطلع کیا کہ ان کی مستحکم وفاداری اور علی درجے کی امداد کے سبب جو آٹھوں نے گورنر جنرل کو دی ہے، ان کو پرگنہ کا شہر پور

ضلع مراد آباد جس کی تہ جمع ایک لاکھ چار ہزار چار سو روپے سالانہ ہے، معافی میں بخشا ہے جس کو وہ اور ان کے وارث اپنی جاگیر کے ایک ٹکڑے کے طور پر اپنے قبضے میں رکھیں۔ بعد ازاں ضلع بریلی کے شمال سے جنوب کی جانب ایک پٹی دہلی کی طرح کا لٹا علاقہ، جو ۱۲۶ مواعضات جمعی ایک لاکھ ۲۸ ہزار ۵ سو روپے آگے پڑا تھا ہے، ۲۳ جون ۱۸۶۱ء کے مورخہ عہد نامے کی رو سے ہمیشہ کے لئے عطا چودا عہد نامہ جات، ۱۰۰، ۲۰، اس عیلے کی تہنیت میں میرزا صاحب نے نواب فردوس سکاں کو لکھا

ای، نگہ خود بہر پھی پیر وری مرا	از غیب، مزد کار تو اجر عظیم باد
رای تو در زمانہ، بامضای کار با	با اہتمام سہم سعادت سہیم باد
در صبح دولت تو، نگہای رنگ تلک	داعلم مشام و ہر رہن شہیم باد
آں دم کہ مرع را بانثر زندہ ساختی	در بارش طالع تو، بجای شہیم باد
پاشند آب، گر بہر بہت ہر رخ کرد	ہر قطرہ زان، نمونہ در عیم باد
ہر صیغہ کہ وضع دی از ہر اہرست	فارغ ز رنگ زحمت تقدیم باد
گر بہر خویش نیز دعائی کنم چہ پاک	این لغتہ ہم گزیدہ طبع سلیم باد
آزادہ ام، خلوص و ناشیوہ من بہت	را ہم درای مسلک امید و عیم باد
چوں ہر دہی کہ بر منط جادہ رود	پہوشتہ میر من بخت مستقیم باد
مانند فیکر من، رخ بخت تو دلفروز	مانند ملک من، دل دشمن ددیم باد
پاہنہ، زمان و مکالمہ نیست اور مند	گر خود رود و کعبہ بریں در عیم باد
شاد و کج من و گویم کہ بندہ مرا	خشتی ز زرخاں و خشتی ز سیم باد
مقصود از لہاں ہماں پوشش نیست	پوشش مگر از حریر بنا شد، گلیم باد
باجملہ اس سہ بیت کہ سرچش کو نیست	در خود و طعن خاص و عطا عیم باد
نواب ہر وقت منوچہر چہر را	حاصل کلام یوسف و قرب کلیم باد
چوں منچہ کہ پہلوی گل بنفشد میاں	ملک جدید، شامی ملک قدیم باد
ہر دم ترا بخت راز و بہریم انس	روح الامین مصاحب دغا لیم باد

اس قطعہ کی تاریخ نظم کا پتا نہیں چلتا، لیکن ۲۴ نومبر کے مکتوب میں اس کا ذکر نہ ہونے کے باعث خیال ہے کہ اس تاریخ کے بعد لکھا گیا، اور اسی ہیبت کی کسی آخری تاریخ کو یا ماہ دسمبر کے شروع میں نواب فردوس سکاں کی خدمت میں ارسال ہوا۔ نواب صاحب کی تاریخ ردائی و آمد صاحب اخبار الہنداد بدنے ذکر نہیں کی۔ خود نواب صاحب نے ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۲۷۰ھ ۸ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء کو لکھا ہے: یہ مخلص بتاریخ ۱۲ اس ہیبت کے طرف توجہ آئے کے روانہ ہو گا اور بتاریخ ۱۸ اس ہیبت کے معاودت کر کے راہپور پہنچے گا۔ مثیل نمبر ۷۵، بعد ازاں ۲۵ ربیع الثانی مطابق ۲۲ نومبر کو کٹر پیر فسر مایا ہے کہ بتاریخ ۱۴ نومبر سنہ ۱۸۵۹ء مخلص بخیریت تمام فائز ایجا گوید، مثیل نمبر ۷۸،

صفحہ ۱۷

- (۱) میرزا صاحب نے اس لفظ کو سہواً "گچھوں" لکھ دیا ہے۔
- (۲) یہاں میرزا صاحب کو اصولاً "دینے" بصیغہ جمع لکھنا چاہیے تھا۔ لیکن محاورے میں کبھی "دو میزار روپیہ آیا" بصیغہ واحد بھی ہوتے ہیں اسی سبب سے میں نے یہاں محسوب نہ ہوا، اور محبت ہو، کے پیش نظر "دینے" مقرر کیا رہنے دیا ہے۔
- (۳) اس عریضے کے جواب میں نواب فردوس مکاں نے ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۶ (دسمبر ۱۶۵۹ء) کو تحریر فرمایا: "منتقلاً: پیاس اور قحط ساری کے کہ مخلص کو آپ کی ذات سزاوارہ صفات سے محبت اور موافقت قلبی ہے، ہندوئی مبلغ دو سو روپے کی سوائے مثلاً ہرہ معینہ معطوف رقمۃ الوداد بڑا کے مرسل ہے، اور چند اشاعت آپ کی لطف فرمائی ہے یہ ہے کہ رسید ہندوئی مذکور سے مطلع اور مطمئن فرمائی۔ اور سابق میں چند مرتبہ درباب تشریف فرمائی یہاں کے متکلف ہوا ہوں، لیکن اب تک آپ نے سرور طاقت بھمت آیات سے سرور نہیں فرمایا۔ اب لازم اتفاق کا یہ ہے کہ آپ تشریف شریف باسرع از منہ ازانی فرمادیں اور مخلص کو مشکور و اظہار کریں،"
- اس ارشاد کی تعمیل میں میرزا صاحب صبح چھٹہ ۱۹ جنوری سنہ ۶۰ کو دلی سے روانہ ہو کر چھٹے کے دن ۲۰ جنوری کو دار درامپور ہوئے۔ سفر کی تفصیل کے لئے دیا جاوے۔

ملاحظہ ہو۔

- (۴) لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے دوران قیام رامپور میں یہ عریضہ لکھ کر فتح محمد خاں صاحب کے توسط سے کیمپ میں پیش کیا تھا۔ مقام کا نام لفظ پر درج نہیں لیکن جوابی فرمان کے مسودے میں "از مقام کھر یا" قلم ہے۔ جو کھیل سید کا ایک

صفحہ ۱۸

- (۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے اپنے بھائی میرزا یوسف خاں کی پیش کے اجراء کی کوشش کی یوسف خاں ایام غدر میں بڑی بیگینی اور تنہائی کی حالت میں فوت ہوئے تھے اور میرزا صاحب ان کی بچہ فرشتہ میں بھی شرکت نہ کر سکے تھے۔ اس قحط ہو جانے پر میرزا صاحب نے ان کی پیش کے لئے کس طرح سلسلہ جنابی کی اور اپنی بیوہ بھارچ اور بھتیجی کے لئے یہ سچی بھی پاپے لئے، اس کا حال معلوم نہ ہو سکا، اس لئے کہ آئندہ کسی خط میں میرزا صاحب نے ان کی پیش کے متعلق نہیں لکھا۔
- (۲) اس کے جواب میں نواب فردوس مکاں نے ۲۸ رمضان سنہ ۱۲۵۶ (۲۳ اپریل ۱۶۵۹ء) کو القاب و آداب کے بعد تحریر فرمایا: "منتقلاً: جب کوئی مسرت پیش نے والی ہوتی ہے تو آغاز ہی سے مقدمات سرور پیدا ہوتے ہیں۔ یہی سامان نظر آتے ہیں کہ بے اختیار دل کو اغساط، طبیعت کو نشاط ہو۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ۱۵ تاریخ اپریل سنہ حلی پہلے تو ایک لاکھ بیس ہزار یا ۲۰ ہزار کی جاگیر پر دخلدہائی کا خرچہ آیا۔ میں اسے بڑھایا رہا تھا کہ کہ آپ کا نام سرور درافرا آیا۔ اس سے آپ کی پیش کی بجائی کا مزہ پایا

فلسفہ سرور و دولا ہو گیا اور اس قدر بالیدگی اور غوغائی حاصل ہوئی کہ زمیندار بیان اس کا بل زبان و قلم نہیں۔ بار خدا یا مبارک ہو: سپاس منہم چھٹی ادا نہیں ہو سکتا۔ اس وقت میں بلا نقصان ٹپشن کا جاری ہونا محض شانِ قدرت باری ہے۔ شکر اس کے احسانات کا کہاں تک ادا کیجے! عجب قدرت غنائی فرمائی ہے۔ دل کو طرہ مسرت ہاتھ آئی ہے! نغمہ کے نام کے نامی

سنہ ۱۸۶۰ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲ مئی سنہ ۱۸۶۰ء کو زور پٹن وصول کیا گیا (۱) اردو: ۱۹۰، وصول شدہ رقم دو ہزار دو سو پچاس روپے کے خرچ کی پوری تفصیل کے لئے اردو: ۱۸۲، خط بنام محجورہ ملاحظہ ہو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب میرزا صاحب کے خط میں ۱۵ اپریل کی ۲۲ تاریخ درج ہے، تو اس صورت میں سرکار کا ۱۹ تاریخ کا خط اس کا جواب کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ میرزا صاحب کی تاریخ میں ہمو ہو ہے۔ دراصل انھوں نے ۱۲ تاریخ کو خط لکھا ہو گا جس کا ۲۲ بجانا نسبت آسان ہے۔ چونکہ مثل میں اور کوئی خط ایسا نہیں ہے، جس میں پوری پیش کی بجائی کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ اس لئے مذکورہ قیاس کو مزید تقویت بہم پہنچتی ہے۔ (۳) اصل خط میں ”برتلی کے ملک“ ہے۔ حالانکہ ”برٹلی کا ملک“ یا ”برٹلی کے ملک“ کے لئے کی ۲ ہو نا چاہیئے۔ چونکہ خط مینبرز کے قلم کا نہیں ہے، اس لئے میں نے اسے سپونٹن پر محمول کر کے اصلاح کر دی ہے۔

(۲) یہ خط جو بعد میں خرید ا گیا ہے، اصل مکتوب کی بغیر تاریخ کی نقل ہے، اس لئے تاریخ تحریر کا صحیح علم نہیں ہو سکا۔ البتہ اس میں برٹلی کا علاقہ ملنے کا ذکر ہے، جو اپریل سنہ ۶۰ میں فردوس مکان کو ملا تھا۔ اس لئے قیاس یہ ہے کہ سرکار کے مکتوب مورخہ ۱۲ اپریل سنہ ۶۰ کے جواب میں میرزا صاحب نے اپریل یا مئی سنہ ۶۰ کی کسی تاریخ کو لکھا ہو گا۔ سنہ ۶۵ میں میرزا صاحب نے برٹلی کا علاقہ سٹن کی مبارکباد جس بنا پر دی تھی اس کے بارے میں ابھی تک یقینی علم حاصل نہیں ہو سکا۔ بظاہر یہ خیال ہے کہ میرزا صاحب نے دہلی میں یہ افواہ سنی اور اسے باور کر کے قصیدے میں ذکر کر دیا۔ بعد ازاں گورنمنٹ کی تحریک پر یہ معلوم ہوا کہ کاشی پور کا علاقہ ملا ہے، جس سے میرزا صاحب کے علم کی تغلیط ہو گئی۔ آخر میں برٹلی ہی کے علاقہ میں سے گاؤں دیئے گئے۔ اس کی اطلاع پا کر میرزا صاحب نے یہ خط لکھا اور اپنی پچھلی اطلاع کی صداقت کھل جلنے پر اپنے آپ کو سان الیہ کا خطاب

صفحہ ۲۰

(۱) کلیات غالب: ۳۳۷۔ میں یہ قصیدہ چھپ چکا ہے۔
(۲) محرم سنہ ۱۲۷۷ھ (۲۶ جولائی سنہ ۶۰ء) کو سرکار نے تجویز فرمایا ہے کہ میرٹھی کو ہدایت کردی گئی ہے کہ آئندہ سے آپ کے حسبِ ایما ہندوی روانہ کی جایا کرے، مثل برنج، صبیحہ اجاب عہد فردوس مکان،

(۳) عریضہ نمبر ۲۷۳۲ میں خلافت معمول لفظ حضرت ساقط ہے۔
(۴) میرزا صاحب کا یہ نسخہ کلیات فارسی حسبِ تصریح فرمان مورخہ ۱۸ رمضان سنہ ۱۲۷۷ھ (۳۰ مارچ سنہ ۶۱ء) ڈاک کے ذریعہ حضور میں پیش ہوا۔ نواب صاحب نے اس کو مذکورہ

فرمان میں آئینہ جہاں غالبی نثر کا ایک مسرت افزا اور فرمان مودہ ۲۱ رمضان و ۱۷ اپریل میں ایک دریا سے موج ہے ملو تھراں لائی سمجھی سے، تحریر کیا ہے۔ یہ نسخہ - کتب خانہ سرکاری میں محفوظ ہے۔ خط نہایت صاف کاغذ میلاد اور متعدد مشامات پر میرزا صاحب کی تحریر سے مزین ہے اس کے کاتب کے بارے میں میرزا صاحب نے نواب ضیاء الدین خاں بہادر کو لکھا تھا: "آپ کو دیوان کے دینے میں تاخیر کیوں ہے؟ روز آپ کے مطالعہ میں نہیں رہتا۔ بغیر اس کے دیکھے آپ کو کھانا پیہم ہوتا ہے، یہ بھی نہیں پھر آپ کیوں نہیں دیتے؟" ریا کتب کے تلف ہونیکا اندیشہ یہ حقیقت ہے کہ کتاب کیوں تلف ہوگی؟ انجانا اگر ایسا ہوا، اور دلی نگہوں کے عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی تو میں فوراً بسیل ڈاک را پور ہاؤس گا، اور نواب فتح الدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لا دوں گا۔ (اردو: ۲۸۹)

صفحہ ۲۱

(۱) تودہ، مختلف اقسام کے لذیذ کھانے جو کم از کم ۱۱ اور زیادہ سے زیادہ ۰۰ میں لگا کر رٹے تکلف کے ساتھ تقریبات پر تقسیم ہوتے ہیں۔ (تورال لغات: ۲۲۲۲)

(۲) اس غریبے میں نواب فردوس سکاں کے منجھٹے صاحبزادے سید حیدر علی خاں بہادر کی شادی کا حال ہے۔ یہ شادی نواب سید احمد علی خاں بہادر ابن نواب سید محمد علی خاں بہادر ابن نواب سید فیض الدین خاں بہادر کی نوکی کے ساتھ ۱۴ ذی الحجہ سنہ ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۱ء) کو قرار پائی تھی۔ چہنوں سے تیار یاں ہوئی تھیں، ملازمان بیاست کو خلعت اور عام باشندگان شہر کو کھانا تقسیم ہوا تھا۔ سارے شہر میں جا بجا رقص و سرود کی مجلسیں آہستہ آہستہ لگتی تھیں۔ ریاست کے بیرونی متوسلین اور احباب کے نام دعوے جاری ہوئے تھے۔ میرزا صاحب نے علانی کو ۷ ستمبر سنہ ۱۲۷۷ء کو کتب خانہ دلی راہ چلنے سے ہی تو سرخ زادے کی شادی میں بلایا تھا۔ یہی لکھا گیا کہ میں معذرت عرض ہو گیا ہوں۔ تمہارا اقبال تمہارے کلام کو اصلاح دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر مجھ سے خدمت نہ چاہو، (اردو: ۳۰۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں شرکت کی دعوت دی گئی مگر ضعف طبع سفر سے مانع رہا

میرزا صاحب نے آئے نیچے ایک تہنیت نامہ اور دو قطعات مبارکبادیں جن کی خدمت میں روانہ کیے۔ قطعات مثل میں تو نہیں ہیں، لیکن کلیات فارسی (نواسہ سوری ایڈیشن: ۳۱) میں شائع ہو چکے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

دید و رویت علی خاں از فردغ رای او	مہر تاباں برد قسط فیض من بہ باقم
از و بعدش سخن را کم کہ جوں ماہ میر	طلعتش را دیدہ روشن ساز عالم باقم
داں و مگر فرزانہ فرزند فرزندش کہ بہت	کوئی کش در دل افروزی سلم باقم
خواست تا سازد با بینش کن خدا	شا و کشتم، جوں خبریں جشی اعظم باقم
بہرہ بردم در تصور زان ہمایون سخن	لبکہ در خود طاعت رنج سفر کم باقم
بزم طری نرغ حیدر علی خاں را بدہر	خوشتر و خرم تر از بزم باقم

سال این دولت فزائادای بامعانی نظر
 "مشنری" باز ہرہ "در" طاح "قرآن" ہم فہم
 اس قطعے میں مصرع آخر کے الفاظ (زہرہ مشنری طالع) سے سال جشن کے اعلان ۱۲۷۱ ہجری
 نواب فردوس مکاں کے فرمان مورخہ ۵ رمضان سنہ ۱۲۷۱ھ، ۱۱ مارچ ۱۸۵۵ء میں اس کا
 ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے آغاز مارچ سنہ ۱۲۷۱ھ میں لکھ کر یہاں بھیجا

ذمہ راقطہ برسات میں بھیجا گیا تھا اس میں نزلتے ہیں

ہمارے بندہ کہ نام نہاد بزرگبال آں را	ہیں اور دو سال بڑا ہل جہاں مبارکباد
نیای دہشت و بیابان دیکو، سزنا سر	سحاب و سبزہ و آب باران مبارکباد
گزشت عہد موم و دوزید با و خلیک	ز جان برتن و گرازن جہاں مبارکباد
اگر چہ رحمت عامست، ایک باخصیص	براہمپور گراں تا گراں مبارکباد
ز برگ برگ فیتاں کہ گرد آں بہرست	رمد بگوش جہاں کز زباں مبارکباد
ز آفتابا ط پرست آں چنان کلازک ابر	بجای قطرہ نرا دہمہاں مبارکباد
سپس باد گراں ہم کہ اہل دانش را	فخود ہر آئینہ خاطر نشاں مبارکباد
خود برداد بختی ز دہیا زنبور...	عطیہ الیست کہ بر ہنگام مبارکباد
معاف باشم، اگر خود ز عیش و سرور	براہمپور خصوصاً چساں مبارکباد
چو راہپور بود و جہ تازہ رودی دہر	زہر چہ این ہمہ گی کہ دہاں مبارکباد
رفیق ہمنام فرمانروائی آن شہرست	کہ در خلق بود دہر دہاں مبارکباد
ظہور مہمنت کہ خدائی سسر ز ند	بر آن رئیس سپہر آستان مبارکباد
کہ مہمان حق است آن در بختی اور	نزول ماندہ بر مہمان مبارکباد
بجیب دوا من مردم ز بخشش ذاب	مقارن خاصہ در یادگار مبارکباد
کشاہش در گنجینہ و انجمن از در گنج	پریشان رفتن پاسباں مبارکباد
بہا بہان زرو سیم، سیم و ز سرج	لباں نخی کا سہ ناں مبارکباد
ہمن کہ نشن لب بادہ ہای یزدورم	آز آں میان دوسہ ظل گراں مبارکباد
گوزادای اہل زمین کہ می گویند	فرشتگان بلند آسمان مبارکباد
ہیں نژادہ کہ ہاں ای امیر شاہ نشاں	نوبہ فرخی جاوداں مبارکباد
بشہر یار و ولیعہد و شاہزادہ عہد	خوشی و خوبی دامن داناں مبارکباد
از ان بہت کہ ستائش نگارنوا بی	تراہم، ای اسد اللہ خاں مبارکباد

نواب فردوس مکاں نے قرعہ محرم الحرام سنہ ۱۲۷۱ھ (۱۱ جولائی سنہ ۱۸۵۶ء) کو
 تحریر فرمایا۔۔۔ قطعاً است مبارکباد اور تہنیت نامہ شادی تحفہ الی بخوردار کا مکار
 مجدد رطلی خاں بہادر ایام فرحت القیام میں سرور افزائی خاطر نیاز جوئے اور تہنیت
 بزاراں مسرت و رشتہ داری کا ارزانی کیا۔ سبحان اللہ! ہر ایک فقرہ قطوں اور تہنیت نامے کا مضامین
 مہینت آگیاں اور معالی لطافت نصیب سے ایسا محلو تھا کہ دھول اس کا اظہار تحریر و تقریر سے
 متعجب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ابد الہر سلا مت باجمیت رکھے، "مثلاً" صبیحہ احباب فردوس مکاں

اس فرمان سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ مذکورہ بالا قطعہ مبارکباد موسم بر شکال میں ۱۱ جولائی سے قبل سرکار کے حضور میں پیش ہو گیا تھا اب صرف تہنیت نامہ باقی رہ جاتا ہے۔ بظاہر عریضہ ۲۴ تہنیت نامہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کو مذکورہ فرمان تہنیت نامہ قرار نہیں دیکھیں کہ فرمان سے مترشح ہے کہ تہنیت نامہ بھی منقول تھا، اور یہ عریضہ منثور ہے۔ علاوہ بری اس کو تہنیت قرار دینا اس لئے ناممکن ہے کہ یہ لفافہ کی انگریزی تاریخ کے مطابق ۱۵ جولائی کو کھلایا گیا تھا اور تہنیت نامہ کا ذکر نواب صاحب کے اجولائی کے فرمان میں آچکا ہے۔

خزانہ کے ادا سب سے پتہ چلتا ہے کہ تو وہ اور خلعت کے روپے جس کا میرزا صاحب کے مکتوب میں شکریہ ادا کیا گیا ہے، پہلی محرم سنہ ۱۲۷۸ھ (۱۱ جولائی ۱۸۶۱ء) کو یہاں سے بھیجے گئے تھے یہی تاریخ سرکار کے اس فرمان کی ہے جس میں میرزا صاحب کے قطعات مبارکباد اور تہنیت نامے کا ذکر ہے۔ لوگوں یا فرمان سرکار کے ساتھ ہی سدا دی بھی روانہ ہوئی تھی۔

(۳) میرزا صاحب کے اس حسن طلب پر سرکار نے انھیں کچھ بھیجا یا نہیں، اس کے متعلق تمام کاغذات خاموش ہیں۔ غالباً سرکار نے اسے میرزا صاحب کی ظرافت پر محمول کیا اور نہ ضرور یہی ارسال فرماتے۔

(۲) حسن علی خاں کے متعلق معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون صاحب تھے

(۵) علی بخش خاں شیخ محبوب بخش ابن شیخ امان اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ ۱۲۲۸ شوال ۱۲۷۸ھ (۱۸۶۱ء) کو بخیب آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا اور نانا ریاست کے چرانے ذکر اور خدمت گزار تھے۔ انھوں نے بھی ایام عذر میں بڑی جانفشانی اور غیر خواہی سے کام کیا، اور صلے میں گورنمنٹ سے پانچ ہزار روپے کا خلعت تلوار طلائی، گھڑی اور تین ہزار چودہ روپے سالانہ کی جاگیر ضلع مراد آباد میں انعام پائی۔ نواب خلدائیاں نے تخت نشینی کے ایک سال بعد انھیں چالیس ہزار روپے نقد کیشٹ عطا کیے اور جب یہ بیمار ہوئے تو دوبارہ نفس نفیس اکی عیادت کو تشریف لے گئے۔ انھوں نے ۲ محرم سنہ ۱۲۸۸ھ (۱۸۷۱ء) کو مراد میں انتقال کیا اور ولانا جمال علی کے احاطہ نزار میں دفن ہوئے۔ آل محمد ماربردی نے (دیوان نواب بخش ۶۴) یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے:

علی بخش خاں مرد نامی گذشت
بہار مراد میں فضیل رب غفور
بتاریخ بخش آل محمد نوشت
شدہ حلقی نایب راجپور

اولاد میں مولانا محمد علی مرحوم بین الاسلائی شہرت کے نوی دنیا ہوئے ہیں۔ (اخبار الصنادید: ۱۰۴، ۱۰۵) تذکرہ کالان راجپور: ۲۶۷ (۱۸۶۱ء)

(۶) میر سرفراز حسین میر ہدی بھر دج کے بھائی اور میر افضل علی عرف میرزا صاحب ان کے دوست تھے۔ میرزا صاحب سے بھی ان دونوں کے خردانہ تعلقات تھے۔ (اردو علی اور عود ہندی میں ان کے نام متعدد خطوط درج ہیں۔ میرزا صاحب نے ان کی پریشان روی کا حال دیکھا تو خان ماں صاحب کے نام نقارنی خط دے کر راجپور بھیجا

شوقی بھرت سے اس وقت یہاں ملازمت نہ مل سکی، اور یہ دونوں سو روپے کی زیر باری کے بعد واپس چلے گئے۔ اس سلسلے میں میرزا صاحب نے ۲۶ جولائی ۱۸۶۱ء کو میر ہمدی کو لکھا ہے: "سید صاحب، کل پہر دن رہے تنہا راجھا بیٹھا۔ یقین ہے کہ اسی وقت یا شام کو میر میر فر از حسین تمہارے پاس پہنچ گئے ہوں۔ حال سفر کا جو کچھ ہے ان کی زبانی سن لو گے، میں کیا لکھوں! میں نے بھی جو کچھ سنا ہے انھیں سے سنا ہے۔ ان کا اس طرح ناکام پھر نامیری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے۔ لیکن میرے عقیدے اور میرے تصور کے مطابق ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہاں کچھ نہ ہوگا سو روپے کی حاجت زیر باری ہوئی۔ چونکہ یہ نزدیک ہاری میرے پھر دے پر ہوئی، تو مجھے شرمساری ہوئی۔ لیکن میں نے اس چھیا سٹھ برس میں اس طرح کی شرمساریاں اور روسپا یہاں بہت اٹھائی ہیں جہاں ہزار داغ ہیں، ایک ہزار ایک سی" میر میر فر از حسین کی زیر باری سے دل کڑھتا ہے، "دارودی: ۱۸۵، بعد ازاں ۱۸ اگست سنہ ۱۸۶۱ء کو پھر لکھتے ہیں: "وہ بھائی تم تجھے ہو۔ برسر اولاد آدم ہرچہ آید بگدر دینگی جسے انوس اس بات کا ہے کہ یہ زیر باری میری تحریر کے بھروسے پر ہوئی، اور خلاف میری مرضی کے ہوئی۔ جس طرح سے یہ آئے ہیں۔ اگرچہ میری طبیعت اور میری خواہش کے منافی ہے، لیکن دالہ میرے عقیدے اور تصور اور قیاس کے مطابق ہے یعنی میں یہی سمجھتا تھا کہ البتہ ہوئی ہوگا" (ایضاً: ۱۵۲)

نواب فردوس مکان کے ایک زمان مورخہ ۱۶ اگست سے پتہ چلتا ہے کہ میرزا صاحب کی پامینٹ کے مطابق ان کی جولائی کی تنخواہ میں سے مجلس ریے نقد میر میر فر از حسین کو رقم لیا، زاد راہ کے لیے، ملٹی سیلچند کی معرفت دیے گئے تھے۔ دیشل نمبر ۱۹، صفحہ ۱۵۱

عہد فردوس مکان،

(۷) اس لفظ کو میرزا صاحب نے "بالا الد" لکھا ہے۔

صفحہ ۲۲

(۱) نواب صاحب کے مذکورہ سفر کی تفصیل یہ ہے، کہ: "جناب ملکہ معظمہ و کٹوریہ بھائی کا ایک فرمان ۲ جولائی سنہ ۱۸۶۱ء کو صادر ہوا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ مابعد دولت نے اپنی مرضی خاص اور علم کامل اور عزم مبارک سے ایک رتبہ جدید بنائی جو آج سے دوام کے لیے خطاب، موسٹ، انگریز آرڈر آف دی انٹار آف انڈیا سے موسوم ہو کر مشہور ہو گا، تجویز اور ایجاد کیا ہے، اور مابعد دولت کا ارشاد ہوتا ہے کہ رتبہ مذکور میں ایک شخص ساہرن و سردار علی، ایک مگر انڈیا سروسٹ و سردار اوچیں و نائبٹ، (بہادر)، شریک رہیں اور دالیان میندا و سردار دانی میندا وستانی اور ہماری رعایا میں سے وہ اشخاص، جو اس قسم کی لیاقت رکھتے ہوں اس رتبہ عالی سے محروم نہ کئے جائیں مابعد دولت کی تجویز افسس سے مابعد دولت کے عزیز مشیر اکبر چارس جان ارل کیننگ، گورنر جنرل ہندوستان، اس ... رتبے کے اول سردار مقرر ہوئے اور یہ مفقوضای دانشمندی اور مصلحت ہے کہ رتبہ مذکور کا ستر ایسے

اشخاص کو جو وقتاً فوقتاً مہ دولت کی تجویز اقدس سے نامزد ہو کر اس سب سے بہارِ درمقرر کے
جائیں، عہدہ موسومہ ناٹک جیلر عطا کرنے کا مجاز ہے۔
اس کام کے واسطے لارڈ کیننگ صاحب نے ایک دربار الہ آباد میں مقرر کرنے کی تجویز کی
اور نواب سید یوسف علی خاں بہادر کو بھی بلایا۔ نواب صاحب مع خدم و حشم، اسکا دار
لگے۔ یکم نومبر ۱۸۶۱ء کو ایک شاہانہ دربار منعقد ہوا۔ جب تمام اہالی جلسہ
اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے، تو نواب صاحب بہادر تخت شاہی کے لمبا ڈی
تشریف لے گئے۔ اور گورنر جنرل نے اپنے ہاتھ سے اس رتبے کے تختے عطا فرمائے اور
کھڑے ہو کر بیان کیا کہ چونکہ یہ رتبہ سب سے پہلے آپ صاحبوں کو عطا ہوا ہے
امید ہے کہ آپ مہندس کے باشندوں میں ایسا طریقہ اختیار کریں گے کہ آپ کا طرز عمل
دیکھتے ہوئے مہندس سرداروں یا پانچ گزادوں کو ملکہ مخلص کے ساتھ محبت فرمائی اور
استحسان و قلبی پیدا ہوئے، بعد اُس تقریر کے دربار برخاست ہوا، اور نواب صاحب گورنر
جنرل سے رخصت ہو کر اپنے دار الریاست کو واپس تشریف لائے، اور اخبار الصنادید

(۱۱۷-۱۱۶)

نواب صاحب کے فرمانِ مہنام غالب مورخہ ۲۰ بیح الاول سنہ ۱۲۷۰ھ ۲۰ اکتوبر
سنہ ۱۸۶۱ء سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۲۷۰ھ کو الہ آباد روانہ ہوئے کا ارادہ
اور تقریباً ایک ماہ رامپور سے باہر رہنے کا خیال تھا، ادھر ۱۳ اکتوبر ۱۲۷۰ھ میں
کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ نومبر کے پہلے ہفتے میں تشریف لے گئے تھے۔
میرزا صاحب کو تو قلعہ کا پہلا دورہ ۲۴ مئی سنہ ۱۸۵۵ء کو ہوا تھا۔ قلعہ کو لکھتے ہیں
سہائی وہ خط پہلا تھا کہ پہنچ چکا تھا کہ مہاراجہ ہو گیا۔ جہاں گیا ہوا، قلعہ کی زیست کی نذر
تو بیچ اور پھر کیسا شدید کہ پانچ پہر مرغ نیم نسل کی طرح تڑپا گیا۔
کل سے خوف مرگ گیا ہے اور صورتِ زیست کی نظر آتی ہے، خط ۱۸۵۵ء
اس کے بعد ۲۹ ستمبر ۱۸۶۱ء کو لکھتے ہیں: ”نہ تندرست ہوں، نہ رکتا، اور نہ رہتا۔“
بیسویں ہوں، ۱۱ بیضا، ۱۱ نومبر ۱۸۶۱ء کو سرکار کے خط ہیں۔ ایک چینی سے مہار
ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت ستمبر کے آخر ہی میں جاوہ ۱۸۵۵ء سے مہار
تھی، اور تقریباً ۱۱ یا ۱۲ اکتوبر کو قلعہ کا جو دورہ ہوا، اسی کا یہ پیش خیمہ تھا۔ سنہ ۱۸۵۷ء
کے آخری مہینوں میں یہ دورہ جلد جلد ہوئے لگا تھا۔ ہم نومبر سنہ مذکورہ کو نواب
میر غلام بابا خاں کی دعوت قدیم سورت پر لکھتے ہیں: ”ایک ہفتہ، دو ہفتہ کے
بعد ناگاہ قلعہ دوری کی شدت ہوئی ہے، اور دوی، ۹،
میرزا صاحب نے اس لفظ کو بلند یا نکھلے۔“

۲

۱) ان دونوں لفظوں کو میرزا صاحب نے ایک الٹ فرامگ کے ساتھ، بالفعل اور
”بالا نکل“ لکھا ہے۔
۵) اس شہنوی کے متعلق لغاتے کی پشت پر نوٹ ہے ”تاریخ نزدنشی سلجھامند“
سکر نے اس کی تویہ میں، انومبر کو تحریر فرمایا، سبحان اللہ ہر تاجیہ پلا اور

نادر اور نثر جبے مثل ہے

صفحہ ۲۳

(۱) نور الدین ظہوری، نثر شیر ایران اکا یا شندہ تھا۔ سنہ ۸۸۹ھ (۱۵۸۸ء) میں دکن آیا اور ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں تقریب حاصل کیا، اور سنہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ء) میں فوت ہو گیا۔ اس کی سہ نثر اور کلیات مشہور ہے۔

(۲) میرزا صاحب نے فرمایا ہے، "بندیدیا لکھا ہے۔"

(۳) خدا جلے کس بات سے میرزا صاحب کو شک گزرا کہ سرکار کچھ کشیدہ ہیں۔ درنہ منلوں میں تو سرکار کے سنہ ۷۲۲ھ کے لکھے ہوئے خیریت جوئی کے فرمان غامی تعداد میں موجود ہیں۔

(۴) یہ عبارت عربی کے آخر میں مہر کے بعد تحریر ہے۔

صفحہ ۲۴

(۱) لفظی پر ۱۰ جمادی الاول ۱۰۹۲ھ لکھا ہے۔

(۲) سربراہ برٹش فوجی صاحب مراد ہیں۔ یہ فروری سنہ ۱۸۵۹ء سے جنوری سنہ ۱۸۶۵ء تک پنجاب کے لفٹنٹ گورنر رہے تھے۔ قد بلکرائی کے نام کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے

کہ میرزا صاحب ان کے دربار میں شریک نہیں ہوئے۔ دربار کے بعد فوجی صاحب نے بلا کر اپنی طرف سے خلعت عطا کیا، اور وہیں دربار انہار کے متعلق گفتگو ہوئی۔

فرماتے ہیں: "..... راجپوت فوجی صاحب لفٹنٹ بہادر لارڈ پنجاب یہاں (دلی، آئے) دربار کیا، میں نہ گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چیرا سی اگر تھجہ کو بلالے گیا بہت

عنایت فرمائی، اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا،" (دارودی: ۶۷، لاہور ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ء) شیونرائن کے نام کے خط میں لکھتے ہیں: "..... بڑے لارڈ صاحب کے دربار

کے زمانے میں نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب بھی دلی میں آئے۔ دربار کیا، حیرت گرد، مجھ کو کیا، ناگاہ دربار کے تیسرے دن بارہ بجے چیرا سی آیا، اور کہا کہ نواب لفٹنٹ

گورنر نے یاد کیا ہے۔ بھائی، یہ آخر فروری ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ علاوہ اس داہ میں ہاتھ کے زخم کے میدھی ران میں اور بائیں ہاتھ میں ایک ایک چھوڑا جا رہا ہے۔ حاجتی میں

پیشاب کرتا ہوں، اٹھنا دشوار ہے۔ بہر حال سوار ہوا، گیا۔ پہلے صاحب سکرتر بہادر سے ملا پھر نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تصویر میں گیا بلکہ تمنا میں

بھی جو بات نہ تھی وہ حاصل ہوئی، یعنی عنایت سی عنایت، اخلاق سے اخلاق، وقت رخصت خلعت دیا، اور فرمایا کہ یہ ہم تھجہ کو اپنی طرف سے اذراہ محبت دیتے ہیں،

اور مزید دیتے ہیں کہ لارڈ صاحب کے دربار میں بھی تیرا لبر اور خلعت کھل گیا

انہالے جا، دربار میں شریک ہو، خلعت پہن۔ حال عرض کیا گیا۔ فرمایا: "خیر اور بھی کے دربار میں شریک ہونا" اس پھوڑے کا برا ہوا بنائے نہ جاسکا،" (دارودی: ۸۳، ۳۸۴)

(۳) لارڈ الکن بہادر مراد ہیں۔ یہ لارڈ کینیڈا کے بعد ہندوستان کے گورنر آئے۔ جنوری سنہ ۱۸۷۲ء میں جائزہ لیا، اور نومبر سنہ ۱۸۷۳ء کو فوت ہو گئے۔ میرزا صاحب ایک مکتوب کے آخر میں لکھتے ہیں: "..... جاری الثانی سال غفر مطابق ۱۲۷۲ھ کو برلن گیا

غضب ہے ہے، یہ گویا تاریخ و خات جناب نواب گورنر جنرل لارڈ الگن صاحب
بہادر کی ہے (۱۱ دوی: ۲۰۵)

صفحہ ۲۵

(۱) میرزا صاحب نے ۱۳ رمضان (۱۱ مارچ سنہ ۱۲۷۳ء) کو لغتہ کے نام حسب ذیل خط لکھا
ہے..... ہمیشہ نواب گورنر جنرل کی سرکار سے دربار میں مجھ کو یہ پارچے اور تین رقم
جواہر خلعت ملتا تھا۔ لارڈ کیلنگ صاحب میرا دربار اور خلعت بند کرتے ہیں۔ ناامید
ہو کر بیٹھ رہا اور مدۃ العمر کو پالوس ہو رہا۔ اب یہاں لغتہ گورنر جناب آئے
میں جانتا تھا کہ یہ بھی غیہ سے نہ ملیں گے۔ کل انہوں نے مجھ کو بلا بھیجا۔ بہت
سی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ لارڈ صاحب دلی میں دربار نہ کریں گے۔ میرے
ہوتے ہوئے اور میرٹ میں ان اضلاع کے علاقہ داروں اور مالگزاروں کا دربار
کرتے ہوئے انہیں جانیں گے۔ دلی کے لوگوں کا دربار وہاں ہوگا۔ تم بھی انہیں جاؤ
شربک دربار ہو کر خلعت معمولی لے آؤ۔ بھائی، کہا کہوں کہ کیا میرے دلی پر گزری
گویا مردہ جی اٹھا۔ مگر ساتھ اس مسرت کے یہ بھی سننا ناگوار کہ سامان سفر اٹالہ
و مصارف بے اعتبار کہاں سے لاؤں؟ اور طرہ یہ کہ نذر معمولی میری قصیدہ ہے۔ ادھر
قصیدے کی فکر، ادھر روپے کی تدبیر۔ جو اس ٹھکانے نہیں۔ شعر کام دل د
دماغ کا ہے، وہ روپے کی فکر میں پریشان۔ میرا خدا یہ مشکل بھی آسان کرے۔ لیکن
اندوڑوں میں نہ دن کو چین ہے، نہ رات کو قند ہے۔ یہ کئی سطریں تھیں اور ایسی ہی کئی
سطریں جناب نواب صاحب کو لکھ کر بھیج دی ہیں۔ جیتا رہا تو انہیں سے اگر خط لکھوں گا
(۱۱ دوی: ۱۱۱)

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے محولہ بالا "سطریں" چار پنج کو پاس سے
ایک دو دن قبل نواب صاحب کی خدمت میں ارسال کی تھیں۔ سوء اتفاق سے
ان سطور والا عرضہ مثل میں موجود نہیں۔ البتہ نواب صاحب کا جواب شامل
ہے القاب و آداب کے بعد ارشاد فرمایا ہے..... متفقاً ہندوئی مبلغ
دو صد روپیہ برائے مصارف تشریف فرمائی سامی برائے ملازمت جناب
مستطاب معظم الیہم معطوف رقمۃ الوداد نذر ارسال خدمت تشریف است
یہ فرمان ۱۱ مارچ سنہ ۱۲۷۳ء کو تحریر کیا گیا تھا۔ میرزا صاحب کے عرفیے میں ای کا حوالہ
ہے۔ اصل عرفیے کے جواب میں۔ نواب فردوس مکان نے ۱۹ مارچ کو تحریر فرمایا:..... جو کہ
خط نواب صاحب کا نشر بہادر سے عدم حصول مشرف ملازمت جناب مستطاب معلی القاب
نواب گورنر جنرل بہادر دردم آقاہم کا مقام انہیں مستطاب ہے، اس واسطے تشریف لیجا آ پکا
انہا کو لا سبجارت ضرور معلوم نہیں ہوتا۔ آمیزہ جو رائی زریں آپ کی اس خصوص میں مقتضی
ہو اور خط مسطور بحسنم و ایس کھجیا جاتا ہے.....
(۲) قصیدہ مذکور کے لیے فتویٰ ابرگہار ص ۳۵۔ اکل المطابع، دہلی، سنہ ۱۲۸۰ء ملاحظہ ہو

(۳) میرزا صاحب کا یہ جلد غمازی کرتا ہے کہ انھیں لفٹنٹ گورنر گورنر جنرل کے میرٹھی دو ٹون سے بجالی دربار کی اطلاع سن لینے کے بعد بھی یقین نہیں ہوا تھا، جس کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھیں بجالی کی تحریری اطلاع نہیں دی گئی تھی، ورنہ ذرا ذرا کی بات پر ناامید نہ ہوتے۔

صفحہ ۲۶

(۱) صاحب سکرتر بنادر کے محولہ بالا خط کی نقل حسب ذیل ہے:

نقل خط جناب صاحب سکرتر بہادر

سرنامہ در شہر دہلی

خان صاحب بیمار جہان دوستان، مرزا اسد اللہ خاں، سلمہ اللہ تعالیٰ:
خط برکات خدا نشان!

خان صاحب بیمار جہان دوستان سلامت

قصیدہ با آب و تاب و مدحیت بندگان ذریعہ استطاب معالی القاب و ابرای و گورنر بہادر و دام اقبالہ، وصول گردیدہ، بر رخ ارادت آن جہان آبی، و بر چین عقیدت ایشان تابی، فرسودہ، و از گرانمایہ گوہر ہائی بحر فیکر یکتا سخنور معنی پرور، کہ گنج برج نہادہ بود، از نظر قبولی بندگان خواب صاحب ممدوح گزشتہ اطرب پیرای خاطر ہمایون ایشان گشت۔ زیادہ چہ نگاشتہ آید در دستخط انگریزی [مترجم ۳ جولائی سنہ

۱۸۶۳ء۔

بہاں یہ امر قابل اظہار ہے کہ میرزا صاحب کے اس روحانی سرور کے حصول میں ان کے ایک جماعتی عارضے نے خلل اندازی کی، ۲ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء کو میرزا فرزان حسین کو لکھتے ہیں: ”جب کے چینی میں میرزا ہاتھ پر ایک چھینٹی ہوئی، چھینٹی چھوڑا ہوئی، چھوڑا اچھوٹا کر زخم بنا، زخم گڑ گڑا، اب بقدر یک کھنڈ دست وہ گھومتا ہوا ہو گیا، انہاں نے نہ جانے کی بھی بچی دھج ہوئی“ (اردو: ۱۵۲) بعد ازاں ۳ مئی کو شیونرائین کو لکھتے ہیں: ”اس چھوٹے کا برا ہوا، انہاں نے نہ جاسکا، (ایضاً: ۳۸۴) قفقہ کو ایک غیر موزونہ خط میں اطلاع دی ہے: ”لو صاحب، ہم نے لفٹنٹ گورنر کی ملازمت اور خلعت پر قلعہ کر کے انہاں کا جانا موقوف کیا، اور بڑے گورنر کا دربار اور خلعت اور وقت پر موقوف بیمار ہوں۔ ہاتھ پر ایک زخم، زخم کیا ایک خار ہو گیا ہے۔ دیکھیے انجام کار کیا ہوتا ہے“

(۲) (ایضاً: ۶۸) لاہور ایڈیشن سنہ ۱۹۲۶ء کو یہاں سے روانہ کی گئی تھیں

صفحہ ۲

(۱) حسین علی خاں کے لئے دیباچے کی بحث، خاندان سبھی ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے اس لفٹنٹ کا (لا بالکل) لکھا ہے۔

(۳) نوایا فردوس مکاں اس سال عارضہ سرطان میں مبتلا ہو کر مسلسل چھ ماہ تک علیل رہے

میرزا صاحب سے ان کے تعلقات شاگردانہ اور کرمیہ تھے۔ جب انھیں علالت کی اطلاع ملی، تو بہت متردد ہوئے اور بذریعہ لغیرہ نڈا، حقیقتاً مرض سے آگاہ کرنے کی درخواست کی۔ مثل میں اس عریضے کا جواب موجود نہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً شذیتاً مرض کے سبب جواب میں تاخیر ہوئی، اور جب اس عریضے میں میرزا صاحب کا آئندہ خط بھی موصول ہو گیا، تو دونوں کے جواب میں مرض کی حقیقت سے انھیں اطلاع دی گئی۔

صفحہ ۲۸

(۱) اصل میں یہ لفظ ہرن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب اسے صرف ایک لای سا کھ کے لئے بولتے تھے۔

(۲) یا تو عبارت یوں ہونا چاہیے: ”اس خط کا جواب آنے کی مدت سے پہلے“ اور یا ”اس خط کے جواب کے آنے کی مدت سے پہلے“ بظاہر یہاں پہنچنے کا نظر آتا ہے۔

(۳) اس عریضے کے جواب میں ۱۹ نومبر کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا: ”مشفقاً! اب فضل الہی سے کچھ روزہ لاحقہ میں بہت تحقیق اور قریب الا تامل کی ہے“ عریضہ ۳۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمان میرزا صاحب کو ۲۶ نومبر کو موصول ہوا

صفحہ ۲۹

(۱) اشعار کو مکمل عریضے کے لغات پر نوٹ ہے: ”حسب الحکم تاریخ نیر دہلوی، میر احمد رضا فرستادہ“ یکم ستمبر ۱۸۶۷ء میر مینائی مرحوم نے انتخاب یا دگا دس ۲۵۰ ہیں تہیت شل صحت نام سے یہ شعر جمع ہیں۔

دائم شغیہ کہ در اقصای غریب	سر چشمہ کہ خضر شد از دی قناریہ
جوی بریدہ اندر در ان کہ وہ انداز	حمام را بچوں اذان فرخ آب گیر
ہنگام شب کہ زیریں بانند آفتاب	از تابیہ مہر گوم شد آں آب ناگزیر
حمام حوض بنگر و گل جاشن آسمان	وال را سفید کردہ فروغ میر میر
آند برای غل بہ گرامہ اندر د	مانند معنی کہ دہر دی در زمیں
اینک فراغ داختر نیک و خجتر روز	پیدا است از لہ اسمہ لفظ نثر و نثر دیر

”سیچین“ ص ۱۵، طبع دہلی ۱۲۸۱ھ ۱۹۰۳ء میں ان کی بجائے ۲۶ شعر کا ایک تصدیق

طبع ہوا ہے۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ میرزا صاحب نے ان میں سے سات شعر چن کر نواب فردوس مکال کے چہرہ میں پیش کئے تھے۔ نواب صاحب نے اس قطعے کی تقریبت میں حسب ذیل گزری نامہ ۴ شعبان ۱۲۸۱ھ ۲۵ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء کو تحریر فرمایا:

”ہماری صحت کی تہیت میں قطعہ مبارکباد کا جو آپ نے بھیجا ہے، وہ پہنچا۔ اس کے آنے سے سرور صحت دوبالا ہو گیا۔ ایسی نظم، ایسی تاریخیں دوسرے سے کس ہو سکتی ہیں بھائی! کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثل اور عظیم النظر پیدا کیا ہے۔ جس کمال کو دیکھئے اس میں آپ کی ذات فردو کمال ہے۔ فی الحقیقت ہم نے اس مرض میں بڑی تکلیف اٹھائی بہت اذیادائی۔ اسمہ بڑا فضل فرمایا۔ دوستوں کی دعا کو قبول کیا۔ شفا حاصل ہو گئی ہے

اندک زخم اندامی ہونے کو باقی ہے۔ غالب ہے کہ دس بارہ دن میں مریم لنگا موٹوں
چو جگا۔ آپکا مدد یہ مسئلہ اکثر نقل محفل رہتا ہے ہوتا ہے جو کتبیلے دارفتہ ہو جاتا ہے
بچ ہے ایسے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں، ہزاروں برس فلک چرخ لگتا ہے۔ تب کہیں
ایک شخص اس کمال کا پیدا ہوتا ہے۔ "لہم بعثت دعائیت طول عمر عطا کرنے اور
تادیر گاہ اہل جہاں آپ کی ذات سے مستفید ہو کریں۔ باقی خیریت!"

صفحہ ۳

(۱) یہ انگریزی لفظ "کیمپ" سے بنایا گیا ہے۔ کیمپ، معنی میں پڑاؤ۔ بعض پرانے بزرگ

کیمپ بھی بولتے اور لکھتے تھے۔
(۲) اصل: ہریک۔ لیکن یہ سہو قلم ہے۔

صفحہ ۳۱

(۱) میرزا صاحب نے تو لکھ لکھا ہے۔

(۲) اس سے یہ شبہ نہ ہو کہ میرزا صاحب علم نجوم کے عالم تھے۔ انھوں نے خود سردار پروپی
کو لکھا ہے: "ستون آفتاب بہ حمل کے باب میں سوئی بات یہ ہے کہ ۲۲ مارچ کو رات
ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱ اور کبھی ۲۲ بھی آہنی ہے۔ اس سے تجاوز نہیں رہا طالع وقت بخوبی
دست کر لے سکتا تھا اور منسلخ علم ممکن نہیں۔ میرے پاس یہ دونوں ہاتھ نہیں۔"
اردو لاہور ایڈیشن: ۱۰۲

(۳) میرزا صاحب نے یہاں ہمزہ لکھا ہے۔

صفحہ ۳۲

(۱) میرزا صاحب نے ہمزہ لکھا ہے۔

(۲) میرزا صاحب نے اس لفظ کو "ہولنگ" لکھا ہے۔

(۳) قطعہ تاریخ غسل و ایضہ (۳۹) کے حاشیہ میں درج کیا جا چکا ہے۔ فضیہ تہنیت جوئی
سین چند کے نام کے خط مورخہ ۱۹ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء کے مطابق، شعبان سنہ ۱۲۸۱ھ
۸ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء اور ۲۵ رجب ۱۲۸۱ھ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۴ء کے درمیان لکھا گیا تھا، مثل
میں شامل نہیں ہے۔ لیکن اردو دیوان غالب مع مترجہ نظامی مطبوعہ نظامی پریس

دہلی (۱۹۲۲ء) کے صفحات ۳۳۳-۳۴۰ پر ایک قصیدہ پایا جاتا ہے جو نواب سعید الدین احمد
ناٹا صاحب مرحوم جاکو دار پاست لارو سے رسالہ کمال دہلی کو حاصل ہوا تھا اور اس کی اشاعت
جنوری سنہ ۱۹۱۰ء سے مولانا نظامی نے نقل کیا ہے۔ مولانا کے خیال میں یہ قصیدہ نواب خلدائیاں کے غسل صحت
کی تہنیت میں لکھا گیا تھا میرزا غالب کا محمولہ یا قصیدہ اس کے لئے کہ اس میں جن کے
نوح پر عید۔ نور و زار ہوئی کا جمع ہو کر پڑ گیا ہے۔ اور میر دینائی کے قطعہ تاریخ انتخاب یادگار:
۵۰، دمرۃ الغیب: ۱۲۴ مطبعہ نوکشور، کانپور سنہ ۱۹۱۰ء سے معلوم ہوتا ہے کہ نوابوں
کا یہ اجتماع نواب فردوس مہمال کے غسل صحت کے وقت ہوا تھا۔ ان کے قطعے
کا آخری مصرعہ ہے: "جہیز عید کا، نور و زار دن اور صحت ہے!"

میرزا صاحب کا قصیدہ حسب ذیل ہے

عید شوال و ماہ فروردین
مرد و سال، اشرفیہ شہر و دین
لیکے پیش از سہ ہفتہ بعد نہیں
جاسا مجلسیں ہوں رنگیں
بارغ میں سو سو گل و سرب
بارغ گو یا نگار خانہ چیں
جمع ہر گز ہوئے نہ ہوں گے کہیں
منعقد حفل نشا طفریں
رواق افشاری مسد تمکین
رز مگہ میں حریف شہر کب
خیر خواہ جناب، دولت و دین
جن کی خاتم کا آفتاب نہیں
آسمان سے گدائی سایہ نشیں
نہ ہوں بھونچے بر دی زمیں
نور سے، ماہ ساعر میں
ہے وہ بالائے سطح چرخ بریں
یہ ضیا بخش چشم اہل یفتیں
کہ جہاں گدیرے خبر کا نام نہیں
زالہ آسائے دیں در لکھیں
جلوہ لولہ بان ماہ جلیں
یاں وہ دیکھا چشم صورت میں
بہ کمال بسمل و تزیین
اور باں پری ہے دامن زین
ہنگیا دشت دامن گل چیں
رہ ردوں کے مشام عطر آئیں
فوج کا ہر پیاں ہے فرزین
جس طرح ہے پیر پر پروین
ران پر داغ تازہ ویکے دین
خاص بہرام کا ہے زیبا سرین
مدعا عرض فن شکر نہیں
گر کہوں بھی تو آئے کرا کویش
ہو گیا ہوں نزار و زار و حزین

مرجبا سال سرخی آئیں
سنب و روز افتخار بیل و تبار
گرچہ ہے بعد عید کے نوروز
سو اس آئیں دن میں ہولی کی
شہر میں کو بکو جسیر و گلال
شہر سرگیا نمونہ نگار
تین تیو بار اور ایسے خوب
بھر ہوتی ہے اسی چیتے میں
حفل غسل صحت نو اس
بزرگہ میں، امیر شاہ نثار
پیشگاہ حسنور، شوکت دجاہ
جن کی مسند کا آسمان گوشت
جن کی دیوار قصر کے پینے
دہر میں اس طرح کی بزم سرور
انجمن چرخ، گوہر آئیں فرش
راجہ اندر کا جو اکھاڑ ہے
وہ نظر گاہ اہل دمم و خیال
داں کہاں یہ عطا و بذل و کرم
پاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے
لغہ مطربان زہرہ نور
اس اکھاڑے میں جو کہ ہے طول
سرور ہر سر ہوا جو سوار
سب نے جانا کہ ہے پری تو سن
نقش سم سمندر سے یک سر
فوج کی گردور اہ مشک نشاں
بکہ بختی ہے فوج کو مستز
موکب خاص یوں زمیں پر تھا
چھوڑ دیتا تھا شور کو بہرام
اور داغ آپ کی غلامی کا
بندہ پرور، ثنا طسرازی سے
آپ کی مدح، اور میرا منہ
اور کچھ اسب کہ ضعف ہے یہاں سے

پیر و میستی خدا کی پناہ دست خالی و خاطر غمگین
صرف اخبار سے ارادت کا ہے قلم کی جو سجدہ ریز میں
روح گتر نہیں، دعا گو ہے غالب عاجز نیاز آگیں
ہے دیر ابھی یہی کہ دنیا میں تم رہو رندہ جاوداں آمیں
دیوان غالب اردو کے طاہر ایڈیشن میں بھی یہ قصیدہ شائع ہو چکا ہے۔

صفحہ ۳۴

(۱) اس نثر کی رسید میں ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ (۳۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء) کو نواب صاحب نے تحریر فرمایا۔ بڑ بڑا شاد آپ کی ائی۔ جتن صحت کی مسرت بڑھ چالی۔ زبان طامہ کو مجال صفت نہیں۔ عامہ زبان کو پارائی مدحت نہیں۔ سچ یہ ہے کہ آپ کی ذات ہر کمال میں فرد کمال ہے ہر فقرے میں قوت سبحانی حاصل ہے۔ انصاف کی تویہ بات ہے کہ یہ تحریر نہیں کروانا ہے۔ اس جتن میں اگرچہ نظر ہر آپ مستحرب نہیں ہوئے، مگر میرے نزدیک شکر یک غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت و قوت عطا فرمائے۔ مشتاقوں کو طعنت بجا نہ آئے۔ دست : عالمگیر ہے۔ نوید صحت کی طبیعت آرزو مند ہے۔ حال اپنا اکثر بکھتے رہتے۔ زیادہ شوقی ہے۔ میرزا صاحب کے خط کے لفظ پر امیر شرمیلی نے لکھا ہے : ”جندہ نواز“ منشی پتیلچند صاحب، حسب الامر سرکار مسودہ جواب خط مرزا لکھتے صاحب نوشتہ بخدمت میفرستم۔ حسب ضابطہ روانہ یا بدینر مود۔ امیر فخر، اخبار الصنا دیدہ ۲۳، ۲۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب تجویز صاحبزادہ سید کاظم علی خاں بہار راجہ چھوٹے صاحب، بارے نظر میں یہ جتن منایا گیا تھا۔

صفحہ ۳۵

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب عراقی کے لفاظوں پر لکھا کرتے تھے

صفحہ ۳۶

(۱) ۲۴ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۱ھ (۳۱ اپریل سنہ ۱۸۶۵ء) کو جسے کے دن نصف النہار کے وقت نواب فردوس مکال نے انتقال کیا۔ یہ خبر دہشتہ اتر دی پہنچی تو میرزا صاحب نے نواب خلد آشتیاری کے نام ۲۷ ماہ اپریل کو ایک خط لکھا۔ اصل تحریر برٹل میں موجود نہیں، تفتہ کے نام کے مکتوب سے جو ۱۲ مئی سنہ ۱۸۶۵ء کو لکھا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربیہ تفسیریت و فائادرتینیت جکوس پر مشتمل تھا۔ فرماتے ہیں : ”راہپور سے اپریل کے چھپے کار و پیر اور تفریت و تہنیت کے خط کا جواب آگیا۔ آئندہ جو خدا چاہے اردو کی ۳۵۹ لاہور ایڈیشن سنہ ۱۸۶۲ء نواب خلد آشتیاری کی مسمی کو اس عریف کے جواب میں تحریر فرمایا۔“
... بحقیقہ نثریہ سوزیخ، ۲ ماہ گذشتہ اسی مخلص وصول الطاء آردہ ہا فیہا مطلع نمود مشفقاً، آنچہ مشاہر آن کرم ناز عہد نوح و قبلہ فردوس بہا منقریاست، انشاء اللہ تعالیٰ بدستور جاری ماند حسب ضابطہ بای خودت رسید خواہد ماند، اس بعد کرانے ۱۸ اپریل کی تنخواہ کی ہنڈی کا ذکر کیا ہے میرزا صاحب کا عربیہ اسی زمان کی رسید ہے۔

(۲۰) یہ رہائی عداوت پر لکھ کر میرزا صاحب نے مکتوب ۵ م کے ساتھ منسلک کر دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال ۶ مئی کو بکریہ ہوئی تھی۔

(۲۱) قضیہ تہنیت مثل میں نہیں پایا جاتا، یہاں عود ہندی ص ۱۱۱، اور سبد چیں ص ۱۳ سے نقل کیا جاتا ہے۔

تخلی کہ زموسئی ربود پیش بطور
نخستہ سرور سلطان شکوہ زانام
ہند ای لطف دی از جان چرخ پیش
دم نکار مثل وصف کلام بنیر پیش
فضای رزگش، شاہ راہ نیز قضیب
سخن شریع ہیں، ہنوا لہ شکیلی
زردی را بطہ حسن، با جناب جمال
بحکم مرتبہ او عالم و فلک محکوم
چو آب نیل رودانی کہ ایستد بخاک
نہی و زبردنی شہر یار دانا دل
بنیائی منظر جاہ ترا، ز حل معر
شناگر تو سکندر بہ بار جای جلال
برای بزم نشاط تو شمع چوں ریزند
ز نبض نسبت خلق تو، غنبر سارا
بدیں خرام و بدیں قامت و بدیں فکر
جہان جانی و جان جہاں، عجبت و
بہ پیشگاہ تو، زانوی زند انصاف
در انتقام کشی شیوہ کرم نگزار
توئی بعقل منرا پیژدہ عروج علوم
صبر خامہ من بین کہ میر باید دل
صداغہ من بین و تارکیش معنی
امیر زندہ دل، آل دالی ولایت نظم
غروب ہر و طلوع میر و دہفتہ بود
چو او بزم زمیں رفت آل ولایت یافت
بہ سخن رسیدم و نا توانا تی۔
بجاک پائی تو اگر دستگاہ داشتی
من آن کسم کہ از افراط و رزش اضلاع
توئی رحیم دل و من سقیم، دوری بہ
کفنی بدست ہتی تر ز کبسمہ دلاک

بشکل کلب علی خاں و گرنود ظہور
کہ رشک بر کلکش دارد افسر فقور
نگاہ فردی، از روی مہربا پدید نور
پوخیل نمونہ، دود بر درقی حدوث سطور
با ظاہر کشش، کارگاہ سور و سرور
بہ بزم عشق چیں، ہم پیالہ منصور
حسب ضابطہ جاہ، آفتاب ظہور
ز راہ قاعدہ، شریع آسرسما دوا نور
بود ہمیشہ بہ فغان وی شہر آب ظہور
تو شاہ کشور حسن و خرد ترا کستور
ثوابت کرہ چرخ ہشتیل مزدور
تفاخر تو اسطر بدر سگاہ شہور۔
نہ پیہ کاؤ بکار آوردنی کا نور
بجای موم بر آید چنانہ ز نور
ز بہر فاختہ آئی اگر بسوی قنور
کہ از درود تو ہر مرد را قصد اندوگور
کہ ای برجم و کرم در جہاں مشہور
بر اسکارم دل بد سنگاں از ساطور
توئی بعلم کشتا پیژدہ عقد و صدور
چنانکہ از لب داد و استماع زبور
عبایاں چو شیخ فرد ز بندہ دشتی و مجور
پنج خانہ گنجہ نظامیش گنجور
رسیدن تو بدیں اوج بعد آن فقور
تو باش دالی ردی ز میں قرون و دور
ولی بجر من شفا و دعا نیم معذور
نبودی بعلم دوری ذر تو صبور
بعینیت است مراد عوی دوا مضور
مباد، رنجہ شلوی از نظارہ رنجور
دلی بسینہ بسی تنگ تر ز دیدہ مور

نظمی زماں کرم از سنا بلا شبہ
نظر جنتی و پیری و تپیدستی
زگر دگار بود در حمت و زبندہ قصور
قبول کردن تسلیم من خوش است نہ
شعار غالب آزادہ جز دعا نہ
پہ ہر تا بود آئین کہ در نوا آرند
پہ ہر ہم پیش تو ناہید با دز مرہ سنج
محب ز لطف تو بالندہ چوں نواز سا
میں نے اس قصیدہ سے کا مقابلہ ایک قلمی درق سے بھی کیا جو حکیم رامپوری
مرحوم کے پاس تھا۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ یہ وہی پرچہ کا غزلیہ ہے جس کو خود غالب نے
میر عروج علی خوشنویس کو بھیجا تھا، تاکہ ہر سار تیس پیش کرنے کے لئے اس کی نو خط
نقل کر دیں۔ لیکن اس کا خط میرزا صاحب کا نہیں ہے۔ اس بنا پر میں یہ گمان کرتا ہوں
کہ کسی نے رامپوری بھی ہوئی اصل سے نقل کیا ہے۔ چونکہ اس قسم کے نوادرات حکیم مرحوم کو امیر بیانی
کے یہاں سے دستیاب ہوئے تھے، کیا عجیب ہے کہ یہ نقل سبکی انھیں کے لئے تیار کی گئی ہو۔ اس
میں جزئی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً مصرع "امیر زندہ دل آں دانی دلائل نظم" کو ناظم
قلم و نظم کے ساتھ لکھا ہے۔ یہ اس کا ثبوت ہے کہ قصیدہ مذکور میرزا صاحب ہی کے بیٹے کی نقل
ہے، ورنہ دوسرا شخص شعر میں اتنا تغیر بھی نہ کرتا۔

نواب خلدیشاں نے ۱۷ محرم الحرام سنہ ۱۲۸۲ھ و ۱۱ جون سنہ ۱۸۶۵ء کو اس قصیدہ
کے متعلق تحریر فرمایا: دو قطعہ سامی مجیدہ لطف آگیا، اول مع قصیدہ "تہنیت
مستثنیٰ راقم ہر ریاست موروثی ملک رامپور و ثانی مع سلام من نصایف جناب مخفرت آبا
نواب صاحب و نیکہ فردوس مکاں در اسعد از منہ یا ہمیں ریز و امن وصول فرحت شمول گشتہ
... جزا قصیدہ کلامی مدحت مضامین برجستہ و معانی دل نشینہ اش را پرشتہ تر فہم کشیدن
آب دریا بگیل پیودن است و شمع از تو صیف فصاحت و بلاغت آں محیطہ تغیر در آوردن
نوابت و سیار را بہ بیچ انجمن شرف دون در نیلا باقی نواب مرزا عزم سامی با پی طوت
مسموع گشتہ، موجب کمال مسرتہا ست، چہ اگر راقم نہ متمنی ملاقات شریف است و اول تعالیٰ
شب لہدی شرفی بزد دی ہر چہ جماعت با یام وصال مبدل گزاند،
پہ خط میرزا صاحب کو، ۱ جون کو موصول ہوا۔ ۱۸ جون کو انھوں نے اس کا جواب
تحریر کیا جو نمبر ۲۹ پر درج ہے۔

(۴) میرزا صاحب نے مد ساتھ لکھا ہے۔

(۵) اس شعر کو میرزا صاحب نے اپنے دو شعروں کے ایک ایک مصرع سے بنا لیا ہے۔ وہ
دونوں شعر یکجہ اور آئینہ عریضوں میں بار بار دہرائے جاتے ہیں۔

(۶) لفظ نے پر ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۵ء درج ہے اور اس کی پشت پر لکھا ہے: دو خط در سبب قصیدہ

و سلام ہر سبب نوشتہ شد و المرقوم ۵ محرم سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۳ مئی سنہ ۱۸۶۵ء

صفحہ ۳

- (۱) میرزا صاحب نے اکھاڑ ڈالے، لکھا ہے اس واقعہ کا ذکر متعدد خطوں میں
(۲) میرزا صاحب نے نواب خلد آشیال کے جو دو کرم کے اس واقعہ کا ذکر متعدد خطوں میں
کہا ہے حکیم غلام رضا خاں کو لکھتے ہیں: "..... نواب صاحب حال بمقتضای الاولاد
بہتر لایم، حسن اخلاق میں نواب فردوس راہگاہ کے برابر، بلکہ بعض شیوہ رشتہ میں اس
سے بہتر ہیں۔ بجز مستثنیٰ کے غلہ کا محصول ایک قلم معاف کیا، علی بخش خاں خاں باں کو ۳۰ ستر
روپیہ بابت مطالبہ سرکار بخش دیا، "..... دارودی: ۲۵۲، تفتہ کے نام کے خط میں
فدے تفصیل کی ہے فرماتے ہیں: "..... نواب صاحب ازودی صورت روح مجسم اور
با اعتبار اخلاق آیت رحمت میں۔ خزانہ فیض کے تھیلے ہیں۔ جو شخص و فزازل سے جو
کچھ لکھو لایا ہے اس کے پٹے میں دیر نہیں لگتی۔ ایک لاکھ کئی ہزار روپیہ سالانہ کا محصول
معاف کر دیا۔ ایک اہلکار پر ساٹھ ہزار کا محاسبہ معاف کیا اور میں ہزار روپیہ نقد دیا
منشی نو کشور صاحب کی عرضی پیش ہوئی، خلا صد عرضی کا سن لیا۔ واسطے منشی صاحب کے
کچھ عطیہ تبرک شادی صبیحہ بھوپور ہے۔ مقدار مجھ پر نہیں تھلی ۱۲ (ایضا: ۲۹۸)
نظر قیام خانہ اور بخشش محصول غلہ کا ذکر اخبار الصنادید: ۱۷۹۲، میں بھی کیا گیا ہے۔
(۳) قافیہ شایگان ہو گیا ہے۔

(۴) اصل: رواد

- (۵) اصل: قضیہ۔ لیکن ازودی قواعد یہاں بصیغہ جمع استعمال کرنا ضروری تھا۔ بنا پر میں
اسے ہو قلم پر محمول کر کے متن میں اصلاح کر دی گئی ہے۔
(۶) میرزا علی صاحب کے ہمراہ بھی گئی تھی، اس لئے لفافے کی عبارتوں سے متعلق شمار کی جائے

صفحہ ۳۸

- (۱) محمولہ بالافران کا اقتباس عربیہ: ۲۶ کے حاشیہ میں دیا جا چکا ہے
(۲) یہ نصیبہ عربیہ: ۲۶ کے حاشیہ میں درج ہو چکا ہے۔
(۳) کلیات فارسی کے راہپوری نسخے میں اسکا اندراج نہیں ہے، حالانکہ جوابی فرمان مورخ
۱۵ جولائی، میں سرکار نے اس کا وعدہ فرمایا تھا۔

(۴) اصل: بوڑھے مگر اس لفظ کو ۹ جون سنہ ۶۷ کے عربیہ کے ساتھ والی غزل میں "بوڑھا" لکھنے کے
ساتھ لکھا ہے جس سے یہ نتیجہ نکالنا بیجا نہ ہوگا کہ آخر میں میرزا صاحب نے تلفظ اور املا دونوں بدل لئے تھے

(۵) سفر کی تفصیل کے لئے دیا جا رہا ہے۔ یہاں اس قدر لکھ دینا کافی ہوگا کہ میرزا صاحب ۱۱ اکتوبر
سنہ ۱۸۶۵ء کو دلی سے عازم رام پور ہوئے۔ ۱۰ درہ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء کو واپس دلی پہنچے
دارودی: ۲۴۳

(۶) نواب حسین الدولہ وزیر الملک محمد علی خاں بہادر مولت جنگ ریاست ٹونک کے نواب

تھے۔ جنوری سنہ ۱۸۶۵ء میں گدی پر بیٹھے۔ ۳۱ دسمبر ۱۸۶۶ء میں لاہور میں ٹٹھا کر دس کا قتل عام کرنے کے الزام میں حکومت ہند نے انھیں معزول کر دیا۔ سنہ ۷۱ء میں ریاست پٹیالہ ڈپارٹمنٹ کے زیر انتظام آگئی، اور حافظ ابراہیم علی خاں بہادر نواب بنا دیے گئے۔ نواب بہمن الدولہ بہادر جیل گئے، اور ۲ سال تک مقیم رہنے کے بعد ۱۶ صفر ۱۳۱۳ھ (۲۸ اگست سنہ ۱۸۹۵ء) کو بنارس میں انتقال کیا۔ آثار مار ۲۳۹: ۲۳۹ نیز ملاحظہ ہو مکتوب ۱۳۰ کا حاشیہ ۶۔

(۷) احمد شاہ درانی ضلع ہرات کا باشندہ اور اہل نامی قبیلہ کا ایک فرد تھا۔ ابھی بچپن ہی تھا کہ نا در شاہ اس کو ایران کوچنے لگیا، اور اپنی خدمت میں گزر بردار کا ہم سفر کیا۔ اس نے رفتہ رفتہ فوج کے بڑے عہدے تک ترقی کر کے ۱۲ مئی سنہ ۱۷۴۷ء کو نادر شاہ کی وفات پر بجا وقت کر دی، اور صفحہ ۷۵ء میں افغانستان، سندھ اور لاہور کا پادشاہ بن بیٹھا۔ احمد شاہ نے ہندوستان پر متعدد حملے کئے، لیکن اس کی شاہنشاہی جنگ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کے عظیم لشکر سے واقع ہوئی، جس میں احمد شاہ کا میکا ہوا اور بعد فتح شاہ عالم کو تخت و تاج ہند سونپ کر افغانستان چلا گیا۔ احمد شاہ نے ۳۶ سال حکومت کر کے سنہ ۱۱۸۶ھ (۱۷۷۳ء) میں ۵۰ سال کی عمر میں وفات پائی، و مفتاح التواریخ، ص ۷۵۔

(۸) جہاں محمد سے نواب سید غلام محمد خاں بہادر مراد ہیں۔ احمد شاہ کے عطا کردہ خطا ہے کہ اس میں انشا الضماید (۷۶، ۷۷، ۷۸) ملاحظہ ہو۔

(۹) میرزا صاحب کے اس خیر خواہانہ عریضے کے جواب میں نواب صاحب نے تحریر فرمایا: "استحصال الفاظ خطاب دستوری ریاست، بنوہ است حسب الترتیم قصیدہ و سلام مذکور در دیوانہا مندرج کس بیہ خواہشہ... ہ صفحہ سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۵ جولائی سنہ ۱۸۶۶ء، میرزا صاحب نے اس فرمان کے جواب میں حسب ذیل قطعہ لکھ کر ارسال کیا: میرزا صاحب:

ہزار بود و صد و ہشتاد و دو شمار گنید	بحسب ضابطہ از حضرت رسول اللہ
چہار شبہ آخر بود ز ماہ صفر	کہ می در آدرم این قطعہ را بنظم بچہ
سفیدہ سحری کا عذاست دن را قم	سوا صفحہ نمط، ردی بدستگال پاہ
پہی نویسم و وقت نوشتنم باشد	ولی ز بیم بہالب، چو لب نقد رگناہ
خدا کند کہ مشرب شود چو این خرقاں	پریش سنو عالی ز بندہ در گناہ
امیر ملک علی خاں بہادر از رہ لطف	بسوی غائب خویش جگر گنتر نگاہ
کہ این فلک زدہ گر عرصہ مصلحتی	بزعم ہزار خلاص بود، و رنا گاہ
خلاف طبع مبارک فتاد آں تقصیر	بسی خطا رود از بندگان دولت خواہ
تو بادشاہ و شہنشاہ تاجدار فرنگ	خطاب می طلبید بادشہ ز شاہنشاہ

چو رانی من نیز میری، ز حیرم من بگزر

بحق شہدان لا الہ الا اللہ،

صفحہ ۴۲

(۱) اس عریضہ کے جواب میں نواب خلدی شیاں نے ۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۸۲ھ و ۱۱۶۵ گرت
 ۱۸۶۵ء کو تحریر فرمایا، بصحیفہ لطف آگئیں بچلا صد کی بارش باران رحمت و بریں
 نواح و دستدارک حیرت مزاج را تم مع قطعہ دعا یہ غارہ آرا کی چہرہ و معمول نشانہ قبول
 گمہ دیدہ پرینیا مطلع نمود و ترسیل قطعہ مذکور از مزید الطاف فرمایا تھا تصدیر شدہ۔
 مشفقاً اساتین از میں فی الحقیقہ طبیعت را تم بعد از تصحیر جیزی کسبند شدہ بود، لیکن
 حالات بدیابت الہی مزاج خلص خوش و خرم است۔ ہندوؤں مسلخ و دودھ رو پیہ
 برای آن شفیق کہ بتقریب صحت ازھا رضہ لاطقہ دیگر صا جہان مستحقین نیز از میں سرکار
 عنایت شدہ بود، معظوف رفیقہ اودار نیز بطریق عنایات شامت تبلیغ یافتہ
 میرزا صاحب کا یہ قطعہ دعا یہ "غالب نامہ" کے دوسرے ایڈیشن میں محمد اکرم صا
 نے چھاپ دیا ہے۔

صفحہ ۴۳

(۱) میرزا صاحب نے اس جگہ کے علاوہ مکتوب نمبر ۹۰ میں بھی نوٹ غنہ لکھا ہے۔
 (۲) اس سے نامہ غالب میرزا ہے۔ میرزا صاحب نے فارسی لغت کی مشہور کتاب "برہان
 قاطع" کے بعض افلاط پر مشتمل ایک رسالہ مسخ پر "قاطع برہان" داخل ۱۸۵۹ء میں
 تصنیف کر کے نواب فردوس سکاں کی امداد سے شائع کیا تھا۔ اس میں رود و ترح کا
 جوڑھنگ اختیار کیا گیا تھا وہ غیر عالمانہ ہی نہیں، کسی قدر سوتیلہ بھی تھا۔ چنانچہ
 محمد عباس بھٹوی نے بھی جو میرزا صاحب کے حامیوں میں تھے، ان کے ایک خط کے جواب میں
 قاطع برہان نامہ کی درستی و لغت ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا: "..... یعنی صحت نہیں،
 معترض نا انصاف ہیں۔ لفظ یہ ہے کہ خود نام سے نام پیدا ہے، کہ اس نے برہان قاطع
 کو اٹھاتے۔ ان دونوں کا ایک خط پر جو ناجائز قابل و غیر ہے۔ ظاہر اس کا مطلب اور
 آپ کا مقصد وہ ہے۔ تو اسے سبھی کاٹنے کے اور یقین سے بھی آتے ہیں اس نے غالباً
 ثانی مراد لے ہیں اور آپ مئی اول استعمال میں لائے ہیں۔ بہر صورت برہان کی طوین
 ظاہرہ قاطع کی اضافت ہے، اور اس ترکیب میں سراسر لفظ اضافت ہے۔ اس میں کچھ شک
 و شبہ نہیں البتہ میرزا صاحب نے کچھ عجیب نہیں۔ لیکن تعصیر معانی سے
 ظرافت نہ کر لی تھی، یہ کیسا کیا درستی نے آفت کو برپا کیا
 اصعب الناس، عباس (بیاض قلمی مملکہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب) سچ
 ہندوستانی تقلید کے ولد اور ہیں، اور کچھ اس کا انداز متغیر یوں آزار تھا کتاب کے شائع
 ہونے پر، مخالفت کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ برہان کے حامیوں نے اس کی تردید میں متعدد
 کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک نام "ساقط برہان" تھا اس کے معنی کے متعلق میرزا
 صاحب سیاح کو لکھتے ہیں: "وہ جو ایک اور کتاب کا نام ہے ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک قلمی
 پر محاسن صلی لائی کتاب دانہ کا خط ہے رحیم بیگ اس کا نام ہے۔ میرزا کا رہنے
 والا کسی جگہ سے اٹھا ہو گیا ہے۔ باوجود نا بنیائی کہ جتنی جی ہے (۱ اردو) ۲۷ و ۳۶)

شاہ کو لکھا ہے: "در رحم بیگ نامی میرٹھ کار سہنے والا ہے۔ دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا، سن لیتا ہے۔ عبادت لکھ نہیں سکتا، لکھو اور دیکھو۔" اس کے بھوپن ایسا کہتے ہیں کہ وہ فوت علی بھی نہیں رکھتا ۱۰ اور دل سے مدد لیتا ہے۔ ۱۱ دلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اس کو تلمذ نہیں ہے۔ ۱۰ پنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو ان کا شاگرد بناتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہی اس بیچ پرچ پر جس کو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہوا" (عود: ۱۶۱) اس کتاب کے جواب میں میرزا صادق نے "نامہ غالب" لکھا، اور اس کو ۱۱ اگست سنہ ۱۸۷۵ء سے قبل طبع کر کے نواب حیدر آشتیال کی خدمت میں بطریق ارمغان پیش کیا۔ برصاہ عود ہندی دس ۱۲۱-۱۵۵) میں بھی چھپ چکے۔ مولہ جداگانہ مطبوعہ نسخے کی کوئی جلد کتابخانے میں موجود نہیں اور نہ کہیں بازار میں ملتی ہے۔ جناب بختیار الدین احمد آرتھرو صاحب کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ وہ اس مرتبہ کر کے تقریباً ۱۲۰۰ (۳) شاہ عباس ثانی، صفوی خاندان کا آٹھواں بادشاہ تھا، اس نے سنہ ۱۵۳۰ھ (۱۶۲۲ء) سے سنہ ۱۰۷۷ھ (۱۷۶۵ء) تک ایران پر حکومت کی میرزا حسن کا یہ بیان کہ اس بادشاہ کے عہد حکومت میں ایرانیوں نے داستان امیر حمزہ بنائی، کسی طرح درست نہیں۔ (۱) (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کہتے ہیں بھارت کی طرح رموز حمزہ کا بھی ایک خوشخط اور مصور نسخہ ۱۲ دفتر میں تیار کر لیا تھا۔ ۱۲۰۰ سال تا لبعیت بیرون کے بیان کے مطابق ۱۵۹۰ء ۵۹۸ھ ہے۔ خان عبدالمقتدر مرحوم نے کتاب خانہ بانگی پور میں ۱۶۹۷ء میں لکھا ہے کہ آئین اکبری، اکبر نامہ کی تیسری جلد ہے، اور اگر نامہ ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۶ء) میں تمام ہو اتھا۔ بعد ازاں سنہ ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۱ء) تک اس میں اضافے ہوتے رہے۔ شاہ عباس ثانی کی پیدائش کا سنہ ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۳ء) سے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہے کہ شاہ عباس کی پیدائش سے ۳۹ یا ۴۵ برس پہلے رموز حمزہ ۱۰ اکبر کے کتابخانے میں تیار کی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی پرانے نسخے کی نقل ہوگی۔ یہ تو رہائشی ہندوستان کا سوا کتب خانہ بانگی پور میں ایک کتاب نامہ زبدۃ الرموز محفوظ ہے۔ اس کا مصنف حاجی نصر خاں بھوانی دیباچے میں لکھتا ہے کہ میں ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۳ء) میں عراق حیدر آباد پہنچا اور سلطان عبدالعزیز شاہ دہلی کو انکنتھ از سنہ ۱۰۲۰-۱۰۳۰ھ (۱۶۱۱-۱۶۲۰ء) کے دربار میں داخل ہوا۔ میں اپنے ساتھ رموز حمزہ کے کئی نسخے لایا تھا۔ بادشاہ کے حضور میں انہیں پیش کیا۔ تو حکم ملا کہ ان کا خلاصہ تیار کر دو۔ اس حکم کی تعمیل میں یہ کتاب زبدۃ الرموز مرتب کی ہے (فہرست کتابخانہ بانگی پور: ۱۵۹ء) اس بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عباس ثانی کی پیدائش سے ۲۰ برس پہلے یہ کتاب عراق سے دکن میں پہنچ چکی تھی اور چونکہ کئی نسخے دکن میں لائے گئے تھے، اس سے نتیجہ نکالنا قرین عقل ہے کہ عرصے سے ایران و عراق میں اس کا رواج تھا۔

(۲) اس فصیدے کے چند اشعار تذکرۂ انتخاب یا دگازیں بذیل ذکر غالب اور پورا فقیر

سب جہیں ص ۱۸ میں شائع ہو چکا ہے۔

(۳) میرزا صاحب نے اس مام کا اہل اور تلفظ دونوں غلط لکھے ہیں۔ یہ نام عمر د" بکون میم در یادہ واؤ بعد اسے میں نے ازراہ احتیاط اعراب کا اضافہ کر دیا ہے تاکہ عمر "بضم سم و فتح میں سے التباس دور ہو جائے

(۴) "سبد چیں" دکنے دونوں ایڈیشنوں میں "عظلیہ" ہے۔ اور یہی صحیح ہے، اس لئے کہ رموز جزہ وج ۲، جز ۸، طبع ایران ۱۲۷۸ھ میں بھی جزہ عظیمی ہی پایا جاتا ہے۔

صفحہ ۴۳

(۱) بد مثل خوشا، بسیار بد۔ (منہ)

(۲) ہمارہ مخفہ ہوا رک (منہ)

(۳) آدم ادباری، ادب ایدن بکنے ناخائیدہ فرد بردن ادب ایدہ امر ددر آخر تختانی،

مردم آزاری مثلہ (منہ)

(۴) میرزا صاحب نے یہ لفظ بضم الہا رکھا ہے۔ لیکن صحیح "اسپید" بفتح الہا ہے۔

صفحہ ۴۴

(۱) فردیل یعنی بگزار۔ ازینجا التزام موقوف است۔ (منہ)

(۲) گزیریں بپای گزیدہ مستعمل اہل زبان۔ تخریب تحتانی مکسور و میم مفہوم در قمر کی نوادہ را گویند و اسم شای است از دلاد انقواء۔ داینکہ تہور نو بسند طرز اطاست اعراب باحرکت (منہ)

صفحہ ۴۵

(۱) قرضخواہ کی جگہ قرضدار کا استعمال بے پڑھے لکھوں کی زبان پر آج بھی جاری ہے۔ میرزا صاحب جیسے مین میکہ نکالے دلے سے تعجب ہے کہ کس طرح اس کو جائز رکھا۔ چونکہ انھوں نے میر قزبان علی بیگ سا لک اور تفتہ کے نام کے خطوں میں بھی قرضخواہ کی جگہ قرضدار استعمال کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں نصحا کی زبان پر بھی کبھی یہ غلط لفظ آجاتا تھا۔ ملاحظہ ہو، غالب: ۳، ۲، طبع ثانی و خطوط

غالب: ۶۷۱۔

(۲) حکیم بر علی خاں کے متعلق صرف اس قدر بتا چلتا ہے کہ یہ دہلی کے مشہور لطیف تھے۔ ان

کے بیٹے حکیم اسد علی خاں کا ذکر سخن شہر (ص ۱۲۱) میں مضطر تخلص کے تحت کیا گیا

ہے اور انہیں میرزا قزبان علی بیگ سا لک کا شاگرد لکھا ہے۔ اس سے قیاس

کیا جاسکتا ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے ادب میں حکیم بر علی خاں بقیہ حیات تھے

ایک حکیم بر علی خاں، حکیم کاظم علی خاں کے والد تھے۔ قزاقین اعلان و تیرہویں

طب فارسی سے آخری درجہ پر ان کا نام ملتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ یہ دوسرے شخص

ہوں اور نسخہ مذکورہ متن انہیں کا مرتبہ ہو۔

صفحہ ۲۶

- (۱) یہاں کوئی ایک لفظ سا فہم معلوم ہوتا ہے۔
- (۲) اس عریفیہ کے جلب میں ۶ ربیع الثانی سنہ ۸۲ھ (۲۹ اگست سنہ ۱۶۷۵ء) کو نواب خلد اشیاں نے تحریر فرمایا: "سہ قطعہ مقام و ہنہ لطف آگئیں، اول مع قصیدہ نادرہ کہ مضامین عایشیہ مہربناں در غرر معانی بود، وثانی مشعر رسید سنہ وی مبلغ دو صدر دہم و ثالثہ مخدوی بر شوخی ہاکی معجون وغیرہ براہ محبت معنوی متواثر یا سببیں ریز گریبان وصول نشا ط شول گشتہ حالاً مزاج را فہم بوجہ غول و خورم است"

صفحہ ۲۷

- (۱) سکندر زبانی بیگم، نواب خلد اشیاں کی اہلیہ کی وفات پر یہ خط اور قطعاتِ تاریخ لکھا گیا ہے۔ ان بیگم کے والد صاحبزادہ سید ابد اللہ خاں ولد صاحبزادہ سید کفایت اللہ خاں ولد نواب نصر اللہ خاں بہادر، از والدہ آفتاب بیگم بنت صاحبزادہ سید کریم اللہ خاں خلعت نواب سید فیض اللہ خاں بہادر تھیں۔ سنہ ۱۲۷۲ ہجری میں ان کے ساتھ نواب خلد اشیاں کی شادی ہوئی۔ نواب سید مشتاق علی خاں بہادر، عرش اشیاں، بھٹیوں کے بطن سے تھے (انتخاب یادگار: ۲۷۵، اخبار الصنادید: ۲، ۲۳۸)
- (۲) یہ قطعہ تاریخ دوسرے ورق پر لکھ کر اس عریفیہ کے ساتھ ملفوف کیا گیا تھا۔ اس سید چمن میں بھی چھپ چکے۔
- (۳) استاد سے مراد قلندر ظہیر جرات دہوی ہے۔ اس کا مصرع تھا: "خاتم پھر آؤ تو پیا رسے بھر میں ہمارے دن" میرزا صاحب نے پیارے کی جگہ حضرت کر دیا۔ یہی وہ تغیر لفظ ہے جس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

صفحہ ۲۸

- (۱) یہ عریفیہ میرزا صاحب نے راہپور سے لکھا ہے۔ اس زمانے میں نواب خلد اشیاں دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ میرزا صاحب رضوان کو لکھتے ہیں: "آج شنبہ ۴ نومبر کی ہے۔ ہر سون نواب صاحب دورہ کو گئے ہیں۔ فرما گئے ہیں کہ دو ہفتے میں آؤں گا۔ اگر چار روز یہاں رہیں گے۔ پھر نواب شاہ بریلی کی سیر کو جائیں گے (۳۶۰: ۳۶۰) جبکہ غلام بھٹ خاں کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ نومبر کی صبح تک واپس تشریف نہیں لائے تھے۔ فرماتے ہیں: "نواب صاحب دورے سے یا آج شام کو یا کل آجائیں گے بہن عجبیدی کی تیاریاں ہو رہی ہیں" (ایضاً: ۲۳۱)
- نواب خلد اشیاں نے ۱۰ نومبر کو اس خط کا جواب دیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے خیریت مزاج معلوم کرنے کے لیے دو عریفیہ لکھے تھے ان میں سے آخری کے جواب میں سرکار نے تحریر فرمایا کہ: "عقرباں اتفاق مرا جبت بر این فوٹا"
- (۲) صاحبزادہ ممتاز علی خاں بہادر کے متعلق صاحب انتخاب یادگار (ص ۴۹، ۵۰) کہتے ہیں: "میرزا صاحبزادہ محمد ممتاز علی خاں ولد صاحبزادہ محمد اعجاز علی خاں ولد صاحبزادہ نیاز علی خاں"

ولد صاحبزادہ حسن علی خاں ولد جناب مستطاب نواب محمد فیض احمد خاں صاحب بہادر
عرش منزل، طاب نواہم۔ ستائش بریں کا سن ہے۔ میر احمد علی رستاکے شاگرد ہیں۔ یہ صاحبزادہ
نبات اہلیت شفا میں، خوش خلق و خوش اطوار ہیں۔ یہ ان کا کل نام ہے۔
منقون ہر چند یہ کہتا تھا کہ بوسے بیچے پر ترا نقش قدم مجھ سے مٹایا نہ گیا
صاحبزادے صاحب کو نواب سید الدین احمد خاں فاروقی کی صاحبزادی متوبہ تھیں۔
اس فقرہ سے مراد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اور وہیں انتقال کیا۔

(۲) نواب سید الدین احمد خاں، نواب محمد الدین احمد خاں کے بیٹے اور نواب مجید الدین احمد خاں
عرف نواب مجو خاں مراد آبادی کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے آباد اجداد میں سے ایک بزرگ
قاضی عصمت الدین فاروقی، نواب عصمت الدین خاں بہادر کے لقب سے مفتخر اور عہد
عالمگیر میں مختلف صوبوں کے گورنر رہ چکے تھے۔ خود نواب مجو خاں بھی بڑی جاگیر کے دارشا
تھے۔ قدر سنہ ۵۵ء میں بھرم بغاوت انھیں پھانسی دیدی گئی اور اس وقت سے
اس خاندان پر زوال آگیا۔ مراد آباد میں اس خاندان کے احسان اب بھی موجود
ہیں نواب سید الدین احمد خاں کی ایک تصنیف ”لب لباب رمل“ کتابخانہ بہار میں محفوظ
ہے۔ یہ نسخہ بڑے انتہام سے لکھا گیا ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ خود مصنف نے تیار کیا ہو گا۔
دیباچے میں مصنف نے اپنے خاندان کی ابتدائی تاریخ اور بعد ازاں سنہ ۵۵ء میں اس کی بربادی
پر ایک مختصر نوٹ لکھا ہے۔ نواب سید الدین احمد خاں نے ۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۲۰۳ھ ہجری
۱۸۸۶ء اور جمادی الاولیٰ سنہ مذکورہ ۱۳۰۴ھ قمری سنہ مذکورہ ۱ کے درمیان انتقال کیا۔

(۴) لارڈ ولیم بنتلک نے دیوانی عدالت میں ہندوستانی حاکموں کے واسطے
بین درجے مقرر کر رکھے تھے: (۱) صدر الصدور، اس کا مشابہہ سور وہے تھا، اور
دیوانی مقدمات میں جوں کے برابر اختیار دیئے گئے تھے، (۲) صدر امین، ان کا مشابہہ
دوسرے بین سور وہے تک تھا۔ اور ہزار پہلے تک مقدمات فیصل کر سکتا تھا،
(۳) منصف، اس کا مشابہہ سور وہے سے ڈیڑھ سور وہے تک تھا، اور بین سور وہے
تک کے مقدمات فیصل کرنے کا اختیار تھا۔ منصفوں کی ترقی صدر امینی پر اور صدر
امینوں کی ترقی صدر الصدور پر ہوتی تھی۔ منصفوں کے لیے کوئل کٹی کے سامنے امتحان
دینا پڑتا تھا۔ اس کے بعد ترقی کا نگذاری کی عمدگی پر موقوف تھی۔ تاریخ ہندوستان،
دیکھا، المرح ۳ ج ۲: ۴۹۷، ۴۹۸

(۵) مولوی محمد حسن خاں صدر الصدور مولود آباد ولد مفتی ابوالحسن، بانس بریلی کے باشندے
تھے، علم و فضل کے ساتھ شعر گوئی کا بھی شوق تھا اور شہیر گشتے تھے۔ سخن شعر (۱۷۷)
میں ان کا یہ شعر درج ہے۔
اب جس دہائی بھاگلہ کس نے امیر، زلفوں میں کیوں بھینا تھا، ایسے ہنری دل
ان کی ایک فارسی تصنیف اصل الاصول کتابخانے میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ عربی کا ایک
رسالہ ہے۔ جسے سنہ ۱۲۵۳ھ میں تصنیف، اور مطبع نظامی کاپور میں سنہ ۱۲۷۱ھ میں

طبع کرایا تھا۔ ان کے فرزند مولوی نجم الحسن خاں کے مکتوب مورخہ ۱۲۶ اپریل ۱۸۷۸ء ۵ معلوم ہوتا ہے کہ صدر الصدور تاریخ تحریر مکتوب سے ۵ سال قبل تقریباً سنہ ۱۸۷۳ء میں انتقال کر گئے تھے۔ ان کے برادر خرد مولوی حامد حسن خاں صاحب صدر الصدور فروری سنہ ۱۸۷۸ء میں فوت ہوئے ہیں۔

(۶) نواب مصطفیٰ خاں بہادر، فرزند عظیم الدولہ بہ فرزند الملک نواب مرہٹہ خاں بہادر جہانگیر آباد جاگیردار اور بڑے صاحب علم و خوش گفتار شاعر تھے۔ اردو میں شیعہ اور فارسی میں حنفی تخلص کرتے تھے۔ (اردو ۱۰۱) ابتداء حکیم مومن خاں سے مشورہ سن رہا۔ ان کے انتقال کے بعد میرزا صاحب سے اصلاح لینے لگے۔ انہوں نے اردو شعر کا ایک قابل استناد تذکرہ ”گلشن بیجار“ فارسی زبان میں تصنیف کر کے خود شائع کیا تھا۔ انہوں نے غزلیں شیعہ کو ۳ سال کی سزا ہوئی۔ لیکن آخر کار رہا ہو گئے۔ میرزا صاحب سے ان کے بہت خلصانہ روابط تھے جب میرزا صاحب فتنا رازی کے الزام میں قید کیے گئے، تو انہوں نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ ”حبیبہ“ میں میرزا صاحب نے اس خلوص کا اس طرح

اعتراف کیا ہے
خود چراغ خون خورم از غم کہ بہ فخر آری من رحمت حق بہ لباس بشر آمد، گوئی
خواجه ہست دریں شہر کہ اندر پیش وی پایہ خویشتم در نظر آمد گوئی
مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ فخر آری است گھر ہمیر، چہ غم از مرگ بہ عزادوست
شیعہ تھے ۳۳ سال کی عمر پا کر سنہ ۱۲۸۷ھ میں وفات پائی۔

(۷) میرزا صاحب کو یہ مصیبت راہبوسے واپسی کے وقت برداشت کرنا پڑی تھی۔ دیباچے میں اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

صفحہ ۳۹

(۱) دراصل یہ قطعہ سفر کلکتہ کے سلسلے میں لکھا گیا تھا، چنانچہ راجی چھج کل کھتری کے نام ایک فارسی خط میں ”چچ آرمنا“ (چھپ بھی چکا ہے۔ لیکن وہاں بجای ”غلبہ“ لکھا ہے)۔ مصلحت غم، اور بجای مصرع ثالث ”گویند زندہ تا بہ بنادیں رسیدہ است“ لکھا ہے۔

(۲) لکھا ہے پر ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۷۶ء تحریر ہے۔

(۳) نواب خلد آشاں کو میرزا صاحب کے مصائب سفر کی روداد نواب مصطفیٰ خاں بہادری زبانی معلوم ہوئی، تو انھوں نے مراد آباد کے پتے پر میرزا صاحب کو تحریر فرمایا: نواب صاحب، مشفق جہان، کہ مفرمایا، خلاصا، سلمہ اللہ تعالیٰ! بعد اشتیاق مہمصلت موفور المست کہ مخاوا تقریر ہے، مشہور ردضیر مودت تخیر کے ہو۔ زبانی نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر کے دریافت ہو کہ مراد آباد میں کچھ طبیعت آپ کی علیل ہوئی ہے۔ باجماع اس امر کے باعث کمال تردد کا ہوا۔ اس واسطے حوالہ خانہ محبت نکاس کے ہوتا ہے کہ حال خیریت مزاج سے مطلع کیجئے۔ اور اگر جنوز طبیعت مائل بہ اعتدال نہ ہو، اور آپ کا ارادہ تیار مراد آباد کا تا درستی ہو، تو آپ رام پور میں تشریف لائیے۔ یہاں معالجہ بخوبی عمل میں آئیگا۔ فقط مزادہ جمعیت اور ثلث اظہار المرقوم، استنبان سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق

۵ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء محمد کلب علی خاں

منزل میں اصل فرمان موجود اور اس کے لغات پر تحریر ہے کہ خط ہذا ہر کارہ بندہ از مرآۃ آباد بحت نشر یافتہ فرما شد مرزا نوشہ صاحب بہ دہلی واپس آ رہے۔ مرقوم ۱۸ شعبان سنہ ۱۲۸۷ھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کو فرمان موصول نہ ہوا۔ مگر اس عرصے میں ان کا عرفیتہ ۱۲۸۷ھ را میور پہنچ گیا۔ اس کے جواب میں سرکار نے ۵ جنوری کو تحریر فرمایا:۔۔۔ جو کہ وقتاً اطلاع اخراجات طبیعت آپ کے مرکز اعتدال سے بمقام مرزا رفیقہ الادود اس معنوں سے کہ اگر ارادہ قیام مرآۃ آباد کا واسطے مصلحت کے ہو تو را میور کو معاودت کیجئے، یہاں معاویہ بخوبی عمل میں آئیگا۔ بعد سمت ہر کارہ کے بھیجا گیا تھا۔ لیکن آپ وہاں سے روانہ دہلی کے ہو گئے تھے ہر کارہ خط واپس لایا۔ اس بار دہلی سے کمال انتظار وصول مفاد ضمیمہ فرست کا تھا۔ الحمد للہ کہ وصول یافتہ لطف آگئیں باعث اطمینان ہوا۔ میرزا صاحب کا عرفیتہ ۱۲۸۷ھ ہی فرمان کا جواب ہے۔

صفحہ ۵

(۱) غلام نوخر سے حسین علی خاں مراد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے ۲۱ جنوری کے عرفیتہ کے بعد کوئی اور خط بھی لکھا تھا۔ جس میں حسین علی خاں کی تنخواہ کی ہستہ مانگی گئی تھی۔ میں خط ادراک کو ابھی فرما دیا تھا۔ اس لیے سوال و جواب کی نوعیت کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال موجودہ مراسلت میں یہ پہلا عرفیتہ ہے۔ جس میں حسین علی خاں کی تنخواہ کا ذکر کیا ہے۔

(۲) آل تھمار ہر دردی کے دیوان توارخ ۱۲۸۳ھ میں ایک قطعہ تارخ لکھا ہے جس کا عنوان ہے۔۔۔ "تارخ کردن مرزا اسد اللہ خاں" المختص بہ غالب و المستنصر بہ مرزا نوشہ دہلی

خود قطعہ یہ ہے۔

میٹھے میٹھے میکا بیک کینو کر ہوئے
یوں سخی میں نے کہ غالب کو ہوئے

کان بہرے میرزا نوشہ کے آ
دوستو تارخ اس کی غیب سے

اس مادہ تارخ سے اعداد ۱۲۷۲ تک ہیں جو سال پجری ہے اور ۱۲ اگست ۱۸۵۷ء تا ۱۱ اگست سنہ ۱۸۵۸ء سے تطابق رکھتا ہے۔ لیکن جیسا کہ آئندہ عرض کروں گا۔ یہ تارخ ایک غلط بھی کی بنا پر لکھی گئی ہے۔ دراصل میرزا صاحب اس سے برسوں پہلے بہرہ ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۰ دسمبر ۱۸۵۲ء کو تفتہ کے نام کے خط میں لکھتے ہیں: "لوڑھا ہو گیا ہوں، لہذا ہو گیا ہوں" ۱۱ دہری، ۱۱۳۱ ایک شنبہ ۱۴ دسمبر سنہ ۱۲۸۲ھ کو تفتہ ہی خط میں "جن کی بیانی میں صنعت آگیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ: "کاروان مارا ہمیں شہیدان و دین و کھن و رفتن متاع است، چرا تباراج نرود۔" یہی راگوش گرانست تا ہفتیش چہ سرا بد و بیکرا چشم نگرانست تا کہ فی آبد"۔ دباغ دودرد ۶۱ الفتن بہرے ہونے کی تاریخ سے متعلق ان کے نظمی اور نثری بیانات ہیں۔ لیکن ہم اس تارخ کو اور پیچھے جاسکے ہیں۔ ایک تاریخی خط میں شفق کو تحریر کیا ہے: "اکنوں کردوان فرد بخشت، و گوش گران گشت، سوی سپید است دردی بر آژنگ، دست بلرزہ اندرست و پای در رکاب" یہ دہج آہنگ:

۱۸۴۸ء، طبع دوم) اس خط میں جوانِ مجتہد کے سر پرے کا قصیدہ دہرایا ہے۔ میرزا صاحب کا سربراہ ذوق کا جواب اور میرزا صاحب کی معذرت سزا یہ سب دہلی اردو اخبار، مورخہ ۶ جنوری ۱۲۶۸ھ (۲۰ مارچ ۱۸۵۲ء) میں شائع ہوئے تھے۔ غالباً اس اخبار کو چڑھ کر شوق نے استفسار حال کیا، اور یہ سب کچھ اس واقعے کے نوآباد پیش آیا، اس لیے کہ میرزا صاحب نے بیان واقعے سے پہلے لکھا ہے: ”در تادیدہ دوران از دورنگ زندک نامہ نگار رامشہ خوں فتانتست و دل دردمند“، ظاہر ہے کہ دل کی درد مندی اور مرثہ کی خواہش زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتی، اور کچھ ہو بھی، تو اتنی تو افسینا ہوگی کہ اسے اپنے پروردگار سے بیان کیا جائے۔ لہذا میرزا صاحب کو سنہ ۱۸۵۲ء کے آخر کی بجائی اب آغاز میں ہوا ہونا چاہیے۔

مترور کے خط میں فرماتے ہیں: ”میں پاں سات برس سے بہرا ہو گیا ہوں“، دعوہ ۱۱۱۱ء یہ خط ان کے نام کے خطوں میں دو سر لپٹے ۱۰ درغیر خط چیشندہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا تھا۔ اسی بنا پر اسے بھی ۱۸۵۸ء کی کا ہونا چاہیے۔ اگر یہ صحیح ہے، تو پھر میرزا صاحب کے اس تخمینے کے پیش نظر انھیں ۱۸۵۱ء میں بھی نقلِ سیاحت کا ملحق ہونا چاہیے۔ میرزا صاحب ایک فارسی قصیدے میں، جو داحد علی شاہ کی مدح میں اور کلیات (ص ۳۲)

میں چھپ چکا ہے۔ فرماتے ہیں:۔
تعالیٰ پیری ورنجوری و گوانی گوش
کہ کرداں چہ دشوار کار آسان را
یہ قصیدہ میرزا رائے میں سنہ ۱۸۴۹ء کے آخر میں لکھا گیا ہے، اس لیے کہ اس میں

میرزا صاحب فرماتے ہیں:۔
کہ گفتہ است در آئین بزم سوسرود
من از دلازی شہای قوس سوارم
غوشاد ازی شب زانکہ گر بود تارکب
و گر بود شب مر، نیز بزم عیش آرائ
قطب الدولہ کے نام کے ایک خط مورخہ ۱۲ مئی ۱۸۴۹ء سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے یہ قصیدہ میرزا احمد حسین میکیش کے ہاتھ قطب الدولہ کے پاس بھیجا تھا، باغ دورہ ۱۹۵۰ھ، مثنوی جواہر سنگھ جوہر کے نام کے ایک خط مورخہ ۲۰ فروری ۱۸۴۹ء میں میرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ میرزا احمد حسین کہ تنہوائی شہا است و میکیش تخلص می کند، لکھنؤ رفتہ است۔ در ہر نامہ کہ بن می فرستد، بشما سلام می نوبد اینچہ ۵۴۵۵ء، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میکیش فروری سے خاصا قبل لکھنؤ جا چکے تھے۔ چونکہ مذکورہ بالا اشارے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدہ لکھنے وقت ماہِ آبان کی رتیں تھیں، اور آفتاب برج قوس میں تھا۔ اور آبان ایرانی سال کا چھٹاں چھوٹا اور فومبر کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لیے قصیدہ ۷۰ کو فومبر ۱۸۴۸ء میں لکھا جانا اور میرزا صاحب کو اس وقت بہرا ہونا چاہیے۔

میرزا صاحب نے ایک فارسی قصیدہ آزرہ کی مدح میں لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:

نالم از درد دل، اما چارہ چوں خرم کس من کہ نوازند گوش من رسد آوازیں
اس شعر میں اپنے صنعت کا بیانیہ بیان مقصود ہے۔ یعنی میرا حال کمزوری سے یہ ہو گیا ہے کہ منہ سے آواز نہیں نکلتی یا نکلتی ہے تو بیدار ہوں۔ حتیٰ کہ میں خود اسے نہیں سن سکتا، پھر ایسی حالت میں کسی سے کیا اعانت کی امید رکھوں۔ وہ میری کب سن سکے گا۔ جو مدد کو آگے بڑھے۔ مگر میرا خیال ہے کہ میرزا صاحب یہ مضمون اپنے بہرے پن کی حالت سے پیدا کیا ہو، تو کچھ عجیب نہیں۔ اگر یہ حد شدہ درست ہے، تو انھیں ۱۸۵۵ء ۱۲۶۱ھ سے قبل بھرا ہونا چاہیے اس لئے کہ یہ قصیدہ سندھ نگر کے مظلوم دیوان میں موجود ہونے کے باعث اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔

نتیجہ بحث یہ ہے کہ میرزا صاحب سنہ ۱۸۵۲ء میں بالیقین بہرے تھے سنہ ۱۸۴۹ء میں گمان غالب ہے کہ بہرے ہوں اور سنہ ۱۸۵۵ء میں ان کے بہرے ہونے کا احتمال ہے۔ آل محمد مارہروی کو یوں غلط بھی ہوئی کہ میرزا صاحب نے سرور کے ۱۸ تو بہرہ سنہ ۱۸۵۸ء کے خط میں صاحب عالم مارہروی کو مخاطب کر کے لکھا تھا: "اگرچہ تو سیٹھ برس کی عمر میں بہرا ہو گیا ہوں۔ پر دنیا کی میں فتور نہیں" (دعویٰ ۱۳) اس سے میرزا صاحب کا مقصد صرف یہ تھا کہ گو بہرا ہوں، مگر اس بڑھاپے میں نگاہ تیز ہے۔ آل محمد صاحب یہ کہ ۶۳ برس کی عمر میں بہرا پن شروع ہوا۔

(۳) میرزا صاحب نے ۱۵ فروری ۱۸۶۶ء کو یہ شکایت ذاب خلد اشیاں کو لکھی ہے۔ "مئی سنہ مذکورہ کو ذکا کے خط میں لکھتے ہیں کہ "راہپور کے سفر کارہ آدر ہے۔ رعشہ وضعف بصر" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنکھوں کی بنیادی میں فرق، راہپور سے دلی واپس جاتے ہوئے جو تکلیف میرزا صاحب نے اٹھائی تھی، اس کے باعث پیدا ہوا۔ لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے۔ میرزا صاحب نے ۱۴ رجب ۱۲۸۱ھ ۱۴ دسمبر ۱۸۶۴ء کو تفتہ کو لکھا ہے: "سامعہ مر گیا تھا، اب باصرہ بھی ضعیف ہو گیا" (خط ۱۱: ۶۶) چونکہ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء کے لکھے ہوئے خط بنام سرور میں صاحب عالم کو مخاطب کر کے میرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ "اگرچہ ۶۳ برس کی عمر میں بہرا ہو گیا ہوں پر دنیا کی میں فتور نہیں۔ جینکے اعانت چاہی منور نہیں" اس لئے انھیں اس تاریخ کے بعد اور تفتہ کے نام کے خط کی تاریخ ۱۴ دسمبر ۱۸۶۴ء کے درمیان کسی وقت اس شکایت میں مبتلا ہونا چاہیے۔ اور اس صورت میں ۱۳ مارچ ۱۸۶۶ء کو ان کا یہ لکھنا کہ "مرض و ترم بڑھ گئے۔ دوران سر رعشہ اور ضعف بصر تین بیماریاں نئی پیدا ہوئی ہیں" امانی بنیان ظاہر کرتا ہے۔

(۴) شیز طاحظہ ہو عرفیہ مورخہ ۱۸ ستمبر ۱۸۶۶ء

صفحہ ۵۰

- (۱) میرزا صاحب نے ۱۲ مئی سنہ ۱۸۶۶ء کے ڈاک کے نام کے ایک خط میں اس سے ملتے جلتے الفاظ میں اپنی حالت بیان کی ہے۔ "ڈراگے میں" "آگے" "نا تو ان تھا" "ابا بیجان ہوں" "آگے بہرا تھا" "ابا انا صا جو اچا ہوتا ہوں"۔ "را میور کے سفر کارہ آور رہے" "عشتہ وضعف بصر جہاں چا سڑاں لکھیں" "انگلیاں شرمی ہو گئیں" "حرف سو جھنسنہ گئے" "دارودی: ۳۸" (۲) یہ غزل عریض کے دوسرے ورق کی پشت پر تحریر ہے، اور سب حین کے پہلے ایڈیشن میں چھپ چکی ہے۔

- (۳) میرزا صاحب نے ازراہ سہو بحر مل سخن معنون کو، ہزج سخن سالم لکھ دیا ہے، پیش لہین فقیر دہلی نے سالہ ۱۹ ورق الف میں لکھا ہے: "بحر مل سخن معنون، متالش سہو کی گویہ۔"

گفتہ بودم ہر بیانی انجم دل با تو گویم چہ گویم کہ غم از دل برد و چون تو بیانی
والہینا سعد کی گفتہ۔

- مرداں مع کشم کہ چو دل تو دادم باید دل تو گھن کہ چنیں خوب چرائی
تقتیش بہ پشت فعلاتن تمام می شود۔ از دل جملہ کن صدر فعلاتن آمده باقی ہمہ معنون در صدر و ابتدای اب و وزن اگر سالم بجائی معنون آرند یا بالعکس جائز است۔
پہ شیدہ نامند کہ اب و وزن مشتبہ می گردد و بہ بحر یہ سال مقطوع، زیر کہ قطع چوں در مقابل در آید، مفاعل لبکون لام می شود۔ دآن را بہ فعلاتن منقول می سازند۔ اما چوں فعلاتن در تمام ابون بے نقل وصل می شود، اختیار نمودنش از بحر مل اقرب در صواب است۔

صفحہ ۵۱

- (۱) اس عریض کے قلعے پر ۱۵ مئی سنہ ۱۸۶۶ء تحریر ہے۔ غالباً دوسرے دن ڈاک میں بھیجا گیا تھا۔
(۲) بادشاہ دہلی سے بہادر شاہ ظفر مراد ہیں۔ میرزا صاحب کی ملازمت کی تفصیل کے اعلقات قلعہ شملی دیکھیے۔

صفحہ ۵۲

- (۱) خدا کرے کہ سہو لکھ دیا ہے۔
(۲) میرزا صاحب نے تیری "لکھا ہے۔"
(۳) یہ غزل عریض کے دوسرے ورق کی پشت پر تحریر ہے۔ اس کے جواب میں ۱۲ صفر ۱۲۸۳ھ
(۴) ۲۳ جون سنہ ۱۸۶۶ء کو خلد اشیاں نے تحریر فرمایا: "مفاوضہ عدیم المعاد منہ مع غزل من تصانیف منہ آپ کے وصول شدامانی کا لایا۔۔۔ سبحان اللہ! مصنوع اور طرز ہر ایک شاعرانہ مذکور کا نیا ادعیم الخال ہے۔"

صفحہ ۵۵

- (۱) شفی سیلچند کے لئے ان کے نام کے خطوط سے قبل کا نوٹ ملاحظہ فرمائیے۔

صفحہ ۵

۱۱) نیز ملاحظہ ہو جو بیضہ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۷۶۷ء

۱۲) نواب خلید آشتیاں نے ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۱۸۳ھ ۲۵ دسمبر ۱۷۶۷ء کو جابا خیر فرمایا اس صورت میں رسید ثانی ضرور نہیں ہے۔ اور حسب الامداد اوسط بھیجے جانے پسند وی مشاہیرہ آپ کے اس طور پر کہ تاریخ پہلی یاد دوسری تک آپ کے پاس پہنچ جایا کرے حکم بنام اہالی سرخند کے یہاں ہو گیا ہے۔

صفحہ ۵

۱۱) بدر الدین محمد چاچی، چاچ داتا شقند کے رہنے والے تھے۔ سلطان محمد بن تغلق (۱۵۲۵-۱۵۵۰ء) کے عہد میں ہندوستان آئے۔ اور اس کی طرح سرائی میں اپنی عمر کا بڑا حصہ گزارا سلطان محمد بڑا علم و دست بادر شاہ تھا۔ اس نے ان کی کافی قدر و منزلت کی اور فخر الزماں "خطابہ دیا۔ بدر سنہ ۱۵۴۵ء ۱۶۳۵ھ میں انتقال کیا۔ ان کے قصائد شہرت عام کے مالک ہیں۔ اور برسوں درسیات فارسی میں شامل رہے ہیں لیکن تعلیمات و کتبائات کی اور کے سب سے بڑے کلام میں لطیف ہے۔

۱۲) میرزا ظاہر خاں، وچیدخلص مشہور شاعر اور نثار اور قزوین کا باشندہ ہے۔ سنہ ۱۰۵۵ھ ۱۶۴۵ء میں شاہ عباس صفوی نے اپنا مجلس نویس مقرر کیا۔ سنہ ۱۱۰۱ھ ۱۶۹۱ء میں ابراہیم یگیا اور ۱۱۰۸ھ ۱۶۹۸ء میں اس عہد پر رہا۔ عہد الدولہ خطاب غالب اسی عہد کی یادگار ہے۔ تاریخ ایران مشہور بہ تاریخ ظاہر وچید کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر کو نیز نویسی پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ لیکن اشعار کی شہرت صرف عہد وزارت کی بدولت ہوئی۔ اس نے جمیع اشعار کے نام سے ایک تذکرہ شعر بھی لکھا تھا جس کا ایک نسخہ ایشیا نکلہ برسائی کے کورن کلکشن میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر ریو نے لکھا ہے کہ تقریباً سنہ ۱۱۰۰ھ ۱۶۹۰ء میں انتقال کیا۔

۱۳) میرزا جلالی طباطبائی، اصفہان کا باشندہ ہے۔ سنہ ۱۰۴۰ھ ۱۶۳۰ء میں ہندوستان آیا۔ اور شاہ جہاں کے دربار کا مورخ مقرر ہوا۔ ابھی ۵ سال کی تاریخ لکھنے لگا تھا کہ حسد نے سازش کی اور کام ہمیشہ کے لئے رک گیا۔ جلالہ نثار میں خاص طرز کا مالک ہے یہاں یہ ظاہر کو دنیا مناسبت کا کہ میرزا صاحب نے طباطبائی کو سب سے طلبائی لکھ دیا ہے

۱۴) اعجاز خسروی ہندوستان کے سب سے بڑے فارسی شاعر و نثار حضرت امیر خسرو دہلوی متوفی سنہ ۷۴۷ھ ۱۳۴۵ء کی تعینیت ہے۔ یہ نثر مرصع کی ممتاز کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اور نوازش پر سیس لکھنؤ میں طبع ہو چکی ہے

۱۵) ابو النصر معین الدین محمد اکبر شاہ، شاہ عالم، بادشاہ دہلی کے بیٹے اور دہلی کے آخری بادشاہ ظفر کے باپ تھے، رمضان سنہ ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۵ء میں ۱۶۷۷ء کی تاریخ کو پیدا ہوئے اور رمضان ۱۲۶۱ھ ۱۸۴۷ء میں ۱۹ نومبر سنہ ۱۸۰۷ء کی سال کی عمر میں غارت ہوئے۔

پیشہ ۱۰ اور ۳ سال ۹ ماہ ۲۱ دن سلطنت کر کے ۲۸ جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۵۳ھ (۸ ستمبر ۱۸۳۷ء) کو جمعہ کے دن فوت ہو گئے (مفتاح التاریخ: ۳۷۵) اکبر شاہ اپنے والد کی طرح

شاہنشاہی تھے اور "مفتاح" تخلص کرتے تھے۔ شاہ عالم کا مجموعہ کلام فارسی وار دو ہندی موسوم بہ نادرات شاہی، کتاب خاندرا بیور کی طرف سے طبع ہو چکا ہے۔

(۱۷) میرزا صاحب کا یہ عربیہ نواب خلد اسفیاں کے فرمان مورخہ ۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ (۲۸ اگست سنہ ۱۶۶۷ء) کا جواب ہے۔ القاب و ادب کے بعد نواب صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

..... دریں ولا تقریظ شرح فصحاء بدر چاچی از نوک نظم جلوہ خیز گردیدہ۔ اولاً بدر چاچی
صورت عیال و جید و مایاتی بر طرز جلایای طباطبائی نگاشتنہ ام۔ چون زبور اصلاح
در گنج خانہ عالی طبیعت اس استاد و زمان خرد و نست، ہمیں نظر اس نقیض باطل را مرسل
ساختہ، مرقوم کہ انچہ فطرت کمال سے شارانہ پسند، خامہ اعجاز کار را بر پرچہ ثانیہ ملاوہ ازین
مجموعہ پریشانی بہ ثنائیش تکلیف تحریر دہند و با سرع از منہ دیدہ و سفیدان این دیار را
از مرمہ جواہر نکین جواب با صواب مسرور و شاد مال سازند

شرح فصحاء بدر چاچی، جس کا فرمان میں دیکھتے ہیں، مولوی محمد عثمان خاں بہادر دارالمہام
کی تصنیف ہے۔ خان موصوف نواب خلد اسفیاں کی خدمت میں زمانہ و بعدی سے آمدت
رکھتے تھے۔ زبان فارسی اور حساب وغیرہ سے بخوبی واقف اور قدرے عربی آشنائے۔
جب نواب صاحب تخت نشین ہوئے تو ان کا تقرب اور رسوخ یہاں تک بڑھا کہ
رہاستہ کے دارالمہام بنا۔ اپنے گئے۔ مراجع میں قدرے دستنی اور جبر تھا۔ اس وجہ
سے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) کو جامع مسجد کے اندر جلسہ میلاد الہی کا۔

انتظام کرتے ہوئے نادر شاہ خاں نامی ایک چٹھان کے ہاتھ سے چا کو کا زخم کھا کر
انتقال کر گئے۔ یہاں منصور علی صاحب منصور را بیور نے "رخصت" مادہ تاریخ نکالا
اخبار الصنادید ۲، ۱۵۲-۱۵۶ میں گیارہ تاریخ کو زخمی ہونا اور بارہ کو وفات
لکھی ہے۔ ان کے خاندان کی ایک مسطورہ تحریر کا بیان بھی یہی ہے۔ مگر حفیزہ عثمانی
بزرگان شہر سے پرس وجو کی تو بالاتفاق سب نے یہی بتایا کہ ہمیشہ سے ۱۲ ربیع الاول
ہی کو جلسہ میلاد الہی ہو کر رہا ہے اور یہ واقعہ سب کے نزدیکی جامع مسجد کے اندر جلسے میں
پیش آیا تھا۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ مولوی نجم الثانی خاں مرحوم کی تحریر انھیں محترم
کے بیان پر مبنی ہے جو ان کی رسمتہ دائر ہے۔

(۱۸) اس نثر سے مذکورہ بالا تقریظ شرح فصحاء بدر چاچی مراد ہے۔ مثلاً میں یہ نثر موجود نہیں
ہے اس لئے میرزا صاحب کے مواضع معلوم نہیں ہو سکے۔

صفحہ ۵۸

(۱۹) نواب صاحب نے ۱۲ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ (۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۷ء) کے قریب
میں جبر، کا کچھ حصہ ۱۳ اگست کے عربیہ کے حاشیہ میں نقل کیا ہوا ہے، میرزا صاحب
تحریر فرمایا تھا..... مطلب دگر، جو کہ راقم کو تر تیب بیاض اشعار منتخبہ اساتذہ

دارد کی منظور ہے اس واسطے جو اہل خانہ محبت نگاہ کے ہوتا ہے کہ آپ انتخاب دیوانی کا
اگر دلیپنے کا فرما کر مع انتخاب کلام ضیاء الدین خاں صاحب لطف کریں، تا شارل انتخاب
کے جو اس سرکار میں علی میں کیا ہے، ہو جائے، میرزا صاحب نے حسب احکم اردو دیوان کا انتخاب
۱۸ ستمبر کو اور فارسی کلیات کا انتخاب ۲۴ ستمبر کو ارسال کیا۔ یہ دونوں انتخابات جو حسب تاریخ
فرمان مورخہ ۱۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۳ھ ۶ ستمبر ۱۸۶۶ء میں اس تاریخ سے قبل موصول ہو چکے
تھے مکتب خانہ سرکاری میں محفوظ تھے۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں ہندوستانی حاشی اور مقدمے
کے ساتھ "انتخاب غالب" کے نام سے ان کو یکجا شائع کر دیا گیا ہے۔ نواب صاحب کے
بہندیدہ اشتہار کی کئی چھوٹی چھوٹی بیانیوں میں بیانے میں محفوظ ہیں، مگر ان کے متعلق
یہ کہنا دشوار ہے کہ وہ سب یا کوئی ایک مذکورہ بالا ہیں۔

۱۲۱ نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر نواب احمد بخش خاں والی فیروز پور جوہر کہ دھاکہ دار لوہارو
کے ضلع اصغر تھے، ان کی چچا زاد بہن غالب سے منسوب تھیں۔ اس نسبتی رشتے کے علاوہ
اہم رابطہ یہ تھا کہ نواب صاحب فن شعر میں غالب کے شاگرد تھے۔ یہ فارسی میں قیتر
اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے، اردو میں: ان کی سلامتی دق و صحت طبعیت
کے میرزا صاحب اس درجہ معترف تھے کہ انھیں اپنا نمونہ کہتے تھے۔ کلیات فارسی میں
انکی طرح میں ایک قصیدہ ہے۔ اس میں میرزا صاحب فرماتے ہیں۔
نکتہ شبوہ، شاگرد من بن ماناست صنف بصورت خودی تراشد آذر من
اگرچہ دست ارسطوی من فطام خم بود بپایہ ارسطوی من سکندر من

نواب ضیاء الدین احمد خاں بہادر ادب، تاریخ، حکمت، سیاست، دن اور جغرافیہ کے
بہت بڑے عالم تھے۔ انھوں نے ایسٹ صاحب کو تاریخ ہند کی ترتیب میں بہت مدد
دی تھی۔ ان کے کتب خانے کے متعلق میرزا صاحب لکھتے ہیں: "میرا ایک نسخہ بھائی ہے
نواب ضیاء الدین خاں سلمہ الدت نے"۔ وہ میری نظم و نشر کو فراہم کرتا رہا تھا۔ چنانچہ
مجموعہ نثر میں اور کلیات نظم فارسی اور کلیات نظم اردو سب سے اس کے کتب خانے
میں تھے۔ وہ کتنا بچانہ کہ طور کر من کرتا ہوں، ہزار روپیے کی مالیت کا ہو گا، لٹ گیا
ایک ورق تھیں۔ ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳

لیکن میرزا صاحب کی اس بیماری کا پتہ مارچ ۱۸۵۲ء میں بھی چلتا ہے۔ بشفق کے نام سے فارسی خط میں ہواں تخت کے سپرے کا جھگڑا بیان کر کے لکھا ہے کہ "اکنون که دندان فرد ریخت، و گوش گراں گشت، موی سپید است و روی پر از زنگ، دست بلرزد اندر دست و پاکی در کاس، و دینج آہنگ، ۱۸ م، طبع دوم، اس جیسے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۲ء میں جب کہ ان کی عمر ۵۵، ۵۵ برس کی تھی، چند دانت گر چکے تھے۔ کان بھرے ہوئے تھے، اور ہاتھوں میں رشتہ تھا۔ لہذا میرزا صاحب کا رشتے کوئی بیماری کہنا درست نہیں معلوم ہوتا۔ اور نہ یہ صحیح ہے کہ یہ رامپور کے سفر کی سوغات ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہاں سے واپسی میں جو دکھ اٹھایا تھا اس کے نتیجے کے طور پر اس مرض میں زیادتی ہو گئی ہو۔

(۶) نیز ملاحظہ ہو غریبہ مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۶۶ء

(۷) یہ فارسی کے محاورے، نشان دادن، یعنی پتہ بتانا کا ترجمہ ہے۔

صفحہ ۵۹

۱۰۔ یہ غریبہ نواب صاحب کی اس تحریر کا جواب تھا، "..... تا کہ محبت آئیں مع تقریب و دریا چاچی و مضامین، اصلاح آگاہیں سر مرثیہ چشم دھول گشتہ روشنی عیون دیدہ سفیدان انتظار گز وید۔ چنانچہ نظیر ہمہ الفاظ کہ شاید مجھ لٹا با معان نظر ملاحظہ شدہ مرسل داشتہ ام چشم کہ اگر اقوال میں ہمہ اسانڈہ قابل اعتبار باشند فیہا والا بعد مشاہدہ انچند بگئی آل ملاحظہ سازند۔ المرقوم ۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۶ء

آشیاں چیل، عربی، بیت

آشیاں زمین و زمان چھیدم بر سر سر و دم ساختہ بر غار محیسان فرقم
عذرا زن دوشیزہ، و عذری بفتح الزام و کسر یا و عذرا دانستہ جمع۔ از ہمتی الارباب۔ از فرہنگ جہانگیری: "ارژنگ چہار معنی دارد، اولی معنی ارژنگ است کہ مرثوم شدہ دوم نام مصوری بودہ مانند مانی، و سوم نام دیوی، چہارم نام پہلوانی از توران۔ ارژنگ نگار نام مانی نقاش، و گاہ ارژنگ بہ مانی اطلاق کنند" آغاز دیہاجہ: "کہ کاریج دماغ ہندوستان محفل سخندان را بہ نقوش خیالات رنگارنگ رنگ ارژنگ مانی ساخت پس مانی ارژنگ چہ معنی مانی نگار خانہ بودہ است۔ زور کلام اہل ولایت نیز ملاحظہ رسید" کتاب خانے کے پر لےنے کا عذات میں ایک اور ہی دستیاب ہوا تھا جس میں شیر کے فاری

اردو شعرا رہنے قلم سے خط لکھنے کے بارہک نیگوں کاغذ پر درج ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ انھیں ادراں کا پکس ماندہ ہے، جن کے ارسال کرنے کا میرزا صاحب نے ذکر کیا ہے بعد ازاں ایک سہ ورقہ مولوی جہدی علی خاں مرحوم دستخیز کرتی بخاندہ کے کاغذات میں سے دستیاب ہوا جس پر یہی اشعار کمی بیشی کے ساتھ مندرج ہیں۔ یہ اول الذکر کی نقل معلوم ہوتی ہے اور اسی طرح کے کاغذ پر زیادہ خوشخط قلم سے تحریر ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ نقل رامپور میں سرکار کے حضور میں پیش کر کے لیے تیار کی گئی ہوگی۔ ان اشعار

کے علاوہ تہہ کا ایک فارسی قصیدہ بھی کتابخانے میں محفوظ ہے۔ یہ لارڈ رین کی تعریف میں لکھا گیا ہے۔ اور میر کے بہترین کلام میں شمار کیے جانے کے لائق نہیں مناسبت مقام کے لحاظ سے اشعار مذکورہ کے بعد اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ مرسلہ شعر حسب ذیل ہیں:

غزلیات فارسی

گوئی کہ فیض حق رسد و ناگیاں رسد
خوش طالعی کہ جذبہ شوقی بجاں رسد
لذت شناسیچم ہا، زور حق ایسد
در چارہ موجدہ انگشت ار بر کران رسد
ہاں نالہ رسا، سر موجی کہ از سپہر
در گوش خلق زمزمہ الامان رسد
حاجی بیای مزدبہ دار السلام شد
ساقی بدست رنج بدار الامان رسد
مگر ہم جو ابرو کہ بدال کوی جسم راز
چو حس، بنیای مردی آب رواں رسد
بر غم محتسب سربازار در کشیم
گر ساعزی ز پیر معالی ار مغال رسد
نیر بر آسمان بنیم باز پای ناز
گر این سرنیاز بر آں آستان رسد

ایضاً

از دیدہ دل اورش لعل و گہر افتاد
تا آبلہ دسینہ و خون و جبہ گہر افتاد
اشکی کہ نہ دریا نہ تراز چشم ترا افتاد
در دیدہ صاحب نظران از نظر افتاد
عطار ددم رشتہ و حلاج و سرور
در موقف تسلیم چہ غوغا بہر افتاد
گر دم سربا لغز تو، ای ساقی بدست
فی درد قدم از دگران بیشتر افتاد
مگر شد ہنرم غیب ز داؤدی طالع
انہر چہ عیمیم نہ سچائی ہنر افتاد
تیر کشم نازکی سا عقال
باجیہ گرامرزینا دم و گہر افتاد

ایضاً

مگر نباشم دور و دست گدائی کم گیر
در میرم بریش، بی سرو پای کم گیر
نقش امید اگر جلدہ و خواہ ندا
از سر نو کج ازل حسرت گدائی کم گیر
زشت دانستہ اگر دست کشیدی جفا
از جفا پای ندانستہ جفائی کم گیر
ز غم گر بہ شدنی هست و نمک پیدائیت
مرحی بیشتر انگار دودائی کم گیر
غیر در خلوت دلدار اگر راہ نیافت
از بلا پای شب جگر بلائی کم گیر
مادر دیر نر اید سپس از سہ مولود
مشت خاکی و گیہائی و ہوائی کم گیر
گر فرو ریزد اساس کہن چارادکان
اشکی و آہی و سوزی و بہائی کم گیر
مگر فرد بست لب از حرف حقیقت تیر
از چین بلبل آشفہ نوائی کم گیر

ایضاً

پیش در میکہ سر خمیدن دیم
نشہ اقبال را ادج رسیدن دیم
رنیریش خون از چشم زرن نیکا گشت
با ہمہ تن خون شویم، داوچکیدن دیم
ناکشنہ خواہ اش بر کشیم جگر
بلکہ لب زخم را فدای کبیدن دیم

در نه خنجر جهان تن پشیدن دهم
سینه خود را چوبی، عرض در بدن دهم
تا بفکک ناله را سر بکشیدن دهم
لاسر از نسون حس چشیدن دهم
روح قدس را بدل راه خنجر دهم
شوقی سیکه را گام در بدن دهم
از پی نقش وفاداری گزیدن دهم
زینست فترک را سر به بدن دهم
بر خط عکس، آثار تنبیر دهم
از این جهان سبب خرد بدیدن دهم
ناقه خود را چرخ حکم چیدن دهم
غیر بیان را چو فرس لطف شنیدن دهم

فی النعت

در دل فغان، ز رشک، غیش خلیدن دهم
دل بشنیدن دهم، جان بشنیدن دهم
هر قد مبوس شاه، سر شنیدن دهم
مخلصیت خویش را بر گزیدن دهم
در این زار از رعیت جان بدیدن دهم
صبح "ایرانی" گوی را بیرون دهم
سوی چمن زار بهند موج دزدیدن دهم

ایضاً

دلجوئی ما هتیا تا کی ؟
باد آتش و خاک آب تا کی ؟
بینم بخواب خواب تا کی ؟
از نقد خراب تا آب تا کی ؟
دزد یاس از دوا آب تا کی ؟
بے مصرفی عتاب تا کی ؟
بر با بزان این کباب تا کی ؟
از شاه فرستیا آب تا کی ؟
ای چرخ کهن خراب تا کی ؟
بازی که فعل و شتاب تا کی ؟
یا سید گی جاب تا کی ؟

هست از دوقتش پاش فراکت فزود
حیف که از جامه جسمش بزر بونی دود
گوهر با بار قفسه از هر روزش
از ملک لطف ماست هر بن مود قیاب
بیشتر از طریق خویش بهره بخور بود
دعده لغز دست گر، مرحله بیش نیست
ز امتعه رنگ رنگ جس، دل ساده را
گوز مرغ و چکان بی سر ره بر بند
بکشش جسم عوی چادر اشکی بر است
سینه که از دایره عشق لاینا انال شرقی زد
هر نفس آید گوش بانگ درای جیل
سال نشید غزل " داده پیغمبری " است

خار و شش خنجر را زینت چیدن دهم
لب شکم کشا که لغوه زلفاس زادن
بر سر غیش برین طرف کله بشکنیم
بنده آل خواه اجاریم، کنی جنس نیست
روحی و قلبی بدو اک؛ در دلدل و دلاک
شامی کمر بچشم بکل " را آبی کشیم
و که به نیز خورد با دغوش رو صندرا

بر روی چو خور نقاب تا کی
یارب؛ ز تب غم امان ده ؛
باشیم بهر تا کجا شاد ؟
خوایان با نیت سیر شهید
ز امید بد و سوال تا چند ؟
شناخته بلعوس ز جانبار
داغم که دل از ضرر دگی سوخت
کی بوده و کونشان ایشان ؟
معوره هم چو شهر دھلی
وال مسجد جامع مقدس
نیرجهای نگو به حسرت

اشعارِ کثیفہ

تو کیا تھے ہیں آواز کے قابل
گر اس در پہ ہو سچا چھانے کے قابل
کہ سے تیرے مستی بچھانے کے قابل
نہیں کہ سے جو آٹھلانے کے قابل
زمین میں ہیں جو سماتے کے قابل
مگر تھے نہ ہم ہی جلائے کے قابل
تو اٹھتے ہیں اس زخم کھانے کے قابل
جو حسرت کوئی ہو برتنے کے قابل
کہ بے شمع فصل جلائے کے قابل
زبان کام میں کچھ بھی لائے کے قابل
تیرے پای قابل بچھانے کے قابل
نہ دینا نہیں دل نگاہ کے قابل

ایضاً
"شیخ دکن قبر پر رخشاں کی نہ لایا کچھ"

سجدہ حق میں بشر کا چہرہ خاک آلود ہے
جادوہ وشت عدم اپنا قدم فرسود ہے
مور پہ پا سبز خطا پشتمن مرد ہے
رشتہ نماز نگاہ دیدہ مشک اندوہ ہے
گاہ زیر و گاہ زبر پر باد و خاک آلود ہے
دل کے پرغول ہونے سے تینوں نکل افزوہ ہے
لحج وادوئی میں اعجاز کھنڈ وادوہ ہے
دو آواز دل سے سر پہ سایہ محمد روہ ہے
لفظ جان و جنس دل رہن زبان و سوہ ہے
دوسرے دکا فری و تیغ و لستناں و جود ہے
ہم نہیں کہتے کہ یہ کون و مکان ناہوہ ہے

ایضاً
"ساقیا، مجھ کو سنبھال رہیں
گزرے کیا کیا نہ جہان رہیں"

فلک گر نہ تھا باز آٹھلانے کے قابل
زبے! سر ملنے کی سہیل سیر و فانی!
جہاں میں ہوئی صبح حشر غما یاں
تیرے رشک و حشر میں ہے لعل پاں
پلے سر پہ پھرتے ہیں وہ بار عصیاں
وہ لب کے پلانے میں کیوں صر ز کرتے
مرا سہیل لے غیر کیا دیکھتا ہے
لعل ہی کے ہمراہ شاہد بر آدے
کوئی آن کو لے آئے خلوت سے بات
نہ ہو لورہ بھی کہ گویا نہیں ہے
پہ آٹھیں جو پتھر اگیں تھیں نہ دیکھیں
جو آواز دہکتے ہیں جی ہے وہ رخشاں

بواہوس اور بھی مرے کی کرینے غامض
خاک کا تپنا ملائک کا حق مسود ہے
واں پیچھا کیا ہو مشکل آئے ہوں جہاں ہے
یہ میرے تخت ہیں اب تو جھکے ہر خدا
ز لعل مشکیں کی سیاہی بس گئی ہے آنکھیں
یہ حصار آگینہ شیشہ ساعت کی شکل
دل و خود آبلے سے سینے میں کیوں کھڑے
لغہ غزل آہیں دل کو بھی کر دینا ہوم
آفتاب حشر سے دل سوختہ کو کیا ہراس!
و لفظ الطیف سخن جا بگاہ غصہ کی نگاہ
سنگ آلود ہو گئی ہے آہنی بت کی ہے تخت
نقی لفظی اثبات کہلاتا ہے رشتاں اس لئے
دشمن کے گرنے کا ہے خیال ہمیں!
کل نہ آئے جو اپنے وعدے پر

(۱) مذکورہ نسخے میں یہ شعر بھی نہیں ہے (۲) شعر ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳

مردہ صد ہزار سال ہمیں

حق نے بخش ہے یہ کمال ہمیں

تیرے غصہ نے ایک دم میں کیا

نقص سے رنج کچھ نہیں اڑتا

ایضاً

پھر کر رہا ہے جامہ دستار تازہ
عاشق کو پاٹھ چاہتیں ناچار چار چار
ملے ہی میں ہم، بہت عیار، یار یار

شاہد بہار آئی کہ جو چہ جنوں
سر پہ سیدہ کوٹے، کہ انسو میں ملے؟
رخشاں پہ غصہ، قیس کے ٹٹے کیوں ہو؟

ایضاً

دل کا محضر مرا اگر بیاں ہے
مختصر تر مرا اگر بیاں ہے
کہ معطر مرا اگر بیاں ہے
میرا رہبر مرا اگر بیاں ہے
سایہ گستر مرا اگر بیاں ہے
اورہ پیر مرا اگر بیاں ہے

چاک بکسر مرا اگر بیاں ہے
لاغری میں بریدہ ناخن سے
رات سینے سے سیدہ کس کا دلا
چاک کرنا جگر کا سکھلایا
سر آدرگان دشت پر
پھر بہار آئی، اب جنوں کا ہاتھ

ایضاً

بیت الصنم ہے، شیخ ا خدا کا برگزینہ ہو
آنکھوں میں آگ کیا کوئی؟

کیا پہنچے تو، فرشتے کا جس جاگزینہ ہو
رخشاں جوتے آتے ابھی رک گئے ہیں

ہو

نور صبح، نمودم دو دیدگان روشن
چہ بار بار دروان عشق تو بسا چین
صبا دمیدہ بہ غن ردح از شمیم سمن
کہ خواندہ گشت از طاسر نوشتہ لعل
کہ تودہ تودہ سمن و ریحہ است دگل من
جہاں ز جہتی شمارم لبان دشت سمن
کہ غنفتہ زرق خاکس ہم از درعدن
تردہ زخندہ گل تہمتہ بردی چمن
ز رو دسکار مغل تا زماں جو دھن
چنانکہ ملکات ارگینہ را لشدن
علوم مشرقی جلد قسم را سعدن
مدار جملہ ہنر باد مرکب ہر فن
ستارہ زار شدی صحن موقع دھن
شدی بسنگ درش شبہ حقیق بین
زخیر مقدم گیہاں خد پور لڑ رہن

سحر کہ باو بگردن و مید جان در تن
چہ صبح و صبح دل افروز روزگار بہار
سحر کیندہ برخ غانہ از نمودن عشق
فردغ صبح پدیدہ کشیدہ سرمہ نور
نسیم باغ بگیتی گشت وہ طبلہ عطر
زبان ز موج نسیم لبان باغ ارم
بو پیرہ، لطف دلی خلد عدل سواد
چہ درلی باں کر ز فرط شکستگی زین
چہ دلی؟ آں کہ ہمہ وقت بودہ دارالک
چہ دلی؟ آں کہ بود پای تخت بہشتان
چہ دلی؟ آں کہ ز خموری مدارس بود
چہ دلی؟ آں کہ ز آموزش صناعت بود
ز نقش نقشہ رایان، دم جبین سالی
ز بوسہ لب پان خوردہ مہر اریان
سپاس حق بکد گر یافتہ مہر غفلت

(۱) را کہ گردان پا ندوان، کلمہ ہندوستان یعنی بار دوان، لیکن مسعل فارسی زبان مدح سرای ملک ہندوستان۔

بدان مشایخ کرد و ز مجلس قیلا طاقان
بدان نمونہ کہ بر تن آئینہ است آئین بند
بگوئے گوئی نہ کنش گرفتہ آرایش
خلافت از پی دید شکوہ استغفال
چه موج باد، ہمہ رہ سپر، چه غل دعام!
بقیچہ راہ، بچی بردگر نقتدم جوئی
ہماندہ ہم بر خلق، تا بسبب غفلت
بود فرط غمشی پاک از کشتن خلق
چو روز میدگان از عمر و آلود رفت
مصافحہ شدہ بیکرست سہوا از اجاب
غریب و تنگدست، توپ مرز و بخش قدم
پیادگان و سواران شاد و پروط
گردہ سازان و بیکطرف زد و صف
بد و بد و بد و بد و بد و بد و بد و بد
معجزان یورپ جمع با امانی ہستند
ز سر گرفتہ کلمہ انگشس سران ز ایسر
نمودہ بخت و خم و سر فروئی تسلیم
گذاہدہ شیوہ دیرین ادای تہنیت است
ولی بخاطر اقامت لطیفہ گذرد
کہ دیرانی علالت نگرای ملک آدای
بشیر بان بد و بد و بد و بد و بد و بد
نویز راحت و آسودگی و آزادی
خدا بیکلام، و قذیفہ در میان سفر
ہم از تبدیلی آب و ہوا، ملک و فصل
رسیدہ بود ہمہ رخ صعب و مضیق قوی
عموم مردم ہند و خصوص دہلیان
در آساختہ دست و پا بد و بد و بد و بد
دعای صبحی و نہا ز نیم شبی
بزودتر قمر عاقبت آبرو آمد
نکا بہان تو چنان رویشان سپہر
بیادگار قدم سرت آثارت

شدہ زین و بازیب بلدہ سیکین
دم در دو مظہر شہنشاہ جرمین
چہ بارہ دور شہر و چہ کوچہ و مردن
بافت خیز و دوان سوی ریل اسپیش
چوسیل آب، ہمہ قطرہ زن چہ مرد و چہ زن!
شمرده خار و خیس راہ اطللس دادکن
دراز دعام گرماختہ کسی سوزن
کہ بارہ بارہ بر اندام گشتہ پیران
بیکد گشتہ گرم معاند ہمہ زن
ز بسکہ بودہ پنجین شہر و سنگ زنی
نگذردہ غلطہ در گنبد سپہر کمن
ہمہ ہنگام شکار و ہمہ پلنگ آژن
بلب فی و بخت اندر جلال دار غن
فراسم آمدہ زانسان کہ نگر و مرد خرمین
چنانکہ سبزہ و گل برو و بیک گلشن
نہادہ دستا بسر بندای افسر زایلین
کہ یا بلوسی و سر بازی است اذان روشن
بوالیان مالک زایل ملک و وطن
امید آنکہ قبو لشن کنند اہل قطن
خود از زبان در افتان بلجہ امین
ز عہد و دولت خود عہد نظر عدل و متن
امید دین ملاہای قضا و رنج و متن
بیا در سال از امروز دور تا صد و پن
ہم از مشقت وادہ دراز بسپردن
بدان شریف عناصر بدان لطیف بدن
شدند مضطرب و مبتلائی درد و حزن
ہم از صحبت فرما ندو زمین و دامن
ہزار شککہ کہ پز رفت ایزد و ذوالمن
ہم از خسوف علالت ہم از محاق بحزن
کہ بہت بر قدرت از فضل چشم شایع
ز شہر گشتہ فراموش شیوہ شیون

بر دوزخار در دجبتگی بارست
 ز سرگر فتنه کله مهر و مه پی تقطیم
 سزوز شهباز کمر و بیان بر کلبه
 ز اختلاف صلاحات امور سهل حال
 گور شری تو نماز و نه تو بدان کد فروع
 توان شمر و نظیرت چگونه آغوش
 توان نهشت عدلیت چگونه آسکند
 زانجا تو، بیگونی همه پروشت
 از آنکه ملت پیشینه مسیحی را
 فردن تری ز دگر عیسوی حکم دایان
 ز عین دوستی و حق پرستی تو بهر
 بزیر حکم تو از زدی طول حد کشود
 مطیع امر تو، از راه عرض یک عالم
 اگر بهمد تو بودی، بیامدی قاصر
 ز مدح خوانی تو بهتر آمدی ای حکم
 مگر بگوشت و دمان نورد و سستش
 مرا از انان دن ترکی (۸) بودی سب
 خوش مبارکی عهد مصلحت عهدت
 بسیجی اسپ سواره گراکت اسپ هوا
 شکار شیر از این ر و جبد پسندیده
 که بچیز زودان مشتعل شوند بدشت
 ز فرط میل کشی و پلنگ افکندیش
 زنی که باز سپیدی امارت کابل
 نه صرف قطعه ملکی بد و بیخشدی
 بدو اندر که هم از سیم می تواند ساخت
 بزور زور که بزور بهان زور مدوی
 دلی باین همه بذل توجه و الطاف
 امید خیر سگالی از دنیا بدو داشت
 شکار دست رضا جوی و دو همایه
 و میک گشت مچین یک انگشتش ز سر

بدشت لایب بجای زده است بودین
 اگر گزشتته بر ایوان نوز سیرین
 که گشت طوفان کاهنت بچرخ سایه کن
 ز اتفاق رضایت بحال با ایوان
 بود از طمع لکن رانه طمع راز لکن
 که فتح یافته بر یک ضمیمه قطعی زن را
 که فوج خود عزت است بر دوتا بچین
 ز اعتقاد تو خوشنود کیتلک روم (۳)
 مصدق بخلوص یقین و خوبی زن
 برحم و شفقت قلبی دهر و خلق حسن
 بود با بیج کسی و شفقت جزا بر بین
 زرد و بار برهم پیر (۴) تا قطع چین
 ز کوه سار جهان (۵) الی بلاد کن
 ز شرح دانش داد تو خوش بیان مل
 ز وصف گویی تو در سل آبدی لکن
 دواز دست از ان آفریده شد یمن
 سین عمر تو هر که کند شمار از دن (۶)
 که اعتدال ربی است و روی یمن
 شود دنیای بهاری بهینت تو حسن
 جناب ازل گری نوجوان شیر از زن
 هزار مان بزراعت و در دن و گشتن
 شد از دانی خون و دشت زودان (۷)
 بعد رحمن خاں آن جلالت و ز وطن
 که دادی سلح و سیم و زرجل مخزن
 براس توپ گلو که گران تر از آهن
 امیر فتح و ظفر یافته است بر دشتن
 اعانت و مدد بخشش و عطارد من
 دنی کجا است بزنده مرد عهد شکن
 زدن دو جنگ پی اخذ در بدو من
 پی سفیری آل ملک دیو و مسکن

مکرر قلمبر مصر، عقیده دیگر حکامان انجمن (۳)، عقیده دیسری (۴)، و دیای بشری (۵) مندر در فضای بنگال (۶)، و مواضع
 بدو چپستان دانی (۷)، و قطع سے کوٹھ مراد سے (۸)، و جبال شمالی (۹)، ملش و بهر و ذیل هر سه شعاعان
 ۱۰ یوردیپ بوده اند، و دوزخ سال (۱۱) یک عدد انگلیزی (۱۲)، نام یک دیای بر لند.

نمودہ عرض براہ نریل الجبرٹ
 پوشگفتہ و شاداب تر نہ صد گلشن
 خصوص مدح طرازان سا محمد و چون
 نگار کردن مطلب بعین شعر و سخن
 و آسمان شہد بر نظم دی نشان پرین
 دیگر گزارش رائی کہ بون مستحسن
 کہ از میان این عید و عین دین
 سپردہ اند بدل جفتہ ز ہر یک فن
 ز حکمت علی و از تنگ آیم مدح
 کہ فاش شد زمین این تازہ طر زلفش
 کہ بر تر است ز سلک گہر بار و سخن
 گرفتہ اند مبارک لقب ان ختم سخن
 مدام تا کہ شور بر دہ نام نل بہ دمن
 ہمیشہ تا کہ معاف بود کنگ جمن
 چہ در محاکب ہندوچہ در دیار برین
 تقدیس نہ اقلیم ہا و سایہ نکلن

بغور بندہ ز نار استی این مذہب
 کہ آبپاری فرمان روایش تاج
 ملی و طبیعت دیر بندہ خیر خواہ ہا نسبت
 ادا نمودن اندر زہر مطاوی رح
 دریں چکامہ کہ با بھلہ تہنبت نام است
 یکی نگارش مدح ہست، کوکہ باد قبول
 بیان بندہ نہ فخر بلکہ شکریہ است
 نہادہ اند بطبع قلمی از ہر علم
 ز نظم و نثر جز فنیہ ہم از تار و سج
 کلام پارسی پرسی خیال آمیز
 ز بندہ بتر خفاں کند قبول این نذر
 درم و عاست کہ ہم برد عاخن سچال
 مدام تا شود آ در وہ ذکر ست بیدم
 ہمیشہ تا کہ ملاحی بود بدجلہ فرات
 ہم بہ مار کو پیش خون زیاد مار کس
 بطریق ہر دو گراں مایہ و سر دیگوار

۱۳) منیاء ۱۱ لہین خاں بہادر کے کتا بخلے کے غدر میں لٹ جانے کے متعلق میرزا صاحب نے صاحب عالم کو لکھا ہے: "میرا ایک سہی بھائی، نواب منیاء الدین خاں سلمہ العبد لغالی وہ میری نظم، نثر کو فراہم کرتا رہتا تھا چنانچہ مجموعہ نثر اور تعلیمات نظم فارسی وار دوسرے اس کے کتب خانے میں تھے۔ وہ کتب خاد ڈر کر عین کرتا چوں میں ہزار روپے کی مالیت کا ہوگا۔ لٹ گیا، ایک ورق باقی نہیں رہا، داروئی ۱۵۱ لاہور ایڈیشن، یوسف علی خاں عزیز کو تحسیر کیا ہے، وہ بھائی تم کیا فرماتے ہو! جان بوجھ کر انجان بنے ہو واقعی عذر میں جبر کھر نہیں لٹا، مگر میرا کلام میرے پاس کب تھا کہ نہ لٹتا۔ بھائی منیاء الدین خاں صاحب! در ناظر حسین مرزا صاحب ہندی فارسی نظم و نثر کے مسودات مجھ سے لے کر اپنے پاس جمع کر لیا کرتے تھے۔ سوانہ دونوں کے گھر دی پر جمنا ڈ پھر گئی۔ نہ کتا ساری نہ اسباب رہا۔ پھر اب میں اپنا کلام کہاں سے لاؤں؟" (منیاء ۱۵۱) میرزا صاحب نے سہو، غزلیں، لکھ دیا ہے۔ صحیح "غزلوں" ہے۔

صفحہ ۶۰

۱۴) میرزا صاحب کے ۱۹ ستمبر کے عربیے کے جواب میں نواب خلیفہ خاں نے جو فرمان لکھا ۱۱ نواب لغزٹ گورنر بہادر پنجاب ۱۲ بعض طرز و دوسرے لغت المرجی (۱۳) رشتہ میں دیدار تہذیب و ادب ۱۴ (۱۵) راجہ درانی اور میں وہ سیکرٹریس چنانکہ رئیس و چوس میکان پرنس و ڈیک (۱۶) وطن و میزبان (۱۷) ہمارے دل کے ہرگز فرزند کلاں دیر لے دے، جمع اقوام اصول رسکا نہ شکیلیتاں کہ مراد از اب و ابی و روح است۔

تھا افس کا اہم فقرہ میرزا صاحب نے نقل کیا ہے۔ نواب صاحب فرماتے ہیں:۔۔۔
... مہیاں خام کہ درتقریر معانی شغری و ہم تحقیق لفظ ارتنگ وار تنگ گو ہر بار گردیدہ
... نامہ خلاص فردین ہر آئینہ صحنی و محتجب مباد کہ اکثر مالک رقا بان علم لغت ارتنگ
وار تنگ را بجای واحد پیدا شدہ اند۔ و عا دہ مفسران کلام مشہر اکری مشار
ہ آشتیاں چیدن۔۔۔ ہر ادا دین آشتیاں بسن نگا شدہ۔ چنانچہ نظیر میر علی ملفوف صبرین نامہ
پڑا است بمطالعہ و پدید آمد۔ مہلذا اگر طبع آل استاد زمان بہ ترتیب الفاظ بالائی اسماء
نظری داشتہ۔ چنانچہ حوالہ نقل نمائید کہ صحت عندرا از تقریباً اصلاح شدہ جو لغت نیست خود
موسا زمری کہ مراد از ان مشق داسطہ تلمذ ہواست، نہ از عوی و دیگران۔ اما نظیر کی نظر کوشتہ
است۔ صرفتا برائے اطلاع بہ غیظہ پندار مندرج گردید۔ ۱۰۰۰۰ رقم اچاری لالہ سنہ ۱۲۷۵ھ مطابق

۱۷ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء

۷ ملا عبد القدر کی شاگردی کا اظہار سب سے پہلی بار تاریخ برہان کی وساطت سے ہوا ہے۔ اس سے قبل میرزا صاحب
ہمیشہ بی ظاہر کرنے سے کہ فارسی دانی کا ملکہ قدرت کی طرف سے انھیں ودیعت ہوا ہے۔ لکھنے کے سفر میں
جوابی جھگڑا کھٹکے والوں سے پیش آیا تھا اس میں بھی میرزا صاحب نے عبد القدر کے اقوال اور اس کی تقلید کو ثبوت میں پیش
نہیں کیا۔ حالانکہ وہ موقع عبد القدر کی شاگردی کے ذکر کے لئے زیادہ مناسب تھا۔ اسی وجہ سے مجھے
اس میں شک ہے کہ عبد القدر کو کوئی تو مسلم پارسی اکبر آباد آیا اور میرزا صاحب اس کے شاگرد
ہوئے۔ ۱۰۰۰ دو برس میں انھیں فارسی اکتفا کر چلا گیا۔ واقف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمال
کو غور سے کرنے سے لے میرزا صاحب نے یہ نام دل سے گھر لیا تھا جبکہ خواجہ جلالی مرحوم
نے خود میرزا صاحب ہی کی زبانی یاد کا رفا لکھ دیا (ص ۱۲) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

صفحہ ۶۱

۱۱ اتجو کا نام جمال الدین حسین بن شاہ حسن سجوی شیرازی اور لقب عندا لدولہ۔ ان
کے آبا و اجداد فارس کے شہر آفاق شہر شیراز کے باشندے تھے۔ یہ وہیں پیدا ہوئے بعد
از ان تخلص "آفاق" فارسی زبان کے۔ اور بقول محمد حادی بدھقی، سنہ ۱۰۳۵ھ
(۱۶۲۶ء) میں آگرہ سے انتقال کیا۔ فرنگ جہانگیری اکبر کے عہد میں شروع ہو کر نور الدین جہانگیر
کی حکومت میں انجام کو پہنچی۔ اس نے اس کے نام معنون کی گئی۔ آج کو از راہہ تحقیق کیا
لکھا ہے۔ جیسے ایک بدھقی کو لکھتے ہیں: "در اہل ہند میں سوا خسر دیوی کے کوئی مسلم انبوت
نہیں۔ میاں قیسی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک لکھ جاتی ہے۔ (اردو: ۲۰ خط ۳)

۱۲ رشتہ کا نام عبدالرشید حسن ہے۔ ان کے آبا و اجداد مولانا عبدالرشید کے رہنے والے تھے یہ
خود شیر خٹھ میں پیدا ہوئے۔ متنب المذنبہ اور فرنگ شدی آن کی مصنف ہیں۔ شاعر
بھی تھے اور رشتہ کی تخلص کرتے تھے۔ انھوں نے تحفہ رشیدی سے نام سے شعری فارسی کا
ایک۔ اب بھی لکھا ہے۔ ۱۰۳۵ کا ایک نسخہ ایسا تک موسیقی بنگال کے گردن کلکشن میں
موجود ہے۔ میرزا میر حسین بہار کے نوکرہ حقائق الشرا کا یہ ماخذ ہے۔ خزانہ ہمارہ ص ۴۴۴، ناگشتہ
پر برس میں ان کا سال وفات ۱۰۷۱ھ (۱۶۶۲ء) لکھا ہے۔ غالب نے انھیں
حضرت کی راہ سے سچ لکھا ہے، ورنہ وہ جانتے تھے کہ عبدالرشیدی

سید ہیں ایک اور جگہ بھی فرماتے ہیں در عبد الرشید میں کیا یعنی اور میاں انج
میں کیا پیری ہے ۱۷۴۷ (دھ ۱۳۸۰)

(۳) لا تہیجہ بہا تخلص خاں آرزو متوفی سنہ ۱۱۶۹ ہجری (۱۷۵۵ء) کے شاگرد اور اردو لکھا
کے شاگرد تھے، بہا تخلص کے علاوہ ایک کتاب جو اہر الحروف بھی ان کی تصنیف ہے
سال وفات کسی تذکرے سے معلوم نہ ہو سکا۔

(۴) بہا کوئی مل و راستہ تخلص، مصطلحات شعرا کے مصنف ہیں یہ میر محمد علی راج سیالکوٹی، متوفی
سنہ ۱۱۴۹ھ ۱۷۳۶ء کے شاگرد تھے و اور ۱۱۵۰ھ (۱۷۶۶ء) میں فوت ہوئے ہیں۔
مصطلحات شعرا کو عام طور پر سنہ ۱۱۰۰ھ کی تصنیف بتایا جاتا ہے۔ لیکن دراصل اس کا نام
”مصطلحات شعرا“ تاریخی ہے۔ جس سے سنہ ۱۱۴۹ھ برآمد ہوتے ہیں۔ مصطلحات الشعرا
مشہور ہو جانے کے باعث دال کے بعد در یادہ جوڑیے جاتے ہیں۔

(۵) میرزا صاحب نے یہو اوس کے لکھ دیا ہے۔

(۶) یہاں لفظ ”کے“ ساقط ہو گیا ہے۔ آئندہ عربیہ کو دہرتے ہوئے میرزا صاحب نے
یہ لفظ لکھا تھا۔ اس لیے میں نے برکت میں بڑھا دیا۔

(۷) اصل خط میں یہو اوس انا درج درج ہو گئی ہے، صحیح سا ہے، اس لیے کہ اولاً خود میرزا صاحب
نے اس خط کے لفظ پر ۱۱۵۰ھ کو بر تاراج لکھا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ تاراج کرتے ہی
دوسرے دن یہ خط پوسٹ کیا گیا تھا، ثانیاً نو اب خلداً شیان نے اس خط کا جواب
جو آگے آ رہا ہے، نیزہ اکبر کو دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس خط کا جواب نیزہ کو لکھا جائے وہ خود سترہ کا
مکتوب نہیں ہو سکتا۔ میرزا صاحب کے عربیہ کے بعض کنایات سے ناخوش ہو کر نو اب صاحب
نے جواباً تحریر فرمایا: ”..... مکتوب حیرت اسلوب مشعر اختراع معنی غلط نسبت ہندی

نزلہ ان پیشینہ و بیکرا فزضہا، ابی کہ راقم را طریقہ بحث بادیست، موصول مطالعہ گشتہ
باعث استعجاب فہم گردید۔ از آنجا کہ نا حال دوری تحقیق و تتبع امور علیہ کہ معاذ اللہ از منافع
و مناقشہ چشم حق بہا لبا بید می نماید امری دیگر بطور نیادہ و آنچه حالی خاطر بود فی رجب درج
حوالہ قلم و قاتی رخ گردیدہ۔ لیکن می لازم بود ہن روشنگار آل فرید زمان کہ نوشتہ ام را
بر بحث و اجہاد محمول نمودہ، مثالی ابی کہنا یہ پای نو، مثالی نسبت اسنادی بجا نبی راقم و لفظ
بحث کہ ہر دو خطیات واقع و مورث رخ و ہنا است نکات مستند۔ سب اگر آن متعلق را پہنچیں
منظور باشو، اشاراتی ساز ذکر واسطہ ترسیل و سائل از فیما بین بر داشتہ شود و در نہ بنان خاطر
را با مور خارج المبحث تکلیف ندادہ باشد کہ نتیجہ اش سوائی صداع الراس امری بخیال
نمک سدرہ و راقم پایہ اعتبار محققان کہ صاحب تصانیف مقبول انام بودہ انداز خود زیادہ دانستہ بحوالہ

کلام شان پر دقت۔ اگر نزدیک صمیم چاہیدہ آنہا قابل قبول ہوو، بایستی کہ ہم بر آن شرط تحریری رجعت
مصلحت ابی قدر الخطاب سخن از فہم بھوشی بیرون زیادہ از بیا نوشتن حکمت بھران آتش
است۔ ۱۔ رقم ۳ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء چو کہ
نو اب صاحب کے اس فرمان سے اظہار ناخوشی و نا اہنگی ہوتا تھا میرزا صاحب نے

فوراً معذرت نامہ مورخہ ۱۷ ماہ اکتوبر لکھ کر طلب عفو کی۔ نواب صاحب نے معذرت قبول کر کے ہوئے تحریر منسربایا۔ متفقاً! سابق ازیں ملاحظہ مضمون مفاد میں سابقہ امر کی مٹیل شدہ بود، ہے سبباً نہ تکلف ہو اگر غامہ گر ویدہ حالاً کہ ان مہربان بناد پیش پر ماعتدہ اثر آں رطیع شکوک لاحقہ گر ویدہ۔ خاطر لطف شدہ ہر مقررہ جمعیت باشندہ امر قوم ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۶ء کی اس کے بعد نواب صاحب نے پھر کوئی نثر اصلاح کے لئے نہیں بھیجی جس کے یہ یعنی میں کہ ان کی طبیعت کا کد رکھینہ دور نہیں ہوا۔

صفحہ ۶۲

- (۱) یہاں بیت کی جگہ مصرع کا محضف "ع" ہونا چاہیے۔
- (۲) صاحبزادہ سید مہدی علی خاں بہادر، نواب سید غلام محمد خاں بہادر کے پوتے، صاحبزادے حضرت اللہ خاں بہادر کے بیٹے اور نواب خلد آشاں کے چچا تھے۔ منقر و سخن کا مشرق تھا۔ اور شرف تخلص کرتے تھے۔ ابتدا میں نواب فردوس مکالمہ سے تفریح تھا۔ آخر میں سیر احمدی رسا کے شاگرد ہوئے۔ ۴۴ برس کی عمر پائی۔ ستائیسویں ماہ رمضان سنہ ۱۲۸۶ھ ۲۱ اگست ۱۸۷۱ء کو صحت فرمائی۔ انتخاب یادگار: ۳۸۴، دتارنج لطیف: ۲۲۹۔
- (۳) دتارنج سلطنت انگلشیہ ہندو طبع مراد آباد سنہ ۱۸۶۶ء ص ۵۳ میں لکھا ہے۔
- (۴) ماہ نومبر سنہ ۱۸۶۶ء میں جناب نواب گورنر جنرل بہادر نے بمقام آگرہ دربار عام کو بیساد زمینت بخشی۔ دربار میں دالیان ریاست درمیان نامی و گرامی، علاوہ ان درمیان کے کہ جن کو تنہا "شاہ مند" عطا ہوئے بقدر ۴۸ کس کے تھے، علی قدر مراناب اپنی اپنی جگہ کر کسی نشین ہوئے۔
- (۵) نواب گورنر جنرل بہادر، نائٹ گرانڈ ماسٹر اسٹار آف انڈیا، برٹش تریک اور احتشام سے معدوس بارہ صاحبان انگریز جلیل القدر کے پو خاک و خلائق شاہی پہنچا ہوئے موقع افراد ہوئے۔
- (۶) دل صاحب کے بیڑی بہادر اسٹار آف انڈیا نے استادہ ہو کر فرمان ملکہ مغلیہ بامیائی عطایٰ منقر وائی اسٹار آف انڈیا کے پیش فرمایا۔ بعدہ بترینیب درجہ ہا، تنہا اسٹار آف انڈیا یعنی ستارہ ہند عطا ہوئے۔
- (۷) اس کے بعد حاضرین دربار کی فہرست دی ہے۔ اس میں بسلسلہ دالبان ریاست نمبروا پر درج ہے، "آرتھیل نواب دامپور شریف نہیں لائے" اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ نواب خلد آشاں نے یہ سفر تنہا ستارہ ہند پالے کے لیے کرنا چاہا تھا جتنا غیر اکبر آباد کے سفر کا متفقہ درست ہو چکا تھا۔ سرکار سنبھل تک شریف جلی لے گئے تھے۔ مگر مراناب اس پہنچانے کی وجہ سے دست بردار ہوئے۔
- (۸) نواب خلد آشاں کے اس سفر کے متعلق صاحب اخبار القنادید ج ۲، ۱۴۰، نے لکھا ہے؟
- (۹) مرچان انگلش تریک منقر و بیٹ یا سٹ نواب سید کلب علی خاں جو نہاری و بلید انبالی کے آثار دیکھ کر بہت جلد آرتھیل ایڈمنڈ ڈرمینڈ صاحب لکھنؤ کو رزم ہو یا متفقہ کے حضور میں رپورٹ کی، اور انھوں نے لارڈ لارنس صاحب

گورنر جنرل کی خدمت میں نواب سید کلب علی خاں بہادر کی لیاقت خدا وادی اطلاع کی گورنر جنرل نے باظہار مسرت مثل نواب سید یوسف علی خاں کے نواب سید کلب علیاں کو بھی یجلیٹیو کونسل میں ممبر تجویز کیا۔ نواب صاحب نے ہنگام استعراج باوجود ناچانی طبیعت و ضعف باقتضای عزم بلند ممبری قبول کی ۲۰ شعبان سنہ ۱۲۸۳ھ (۲۸ دسمبر ۱۸۶۶ء) کو رامپور سے علیگڑھ تک گاڑی کی ڈاک میں اور علیگڑھ سے کلکتے تک ٹھیکہ پانسو ہمارے کے ساتھ ریل کے ذریعے سے گئے۔ اتنا ذراہ میں کانپور، الہ آباد، اور بنارس وغیرہ ہر مقام پر حکام نے استقبال کیا اور سلامی سر ہوئی۔ ہمارا جہ السیر ہی رشتہ داراں تک ساتھ صاحب کی تھی، ایسے آتی، دلی کا سنی فریس نے بنارس میں منتظر اتحاد قدیمی دھوم و دعوت کی، کلکتے میں گورنر جنرل کی طرف سے بطور مرحوب استقبال ہوا، سلامی سر ہوئی۔ آب و ہوا سے کلکتے نے ان کے مزاج سے بھی مخالفت کی، اور طبیعت حادثہ اعتدال سے منحرف رہی پھر بھی کونسل میں کئی اجلاس کیے۔ جب نا سازی زیادہ بڑھی، تو حسب اصرار گورنر جنرل ڈاکٹر جلی سے علاج شروع ہوا، ڈاکٹر کی راہی ہوئی کہ آب و ہوا یہاں کی ان کے مخالف ہے، مکہ فیم کلکتے سے امر اسی شدید لاحق ہوئے کا اندیشہ ہے، مگر نواب صاحب ہم سے قبول نہ کیا۔ جب گورنر جنرل کو اس کا علم آیا، تو مقتضای محبت خاص کیمالی اصرار واپس کیا۔ ۲۲ رمضان سنہ ۱۲۸۳ھ (۳۱ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء) کو کلکتے سے رامپور واپس ہوئے۔

میرزا صاحب کے عیضے (۸۱) کے لغائے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب علیہ کاشی پور کے مکان نمبر ۵ دے میں قیام فرما ہوئے تھے۔ میرزا صاحب کا قطعہ تاریخ حسب الحکم حصہ اخبار دیدہ سکندری میں طبع ہوا اور ۳ نومبر کو اس کی اطلاع ان الف ظہیں میرزا صاحب کو دی گئی، "تاریخ مذکورہ کہ برطرز نوعدمیم المثال ست در اخبار دیدہ سکندری طبع گردیدہ شد"

صفحہ ۶۳

- (۱) خط میں کاتب کا نام اور تاریخ درج نہیں تھی۔ میں نے توہین میں لغائے کی تاریخ اضافہ کر دی ہے۔
- (۲) میرزا صاحب نے "لمات" لکھا ہے۔
- (۳) دلی سے مراد آباد کو جو ریلوے لائن آتی ہے، اُس پر دلی جکشن کے بعد شاہدہ اور پھر غازی آباد کا اسٹیشن آتا ہے۔ یہ ہستی پہلے نواب غازی الدین خاں بہادر عہد الملک وزیر شاہ عالمگیر ثانی و شاہ عالم ثانی نے سنہ ۱۱۷۷ھ (۱۷۶۳ء) میں بسائی تھی۔ پہلے اُن کے نام پر غازی الدین نگر کہلاتی تھی۔ جب ریل کے ٹکے نے اسے جکشن بنایا، تو بولی چال کی کو کی خاطر غازی آباد نام رکھ دیا۔ اسی نام سے اب مشہور ہے۔ غلے کی منڈی ہو جانے سے آبادی اور دولت دونوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا ہے۔ اور یہ قصبہ سے ترقی کر کے شہر کے درجے پر پہنچ گیا ہے (امپریل گزیٹر : ۷۱۵ء)۔
- (۴) اس خط کے جواب کا مسودہ مشکوٰۃ میں نہیں ہے۔

صفحہ ۶۴

- (۱) میرزا صاحب نے اس خط میں تین جگہ اس لفظ کو اسی طرح لکھا ہے۔
(۲) آثار الصنادید، یادگار دہلی، سید احمد ولی اللہی اور واقعات دارالحکومت دہلی بشیر احمد دہلوی میں اس کو کبھی کا ذکر نہیں ملتا۔

(۳) یہاں لفظ (دسے) زیادہ معلوم ہوتا ہے۔
(۴) بیگم سے مراد جہاں آرا بیگم ہیں، جو شاہ جہاں بادشاہ کی چینی بیٹی تھیں۔ یہ ممتاز محل سکھن سے ۱۶ صفر ۱۰۲۲ھ (۱۶۱۴ء) کو مدد کے دن پیدا ہوئیں۔ ماں کو شہزادی سے اتنی محبت تھی کہ اُس نے مرتے وقت شاہ جہاں کو وصیت کی کہ میرے مرنے کے کا آدھا حصہ جہاں آرا کو بڑھتی آدھا بیٹوں میں تقسیم کرنا۔ خود شاہ جہاں اتنا چاہتا تھا کہ بیٹی کی محبت کی خاطر مہندوستان میں انگریزوں کا بیج بولیا جو آکاس پیل کی طرح آخر میں مغل سلطنت کے درخت کی شاخ بن چکا کہ خود درخت ہی کو کھا گیا۔ صورت یہ پیش آئی کہ سنہ ۱۰۵۵ھ (۱۶۴۴ء) میں جہاں آرا کی سالگرہ کا جشن منایا گیا۔ سوہ اتفاق کہ عین سالگرہ کے دن شمع کی لوت سے شہزادی کا دامن جل گیا۔ شہزادی اُس وقت دربار شاہی کے پاس کھڑی تھی۔ پاس حیا سے زنانے کی طرف بھاگی ہوا گلے سے سب کپڑوں نے آگ لے لی، اور جہاں آرا کا گلاب سا بدن جل کر کوئلہ ہو گیا۔ باپ کو اس کی زندگی کی طرف سے ناہوسی ہو گئی۔ مگر فرط محبت میں دوا اور دعا کا کوئی جتن نہ چھوڑا۔ ہزار ہاروپے خراج کیا گیا، اور ملک بھر کے حاذق اطباء اکٹھے کر لیے گئے رخصت دیکھے کہ ان میں سے کوئی کامیاب نہ ہوا۔ اُس زمانے میں ایک انگریز ڈاکٹر ہندوستان میں آیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اُس کی شہرت سن کر طلب کیا۔ اُس کے پانچ مہینے کے علاج سے شہزادی تندرست ہو گئی۔ بادشاہ نے جشنِ صحت میں لاکھوں روپیہ ایثار کیا۔ قدحی کو قصیدہ تہنیت پر، جس کی رباعی کا یہ شعر لا جواب ہے۔

تاسرزدہ اند شمع چنیں بی ادبی پروانہ ز عشق شمع راسوخست

۵ ہزار روپے کا صلہ عطا ہوا۔ ڈاکٹر کو چاندی میں تلوادیا، اور اُس قوم پر ور کی استدعا پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہنگال میں آزاد تجارت کا فرمان عطا ہوا۔ جہاں آرا کو قدرت نے ذہین رسا اور روشن دماغ عطا کیا تھا۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت نے اس جوہر کو نکھار دیا۔ اور وہ عربی، فارسی اور ترکی میں صاحبِ دستگاہ ہو گئی۔ اپنی اعلیٰ دماغی خوبیوں کی بدولت باپ کے مزاج میں بچہ ذلیل تھی۔ کھانپوں کی جگہ میں دارالاشکوہ کی حامی رہی، اور عالمگیر کے بادشاہ ہو جانے پر آگرے کے قلعے میں باپ کی خدمت کی خاطر جا پڑی تھی۔

نصرت کی دلدادہ اور خاندانِ چشت کی شیدا اور مرید تھی۔ صاحبِ تصنیف و تابعین بھی ہے۔ خواجہ محمد بن الدین چشتی کی سیرت پر مولانا لارڈ اوج نام کی کتاب اس کی تصنیف ہے۔ شہر میں کہتی تھی۔ مگر کم۔ کتاب خانہ رامپور میں رسالہ خواجہ عبدالکبیر الفارسی کا ایک خوشحفاظ نسخہ ایران کے مشہور خطاط میر علی الکاتب کے قلم کا محفوظ ہے، جس پر جہانگیر اور شاہ جہاں کی دو تحریریں ثبت ہیں۔ اُس کے آخر میں جہاں آرا نے اپنے قلم سے ایک عبارت لکھی ہے۔

”راج میں انکسار فیاضی، مہاں نوازی، بردباری اور ثقافت بہت تھی۔ سادہ معاشرت کرپنڈ کرتی، اور ترک احتشام سے متنفر تھی۔ اس نے ۳ رمضان ۱۰۹۲ھ (۵ ستمبر ۱۶۷۸ء) کو انتقال کیا، اور شاہ نظام الدین میں سنگ مرمر کے خود تعمیر کردہ مجرمیں دفن ہوئی۔ (واقعات دارالحکومت دہلی: ۲، ۲۶۹، ج ۱)

جہاں آرائے ۱۰۹۶ھ (۱۶۵۰ء) میں چاندنی چوک کی جانب شمال مکانات دکنشا اور ڈاکہ بارغ بنایا تھا، جو پہلے صاحب آباد کہلاتا تھا، بعد ازاں بیگم کا بارغ مشہور ہوا، اور اب ملکہ کی مورت نصب ہو جانے کے بعد ملکہ کا بارغ کہلاتا ہے۔ یہ ۷۷ گز لمبا اور ۲۴ گز کا چوڑا تھا۔ اس میں عجیب عجیب بارہ دریاں اور مکانات تھے۔ اس میں نہر جاری تھی۔ اور جگہ جگہ فوٹے اور حوض بنائے گئے تھے۔ مرد و ایام سے اس بارغ کی وضع قطع بالکل بدل گئی۔ چار دیواری، جس میں جا بجا برج بنے ہوئے تھے، غدر میں ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اب صرف چار برج رہ گئے ہیں دو تو بارغ کے احاطے کے شمال رُش پر موجود ہیں، تیسرا نیل کے کڑے کے پاس درج تھا اس مقام پر ہے، جہاں عائب خانے کے شیر وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ پرانے درخت کاٹ کر نئے چمن لگائے گئے ہیں۔ جگہ جگہ پتھریں پڑی ہیں۔ بیچ میں ایک فوٹو گریجوئیر بنا کر اس پاس گھاس کے تختے پکڑ کھولوں کے نیچے دھرے ہیں۔ پہلے اس چوڑے پر بیٹھ بیٹھا تھا پھر موٹوں ہو گیا۔ یہیں ایک سنگ مرمر کا حوض تھا، اب قلعے میں ہے۔ اس میں فوارہ لگا ہوا تھا، اور بیچ میں سے نہر رواں تھی۔ چند سال ہوئے بارغ اور اسٹیشن کے بیچ کی سڑک چوڑی کی گئی۔ تو کچھ حصہ بارغ کا اس میں شامل ہو گیا۔ (آثار العنادید: ۲، ۵۵، طبع دہلی ۱۳۲۶ھ = ۱۹۰۸ء)

واقعات دارالحکومت دہلی: ۲، ۲۳۱

(۵) سنہ ۸۵۷ھ میں ایبٹ آباد یاد پورے کلکتے سے رانی گنج تک جو ۱۲۰ میل کا فاصلہ ہے جاری تھی۔ تعمیر کا کام برابر دلی تک جاری رہا۔ پہلے آگے سے جہانگیر کے غری کنارے کے ساتھ ساتھ داغ بیل ڈالی گئی۔ غدر کے بعد اس کی جگہ ٹونڈ لا جنیشن سے علی گڑھ ہوئی ہوئی جہانگیر کے مشرقی کنارے چولٹک کا حصہ سنہ ۱۸۶۴ء میں کھودا گیا۔ اس وقت جہانگیر کا بیل بن رہا تھا۔ سنہ ۱۸۶۶ء کے آخر میں یہ پل، جو ۲۶۶ فٹ لمبا ہے، ۵۵، ۳۶، ۶۶ فوٹوں کی لاگت سے بن کر تیار ہوا، اور یکم جنوری سنہ ۱۸۶۷ء کو پہلی بار اس پر سے ریل گزری۔ اور این ڈبلیو آرنے، جو اس زمانے میں سندھ پنجاب دلی ریلوے کمپنی تھی، غازی آباد کو ریل کے ذریعے دلی سے ملا دیا۔ اس ریل کا اسٹیشن پہلے ہلٹن روڈ پر بنا تھا، جسے میرزا صاحب نے دلی محمد سوداگر کی کوٹھی کے پاس بتایا ہے۔ اب اس جگہ این ڈبلیو کا مال گودام ہے۔ موجودہ ریلوے اسٹیشن دراصل ای، آئی، آر، کا ہے۔ راجپوتانہ مالوہ ریلوے کا اسٹیشن موری دروازے تھا۔ این ڈبلیو آر کا ہلٹن روڈ پر ای، آئی، آر سے جدا گانہ مسافروں کو تکلیف ہوتی تھی۔ ان سب کو ملا کر یہ ایک اسٹیشن بنادیا گیا۔ (یادگار دہلی: ۱۳۵، واقعات دارالحکومت دہلی: ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳)

نواب خلیفہ خاں غالب دلی سے اس بنا پر سوار نہ ہوئے کہ دسمبر کے آخر تک انہیں اس پل کے کھٹنے کی صحیح تاریخ کا علم نہ تھا۔

(۶) میرزا صاحب نے اس جگہ اور آئندہ جگہ کے درمیان، نقطہ دیے ہیں۔

اس عریضے کے جواب میں ۲۲ دسمبر ۱۸۶۶ء کو نواب خلد آشیان نے تحریر فرمایا:

... چون راقم عنقریب روانہ کلکتہ می شود۔ چنانچہ برای انتظام کھاڑیہای ریل رفعت

دعوائی مرتبت محمد امیر علی خان رسالدار را روانہ آنجا نموده شد و هنوز تاریخ رسیدن مقام

اسٹیشن ریل دہلی مقرر نگشته، لهذا حالہ خادمہ موت نگاری شود کہ حالی تقریر تاریخ رسیدن

آنجا از خان معزی الیہ دریافت نموده شود رسالدار صاحب کے خاندان میں تلاش کرنے

پر بھی میرزا صاحب کا کوئی خط نہ ملا، جس سے بتا جاتا کہ ان سے میرزا صاحب نے استفسار

کیا یا نہیں۔ لیکن یہ امر اخبار الصنادید کے قولہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ سرکار علی گڑھ

تک گھوڑوں کی ڈاک میں اور وہاں سے بذریعہ ریل کلکتہ گئے تھے، اس لیے یقین ہے

کہ میرزا صاحب ساداتو ملاقات حاصل نہ کر سکے۔

(۷) میرزا صاحب کا یہ ارشاد سہو پر مبنی ہے، کیونکہ ان کی پیش دربار اور خلعت یہ تینوں

اعزاز عذر کے لہذا نہ ہو گئے تھے۔ تفصیل دیباچے کی بحث تعلقات انگریزی میں ملاحظہ ہو۔

(۸) سر ڈانیل میکلوڈ صاحب مراد ہیں یہ لفٹنٹ جنرل ڈکن میکلوڈ کے یہاں فورٹ ولیم، کلکتہ،

میں ۶ جون سنہ ۱۸۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ ولایت جا کر تعلیم پائی۔ سنہ ۱۸۲۸ء میں ہندوستان

واپس ہوئے، اور صوبہ بنگال میں ملازمت اختیار کی۔ سنہ ۱۸۳۱ء سے ۱۸۴۶ء تک ضلع

ساگرزبدا، اور بنارس میں رہے۔ ۱۸۵۵ء میں پنجاب کے جڈیشل کسٹمر ہوئے۔ عذر

سنہ ۵۷ میں لاہور میں تھے۔ ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۰ء تک پنجاب کے لفٹنٹ گورنر رہے

اور ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۷۲ء کو لندن کی زمین دوز ریل کے ایک حادثے سے انتقال کر گئے۔

یہ مشرقی علوم دفن کے بڑے حامی تھے، اور چاہتے تھے کہ دیسی زبانوں میں مغربی علوم

کی تعلیم دی جائے۔ پنجاب یونیورسٹی انھیں نے قائم کی تھی۔

(۹) سید جن (ص ۷۹) میں یہ رباعی میکلوڈ کی مدح کی بھی ہے:

آی پایہ بلند سازد والا جاہی از بہر نواب ہر جہ از حق خواہی

مکو کہہ سکو کہ دہورت ثمت چوں مرعیان معنی روح البہی

عبد نہیں اسی کو شہد لکھا کریش کیا ہو۔ لیکن اسی کتاب میں ایک قطع بھی درج ہے

جس کی اہلیتیں ہیں، اور پہلا شعر یہ ہے:

ہرزم تو امید جم حشم سکوڈ ہستانی است ہر زنت و ناز

ہم میں میرزا صاحب لکھتے ہیں: از جفا سی زمانہ و ناساز

آدم تا بہ پیش دی تالم با چنین داعنای سیمہ گداز

از ادب دم نمی تو اتم زد گویم اما بہ سشدہ ایجا باز

چون رسد وقت کار سرتاسر ہر زبان سن از زمان دراز

مدح بالادی انگلتان است نبیت در صند بیع کس انباز

اندرین بابہ با سنی مسکین اسد اللہ خان مدح طراز

غالب اسم شہر و نام نیست

(سید جین: ۳۷)
میرزا صاحب کا ایک اورے اشتر کا نقطہ، کسی گورنر کی مدح میں ہے۔ اُس کا پہلا شعر حسب ذیل ہے:

نہیں از ادای سپاسِ خدای عزوجل تنہا حضرت نواب می کمز انشا
اس میں میرزا صاحب لکھتے ہیں:
زہی عطای گرانمایہ گرامی قدر کہ سوداگر کہ من از شرف با وجہ سا
توان فکذ بہ گیتی بنایِ منت بہشت زہمت بار چکان ہر کی است پیش ہا
حاصل گمر و جینہ و دگر سر پہنچ چوروشنان فلک با فروغ داد دنیا
چو بی طلب بمن اینہا رسیدہ است بود زہر مطلب خویشم توقع امضا
تو بخ آنکہ یکی سارقی فکرت یا ہم زہدیکاہ عنایات والی والا

(سید جین: ۵۵)
خیال یہ ہے کہ نقطہء اَدَل دربار میں تعارف کے طور پر رِماعی کے ساتھ پیش کیا ہوگا، اور دوسرا نقطہ خلعت پانے کے بعد اظہارِ تشکر اور طلبِ ساریفکٹ کے لیے لکھا ہوگا۔ اس قطعے سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ باوجود منٹگری صاحب سے خلعت پانے کے میرزا صاحب کو یہ یقین نہ تھا کہ اُن کا خلعت دو دربار جاری ہے۔ انھیں دربار میں مدعو نہ کیے جانے سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

صفحہ ۶۵

(۱) میرزا صاحب کے اس بیان سے کہ نہ تو کشتہ کو علم تھا کہ اسد اللہ خاں کو خلعت ملے گا، اور نہ مجھے اس کا خیال گزرتا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ اب تک خلعت بحال نہیں ہوا تھا، صرف شرکتِ دربار کی اجازت ملی تھی، ورنہ گورنر خلعت دیتے وقت کیوں کہتا کہ یہ ہم نے آپ کے واسطے رکھا تھا۔ اس کے شکریے میں میرزا صاحب نے جو نقطہ لکھا ہے، اُس کا یہ شعر ابھی گزر چکا ہے:

چو بے طلب بمن اینہا رسیدہ است بود زہر مطلب خویشم توقع امضا
اُس سے بھی انہی کی تائید ہوتی ہے کہ میرزا صاحب خلعت سے مایوس تھے، ورنہ بے طلب کی قید کیوں لگاتے۔ لیکن وہ خود بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۱۸۶۳ء میں منٹگری صاحب نے بلا کر خلعت دیا، تو کہا کہ ”ہم تمہیں مزدہ دیتے ہیں کہ نواب گورنر جزل بہادر نے اپنے دفتر میں تمہارے دربار اور خلعت کے بدستور بحال رہنے کا حکم لکھوا دیا۔“ اس صورت میں یہ بھی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ انھوں نے کسی مصلحت سے اُس

وقت یہ بات مشہور کر دی تھی۔ (مکاتیب: ۳۲)
(۲) میرزا صاحب نے اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن فرہنگِ آصفیہ اور نور اللغات میں تناویز لکھا ہے یہ ایک قسم کا نہایت عجیب اور موٹا ریشمی کپڑا ہوتا ہے پہلے تجارت سے آتا تھا، اب یورپ سے آتا ہے اور گرٹ کی قسم میں شمار ہوتا ہے۔

(۳) میرزا صاحب نے اس لفظ کو ”بوجہ“ لکھا ہے۔

(۴) یہ میرزا صاحب نے کلکتے کے پتے سے لکھا تھا چنانچہ لغافے پر تحریر ہے: کلکتہ، غلام کاشی پور، خانہ لمبرے اور لمبرے ۵۔

صفحہ ۶۶

(۱) لارڈ لارنس مراد ہیں۔ یہ الیگزینڈر لارنس کے چھٹے بیٹے تھے۔ ۳۰ مارچ ۱۸۱۱ء کو پیدا ہوئے فروری ۱۸۴۸ء میں کلکتے آکر سول سروس میں نام لکھا یا۔ ۸ برس تک دہلی اور اُس کے اطراف میں اسٹنٹ اور ڈسٹرکٹ انسپکری حیثیت سے کام کیا۔ پھر ۱۸۴۳ء سے ۱۸۴۵ء تک دوبارہ اسی علاقے میں خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۶ء میں سٹیج ہالکڈیم کے دو آجے کے کمشنر مقرر ہوئے۔ لاہور میں ریڈنٹ بھی رہے۔ کانگڑے کی بغاوت فرو کی۔ ۱۸۴۹ء میں نئی کے الحلق کے لیڈر نظامی لورڈ کے ممبر مقرر ہوئے۔ لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۳ء میں پورڈ ٹوڈ کر انھیں پنجاب کا چیف کمشنر بنادیا۔ اپنے بھائی سر ہنری لارنس سے جمہوری معاملات میں انھیں معقول اور سنجیدہ اختلاف تھا۔ عذر میں پنجاب کو محفوظ رکھا اور فوجی مدد بھی کر دہلی کے حاصرے میں اہم اعانت کی۔ یکم جنوری ۱۸۶۱ء کو ہندوستان کے گورنر جنرل اور ولیمبرائی مقرر ہوئے، اور ۱۲ جنوری ۱۸۶۹ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ یہ بہت طاقتور مسند جفاکش اور کٹر مذہبی آدمی تھے۔ ملازمت سے سبکدوشی پر ”بیرون لارنس آف دی پنجاب اینڈ گرٹیلی“ کے اعزاز سے مفتخر ہوئے۔ ۲۷ جنوری ۱۸۷۹ء کو لندن میں انتقال کیا اور ولیمبرائی میں دفن ہوئے۔

(۲) اس سلسلے میں نواب غلام آشیاں نے ۳۱ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء کو تحریر فرمایا: ”مشفقاً! جنابیت از دی غلصہ بحیریت تمام بتاریخ ۶ جنوری سنہ حال فائز مقام کلکتہ گردید۔ د ملاقات جنابہ مستطاب معلی القاب نواب گورنر جنرل بہادر، دام شوکتہم، دو دیگر صاحبان عالی شان وزیر اجلاس کو نسل بعوان شایستہ و طرز بالیستہ پیادہ حصول رسید۔“

(۳) دونوں لڑکوں سے باقر علی خاں اور حسین علی خاں مراد ہیں۔ دیباچے میں ان کا حال تفصیل لکھ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ میرزا صاحب کی استدعا منظور نہیں ہوئی، اور ان کی زندگی میں کسی لڑکے کی خواہ مخواہ مقرر نہ کی گئی۔

(۴) نواب غلام آشیاں نے ۳۷ رمضان ۱۲۸۳ھ (۳ فروری ۱۸۶۷ء) کو لکھا تھا: ”بتاریخ می ویکم ماہ جنوری سنہ حال راقم جنابیت آملی مع الخیر بعد ثنوی چہذا اجلاس کو نسل از مقام کلکتہ داخل راجپور گردید۔“ تعجب ہے کہ یہ فرمان میرزا صاحب کو ۴ فروری تک موصول نہیں ہوا۔

(۵) اصل خط میں ”سوا“ ”جاؤں“ تحریر ہو گیا ہے۔

صفحہ ۶۷

(۱) لغافے پر ۴ فروری درج ہے۔ غالباً دوسرے دن ڈاک میں ڈال گیا تھا۔

(۲) بیچ لفظ ”ظہانیت“ ہے، مگر اردو زبان کے عام و خاص سبب جنایت ہی ہوتے ہیں۔

صفحہ ۶۸

(۱) برکیٹ کی عبارت میرزا صاحب سے ”سوا“ چھوٹ گئی تھی، میں نے دیگر غرض سے ایذا

کردی ہے تاکہ کلام تمام ہو جائے۔

(۲) اصل میں ”بات“ ہے۔

صفحہ ۶۹

(۱) لعلی کی لپٹ پر تحریر ہے: ”پیش نمودہ شد۔ قطعاً نوشتہ نزد مستم اخبار برای طبع...“

فرستادہ شود... مطابق ۱۰ اپریل سنہ ۱۸۶۷ء

(۲) انتخاب یادگار (ص ۹۰) اور اخبار الصنادید (ج ۲ ص ۱۳۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ

نواب خلد آشتیاں نے ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۴ھ (مارچ سنہ ۱۸۶۶ء) میں جو جلوس کا پہلا

سال تھا، باغ بینگلہ کے میلے کا آغاز کیا۔ یہ میلہ آٹھ روز بڑی رونق سے رہتا تھا۔

باغ میں ہر قسم کے مال کی دکانیں ہوتی تھیں، جن میں سے یہاں ذکر کے قابل مطیع نظامی

کانپور کے مالک عبدالرحمن خاں بن حاجی محمد روشن خاں کی کتابوں کی دکان ہے۔

روایتی لکھنے کے اکثر معزز روز سنا بھی اس میلے میں شریک اور نواب خلد آشتیاں کے

مہمان ہوتے تھے۔ نواب صاحب خود بھی آٹھ روز برابر وہیں مقیم رہتے تھے، اور اکثر

اوقات دوکانوں پر تشریف لے جا کر اسباب خریدتے۔ قسم قسم کے چلبے، شاعرے اور تماشے

بھی ہو کر تے تھے۔ سنہ ۱۲۸۹ھ میں میلے کی ترقی کے لیے ایک عمارت تیار کر کے اس میں

قدم شریف رکھوایا ہر میلے میں دلی والوں کی طرح اس پر ٹپکا چڑھایا جاتا تھا۔ بائیں

میلے نواب صاحب نے کیرتیشواں میلہ قریب تھا کہ رحلت کی۔

(۳) شلوں میں اس خط کا جواب شامل نہیں، اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ سرکار نے کن

لفظوں میں اس قطعے کی داد دی۔

صفحہ ۷۰

(۱) سید جین (ص ۱۵) میں اس قطعے کے یہ ۶ شعر درج ہیں:

نمائشگی در فورشان خویش بر آراست نواب عالی جانب

بشپ زہرہ دمہ قنادیل سقفت بود پیشکارش بہ روز آفتاب

ز غالب چو رسیدہ شد سال آن چنین گفت آن زبد خانہ خراب

از ان روز کہ بزم عیش و نشاط ز بخشش جانی شود کامیاب

چو بینی طرب را نہایت نمائد بود سال آن بخشش بھباب

خدایا! بہند و خند او ندگار کہ از طبع غالب رد و بچ و تاب

(۲) خط میں تاریخ درج نہیں تھی۔ میں نے لعلی سے اضافہ کیا ہے۔

(۳) میرزا صاحب نے سوچنا لکھا ہے، اسی طرح خط نمبر ۵۳ میں بھی سوچ لکھ دیا ہے۔

(۴) صاحبزادہ محمد حسن خاں بہادر نواب سید غلام محمد خاں بہادر کے پرپوتے اور نواب

خلد آشتیاں کی صاحبزادی حیات النساء بیگم لقب بہ عالیہ سلطان بیگم، جسے شوہر تھے۔

(اخبار الصنادید: ۲، ۳) انھوں نے عین عالم جوانی میں انتقال کیا۔ نواب خلد

آشتیاں کے لیے یہ واقعہ بہت روح فرسا تھا، اسی لیے میرزا صاحب نے اس قدر پر

از تقریر نامہ ارسال کیا ہے۔

(۵) یہ مصرع میرزا صاحب کے ایک فارسی نوے کا دوسرا مصرع ہے۔ پہلا مصرع یہ ہے۔
 ”شد عزقہ بخون پیکر شاہ شہد المے“ ملاحظہ ہو کدلیات نظم فارسی۔ ۶ ستمبر ۱۸۶۲ء کے
 ایک خط موسومہ ”نواب میر غلام یاباغاں رئیس سورت میں بھی“ نواب میر جعفر علی خاں کے
 بچہ ۶ سال فوت ہو جانے پر انوس کرتے ہوئے میرزا صاحب نے یہی مصرع دہرایا ہے۔
 ملاحظہ ہو اردو سیلی: ۶، طبع لاہور۔

صفحہ ۱

(۱) علی بخش خاں خانساں کے سلسلے میں جیسیں عریضے کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا صاحب نے سو اُڑھ پیے لکھ دیا ہے۔

صفحہ ۲

(۱) صاحب عالم میرزا رحیم الدین بہادر صاحب ابن میرزا کریم الدین رسا دلی کے شاہسرا دے
 اور شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ رجب سنہ ۱۲۷۲ھ (۱۸۵۵ء)
 میں نواب فردوس مکاں کی طلب پر رامپور تشریف لائے، اور یہیں سنہ ۱۳۰۴ھ میں نواب
 خلد آشتیاں کی وفات کے ۸ دن بعد ۹ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ انھیں شہر دشترنج
 کا بہت شوق تھا۔ میرزا صاحب نے ان کے دیوان کا دیباچہ بھی لکھا ہے۔ تفصیل کے
 لیے گلستان سخن (۲۰۷) اور شمع (۵۱۰، ۲) ملاحظہ ہو۔

(۲) میرزا رحیم الدین بہادر صاحب کے پوتے رامپور میں بقید حیات ہیں۔ انھوں نے بھی فاضل
 شترنج باز کے حالات سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

(۳) ان صاحبزادی کا نام اور ان کے والد کا نام اگلے خط میں خود میرزا صاحب نے لکھ دیا ہے
 یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ نواب احمد بخش خاں کے بھائی کا نام نبی بخش خاں تھا، اور یہ
 کہ ان صاحبزادی کے نانا جزل آکر لونی، جو مسلمانوں میں آخر لونی مشہور تھے اور نانی ایک
 مسلمان بی بی مبارک بیگم نامی تھیں۔ مبارک بیگم نے بازار سری والاں (قاضی حوض، دہلی)
 میں سنگت سرخ کی ایک مسجد بھی بنوائی تھی، جو سنہ ۱۲۳۸ھ (۱۸۲۲ء) میں بن کر تیار
 ہوئی اور آج تک ”لال مسجد“ کے نام سے مشہور ہے ذکر غالب: ۳۷، بحوالہ افتتاحات
 دار الحکومت دہلی: ۲، ۹۳۳)

(۴) اصل ”ہات“

صفحہ ۳

(۱) اس عریضے کے لفافے پر ۲۹ اگست درج ہے۔ لیکن یہ سہو قلم معلوم دیتا ہے، کہ یوں کہ
 ڈاک خانے کی سرسری بھی ۱۹ اپریل درج ہے۔ نواب خلد آشتیاں نے ۲۶ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۲ھ
 (۲۸ اگست سنہ ۱۸۶۶ء) کو جواب تحریر فرمایا: ”...چونکہ مفاد مذہب و بخت طراز سے
 منشی خاص آپ کا بخوبی متکشف نہ ہوا، اس واسطے خالہ خامہ محبت لگا رکھے ہوتا
 ہے کہ آپ خلامہ کمزور خاطر محبت منظر ہر سے مطلع کیجئے، کہ مقتضای انضباط روادا
 موافقت قدیمہ جو بات کہ ممکن ہوئی، وہ طور میں آئے گی۔ خاطر جمع رکھیے۔“
 (۲) ذکر غالب رس: ۳۷ میں ان کا نام خورشید بیگم لکھا ہے۔ اگر یہ اطلاع درست ہے، تو

غالباً خوشہ میگویم عرف ہوگا۔

(۳) اس غریب کے جواب میں ذاب خلد آشتیاں نے تحریر فرمایا:..... چون کہ آن مشفق اقدار
معارف شادی مجوزہ خود تحریر نہ نمودہ اند، لہذا حالہ خامہ محبت نگار میثود کہ اول از
تقدیر مصارف شادی مطلع نمایند کہ بعد دریافت آن درین خصوص تجویز مناسب
بعمل خواهد آمد چہ کہ بمقتضای موافقت و اتحاد قدیمہ راقم را خوشنودئی آن مہربان
در امور مناسبہ نظر است..... المرقوم ۱۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۲۸۴ھ
مطابق ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء

صفحہ ۳۷

(۱) سلطان بجزین ملک، شاہ سلجوقی سنہ ۵۱۱ھ (۱۱۱۷ء) میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔
یہ بڑا اولوالعزم اور صاحبِ جود و کرم بادشاہ تھا۔ اس کا استدانی عہد حکومت
فتوحات کی وسعت کی بدولت تاریخ کا روشن باب ہے۔ علم و ہنر اور شعر و سخن کا
بھی بڑا قدردان اور عربی تھا۔ رشید و لواط اور اوری وغیرہ اس کے درباری
شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ اس نے کاشانی اوری کو اپنے قدیم سہنت لڑم سے
دوبار شرف بخشا۔ آخر میں ترکمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہاں سے بدقت
آزاد ہوا تو تاریخ التانی سنہ ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ء) کو بدست قضاے پکڑ لیا۔

(۲) شاہجہان ہندوستان کے مغل سلاطین کا پانچواں حکمران تھا۔ ۲۹ ربیع الاول سنہ
۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳ء) میں رانی بامتی، دختر راجہ اودیسنگھ دانی جو دھپور کے لہن
سے پیدا ہوا ۲۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۰۳ھ (۱۶۲۷ء) میں سنہ کو تخت پر قدم رکھا۔
اور سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۷ء) میں عالمگیر اورنگ زیب کے حق میں تاج و تخت ہند سے
دست بردار ہو کر آگرے کے قلعے میں جا بسا۔ موجودہ دلی اسی کی آباد کی ہوئی ہے۔
بڑا سخی دانا اور شہرہ آفاق قدردان علم و ہنر بادشاہ گزر اسے۔ دلی کی مسجد جامع اور
لال قلعہ اور آگرے کے عظیم النظیر و قلعہ تاج محل کا بانی ہے۔ اس کی قدردانی اور
قدرازاری کا یہ عالم تھا کہ محمد جان قدسی اور کلیم سہرانی کو قصیدوں کے چیلے میں رہیوں
سے نوا دیا۔ حسن اتفاق کہ دونوں ساڑھے پانچ ہزار روپے بھر نکلے۔ قدسی کو دوبار
خلعت اور دو ہزار روپے عطا ہوئے۔ کلیم کو جین وزن ششی کی تقریب میں ۱۰ ہزار
روپے کا صلہ عطا کیا۔ بعض شاعروں کے منہ میرے اور موتیوں سے بھر دیے۔ اس
نے آگرے میں سنہ ۱۰۷۶ھ (۱۶۶۵ء) میں وفات پائی اور تاج محل میں اپنی بیوی
کے برابر دفن ہوا۔

(۳) باقر علی خاں کے لیے دیا گیا بحث خاندان سلیمی ملاحظہ ہو۔
(۴) میرزا صاحب نے "گرتا" ہے لکھا ہے۔ لیکن یا تو "گرتا ہوں" ہونا چاہیے اور یا "گرتی
ہے" چونکہ میرزا صاحب تمام دلی والوں کی طرح مرکب مصادر میں جزو دل کی تائیت
کی صورت میں علامت مصدر "تا" کو "تی" سے بدل دیتے ہیں اسلئے جیڑ و یک ہوں کو
جگہ "تے" سے "سوا" لکھ گیا ہے۔

(۵) اس عریضے کی تاریخوں میں میرزا صاحب سے سہو ہوا ہے۔ انھیں سنہ ۱۲۸۸ھ اور ۱۸۶۷ء لکھنا چاہیے تھا، مگر ۱۲۳۸ھ اور ۱۸۷۶ء لکھ گئے ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں کا نام بھی رہ گیا ہے۔ البتہ لغاتے کی تاریخ میں ماہ و سنہ انگریزی یوں لکھا ہے: ۲۳ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء۔ لغاتے کی پشت پر میرمنشی صاحب کا نوٹ ہے: ”پیش نمودہ شد بہوز حکم تحریر جواب بمذاور نشدہ۔ ۲۹ ستمبر سنہ ۱۸۶۷ء“

صفحہ ۷۵

- (۱) اس عریضے کے جواب میں لکھا گیا تھا: ”شفعا بنی الحقیقت مزاج را تم از مرکز اعتدال مخرف شدہ بود و حال ہم طبیعت خوب ساق نیست بجز استعمال سہلات در پیش... ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۸۶۷ء“
- (۲) نواب صاحب نے ۱۸ نومبر سنہ مذکور کو قطعے کی رسید میں تحریر فرمایا: ”...معاوضہ عدم المعادفہ مع یک قطعہ بمضامین نو طرزنا در رنگ افروز چیرہ دھول گردیاد از ملا قطعہ مضامین نوش الشراح دل بخواستہ انجمنہ“
- (۳) عریضے کے لغاتے پر ۲۳ نومبر ۱۸۶۷ء تاریخ درج ہے۔

صفحہ ۷۶

(۱) میرزا صاحب نے ”گفتائیں“ لکھا ہے۔

صفحہ ۷۷

- (۱) مثل میں محمد حسن خاں مالک اخبار دہ بد بٹ سکندری کی رسید شامل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اخبار کی قیمت کے میرزا صاحب کی اکتوبر کی خواہ میں سے مجرا کر کے انھیں دیے گئے تھے اس حساب سے سوڑے میں سے چودہ روپے بارہ آنے بچے ہیں۔ شاید پانچ روپے بارہ آنے کے فرق کی وجہ میرزا صاحب کا نصف حافظہ ہے۔
- (۲) لغاتے پر تحریر ہے: ”پیش نمودہ شد بہوز حکمی صادر نگردید۔ ۲۰ نومبر سنہ ۱۸۶۷ء“
- (۳) یہاں میرزا صاحب نے الفاظ کی قدیم ترتیب کو بدل دیا ہے۔

صفحہ ۷۸

- (۱) سرکار کا یہ زبانی ارشاد غالب کسی درباری کے توسط سے میرزا صاحب تک پہنچا ہوا گا کہی زمان میں اس کا ذکر نہیں ہے۔
- (۲) اس عریضے کے لغاتے پر میرزا صاحب نے یکشنبہ دوم رمضان و ۲۹ دسمبر لکھا ہے۔ نواب خلد آشاں نے جواباً ۱۲ رمضان ۱۲۸۶ھ (۶ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء) کو جو فرمان تحریر فرمایا ہے، اس میں میرزا صاحب کے اصل مدعا کا کوئی تذکرہ نہیں۔

صفحہ ۷۹

- (۱) میرزا صاحب نے اس لفظ کو ”توجہ“ لکھا ہے۔
- (۲) اس رباعی کے ساتھ مثل میں کوئی عریضہ منسلک نہیں صرف لغاتہ شامل ہے جس پر انگریزی تاریخ ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء تحریر ہے۔ رباعی کی رسید میں نواب خلد آشاں نے ۱۰ ایشوال سنہ ۱۲۸۴ھ (۵ جنوری سنہ ۱۸۶۷ء) کو تحریر فرمایا: ”وقفلہ مبارکباد و عید الفطر بطرز نو۔ و مضامین شریفہ افروز و صولہ گشتہ ساز رنگ زرت و انبساط افروز“ اس زمان میں

رباعی کو قطع مبارکباد لکھنا کتابت کا سہو ہے۔

صفحہ ۸۰

(۱) عریضے کے لغاتے پڑ دو شنبہ ہنم ہاپچ سنہ ۱۸۶۸ء درج ہے۔

(۲)

کاغذ سے ہندوی مراد ہے۔

(۳) عریضے میں کاتب کا نام اور تاریخ کتابت دونوں درج نہیں۔ لغاتے پر میرزا صاحب نے

دو شنبہ ۱۱ اپریل سنہ ۱۸۶۸ء تحریر کیا ہے، جو درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ ڈاکخانے

کی انگریزی مہر میں "مئی" درج ہے، ثانیاً اس لیے کہ عریضے میں تنخواہ اپریل کی اطلاع

دی ہے اور یہ تسلیم ہے کہ اپریل کی تنخواہ اپریل میں نہیں ملتی، مئی میں ملتی ہے اس لیے

اس کو ۱۱ مئی سنہ ۶۸ء کا ہونا چاہیے۔

(۴) میرزا صاحب نے سہو ۱۸۶۷ء لکھ دیا ہے۔ صحیح تاریخ ۲۷ مئی سنہ ۱۸۶۸ء ہے، اس لیے

کہ اولاً تو جون سنہ ۶۸ء کے نوشتہ عریضے میں اس کی رسید طلب کی ہے، اور اس میں

اس خط کو "مسابق کا عریضہ" لکھا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں عریضوں کے

درمیان کسی تیسرے عریضے کا فصل نہیں تھا، ثانیاً اسی عریضے کے لغاتے کی پشت پر

میرنٹی صاحب کا حسب ذیل نوٹ ہے: "تقویر بعد ملاحظہ سپر رسید مجاہد علی صاحب

شد ۲ جون سنہ ۱۸۶۸ء اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ واقعہ سنہ ۶۸ء کا ہے۔ اگر

سنہ ۶۷ء کا ہوتا تو اسی سال میرزا صاحب تقاضا ہی رسید کرتے، اور اسی وقت سرکاریہ

تقویر ملاحظہ فرما کر سپر رسید مجاہد علی صاحب کو دیتے۔

صفحہ ۸۱

(۱) نواب صاحب نے چوہلی فرمان مورخہ ۷ جولائی سنہ ۶۸ء میں تحریر فرمایا ہے: "شعبہ

آن مشفق وصول شادمانی آوردہ از فرط محبتہا منقور شد" اس تقویر کے علاوہ میرزا

صاحب نے جہاں جہاں اپنی تقویریں بھیجی تھیں، ان کے لیے اردو میں معافی (دس ۲۰،

۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰

ایک تحریر سے معلوم ہوا کہ مولانا شبلی نے یہ کتاب خانہ دیکھا تھا اور وہ اس کی جامعیت اور ندرت کے بعد مرتضیٰ جتے۔ مظفر حسین خاں سے لاپ صاحب نے اس ذخیرے کا ایک محضول حصہ خرید کر سرکاری خزانہ مکتب میں شامل فرمایا تھا۔ ان کتابوں پر مظفر حسین خاں کے دستخط ثبت ہیں اور متعدد نسخوں پر جابجا حواشی بھی پائے جاتے ہیں۔ خود ان کے اپنے دستخط و درساے بھی کتب خانے میں موجود ہیں۔ یہ عربی زبان میں فلسفہ و حکمت پر لکھے گئے ہیں۔ میرزا صاحب سے ان کے روابط تھے۔ جب رامپور آئے تو میرزا صاحب نے منشی سیچند سے ان کی درباری قدرو منزلت کے متعلق استفسار کیا تھا۔۔۔۔۔ ملاحظہ ہو مکتوب نمبر ۱۲۔

احسان حسین خاں نے ۵ رجب سنہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) کو کربلائی مولیٰ میں انتقال کیا (کلیات سنہ: ۵۳۵) اور مظفر حسین خاں سنہ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں فوت ہوئے (ایضاً: ۵۴۷)

صفحہ ۸۲

(۱) اس خط میں خلافت دستور میرزا صاحب نے دعائیہ شعر نام اور تاریخ کے بعد لکھا ہے۔

صفحہ ۸۳

(۱) یہ بچت انگریزی تنخواہ کو آمدنی میں شامل کر لینے کے بعد معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ سہ ماہی سود کے علاوہ بھی صرف تزیینہ روپے شاگرد پیشہ ہی کے رامپور کے سو روپے ہیں سے منہا کر دیے جاتے ہیں تو ۳ روپے بچتے ہیں۔

(۲) شاگرد پیشہ کی تنخواہ کا ذکر غلط ہے۔ انہیں بھی گزار چکا ہے۔

(۳) اہل میں سود کی دال ساقط ہے۔ اسی سہ ماہی سود کی مقدار کے متعلق سرور کو لکھا ہو: دو تین برس کا چڑھا ہوا روپیہ مل گیا۔ بعد ازاں قرض چھپا بیچا۔ اب ماہ بچہ روپیہ ملتا ہے۔ مگر یہی تین مہینے قبر، اکثر کو ممبر ملیں گے۔ دسمبر سنہ ۱۸۶۰ء میں تنخواہ ششماہی ہو جائے گی۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ چار روپیہ سیکڑہ سالانہ عموماً وضع ہو کرے گا اس حساب سے میرے جیب میں ڈھائی روپیہ مہینا آیا۔ مہینے کے ساتھ رہیں گے۔

کچھ رامپور سے ماہ بچہ آتا ہے۔ یہ دونوں آمدنیوں مل کر خوش و ناخوش گزارا ہو جاتا ہے۔ (اردو: ۱۰۳، لاہور ایڈیشن)

(۴) لفافے کی پشت پر لکھا ہے: ”پیش نمودہ شد۔ ہنوز ہلکے صادر نگر دیر ۲۳ اکتوبر سنہ ۱۸۶۵ء“

صفحہ ۸۴

(۱) اس طریقے کے لفافے پر ۱۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ء درج ہے، حالانکہ ڈاک خانے کی مہر کے اندر بھی، آثار پنج ہی مندرج ہے اس سے یقین ہوتا ہے کہ سووا لفافے پر ۱۵ دسمبر لکھا گیا ہے۔ لفافے کی پشت پر لکھا ہے: ”پیش نمودہ شد حکم صادر شد۔ ۲۰ دسمبر سنہ ۱۸۶۸ء“

(۲) اس لفافے کو تخریب اور زخمی کی بنا پر ”قرضو بابا ہوں“ لکھا ہے

(۳) اصل میں ۱۲۵۸ لکھا ہے۔ اور لفافے پر دسمبر جزوی سنہ ۱۸۶۹ء تحریر ہے۔ میرزا صاحب کا آخری تحریر ہے حسین علی خاں کے طریقے سے معلوم ہوتا ہے کہ جزوی کی تنخواہ

۵۱ فروری کو میرزا صاحب کے انتقال سے ایک گھنٹہ قبل پہنچی تھی اس لیے اس کی رسید اپنے قلم سے نہ لکھ سکے۔ سویم کے روز حسین علی خاں نے سرکار کو میرزا صاحب کے انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا: "بتاریخ ۵۱ فروری سنہ ۱۲۸۶ مطابق ۲ ذیقعد روز و درشتہ ظہر جناب دادا جان صاحب قبلہ ذاب اسد اللہ خاں غالب عرف میرزا نوشہ صاحب نے اس جہان فانی سے رحلت کی۔ مذہبی کچھ عرض نہیں کر سکتا کہ کس قدر رنج و الم اس سانچہ جانگزاؤ و مگر خراش سے لاحق ہوا ہے۔ اور نیز جناب دادی صاحبہ معطلہ کا حال اس رنج سے عالم پیری میں ایسا ہو گیا ہے کہ گزارش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضور کا نوازش نامہ مع ہندوی یک صد روپیہ بابت تنخواہ جزوی سنہ ۱۲۸۶ کے ۵۱ فروری کو لکھی گئی۔ پہلے انتقال دادا جان صاحب سے شرف صدور لایا تھا۔ رسید ہندوی واسطے اطلاع حضور کے عرض کی گئی۔"

فروری کے چودہ دن کی تنخواہ کی رسید حسین علی خاں نے ۱۱ مئی سنہ ۱۲۸۶ کو اپنی مہر لگا کر دہلی سے روانہ کی تھی جو ان کے خطوط کے فائل میں منسلک ہے۔ مگر ان کے مکتوب بنام سلیمپور سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۶ ماہ مذکور تک تنخواہ کی ہندوی انھیں نہیں ملی تھی ۱۲ صفر ۱۲۸۶ھ کے ایک نوٹ سے پتا چلتا ہے کہ اس تاریخ سے قبل رقم یہاں سے بھیج دی گئی تھی۔ یہ تاریخ ۲ جون سنہ ۱۸۶۹ء کے مطابق ہے جسین علی خاں نے اپنے ۱۲ جون کے علیحدہ میں اس کے وصول کا ذکر کیا ہے۔

صفحہ ۸۵

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے لغاتے پر لکھی تھی۔

صفحہ ۸۶

(۱) چیف کمنشنر سے لارڈ لارنس مراد ہیں جو ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۲ء تک پنجاب کے چیف کمنشنر اور بعد ازاں دلیسیرائے بنادیے گئے تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ۶۶

(۲) کمنشنر دہلی سے چارلس سائڈس مراد ہیں۔ ان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

(۳) اس زمانے میں دہلی کے کلکٹر فلپ ہنری اجون، آئی، سی، ایس تھے، یہ ۱۹ اگست ۱۸۲۲ء

میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں ہندوستان آئے، شمال مغربی صوبے میں سنہ ۱۸۵۰ء

تک خدمات انجام دیں سنہ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۹ء تک دہلی کے مجسٹریٹ اور کلکٹر رہے

لیکن سنہ ۵۷ء کے محاصرہ دہلی میں رخصت ہو گئے۔ اکتوبر سنہ ۱۸۵۹ء میں دہلی آکر بڑی

مقبولیت سے شہر اور ضلع میں اس دامان کو بحال کیا۔ سنہ ۱۸۵۹ء میں امرتسر کے کمنشنر

مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۶۸ء میں راولپنڈی تبادلوں پر ۱۷ جنوری سنہ ۱۸۶۹ء کو تاریخ انتقال میں

اس لفظ کو میرزا صاحب نے اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن صحیح "ریونیو بورڈ" ہے۔

(۴) اس سلسلہ میں جو ۱۲ مارچ سنہ ۱۸۵۸ء کو تفتہ کو لکھا ہے: "موصوفی میری سر جان لارنس

(۵) چیف کمنشنر بہادر کو گزری۔ اس پر دستخط ہوئے کہ یہ موصوفی کو اغذہ منیہ سائل کے پاس

بھیج دی جائے اور یہ لکھا جائے کہ معرفت صاحب کمنشنر دہلی کے پیش کردار اب سر رشتہ دار

کو لازم تھا کہ میرے نام موافق دستور کے خط لکھتا رہتا تھا۔ وہ موصوفی حکم چڑھتی ہوئی

میرے پاس آگئی۔ میں نے خط صاحب کشتزدہلی چارس سائڈرس کو لکھا اور وہ عرفی حکم چڑھی ہوئی اس میں ملوث کر کے بھیج دی۔ صاحب کشتزدہ صاحب کلکٹر کے پاس یہ حکم چڑھا کر بھیجی کہ سائل کے پسین کی کیفیت لکھو۔

اب وہ مقدمہ صاحب کلکٹر کے یہاں گیا ہے۔ ابھی صاحب کلکٹر نے تعمیل اس حکم کے نہیں کی۔ پرسوں تو ان کے ہاں یہ رو لکھا ہی آئی ہے۔ دیکھیں کچھ مجھ سے بڑھتے ہیں یا اپنے دفتر سے لکھ بھیجتے ہیں۔ دفتر کہاں رہا ہے، جو اس کو دیکھیں گے۔

بہر حال یہ خدا کا شکر ہے کہ بادشاہی دفتر میں سے میرا کچھ شول فساد میں پایا نہیں گیا، اور میں حکام کے نزدیک یہاں تک پاک ہوئی کہ پسین کی کیفیت طلب ہوئی ہے۔ اور میری کیفیت کا ذکر نہیں ہے۔ یعنی سب جانتے ہیں کہ اس کو لگاؤ نہ تھا۔

بھائی، بدایت تو اچھی ہے، نہایت بھی خدا اچھی کرے۔ وہ عزت اور وہ ربط و ضبط جو ہم میں زادوں کا تھا، اب کہاں! روٹی کا ٹکڑا ہی مل جائے تو غصہ ہے۔ گورنری کلکتہ اور گورنری آگرہ اور اجنٹی و کشتزی و دیوانی و فوجداری و کلکٹری دہلی سے جو حکم میرے خط اور عرفی پر سوا ہے، مشتعل اس حکم پر خط میرے نام آیا ہے۔ حکم نے اب بھی یہی حکم دیا تھا کہ لکھا جاوے کہ یوں کرو، عملے خط لکھا، صرف وہ عرفی حکم چڑھی ہوئی بھیج دی، (اردو: ۸۵، لاہور ایڈیشن: خطوط: ۱۱۱) (۳۱)

صفحہ ۸

(۱) لفافے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب نے اسے لکھ تو ۲ مارچ تاریخ کو لیا تھا، مگر ارادہ تھا کہ ۲۵ کو پوسٹ کرائیں گے، اس لیے ۲۵ مارچ تاریخ لکھ دی تھی، بعد ازاں ازراہ عجلت ۲۴ ہی کو ڈاک میں ڈالوا دیا۔ اصل عبارت یہ ہے: ”در شہر راہپور موصول و بخدمت نواب صاحب مشفق و کرم، منظر طعن و کرم، نواب زین العابدین خاں صاحب عرف کلن میاں سلمہ اللہ تعالیٰ مقبول باد“ از غالب بکیرنگ، بکیرنگ۔ مرسلہ ۲۵ مارچ ۱۸۵۸ء۔ فردری۔ جواب طلب و شتاب طلب ۱۲ جون عجلت در ارسال مکتوب می بایست، ہم بروز چار شنبہ آخر روز ۲۴ مارچ فرستادہ شد“

(۲) یہ خط میرزا صاحب نے زین العابدین خاں کے اصل خط کے حاشیے پر نقل کر کے منشی سیلچند صاحب کو بھیج دیا تھا۔ زین العابدین خاں کے خط کی عبارت یہ ہے: ”نواب صاحب مشفق مہربان، کرم فرمایا دوستان، مجبوراً غویہای بیکران، سلمہ اللہ تعالیٰ۔ بعد سلام مسنون و اشتیاق ملاقات مباہجت شون، یہ چند حرف ریزے بھیج کر تکلیف دینا ہوں کہ نگاہ گوہر سنج سے ملاحظہ کر کے اغلاط محاورات، و تراکیب، و سستی بندش و تنقیدات صوری و معنوی، و تنافر الفاظ، و ابتذال معاین، جس جگہ دافع ہو مطلع فرمائیے۔ فقط۔ امر مستفسرہ سابق میں صدر مہربانی نامہ نامی نے غلبان رنج کیا جواب اس کا بھی اگر جلد عنایت ہو، بعید ارتباط دیرینہ سے نہ ہو گا۔ زیادہ شوق و بس فقط نگاشتہ دہم مارچ سنہ ۱۸۶۵ء مقام جے پور۔

(۱) یہ خط دیوان بیتاب قلمی کے ورق ۸۸ الف کے حاشیے پر میرزا صاحب لکھا ہے
آخر میں تاریخ نہیں ہے۔ لیکن دوسرے خط کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ نومبر
سنہ ۱۸۶۶ء سے قبل لکھا گیا تھا۔

صفحہ ۸۹

(۱) دیوان مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۹۰

(۱) دیوان مطبوعہ میں ”میں بھی“ ہے۔

صفحہ ۹۱

(۱) یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مطبوعہ میں دوسرا مصرع یوں چھپا ہے: ”میں تم پہ مبتلا ہوں“ وہ ہے مبتلائی شمع۔

(۳) مطبوعہ: ”ہیں زخم اور آبلہ“

(۴) مطبوعہ: ”جب قابلِ بیاں ہی نہ اپنا رہا تعلق“

صفحہ ۹۲

(۱) مطبوعہ: ”بھوڑا ہوا ہے پک کے“

(۲) یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ دیوان مطبوعہ اور اس قلمی نسخے میں جو میرزا صاحب کے

اصلاحی نسخے سے منقول ہے، یہ غزل نہیں ہے۔

(۳) دیوان مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

(۴) یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

(۵) مطبوعہ: ”لکھیں نہ نامے میں“۔ دراصل قلمی نسخے میں یہ اصلاح غالباً خود بیتاب نے کی ہے۔

صفحہ ۹۳

(۱) مطبوعہ: ”قتل کا اپنے خوش آیا ہے۔ یہ ایسا ہم کو“۔ یہ بعد کی ترمیم معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مطبوعہ: ”جوش و حشمت میں ہوں کیوں تنگ میں غریانی کا“۔ یہ بھی بعد کی ترمیم ہے۔

(۳) میرزا صاحب کی یہ اصلاح درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ مقتضی، مصدر مقتضی کا اسم

مفعول ہے، اور جمع اس کی مقتضیات، بفتح یا بغیر تشدید ہوگی، نہ کہ مقتضیات

جیسا کہ میرزا صاحب نے لکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مطبوعہ میں مصرع اس طرح درج کیا گیا

ہے: مقتضای شہری سے تو نہ تھا صبر مگر۔

(۴) مطبوعہ: ”لگا“

(۵) مطبوعہ میں یہ غزل ردیف نون میں رونج کی گئی ہے۔ مگر مطلع کی حسب ذیل صورت ہے

عبث ہیں غوغائیں یہ دیدہ و رنگان تزدنوں خزان و نالہ ہیں تو ہوں مگر ہیں بے اثر دوزوں

صفحہ ۹۴

(۱) مطبوعہ: ”رکھے منہ کیوں کردہ میرے سینہ پر داغ پر“

(۲) مطبوعہ: ”توڑ کر“

(۱) مطبوعہ: ”حشر کے دن ہوگی اُس سے ایک صحبت اور بھی۔“

(۲) مطبوعہ: ”ختم ہے یہاں گردن۔“

(۳) مطبوعہ میں یہ شعر اسی طرح باقی رکھا گیا ہے۔

صفحہ ۹۵

(۱) یہ خط دیوان کے آخری سادہ صفحے پر لکھا گیا ہے۔

صفحہ ۹۶

(۱) مطبوعہ میں یہ شعر نہیں ہے۔

(۲) مطبوعہ میں اس مطلع کو اس طرح چھاپا گیا ہے: ”غنیت ہے، زباں پر اپنی تو ذکر اُس کا لاتا ہے

یہی چ چا کیے جا، مجھ کو ای ناسخ خوش آتا ہے۔“

(۳) مطبوعہ: ”وسم ہے آفت۔“

(۴) مطبوعہ: ”ہو کیا۔“

صفحہ ۹۷

(۱) مطبوعہ: ”ناصحو تم رہے عقی میں تو کام آنے سے۔“

(۲) مطبوعہ: ”ملا کر خاک میں لبس جلدیے وہ۔“

(۳) مطبوعہ: ”عشق۔“

صفحہ ۹۸

(۱) بیتاب کا اس زمین میں دو بزلہ ہے، مگر یہ تافیہ یا اس مضمون کا شعر اُنھوں نے نہیں لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اپنی عادت کے خلاف پورا شعر خود کہہ کر لکھ دیا ہے۔

(۲) مطبوعہ میں یہ شعر اس طرح درج ہے:

مارڈالاسیقراری نے، کوئی اللہ سے مانگ لائے اک ذرا سا صبر میرے نام سے

(۳) دراصل میرزا صاحب کی سمجھ میں صرف لفظ ”یونہی“ نہیں آیا تھا جسے کاتب ”لوہی“ لکھ دیا تھا، ورنہ مصرع کے اور تمام لفظ صاف صاف تحریر ہوئے ہیں۔

(۴) مطبوعہ: ”تھا بہت شوقِ طبعش، لیکن ادب مانع ہوا۔“

صفحہ ۹۹

(۱) مطبوعہ: ”عاشق ہیں، آب سانی اگر قتل کرے گا۔“

صفحہ ۱۰۰

(۱) بیتاب نے بھی غلط نہیں لکھا ہے۔ اصل میں کلام متضاد صحت کلام بڑھانا ہے۔

(۲) مطبوعہ: ”بیز اُس کے پیروں خونِ دل، یہ مے ساقی۔“

صفحہ ۱۰۱

(۱) اصل میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے: ”نیکیوں کی تھے حکمی زمین سرکچہ تو دیر کی۔“

صفحہ ۱۰۲

اصل میں مصرع کا پہلا لفظ ”ترشمن“ ہے اور لفظ ”آج“ کا کاتب سے رہ گیا ہے۔

(۲) مطبوعہ: ”دو طباطبائی۔“

(۳) مطبوعہ میں یہ قصیدہ نہیں ہے۔

صفحہ ۱۰۴

(۱) میرزا صاحب نے آرٹیکل پر اسی طرح اعراب لگائے ہیں۔ مگر مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) مطبوعہ: ”پہنچتی ہے“

(۳) یہ کتابت کی غلطی ہے۔

(۴) مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

صفحہ ۱۰۵

(۱) مطبوعہ میں اس اصلاح کا اتباع نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) مطبوعہ: ”آگاہ تو ہے“

(۳) یہ کتابت کی غلطی ہے۔

صفحہ ۱۰۶

(۱) مطبوعہ میں یہ شعر نہیں ہے۔

صفحہ ۱۰۷

(۱) مظلومہ: ”عدو کے پر ہٹانے کی نہیں ہے“

(۲) مطبوعہ: ”تو اُن کو کرے پیار“

(۳) مطبوعہ میں یہ رباعی نہیں ہے۔

(۴) یہ کتابت کی غلطی ہے۔

(۵) اصل: ”مظلومین“ یہ کتابت کی غلطی تھی۔ دراصل اُسے مظلومی لکھنا چاہیے تھا، جس سے مظلوم ہونا مراد ہے۔ میرزا صاحب مظلوم کی جمع مظلومین سمجھے۔ چونکہ یہ لفظ غیر موزوں سمجھا، انھوں نے ”مفتولوں“ سے بدل دیا۔ حالانکہ زیادہ موزوں وہی ”مظلومی“ ہے۔

صفحہ ۱۰۸

(۱) یہ غزل میرزا صاحب کی اُس غزل کی ہم طرح ہے جس کا مقطع ہے: اب ہے دلی کی

طرف کوج ہمارا غالب۔ آج ہم حضرت نواب سے بھی مل آتے۔ پڑی غزل کیسے غالب نامہ ۴۰۴

صفحہ ۱۰۹

(۱) یہ عبارت میرزا صاحب نے مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء کے لفافے پر لکھی تھی۔

صفحہ ۱۱۰

(۱) یہ خط نواب فردوس مہکاں کے غسل صحت کی تائید کے متعلق لکھا گیا تھا۔ سرکار سکھ خاں اورافاق کے متعلق عرائض ۳۶ تا ۴۲ اور اُن کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

(۲) منشی صاحب نے میرزا غالب کے مکتوب مورخہ ۲۵ دسمبر سنہ ۱۸۶۲ء کے جواب میں جو خط تحریر کیا تھا، اُس میں ذکرِ یادِ جشن کے بعد درخواست کی تھی کہ ”ایک مادہ تائید کا فدوی نے نکالا ہے، سو عرض کرتا ہوں۔ امید دار ہوں کہ اُس کے ادھر شعر موزوں

فرما کر عنایت نامہ موسومہ فدوی کے میں عنایت فرمائیے :
 کاٹ کر سیر اعدا عرض کرتا، اسے مٹی بند گان مالی کا آج غیل صحت ہے
 اس شعر کا مصرع ثانی مادہ تاریخ ہے۔ چونکہ اس کے اعداد ۱۸۶۲ ہوتے ہیں اس لیے ایک
 عدد کا تخرج کیا گیا ہے۔ فقرہ (کاٹ کر سیر اعدا) بتاتا ہے کہ اگر سیر اعدا یعنی حرف الف
 کے عدد کو، جو ایک ہے، مادہ تاریخ میں سے کم کر دیا جائے، تو اعداد مطلوبہ ۱۸۶۵
 حاصل ہو جائیں گے۔ چونکہ یہ امر قاعدہ تاریخ گوئی کے میں مطابق ہے اس لیے میرزا صاحب
 نے اس پر جو اعتراض کیا ہے، وہ درست نہیں۔

(۳) قصیدہ تننیت عریفہ نمبر ۴۴ کے حاشیے میں درج ہے۔

(۴) شاہ کبیر الدین صاحب سہرام کے ایک بزرگ تھے۔ مزید حالات کا پتا نہیں۔

(۵) میرزا صاحب نے سہرام ماہ آئندہ کو رجب لکھ دیا ہے ورنہ فی الواقع انکا مہینہ رمضان
 تھا اس لیے کہ عریفہ ۴۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال ۱۳ دسمبر کو رجب کی بھی تاریخ
 تھی۔ لہذا ۱۹ جنوری کو، ۱۹ یا ۲۰ شعبان ہوگی، اور شعبان کے بعد رمضان آتا ہے،
 رجب نہیں آتا۔

صفحہ ۱۱۱

(۱) زین العابدین قاضی کا خط میرزا صاحب کے مکتوب (۱۲۰) کے حاشیے میں نقل ہو چکا ہے

(۲) عریفہ نمبر ۴۴ مراد ہے

(۳) مقرر ضرور۔

(۴) یہ عریفہ کلیات نثر فارسی میں شامل نہیں ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ راہبوری
 نقل رواںاتیں کی گئی۔

(۵) اس کے آخر میں میرزا صاحب نے اپنا نام اور تاریخ کتابت کچھ نہیں لکھا ہے۔ پشت ورق
 پر کسی اہلکار یا دارالافتا نے حسب ذیل یادداشت لکھی ہے: ”قصیدہ ہامی شاعران مرزا
 مرزا نوشہ صاحب ۲۹ رجب سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۹ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء“ اس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ دسمبر سنہ ۱۸۶۵ء کی ۱۵ یا ۱۶ کو میرزا صاحب نے یہ خط لکھا ہوگا۔
 خط کا لغافہ ضائع نہ ہو جاتا، تو تاریخ کا واقعی علم ممکن تھا۔

صفحہ ۱۱۲

(۱) سید نذر نادر صغیر بلگرامی، سید عبدالحی عرف سید احمد احمد تخلص کے بیٹے اور حکیم حاجی کو

سید غلام محیی کے پوتے ہیں۔ نسب میں حسینی سید اور بلگرام کے باشندے ہیں۔ اپنے نانا کے گھر

مارہرے میں پیدا ہوئے ”شش الضعی“ سے سال ولادت ۱۲۳۹ھ نکلتا ہے۔ رشحات صغیر

ردہ ۱۹، مطبع نورالانوار آرمہ ۱۲۹۳ھ میں خود اپنا حال اس طرح لکھا ہے :

”خانیقہ ہمتا نے قصیدہ مارہرہ ضلع کوٹل میں مجھے خلعت میلاد دیا، جو میرے ناما حضرت

شاہ عالم صاحب علیہ الرحمہ، سجادہ نشین مارہرہ کا ممکن ہے، جن کو حضرت غالب ہمدانی

نے آج آہنگ اور اردو ہی متعلی وغیرہ میں پیر و مرشد کر کے یاد کیا ہے، اور قصیدہ بلگرام کو

میرا وطن کیا، جو صوبہ اودھ میں نام برآوردہ اور معدنِ علم دفن ہوتا آیا ہے اور شیخ
اتان علی سحر اور میرزا سلامت علی دبیر لکھنوی اور مرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب دہلوی
کا شاگرد اور شیخ امداد علی سحر لکھنوی کا مقلد اور میرزا شاعر علی اسیر لکھنوی کا معتمد ہے
مگر آب و دانہ پانچ برس کی عمر میں مجھے قصبتہ آرد ضلع شاہ آباد، قریب عظیم آباد پٹنہ کے
لایا۔ اور شوقِ علم نے ہمیشہ اس زادی نشین نادانی کو اکثر بلاد و امصار میں صورتِ پرکار
پھرایا۔ بار بار لکھنوی کی سیر کی، دہلی گیا۔ اساتذہ سابق سے سابقہ رہا۔
مستاد میں شبوہ اُردو زبان سحر کزناسخ است یافتہ تغای شاعری
درمئیہ دبیر بود استاد من مقبول کبریا بشدہ از مدرج جدی
غالب بود ہنر ویر شعرم بپا رہی کوہست در زمانہ علم با ہنر درمی

(ایضاً: ۱۶)

میرزا صاحب نے رشتہ کی تقریظ میں ان کی پڑی تعریف کی ہے۔ فرماتے ہیں:
”سیدی سدی، نور پور، محبت جگر، قرۃ العین اسد، مولوی سید فرزند احمد کے
طول عمر دوام دولت و بقای اقبال کی دعا مانگتا ہوں، جن کو سید و فیاض سے سچے
کے نیچے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ سبحان اللہ! تفرقہ نہ کیر اور تائیت کی تقریر کردہ اور
سطالب کی توفیق پر بھی شمل ہے، کس لطف سے ادا ہوئی ہے۔ ہر چند اس راہ سے کہ
سید صاحب دانا اور دقیقہ رس اور منصف ہیں، قواعد تذکیر و تائیت کے مضبوط ہونے کے
خود معترف ہیں، لیکن فوتِ علم اور جن فہم اور لطیف طبع سے وہ مضبوط ضوابط ہم
پہنچائے ہیں کہ مجھے دل سے پسند آتے ہیں۔ دعا یہ ہے اور یقین بھی یہی ہے کہ یہ سب لکھ
صفیہ دہر پر یادگار اور ہمیشہ منظورِ نظر اور اولادِ ابصار رہے گا۔ جو صاحب اس کو طائفہ
نفع بھی پائیں گے، اور لطف بھی اٹھائیں گے۔ مؤلف صاحب چونکہ میاب اپنے ذہن
رسا سے ہیں، رئیس جلیل القدر آراء اور حضرت فلک رفعت مولوی صاحب عالم صاحب
مارہروی کے نواسے ہیں، سید واسطی بگرا می ہیں، جہاں کے سادات علم و فضل میں نامی
اور قدر و منزلت میں گرامی ہیں۔ ان حضرات کا مآدح گویا اپنا ثنا خواں ہے، جیسا کہ مولوی
معنوی رومی علیہ الرحمہ کا بیان ہے۔

مادیخ خورشید مداح خودست کہ مراد وحشم سر نامزد است

۱۲۳۸ھ
محمد علی صاحب

داد کا طالب غالب

صغیر نے ۱۳۰۷ھ (۱۸۸۹ء) میں انتقال کیا (نحمانہ: ۵، ۳۳۹، تاریخ لطیف
(۱۶۳)

اس قصیدے کے ہر شعر کا پہلا حرف ملا یا جائے تو ”نوابِ منتظاب محلی الغاب
جناب نوابِ کلب علی خاں صاحب بہادر دام اقبالہ والی رام پور“ نجاتا ہے۔ اسی کا
نام صنعتِ توشیح ہے۔ حاشیے کا حل لغات خود صغیر کا نوشتہ ہے۔

تفسیر یہ صنعت تو شیخ در مدح نواب نظام علی القاب جناب نواب
کلب علی خاں بہادر در دام آفتابہ والی رامپور

نہ ساقی زندان کہ ہے طرب کا ظہور
وہ اکٹھا ابرو وہ بادل چلے برسنے کو
اڑی نقابت نرگس بڑھی وجاہت گل
بہار حبش میں کر چوہوں کے پیرنگ ہے آج
مرا بھی خاؤ دل نقشہا ہی رنگیں سے
سبب نہ پوچھ کہ دل کیوں پر خانہ بلع لڑ
بچھے ہو آج مبارک یہ دور دوری تیراب
طرب طرب نہ کہے کھل کے کس لیے غنچہ
امارت آج ہے ناماں کہ زیب بندہ ہیں
بنایا دور فلک نے زمین کو رشک ارم
میں اس خوشی میں پڑھوں ایک طالع رنگیں

مطلع

توسل دیرہ سلطان ہو خانہ دستور
جلالت ابدی سے ہیں منتشر جمہور
وہ اس لیے ہے کہ ظلم ان کی حد سے دو
جو چور شیخ کا گلگیر نے کیا محصور
ہما کے سایے کے خواہاں نہیں ہیں اب جمہور
کہ جیسے رش کو ہو انتحاش طلوع حور
زمین پر ایک جگہ ہے مقام سایہ و نور
ہوے ہیں فرط نشاط سے دل بری ہو
جلال و رعب سے دشت میں نصیر و فقور
بری ہونا ہم بیٹی سے گو ہر منشور
کلفت ہوا ماہ سے رائل تو آفتاب نور
کہ اب ہے فکریت کسری پنچے سے مخدور
یقین اتنا تو ہے بعد انقضای دہر
جو ادھر قصد یہ ہو گام صبح کیا مقدر
بٹھاے مہر جلالت کے سایے ہیں سے خور
رعایت اس کو عایا کی رات دن منظور
نہ لے سیاہی فاعل سفیدی کا فہر

غایت اس کی نہ چاہے اگر نظام امور
لیاقت ازلی سے ہے مطہر عالم ق
یہ اس لیے ہے کہ ایذا نہ دے کسی کو کوئی
اسیر دام خط دست میں ہے دزد و حنا
لوا می عدل ہوا سایہ انگین سر خلق
قلوب خلق ہیں بول اس کے حکم سے خورند
اس انتظام کو دیکھو یہ عدل ہے نایاب
بری ہیں درد و غم و رنج سے تمام قلوب
جال و ظلم سے اُمید میں غنی و فقیر
بندہ عدل اگر روئے ظلم حادثہ کو
اشارہ ہو جو ذرا عدل ذکر اقدس کا
بلند عدل کا پایہ ہوا یہ ان کے سبب
نیابت ان کی کرے آکے ہاں اگر کسری
وہ پہنچے نہ نہ اول پہ عدل کے لیکن
اُمٹھاے چوب ادب سر بر اس کے شہد خب
ہریت اس کو برایا کی دسبدم بھووظ
کسی کا رنگ بگاڑے نہ کوئی باہر وظل

(۱) سورہ معنی رنگ سورہ ۱۲ غیاث (۲) کل کل بیخ کا و کا و ۱۲ بران (۳) سیر نیدن یعنی کو کر د ن ۱۲

بران - (۴) یعنی وزیر ۱۲

لب شکایت و فریاد کیوں نہ بند رہیں
بندھے ہیں ایک ہی رسی میں ظلم و قنہ و شر
علاجہ و مراتب میں گرد ہے دارا
لکھوں وہ مطلع رنگین میں اب سراپا میں

مطلع

یہ خال و رخ ہے کہ ہے اتصالِ ظلت نور
خدا نے حسن دیا، حسن پر ریاست دی
اسی طرح کا ہے، بیل ترے گلوں میں تنگ
نمود خط نے کیا حسنِ خطا کو روزا فزوں
صباحِ رخ و کیفیتِ ملاحظِ خال
الف ہے مٹی، روشن مگر امارت کا
حسین، رشکِ قمر، نوجوان، جوانِ دولت
بہائی اب گھر آج و تابِ دوزخاں نے
بھلا ہو لعل کہاں لب کے رنگ پر سرسبز
ہوا ہے مطلعِ تازہ کا پھر مجھے سودا

مطلع

اگر حضور کو سو پرورش ذرا منظور
دکھائیں باغیِ طلب سے جگا کے روزِ نشاط
رہے خیالِ کرم میں حضور کے جو کوئی
دیباے آپ کو حق نے وہ دل کہ موزا ابر
اگرچہ دور یوں میں آستانِ دولت سے
مجھے ہو دورِ قریب اور قربِ عزت ہو
اگرچہ مجھ کو ہے مشکل یہ منزلت پانی
قلم کو میرے نہیں آج تک یہ راہ ملی
بندھے ہیں لب مرے، گویا ہے مہرِ خاموشی
اشارہ چاہتی ہے طبعِ مدح سے مری
لکھوں وہ مدح کہ جو یادگارِ عالم ہو
ہو اے کیا تجھے کلکِ صغیر مدح سرا
وہ آفتاب ہے، تو ذرہ کیا ہے درجِ تری
اگر کرم ہو انھیں کا تو ماں کہوں میں بھی
لے اب دعا کا محل ہے اٹھادے دستِ دعا
یہ آفتاب ہے جب تک نلک پہ جلوہ فروز

درتسیم کو ہرگز نہ کوئی دیکھے عور
اگرچہ طالعِ خفتہ ہو خواب سے مجبور
تو اُس کے مطلبِ خاطرِ غائب سے ہو مہور
قریب اُس سے ہے میرا فیضیاب ہے دور
مگر حضور کے الطاف کا اگر ہو صدور
رہوں ہمیشہ میں انعام و لطف سے مشکور
کہ مدحِ خواہاں ہوں زمانے میں کیا مستور
سخن نے میرے نہیں پایا مدح کا دستور
ہزار گنجِ سخن اور طبع ہے گنجور (۲)
کہ تا بحشر سو جس کا جہان میں مذکور
پڑھوں تھیدہ وہ جس سے حضور میں
نہیں ہے مدح سراؤں کا یہ کہیں دستور (۳)
ہزار گنج سے ہیں مدح سرا قریب حضور
کہ تجھ کو ثبت پر آپ نے ہے کبر و نازِ فرد
کہ طبع ہوتی ہے آئین کہنے پر مامور
یہ ماہتاب ہے جب تک زمین پر فاسم نور

رہے حضور کے اقبال کو ترقی روز
آئی میری دعا یہ قبول کر لینا
میری ہمدرد پسند طبیعت عالی
پڑھوں ہمدرد قضا لکھوں دوام ثنا
دہ شہر شہر میں مشہور ہوں مرے ہمدرد
رہیں وہ سند دولت پہ جلوہ گردانم
خواجه حالی مرحوم، خواجہ ایزد بخش کے بیٹے اور پانی پت کے رہنے والے تھے۔ سوئی
پت کے تھیں۔ جو میرزا صاحب نے ہوا لکھ دیا ہے۔ سنہ ۱۸۳۷ء کے قریب پیدا ہوئے
عربی و فارسی کی تحصیل کے ساتھ شروحن کا بھی مشغلہ جاری رکھا۔ میرزا غالب کے قابل
فریاد گروہوں میں شمار کیے جاتے ہیں، اور نئی طرز شاعری کے موجد ہیں۔ یادگار غالب
حیات جاوید، سدس حالی وغیرہ ان کی تصنیفات ہیں۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔
یہ عرصی اور نفعہ ان کے کلیات میں موجود نہیں ہے۔

حاشیہ بوسان بساط فیض مناد حضرت نواب کیوان جناب جہان مطالع، جہانیاں آباد اقبال
موجود عرض

بعد گذارش مراتب عجز و انکسار و تقدیم آداب و تحیت و ثنا و قیام چند خارج از
آہنگ بری گشت۔ ہر چند سامع خراش است، اما شنیدنی دارد۔ دوش در عالم سرخوشی
خیال بینی چید تازی زبان در مدح سندگان حضور ترتیب میداد۔ ناگاہ دل سودا
زده بمناعت برخاست و گفت: ”چیت کہ از چار سوردی در ہم کشیدہ سر نیاز
بر این آستانہ فردا آرد؟“ مگر با ملازمان در گاہ سالقہ معرعتی داشتہ باشی؟“ گفتم:
”در میان شاہ و گدا معرفت چگونہ تواند گنجید؟“ گفتم: ”پس حلقہ کوئی در دولت محبہ
نسبت راست آید؟“ نشنیدہ کہ گفتم اندہ در میرد و وزیر و سلطان را۔ بی دلیلت گمرد
پیرامن۔“ گفتم: ”آنجائی کہ کرم عیم است۔ بیگناہ حکم آشنادارد؟“ گفتم: ”یاد دارم
کہ پیش از مسند آرائی ہندگان حضور قصیدہ متضمن مدح حضرت فردوس مکان و طاعت
بعضی از اعیان حسن پور گذارش کردہ و از انجا نوید قبولی ہم بتوز سیدہ تابصلہ و انعام
چہ رسد؟“ اکنون یکدام توقع این مہ شادمان بودہ؟“ گفتم: ”شرمت باد! مگر آگاہ نہ اند
قول عرب سہ گزشتہ کہ لا یتقبلون الا وکل لا یتقبلون۔“ گفتم: ”و نہ ترا فضل مشہور، نہ
ذکر سائر۔“ سخن چون تو گشای بہ التفات چہ از رد؟“ گفتم: ”در مذہب من حرام
است ستایش کسی کہ از شربت منکلم بحسن کلام دارسد، و از من قابل ستائش ہی برد
گفتم: ”و آخر عرض این مدیحہ سرائی چہ خواہی؟“ گفتم: ”خواہم آنچہ خواہم۔“
گفتم: ”و از طلب مجہول مطلق چہ خبر داری؟“ گفتم: ”کار بار دشمن میری است کہ گفتہ و
ناگفتہ پیشین یکی است۔“ گفتم: ”لعمریہ! اما از اظہار مدعا چہ خلل زاید؟“ گفتم: ”سائل
را زبان دارد۔“ گفتم: ”و چگونہ؟“ گفتم: ”سمت ہمدرد بلند تر از ان است کہ از ردی

سائل بدان تواند رسید گفت: «اگر همچنین است بجه نوع از اینست ممدوح
سبکدیش خواهی شد» گفتیم: «تحت این دو مصرع سه شعر بجا آور که همان تو
رودنی خود میخورد از خوان تو» گفت: «چو در فارسی وارد و هم قدر است نظم و نثر
باندازه با است و هشتم نرا چه افتاد که صعب را بر ذلول اختیار نمودی، و خود را
کاوش و دیگران را کاوش بر کاوش افزودی» گفتیم: «ملاحظه فضل و شرف
ذات ممدوح نگذاشت که مکاریم اخلاقی جز به اشرف لغات و افضل السنه وصف
کرده شود و فضل عربی بر سایر السنه چنانکه دانی، متعاری بیان نیست» القصه
چون سخن بدینجا کشید دل را محل گفتگو باقی نماند گفت: «این همه که گفتی همین
جواب است اما اگر دعا باندازه هست ممدوح خواهند چه جواب خواهی داد؟
گفتم: «بیک بیت خود ازین عده بیرون آیم»

بقتدریتش نوزان دعا کرد

آسمی، هر چه بپوش خواهر آن یار!

عرضی دعا گو، صفرالیدین، الطاف حسین، معین دلی متصل خوش قاضی

مکان حکیم حسن الدخان

مِنْ جَدِّهِ وَدَبَّ إِلَيْهِ

لِسَبْقِهِ وَوَدَّ إِلَيْهِ

مَنْ كَانَ مِنْ سُؤَالِهِ

يَا خَلْقِي دُونَ سُؤَالِهِ

يَحْرَأُ بِهِ وَحَلَّ إِلَيْهِ

كَمَا بَيَّنَّ فِي أَقْوَالِهِ

لَا خَصَصَ فِي أَمْوَالِهِ

وَلَا خَبِرَ مِنْ أَفْعَالِهِ

وَالنَّصْرَ حَلَفَ قَبْلَهُ

وَالْهَيْدَ فِي عَمِّهِ قَالَهُ

فَالْقَطْرُ إِلَى أَعْمَالِهِ

فَارْقُبْ عِبَادِي جَالَهُ

بِعَظَائِهِ وَتَوَالِهِ

فِي فَضْلِهِ وَكَمَالِهِ

يَجْمَلُ بِهِ وَجَلَالِهِ

يَغْمَرُ الرُّوَى فِي قَالِهِ

طَوَى لِيْ يَنْصِبُ قَالَهُ

فَأَمَّا زَعْنُ أَمْتَالِهِ

إِلَّا عَلَى اسْتِدْلَالِهِ

قَارَا الزَّمَانُ بِمَالِهِ

سَاعَ التَّخَاخُرِ بِالْعَالِي

لَوْحِ التَّعَقُّفِ قَالِعَا

نَالِ ابْنِ يَوْسُفَ تَوَالِهِ

مَطْوَعِ شَرِّعِ الْمُصْطَفَى

كَأَمِيلٍ فِي أَحْكَامِهِ

لَا خَجَرَ فِي إِنْقَادِهِ

أَلْحُسْنِ مِنْ أَخْلَاقِهِ

أَلْقَلِّهِ مَحْتِ لَوَائِهِ

أَلْحَقِ اسْمُ فَضْلَانِهِ

إِنْ شِلْتَ تَعْرِفَ مَا النُّفَى

إِنْ دُمْتَ تَدْرِي مَا اللُّفَى

يَشْرَى الْمُنَى مَلَكَا يُعَا

بُرِّ فِي الْعَالِي أَمْتَانِهِ

يُجَا لَوْرِي دُمْنِيَّة

يُزَوِّي الْعَلِيلَ بِكُفَّة

يَسْقِي الْعَلِيلَ بِالْحَفَّة

يَا لِحَدَسِ قَانِ أَرْوَى النَّفَى

مَا مِنْ مَحَالٍ مُّعْكَرٍ

لَا كَلَّ تَصَدُّقًا وَفِعًا
يَعْرِزُ وَنَصْرًا كَرِيمًا
يُعْطِي الْعِدَاةَ كَأَنَّهُ
وَكَاثِبًا أَخْلَصَ الرَّدِّي
كَمْ طُلَعَةٍ تَخْلُو الْأَسَى
كَمْ لَهَجَةٍ تَشْفِي الْجَوَى
إِذْ مَا يُبَارِزُ نَلْوَعِي
وَمَنْ يَفِيضُ عَلَى الرَّدِّي
كَمْ سَائِلٍ يَسْطُو بِهِ
كُلًّا الْظُلُومُ مَعَ الْحَجَى
كِرَمُ الْعَنَاءِ حَسُودُهُ
مَنْ لَا أَرَادَ لِفَاقَهُ
يَا مَنْ كَفَى أَهْلَ الْمُنَى
قَدْ دَلَّهْتُ قَا قَا
لَا دَلَّتْ مَخْذُومُ الرَّدَى

(۳) حکیم فصیح الدین رستم میرٹھ کے باشندے اور قوم کے بنی اسرائیل تھے۔ عربی کی تفصیل کے بعد طب پڑھی اور اسی کو پیشہ بنا لیا۔ شعر و شاعری کا شوق اور میرزا صاحب کے بلند تھا۔ شعرائے اودھ کا ایک تذکرہ، ہارستان ناز، ان کی تصنیف ہے۔ آقا حسن میرزا صاحب نے توقیعات کسری کا اردو میں ترجمہ کیا اور ہمارا جہ سردیجے سنگھ دالچ بلرام پور کی فرمائش پر مطبع ہنگ بہادر میں بلرام پور میں اس کی طباعت ہوئی۔ تورنج نے حسب ذیل قطعہ تارنخ لکھا تھا:

مہر نے مزدہ سنایا مجھے کہ احکام نوشیروانی چھپا
ہوا سن کے مسرور اور شاداں دل غنچہ ساں، گل صفت چھل گیا
لمبھوں اس کے چھپنے کی تاریخ نہیں اسی فکر میں تھا میں بیٹھا ہوا
یکایک سائب سے ہانکے یوں یہ نسخہ ہے نوشیروانی سنا

(نغمات: ۳، ۵۰۵، ۲۲۱ احکام نوشیروانی: ۱۱۷)

قصیدہ در تہنیت جشن سکندر حسرت، داراشکوہ، فیض رسان

فیاض زمان، حاتم دوران، نواب کلید علی، بہادر دام اقبالہ

آج کل جلتی ہے عالم میں خوشی کی وہ ہوا
دھوم ہے شادی کی اس غل ہوتا کہنا
مے پر جو ہے عرساں لبابیں سرخ سے
آشیان میں ناچتا ہے طائر قبلہ نما
زیر گردون جا بجا بالاسے گردون جا بجا
شرر قنقل ہے لب میناسے مے پر قنقل

کوئی جانی ہے تیری کے لئے بھلی چرخ جو
ہے مٹھتی چھڑنے سے ناخن گلگیر کے
بھولی پھرتی ہے غفلت پہنچے ہوئے رنگیں لباس
دیکھتے ہیں کو وہ ہے معروف سامان نشاط
جام ترخس ہے کہیں رکھا چوگل کے حضور
سروے معروف دنیا سامان طرب باجوکر
شادمانہ مراں سے سلیمانی سے بلی اپنے ہال
ایچھا اور بولا مور کا سن کر خرد و غش
بھر کے چکاری ہیں خوارہ چھڑکے گلاب
قلم بر لب بلی داؤد الحال ہے کہیں
خردہ لے نواب عالی جاویری بزم میں
بالع کو دی ہے خراج جو تیرے جیشن کی
دیکھ کر جلوہ تری بزم طرب کا رامت کو
آئے وہ دن ہے کہ گرد و دل شنی مناب ہیں
آئے زہرہ تیری غفل میں دینہ کو لے
بکوں نہ جو عورت شہد کا برج چارم پر دماغ
غیر ممکن تیری خواہش سے ہو ممکن بالیقین
دین کو الکر اکبر کیا دیا تھے رواج
زلف محبوبان کو بھی کا فر نہیں نکھڑا کوئی
مہجینوں کو حق تیری جیس کا عطر ہے
میر فریش فریش رہیں آفتاب و ماہ تاب
عدل گستر تو یہاں تک ہے کہ تیرے دریں
خون سے تیرے غضب کے یاں خاک ہی نظام
گر یہ ہے عدل فرامی تو تیرے دور میں
یاں تلک آرام تیرے نظر سے ہر تک کو ہے
کیا بہاں کیجے تری دریا دلی، بھر کر م
خستہ گارنام کو ہے تیری نگہ حرز ماں
سلطنت سے ابھی ہے آفریں در دلی ہے
ہے خوشی ذرہ سے تا خورشید تیرے جیشن کی
جاہ و منصب عمر و دولت روز افزوں نصیب
تجھ سے گر چاہوں نہ داد شمع تولے قدرواں
رخ کے آنکھوں سے دل کا رنج کے حال ہے
جیشن شادمانہ مبارک تجھ کو باقبال و عمر

مے لندہ جنگ کو سن شادمانی رعد کا
ٹٹکے کے رشتے میں سازنا و طرب کی سدا
شادمانی سے جدا گردوں پھر ہے ناچتا
فریش سبز دماغ میں پھولے ہے باد صبا
دختر رز ہے یہ شیشہ ہے انگور کا
عطر داں کھولے ہوئے بیٹھا کہیں سے موتیا
پاسن نے بھی ملا ہے اپنے منہ پر غالب
نشہ ہے میں ہے غفلت بید مجنوں محبوبنا
مغل گل میں کہیں پھیکا ہلاتی ہے ہوا
ہے کسی گتے میں لاد س نکار کیا ناچتا
آج ہے ہر بلی تصویر بھی نعمہ سرا
لے ہے انعام تری گل ڈجیر یوں باد صبا
خندہ زن ہیں بزم گردوں پر لڑا د صبا
گو ہر اسخم کو سہر بھر کر کے تجھ پر لدا
گائے ایک ٹپا کھڑے ہو کر مبارکباد کا
آفتابہ ہر سحرے منہ دھلاتا ہے ترا
سنگ موٹی دے تجھے اور سبب لعل ہے ہوا
نکلے ہے نا قوس سے المدا کبر کی صدا
کھڑیاں شک رعب دینداری نے تیری کھو دا
سر مہ چشم اولی الایصار تیری خاک پا
چرخ و چنگ فریش رہیں ہے قلم در بار کا
غیر ممکن ہے کہ پانی آگ کو دلوے بجھا
گھاس کے پھنوں کو بھی آتش نہیں سکتی جل
دانے کر بے جرم پیسگی نہ ہرگز آسما
پاؤں پھیلائے جوئے فتنہ بھی سوتا ہے پڑا
موتیوں سے دامن امید وریا بھر دیا
دل شکستہ کو ترا دست کرم ہے مویا
سایہ دامن ہے نیزا سایہ بال ہوا
ہے لفظ اندوز عالم میں ہر اک چھوٹا پڑا
جیشن جہنم دلی سے ہر دن جیشن ہو تیرا سوا
قدرواں جبر سے سوا کون باقی رہ گیا
جس طرح ہو وہ انہو مر جھا یا ہوا
عمر بھی وہ ہو کہ جس کی کچھ نہ ہوئے انتہا

درج طراز عقیدت آگاہیں خاکسارہ آل محمد فصیح الدین بنی اسسیر اہل مکتبہ سے رنج
منوٹن شہر میرٹھ

(۲) اس خط کے دوسرے پہرے کے الفاظ اور ان کے بھائی مظفر حسین خاں، اور اس خط
کے جواب کا طالب غالب۔ ۱۱ جون، میرزا صاحب کے قلم کے نوشتہ ہیں، اسی لیے اس خط کے
بقیہ حصہ میں متعدد اطلاعی غلطیوں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ پہلے کو کاغذ نے دونوں جگہ پورچے
لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اس متن میں علی حالہ باقی رکھ کر پانچ خط میں اپنے قلم سے پہلے
نہا دیا ہے۔ حواشی کا اطلاق کاغذ نے ہائی ہوڑ سے لکھا تھا۔ میرزا صاحب نے اس
کو قلم زد کر کے حاشی سے لکھ لیا ہے۔

(۵) میرزا صاحب کے خط میں یہ لفظ موجود نہیں ہے، لیکن سیاق چاہتا تھا، اس لیے
میں نے اس کو سہو کاغذ و مکتوب زبیاں کر کے اضا کر دیا ہے۔

(۶) احسان حسین خاں اور مظفر حسین خاں کے لئے عربیہ ۱۱ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۷) اصل خط میں ہے، بصیغہ مفرد تحریر ہے۔ لیکن مہول زبان کی رو سے دہلیہ و بھٹیہ جمیع
ہوتا چاہیے۔ میں نے یہ خیال کر کے کہ اس پر میرزا صاحب کی نظر نہیں پڑی متن میں نہیں لکھا ہے

(۸) خط کے لفظ پر مہر شفی صاحب کی حسب ذیل سطر یہ ہے ۱۸ خط در جواب نو طرز شہر ۲۲ مہر
سنہ ۱۲۸۴ مطابق ۲ جون سنہ ۱۸۶۶ء اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا صاحب کے خط کی پوری تاریخ
۱۱ جون سنہ ۱۸۶۶ء ہے یہ تاریخ کو تینا فرق ہے کہ خط کشیدہ ۸ لفظ میرزا صاحب کے قلم کے لکھے ہوئے ہیں۔

(۹) یہ لفظ اصل میں ساقط تھا میں نے اس لیے بڑھا دیا ہے کہ جملہ درست ہو جائے۔

صفحہ ۱۱۴

(۱۰) یہ عربیہ بھی میرزا صاحب کے اپنے قلم کا نوشتہ نہیں ہے۔ البتہ خط کشیدہ حواشی انہوں
نے اپنے قلم سے بڑھائی ہیں۔

(۱۱) اس خط کے لکھنے پر ۱۸ ستمبر سنہ ۱۸۶۸ء تاریخ درج ہے۔

صفحہ ۱۱۵

(۱) میرزا صاحب کا یہ خط مولوی عبد الحکیم خاں صاحب مدرس فارسی و اردو عالمہ راہ پور سے موصول

۱۵ پورے میں خرید گیا تھا۔ خیال تھا کہ سین فارسی کی کیفیت بہ مشکل دو درتہ سبکی موصوفت لڑ کر بزرگی

کے پاس ہو گا، لیکن باوجود تلاش و جستجو نہ ہو سکا۔

(۲) عربی کے پیر عربیہ ۱۶ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

(۳) جلال الدین اکبر ابن لہر الدین جمالی، ابن ظہیر الدین بابر، سلطنت مغلیہ کا قیصر ارشد و بزرگ

تھا۔ امر کو شہ سنہ ۱۱۹۹ھ میں سنہ ۱۵۸۷ء کو پیدا ہوا۔ اسی تیرہ سال نو پینے کی

عمر تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بزم خاں خانقاہی نے اسے بادشاہ بنا کر خود صدر عظم

کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ لیکن اپنی خود ادا قیامت سے اکبر نے سن جلد انتظام سلطنت سے

مبارا لینے کا نہ جوں بے اٹھا لیا اور سلطنت مغلیہ فی حدود کی تھوڑی سی، مگر اسی نے اس کو ایک بادشاہ

تک پہنچ کر دیا۔ سچے بزرگ کی یاد کیا تھا یہ بہت سنی پڑا تھا۔ لیکن ایک بادشاہ

بادشاہ کی طرح دربار کو اس وقت کے مشائخ اہل علم سے مزین رکھتا، اور ان کے

علی مبارک میں شریک ہوتا رہتا تھا جس سے اس کی معلومات اور قابلیت میں غیر معمولی وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے دربار کے نورتن اہلک مشہور ہیں۔ اس کا سب سے اہم کارنامہ دین الہی کی ترویج ہے جو خالص اسلامی نقطہ نگاہ سے بھرپور ہے مگر خود اس کی سیاست ملک میں بہت معاویہ ثابت ہوا۔ چنانچہ ہندوستان کی پرشور فضا اسی مذہب کی بدولت جنت نشانی تھی۔ اکبر نے جمادی الثانی سنہ ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۵ء) کو ۷۵ سال کی عمر میں اس دار فانی کو خیر باد کہا۔

۱۲۔ ابو الفضل، شیخ مبارک کا بیٹا اور فیضی کا بھائی ہے۔ یہ سنہ ۹۵۵ھ (۱۵۵۱ء) میں پیدا ہوا۔ سنہ ۱۹ اکبر شاہی میں عازمت کا شرف حاصل کیا، اور بہت تھوڑے عرصہ میں وزارت کے درجے تک پہنچا جس کو رجب الاول سنہ ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ء) میں شاہزادہ سلیم کے اہل سے ۵۲ سال ۲ ماہ کی عمر میں طہید کر دیا گیا۔ بیڑا بدبر اور زبردست ادیب تھا۔ آئین اکبری، اکبرنامہ اور مکتوبات ملائکہ تصنیفات ہیں۔ علم بھی کثرت اور علمی تخلص کرتا تھا۔ یہ اکبری دربار کے نورتن میں شمار کیا جاتا ہے اس کے قص کی اطلاع سے اکبر کو اس قدر صدمہ ہوا تھا کہ اس نے کئی وقت کھانا نہ کھایا۔ اور بارگشتہ کہ اگر بیڑا با مجھے قتل کر دیتا تو اس سے بہتر تھا۔

۱۵۔ فیضی، شیخ مبارک کا بڑا بیٹا۔ اور اکبری دربار کا ملک الشجر تھا، حکمت، فلسفہ، ریاضیات، تاریخ اور سیرت کا عالم تھا۔ سواطع الاہام، اور موارد العظمی، عرفی ہیں، اور کھانا لکھ اور غسرہ اور ترجمہ لیلادنی واری میں اس کی مشہور تصنیفات ہیں۔ یہ ۱۰۱۰ھ (۱۶۰۲ء) کو ۵۹ سال کی عمر میں فوت ہوا۔

۱۶۔ اہل میں فون ساقی ہے جو چونکہ میرزا صاحب نے ہمیشہ اس لفظ کو لون کے ساتھ لکھا ہے، اس لیے فون کے اور لون کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

۱۷۔ حکیم ابوالفتح سیح الدین ابن حکیم عبدالرزاق گیلانی اکبر کا طبیب خاص اور اس عہد کا بڑا فاضل تھا۔ یہ اپنا علمی و حاجت دہنیت کے سبب سے بادشاہ کے دربار میں ممتاز درجے کا مالک اور نورتن میں شامل تھا۔ اس نے سنہ ۹۹۷ھ (۱۵۹۰ء) میں وفات پائی۔

صفحہ ۱۱

۱۱۔ میرزا صاحب نے چنانچہ اس طرح لکھا ہے: "راہبوں کا آزاد خان کا بیٹا و بد پر سکندری کا مطیع، محمد حسین خان ملک مطیع، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مطیع کا نام "حسینی" اور ملک مولوی محمد حسین خان حقیقت"۔

۱۲۔ "مطیع حسینی مراد ہے۔ مولوی محمد حسین خان صاحب نے سنہ ۱۸۵۷ء میں اسے جاری کیا تھا۔

۱۳۔ "وکیل سنگھ، بڑا بیڑا کے زمیندار تھے۔ غدر کے برآں غوب ایام میں اچھڑ بڑوں کی خدمات حال بازی سے انجام دیں، جن کے صلیب میں کسی پور کا سایہ ایک کھنڈ جو صلیب میں آچکا تھا، گھر منت نے مٹا کر دیا، اور صلیب بڑا اچھا بن گیا۔ ایک بڑا علاقہ مرہٹہ کیا۔ اس کے علاوہ جملہ عرونی علاقے میں عرونی جت سرتاری مسلمان اور مرفیع القلم کو دی گئی۔ جو کچھ کھو ہوا مالٹ ہائی دیوانی کی خانہ دار سے لے کر لے لے۔ اور ان کے پوتوں پر ان کی بجٹ اسلحہ کے ان سے بڑی قرار پائی۔ بیڑا میں عیارا چہ بہا دراور کے لیے، ان کی آئی کا خطاب بھی ملا۔ اور یہ غریب لوگوں کی سلاخی کا آغاز حاصل۔

۱۴۔ کچھ عرصہ کے لیے ویرانی کی مجلس و آئین کے رکن بھی رہے۔

ان کا نام چار دوسرے تعلقہ داران اودھ کے ساتھ لارڈ کیننگس کے اعلان میں باعث ملت

خیر خواہی مذکور ہوا ہے۔

دیکھیں سنگھ کو سمجھنے کا بھی شوق تھا۔ راجہ نخلص کرتے تھے۔ سید آغا حسن عرف میرن

صاحب نامی نخلص سے مشورہ سمجھ رہا تھا۔ دیوان "مخزن فصاحت" کے نام سے ۲۵ دسمبر

سنہ ۱۸۶۸ء ۱۲ رمضان سنہ ۱۲۸۵ھ کو بلرامپور کے مطبع چنگ بہادر داس میں چھپا تھا۔

ان کی فرمائش پر میرن صاحب نے توقعات کسری کا رد میں ترجمہ کیا تھا جو

مطبع مذکور میں دسمبر سنہ ۱۸۶۸ء کی کسی تاریخ کو چھپکر احکام نوشیروانی کے نام سے شائع

ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں انھوں نے انتقال کیا ہے۔ ۲۷ مارچ ۱۸۷۳ء کو کسے نظیر کے میلے

کی سیر کے لیے رامپور بھی آئے تھے۔ نواب غلام اشیاں نے رنگ مل میں ٹھہرایا اور بڑی مدرات

کے بعد ۳۱ مارچ کو رخصت کیا۔ بیچھڑ زریں ۱۱، خانہ ۳، ولہ ۳، اخبار الفنا دیہ ۱۵۷/۲،

۱۴، یہ لفظ اہل میں ساقط تھا۔ سیان کلام کے حسب اقتضا بڑھا دیا گیا ہے۔

(۱۵) اہل میں "عملداری" کی بجائی "عملداری" ہے چونکہ یہ خط میرن صاحب کے قلم کا نہیں ہے

اس لیے سہو کا تلب پر محمول کر کے متن میں تصحیح کی گئی ہے۔

(۱۶) نواب محمد علی خاں دانی ٹونک کے لیے ص ۲ کا حاشیہ ۵ ملاحظہ ہو۔ نواب محمد علی خاں کے

مرتبے سے میرزا صاحب کا مطلب یہ ہے کہ نواب صاحب پر لاؤا کے ٹھا کر دل کو قتل

کرانے کا جو الزام ہے اس سے تعلق بار بار اظہار رنج و افسوس کرتے ہو۔ یہ بھی

معلوم رہنا چاہیے کہ ٹونک کے اس اہم واقعے سے میرزا صاحب کا اتنی بے تعلقی ظاہر

کرنا مدیر و مدیر سکندری سے ناراضگی کے باعث تھا۔ ورنہ وہ اس خاندان کے پرانے

نہاڑ مندر تھے۔ نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خاں بہادر کا مدح میں ان کے دو فارسی

تصہید موجود ہیں۔ ان میں سے پہلا: ای ذات تو جامع صفات عدل و کرم را دینہ ۸۴۳

(۱۲۶۱ھ) سے پہلے اور جولائی سنہ ۱۸۳۸ء (جادی الآخرہ ۵۴۲ھ) کے بعد لکھا گیا

تھا۔ اس لیے کہ یہ موخر الذکر سنہ کے فوشنہ دیوان میں شامل نہیں، اور پہلی تاریخ

کے چھپے ہوئے نسخے میں موجود ہے۔ دوسرا تصہید: "عبد اعلیٰ البہر آغاز مستان آمد"

کسی ایسے سال میں لکھا گیا ہے جس میں بکرید شروع جاڑوں میں آئی تھی، اور ایسا

برس از رگستاخ ۱۲۶۵، ۱۲۶۶ اور ۱۲۶۷ میں سے ایک ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ان

برسوں میں اکتوبر کی ۱۸، ۱۹ اور ۲۰ ستمبر کی ۲۷ کو ذی الحجہ کی پہلی ہوتی تھی، جو

موسم سرما کے آغاز کا زمانہ ہے۔

سنہ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں حود نواب محمد علی خاں گدی پر بیٹھے، تو میرزا صاحب

نے ایک تاریخی شہنوی لکھ کر بھیج دی تھی۔ اس میں فرماتے ہیں:

فرمایا کہ از روز گاری دراز بر من عتبہ سزا چہین نیاز

یہ میرزا صاحب کی طرف سے کھلا ہوا اقرار ہے اپنی قدیم نیاز مندی کا۔ میرزا صاحب

نے ۱۵ نومبر سنہ ۱۸۵۸ء سے کچھ پہلے ایک خط سرور مارہروی کو لکھا تھا، اس میں فرماتے

ہیں: میں نے کسی زمانے میں اسی زمین میں ایک تصہید لکھ کر وزیر الدولہ دانی ٹونک

CALL No. { ۸۹۱۵۲۳۵/ } ACC. No. ۲۲۱۶۱
AUTHOR _____
TITLE _____

کتاب غالب		
URDU RESERVE BOOK		
T26 10.89.		
T150 3.03		
T210 5.03		



MAULANA AZAD LIBRARY
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

RULES:—

1. The Book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of **Re. 1-00** per volume per day shall be charged for text-books and **10 Paise** per volume per day for general books kept over - due.

